بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ

مفکر اسلام خطیب اعظم حضرت علامہ قمر الزماں صاحب اعظمی مدظلہٗ

کے بیان کردہ قرآن عظیم کی سورتوں کا مفسرانہ، محققانہ، نادر المثال گراں قدر خلاصہ

# خطبات رمضان فی ضوء القرآن

## جلد اول


مرتب:

**مولانا محمد ساجد حسین قادری**

بانی و ناظم انوار الحق انسٹیٹیوٹ شکاگو، خطیب غوثیہ اسلامک سینٹر، ہاروی امریکہ



ناشر: مکتبۂ طیبہ، سنی دعوت اسلامی ممبئی، انڈیا



جملہ حقوق بحق حضور مفکر اسلام مدظلہ محفوظ ہیں۔



| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | **خطبات رمضان فی ضوء القرآن** |
| خطابات | : | حضور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں صاحب اعظمی ادام اللہ فیوضہٗ |
| مرتب | : | مولانا محمد ساجد حسین قادری (شکاگو، امریکہ) |
| صفحات | : | ۸۴۸ |
| پروف ریڈنگ | : | مولانا محمد ساجد حسین قادری، مولانا ذکی اللہ مصباحی، مولانا صادق الاسلام مصباحی |
| نظر ثانی | : | مولانا مظہر حسین علیمی |
| کمپوزنگ | : | ماڈرن پرنٹرس ممبئی (9096590530) |
| اشاعت اول | : | ربیع الثانی ۱۴۴۴ ہجری، مطابق دسمبر ۲۰۲۲ عیسوی |
| تعداد | : | ۱۱۰۰ |
| ناشر | : | مکتبۂ طیبہ سنی دعوت اسلامی ممبئی انڈیا |
| قیمت | : | |

**ملنے کے پتے:**

۱) مکتبۂ طیبہ سنی دعوت اسلامی، مسجد اسماعیل حبیب کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی انڈیا

۲) بیرسٹر معین الزماں اعظمی
ورلڈ اسلامک مشن، مسلم کالج ہمفرے اسٹریٹ، مانچسٹر، ایم ۸، ۹ جے آر

۳) النور سوسائٹی آف گریٹر ہیوسٹن، ٹیکساس، امریکہ

۴) مولانا محمد ساجد حسین قادری



Contact: +1-773-619-3804 | Email; muftisajid.usa@gmail.com

# فہرست مضامین جلد اول


| خطاب | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|
| | رشحاتِ قلم حضور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خان اعظمی | ۷ |
| | دعائیہ کلمات شیخ الاسلام حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی | ۹ |
| | قرآنِ عظیم کا فکر انگیز ملخص بیانیہ | ۱۱ |
| | تقریظ جلیل محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی نظام الدین رضوی | ۲۳ |
| | تقریظ جلیل حضرت مولانا شاکر نوری صاحب (امیر سنّی دعوتِ اسلامی) | ۲۷ |
| | عرض مرتب | ۳۰ |
| ۱ | سورۃ الفاتحہ (آیت: ۱ تا ۷) | ۳۶ |
| ۲ | سورۃ البقرۃ (آیت: ۱ تا ۵) | ۵۶ |
| ۳ | سورۃ البقرۃ (آیت: ۶ تا ۱۶) | ۶۹ |
| ۴ | سورۃ البقرۃ (آیت: ۲۱ تا ۳۶) | ۷۸ |
| ۵ | سورۃ البقرۃ (آیت: ۳۷ تا ۱۲۹ (ملخصا) | ۹۳ |
| ۶ | سورۃ الفاتحہ (آیت: ۱۴۲ تا ۱۶۴) | ۱۰۷ |
| ۷ | سورۃ الفاتحہ (آیت: ۳۵۳ تا ۳۵۸) | ۱۲۲ |
| ۸ | سورۂ آلِ عمران (آیت: ۹۲ تا ۱۰۳) | ۱۳۹ |
| ۹ | سورۂ آلِ عمران (آیت: ۱۰۴ تا ۱۳۴) | ۱۵۵ |





| | | |
|---|---|---|
| ۱۰ | سورۃ النساء (آیت: ۱ تا ۷۵) | ۱۶۸ |
| ۱۱ | سورۃ النساء (آیت: ۱۴۸ تا ختم سورہ) وسورۃ المائدۃ (آیت: ۳) | ۱۹۱ |
| ۱۲ | سورۃ المائدۃ (آیت: ۸۳ تا ۱۱۵) | ۲۰۴ |
| ۱۳ | سورۃ الانعام (آیت: ۱۵۱ تا ۱۵۲) | ۲۲۵ |
| ۱۴ | سورۃ الاعراف (آیت: ۱۵۶ تا ۱۵۸) | ۲۳۷ |
| ۱۵ | سورۂ ہود (آیت: ۱ تا ۸۴) | ۲۵۳ |
| ۱۶ | سورۂ ابراہیم (آیت: ۱ تا ۴۱) | ۲۶۹ |
| ۱۷ | سورۂ بنی اسرائیل (آیت: ۲۳ تا ۳۷) | ۲۸۲ |
| ۱۸ | سورۃ الکہف (آیت: ۱ تا ۷۸) | ۲۹۸ |
| ۱۹ | سورۂ مریم (آیت: ۱ تا ۱۵) | ۳۱۴ |
| ۲۰ | سورۂ طٰہٰ (آیت: ۱ تا سورۃ الانبیاء آیت: ۹۴) | ۳۲۶ |
| ۲۱ | سورۃ الحج (آیت: ۱ تا آیت: ۲۷) وسورۃ المومنون آیت: ۱ تا ۱۰) | ۳۴۴ |
| ۲۲ | سورۃ النور (خلاصہ) | ۳۵۶ |
| ۲۳ | سورۂ فرقان (آیت: ۶۳) وسورۃ الشعراء (خلاصہ) | ۳۶۶ |
| ۲۴ | سورۃ النمل (خلاصہ) | ۳۸۲ |
| ۲۵ | سورۃ القصص وسورۃ العنکبوت (خلاصہ) | ۳۹۳ |
| ۲۶ | سورۃ العنکبوت (آیت: ۴۵ وخلاصہ) وسورۃ الروم (خلاصہ) | ۴۰۴ |
| ۲۷ | سورۂ لقمان (خلاصہ) | ۴۱۵ |
| ۲۸ | سورۃ السجدۃ (خلاصہ) | ۴۲۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۹ | سورۃ الاحزاب (خلاصہ) | ۴۴۰ |
| ۳۰ | سورۃ سبا (آیت: ۱ تا ۹) وخلاصہ | ۴۵۳ |
| ۳۱ | سورۃ فاطر (خلاصہ) | ۴۶۶ |
| ۳۲ | سورۃ یٰسٓ (تعارف وفوائد) | ۴۷۹ |
| ۳۳ | سورۃ الصافات (خلاصہ) | ۴۹۴ |
| ۳۴ | سورۃ صٓ (خلاصہ) | ۵۰۶ |
| ۳۵ | سورۃ الزمر (آیت: ۱ تا ۵۲) | ۵۱۸ |
| ۳۶ | سورۃ المومن (غافر) (آیت ۱ تا ۳۵) وسورہ حم سجدہ (خلاصہ) | ۵۲۹ |
| ۳۷ | سورۃ حم سجدہ (آیت: ۴۷ تا ۵۴) وسورہ شوریٰ | ۵۳۹ |
| ۳۸ | سورۃ الزخرف (آیت: ۱ تا ۳۱) | ۵۴۹ |
| ۳۹ | سورۃ الدخان (آیت: ۱ تا ۶) | ۵۶۳ |
| ۴۰ | سورۃ الجاثیۃ (آیت: ۱ تا ۳۰) | ۵۷۴ |
| ۴۱ | سورۃ الاحقاف (آیت: ۱ تا ۱۶) | ۵۸۷ |
| ۴۲ | سورۃ محمد (آیت: ۱ تا ۳۰) | ۶۰۴ |
| ۴۳ | سورۃ الفتح (مکمل) (آیت: ۱ تا ۲۹) | ۴۱۶ |
| ۴۴ | سورۃ الحجرات (خلاصہ) | ۶۲۴ |
| ۴۵ | سورۃ قٓ (آیت: ۱ تا ۱۸) | ۶۳۳ |
| ۴۶ | سورۃ الذاریات (آیت: ۱ تا ۵۶) | ۶۴۶ |
| ۴۷ | سورۃ الطور (آیت: ۱ تا ۲۹) | ۶۵۵ |





| | | |
|---|---|---|
| ۴۸ | سورۃ النجم (آیت: ۱ تا ۵ وخلاصہ) | ۶۶۷ |
| ۴۹ | سورۃ القمر (آیت: ۱ تا ۵۵ (خلاصہ) | ۶۷۸ |
| ۵۰ | سورۃ الرحمن (تعارف وتوضیح وآیت: ۱ تا ۶ تفسیر) | ۶۸۸ |
| ۵۱ | سورۃ الرحمن (آیت: ۵ تا ۱۳) | ۷۰۲ |
| ۵۲ | سورۃ الرحمن (آیت: ۱۴ تا ۲۳) | ۷۱۰ |
| ۵۳ | سورۃ الرحمن (آیت: ۲۴ تا ۲۸) | ۷۲۳ |
| ۵۴ | سورۃ الرحمن (آیت: ۳۱ تا ۳۲) | ۷۳۵ |
| ۵۵ | سورۃ الرحمن (آیت: ۳۳ تا ۴۵) | ۷۴۳ |
| ۵۶ | سورۃ الرحمن (آیت: ۴۶ تا ۵۵) | ۷۵۳ |
| ۵۷ | سورۃ الرحمن (آیت: ۵۶ تا ۶۱) | ۷۶۲ |
| ۵۸ | سورۃ الرحمن (آیت: ۶۲ تا ۷۸) | ۷۷۲ |
| ۵۹ | سورۃ الواقعۃ (آیت: ۱ تا ۳) | ۷۸۴ |
| ۶۰ | سورۃ الواقعۃ (آیت: ۴ تا ۱۹) | ۷۹۴ |
| ۶۱ | سورۃ الواقعۃ (آیت: ۲۰ تا ۵۶) | ۸۰۵ |
| ۶۲ | سورۃ الواقعۃ (آیت: ۵۷ تا ۹۶) | ۸۱۷ |
| ۶۳ | سورۃ الحدید (آیت: ۱ تا ۳) | ۸۲۴ |
| ۶۴ | سورۃ الحدید (آیت: ۸ تا ۱۱) | ۸۳۴ |

# رشحاتِ قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا۔

عزیز گرامی قدر حضرت مولانا محمد ساجد حسین قادری صاحب ماہ رمضان میں قرآن عظیم کی روشنی میں میں نے جو خطبات دیئے تھے ان کو کیسٹوں سے نقل کر کے شائع فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

میں ماہ رمضان میں ہر سال ان سورتوں کا خلاصہ بیان کرتا تھا جو تراویح میں تلاوت کی جاتی تھیں تا کہ سامعین کو تراویح میں تلاوت کی جانے والی سورتوں سے ایک گونہ مناسبت پیدا ہو سکے، بحمد اللہ ان دروس اور خطبات کو سامعین اور نمازیوں نے بہت زیادہ پسند کیا اور قرآن عظیم کے مضامین اور احکامات سے استفادہ کر کے اپنی زندگیوں میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں، جن کے اثرات ماہ رمضان کے بعد بھی مشاہدہ کئے جا سکتے تھے، مگر کرونا وائرس کے دو سالوں میں یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، میں مسجد میں درس تو نہ دے سکا مگر گھر سے آن لائن اس سلسلے کو جاری رکھا، حضرت مولانا محمد ساجد حسین قادری نے انتہائی محنت اور عرق ریزی سے ان خطبات کو لکھنے کی زحمت گوارا کی جو یقینا ایک بہت مشکل کام تھا، مولانا موصوف اس سے قبل میرے خطبات کے تین مجموعے بھی خطبات مفکر اسلام دوم، سوم اور خطبات امریکہ کو ترتیب دے کر شائع فرما چکے ہیں جو عوام و خواص میں بہت مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔



اب مولانا موصوف **"خطبات رمضان فی ضوء القرآن"** کے نام سے 1600 صفحات پر مشتمل کتاب ۲ جلدوں میں شائع کرا رہے ہیں۔ جس پر نظر ثانی کے لئے امیر سنی دعوت اسلامی علامہ شاکر نوری مدظلہ العالی نے اپنی تنظیم کے علما کے حوالے کر دیا ہے اور امید ہے سنی دعوت اسلامی کے عالمی اجتماع میں اس کا اجراء عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

تقریر یا خطاب کو لکھنا بہت مشکل کام ہے اور اس میں غلطیوں کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں، جملوں اور الفاظ کی تکرار سامعین کے لئے مفید مگر قارئین کے لئے پسندیدہ نہیں ہوتے۔ مولانا نے میرے خطبات کو بعینہٖ نقل فرمایا ہے۔ اسی لئے قارئین سے التجا ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی دیکھیں تو مجھے یا مولانا محمد ساجد حسین کو مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح ہو سکے، میں مولانا محمد ساجد حسین قادری، ان کی پوری ٹیم، اور مولانا شاکر نوری اور ان کے علماء کا مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے خطبات کی تحریر و ترتیب اور اصلاح کی زحمت گوارا فرمائی، خدائے قدیر ان تمام حضرات کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

خاکسار قمر الزماں اعظمی

سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن

انگلینڈ

۱۴ نومبر ۲۰۲۲

# دعائیہ کلمات

شیخ الاسلام رئیس المحققین حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی
جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف یوپی

۷۸۶/۹۲

حامدا و مصلیا و مسلما

اس وقت میرے پیش نظر ملک کی معروف درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کے ممتاز فرزند اور عالمی شہرت یافتہ خطیب و مبلغ مولانا قمر الزماں خان اعظمی مصباحی زید مجدہ کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو انہوں نے رمضان المبارک کے مقدس موقع پر روزانہ تفسیری بیان میں کیا ہے۔ قابل مبارک باد ہیں عزیز محترم مولانا محمد ساجد حسین قادری (بانی و ناظم انوار الحق انسٹی ٹیوٹ شکاگو، خطیب غوثیہ اسلامک سینٹر ہاروی امریکہ) کہ انہوں نے بڑی عرق ریزی و جانفشانی سے تفسیری خطاب کو یکجا کر کے سپرد قرطاس کیا اور منظر عام پر لانے کی سعی جمیل کی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

قرآن اور صاحب قرآن سے مضبوط و مستحکم رشتہ قائم رکھنے کے لئے براہ راست قرآن کریم کے مضامین، شان نزول، واقعات اور قصص کا سننا، سمجھنا اور اس سے آگاہی نہایت ضروری ہے، قرآن مقدس چوں کہ کلام الٰہی اور عربی زبان میں ہے اس لئے ہر شخص کے لیے



اس کے معانی و مفاہیم، احکام و مسائل اور محاسن و محامد کا سمجھنا بھی آسان نہیں۔ اسی وجہ سے اسلاف نے قرآن فہمی کے لیے احادیث مبارکہ کی روشنی میں تحریری و زبانی تفسیر کا سلسلہ شروع کیا جو ہنوز جاری ہے تا کہ ہر طبقہ اور ہر قبیلہ سے تعلق رکھنے والے حضرات ہر دور میں قرآن کریم بآسانی سمجھ سکیں اور اس پر عمل پیرا ہو کر ایک کامیاب انسان بن سکیں۔

''**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**'' اسی ذہبی سلسلہ اور فضل الٰہیہ کی ایک اہم کڑی ہے، میں نے مصروفیات و معمولات کے باعث بالاستیعاب مندرجات کو دیکھ نہ سکا، البتہ بعض بعض مقامات پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ اسلوب بیان نہایت شستہ، شگفتہ، محققانہ اور مضامین دل و دماغ کو جلا بخشنے والے اور معلومات میں اضافہ کرنے والے ہیں۔

رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ خطبات رمضان فی ضوء القرآن کو شرف قبول بخشے اور اس کتاب کے مرتب اور جامع و ناشر کو سعادت دارین سے سرفراز فرمائے، آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

دعا گو دعا جو
ابو الحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ
جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

# قرآن مقدس کا فکر انگیز ملخّص بیانیہ

از: مفتی اعظمِ امریکہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد قمر الحسن قادری دام فیضہ القوی
چیرمین رویت ہلال کمیٹی آف نارتھ امریکہ

امیر المومنین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

جمیع العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

ترجمہ: سارے علوم قرآن مقدس میں موجود ہیں
لیکن لوگوں کی عقلیں ان کی سمجھ سے قاصر ہیں۔

قرآن مقدس ایک بحر ناپیدا کنار ہے جس کی جتنی سمجھ ہے اسی کے مطابق اس سے حاصل کرتا ہے۔ دنیا کی واحد کتاب ہے جس میں رب کریم نے ہر جہت سے برکتیں رکھی ہیں۔ پڑھنا، سننا، سنانا، سمجھنا، سمجھانا، چھونا، دیکھنا، پڑھانا وغیرہ۔ کیونکہ یہ کلام الہی ہے۔ اور اس کی حفاظت کا ذمہ رب کریم نے خود اپنے کرم پر لے رکھا ہے۔ "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" (سورہ حجر آیت ۹) ترجمہ: ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔

علوم قرآن مقدس سے متعلق ارباب علم وفضل دم بخود ہیں، اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتے گئے ورطۂ حیرت میں ڈوبتے گئے۔ قرآن مقدس کو جن جن جہتوں سے



دیکھئے نگاہ وہیں مرتکز ہو کر رہ جائے۔ محاسن بلاغت و بدیع ہوں یا اصولی مباحث، تاریخی ادوار ہوں یا قصص وحکایات، ضرب الامثال ہوں یا محاورات عربیہ، خطابات ہوں یا امور منہیہ، آداب و احترام ہوں یا زندگی گزارنے کے اصول، پھر ظاہری طور پر اس کی شان نزول ہوں یا ادوار کا تعین، نسخ کے مباحث ہوں یا تعزیر کے احکامات، الغرض ہر زاویہ مرکز نگاہ ہے۔

عربی زبان میں تفسیر قرآن کے عظیم ذخائر موجود ہیں، قدیم سے لے کر جدید تک مگر اردو میں ابھی اتنی وسعت نہیں دیکھی گئی جو عربی میں ہے۔ تاہم جو کچھ بھی ہے وہ لائق تحسین ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان اردو تفاسیر میں رطب و یابس بھی موجود ہیں مگر انہیں میں عشق وعرفان کے انوار بکھیرنے والے ترجمہ کنز الایمان اور تفسیر خزائن العرفان کا مقام بھی ہے۔ جو اردو میں روح قرآن کا عکس اتارنے والا ترجمہ اور تفسیر ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ بہت مختصر ہے پھر بھی اپنی جامعیت کے لحاظ سے کوزے میں سمندر سموئے ہوئے ہے۔ قرآن مقدس جن جن امور کا جس جہت سے متقاضی ہے کنز الایمان وخزائن لعرفان اس کو پورا کرتے ہیں۔ خود کنز الایمان اپنے ترجمے کے اعتبار سے معتبر تفاسیر کا عصیر ہے اور اسی پر خزائن العرفان کی تفسیر اقوال معتبرہ اور عقائد مرجحہ کا مجموعہ ہے۔ اردو تفاسیر میں بعض بہت مختصر ہیں تو بعض انتہائی شرح وبسط کے ساتھ مفصل بھی ہیں جبکہ بعض متوسط بھی ہیں۔

**طبقات مفسرین:** ارباب علم وفضل نے مفسرین قرآن مقدس کے نو طبقات کا ذکر کیا ہے۔

۱) المفسرون من الصحابة: اس طبقہ اولیٰ میں خاص طور سے صحابہ کرام کا ذکر

ہے۔اوران میں بھی جوعہد صحابہ میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے جیسے خلفائے راشدین، ابن مسعود، ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر، انس بن مالک، ابوہریرہ، جابر، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۲) المفسرون من التابعین: اس طبقۂ ثانیہ میں: مجاہد، عطاء ابن ابی رباح، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، سعید بن جبیر، طاؤس وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں۔

۳) ثم بعد هٰذه الطبقه: (یعنی تبع تابعین) اس طبقہ ثالثہ میں خاص طور سے سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح، شعبہ بن الحجاج، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، آدم بن ابی یاس، اسحاق بن راہویہ، عبد بن حمید، روح بن عبادہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔

۴) ثم بعد هولاء طبقات اخری: اب اس کے بعد خیر القرون کے بعد والے مفسرین ہیں۔جن میں علی بن ابوطلحہ، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن مردویہ، ابوالشیخ ابن حبان، ابن المنذر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۵) ثم انتصبت طبقة بعدهم: اس دور کے مفسرین نے زبان عربی کے لغوی فوائد، وجوہ اعراب، اور محذوفۃ الاسانید، روایات کی ماثور قراءتوں کا ذکر کیا۔مگر اس میں کچھ قیاس ورائے کا دخل بھی رہا۔اس دور کے بعض مفسرین یہ ہیں۔ابواسحاق زجاج، ابوعلی الفارسی، ابوبکر النقاش، ابوجعفر النحّاس وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین۔

۶) طائفة من المتأخرین: یہ متأخرین کا دور ہے۔اس دور میں جو تفسیریں لکھی گئیں ان میں سندوں کو مختصر کر دیا گیا اور نقلی اقوال میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا جس سے تفاسیر میں راجح ومرجوح اور صحیح وعلیل کے درمیان التباس ہوگیا۔



۷): ایک وہ طبقہ ہے جو سلف سے مروی اقوال سے صرف نظر کر کے دل میں جو آیا اسی کو نقل کر دیا۔

۸) صنف بعد ذالك قوم: یہ وہ طبقہ ہے جس نے تفسیر میں فنون کی مہارت اور ممارست کا انداز اختیار کیا۔جو جس فن میں ماہر تھا، اس نے اپنے اسی فن کے اعتبار سے تفسیر لکھی۔

۹) عصر النهضة الحدیثه: ترقی یافتہ دور کی جدید اسلوب میں لکھی جانے والی تفسیریں،

(ماخوذ وملخص، از الاتقان للامام السیوطی، مباحث فی علوم القرآن لمنّاع القطان)

مذکورہ بالا طبقات میں سے امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اول کے چار ادوار کا ذکر فرمایا بقیہ کا تذکرہ استاذ مناع القطان نے کیا۔بعد کی تفاسیر میں من مانی کی جانے لگی، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ماثور تفاسیر کی روایات کو نظر انداز کر کے سندوں کو حذف کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے سقیم وصحیح کا امتیاز باقی نہ رہا۔پھر یہیں سے تفسیر بالرائے کی بنیاد پڑی۔ استاذ شیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

"بعد عصر الاولین الذین الفوا التفسیر بالماثور والتزموا ذکر السند بجملته جاء قوم صنفوا فی التفسیر، واختصروا الاسانید ولم ینسبوا الاقوال لقائلها. فالتبس بذالك الصحیح وغیره، وصار الناظر فی تلك الکتب یظنها کلها صحیحة، بینماهی مفعمة بالقصص و بالاسرائیلیات علی وجه لا تمیز فیه کانها کلها حقائق و من هنا استهدفت روایاتهم للتخریج و الطعن۔

(مناھل العرفان فی علوم القرآن جلد دوم ص۳۶)

زمانہ اول میں جن لوگوں نے تفسیر بالماثور تالیف کی ان لوگوں نے تمام سندوں کو بالالتزام ذکر کیا۔ پھر جو قوم آئی انہوں نے تفسیر لکھی تو سندوں کو مختصر کر دیا اور جس کا قول نقل کیا گیا تھا اس کے قائل کی طرف اس کو منسوب نہیں کیا تو اس کے صحیح اور غیر صحیح کو ایک دوسرے کے ساتھ ملتبس کر دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کتابوں کا دیکھنے والا سب کو ہی صحیح گمان کر بیٹھا۔ اس درمیان کی تفسیریں قصص و اسرائیلیات سے بھری پڑی ہیں۔ یہیں سے ان کی روایتیں جرح وطعن کا نشانہ بنیں۔

**نزول قرآن کا مقصود:** قرآن مقدس کے نازل فرمانے کا مقصد گمراہ و بے راہ رولوگوں کو سیدھے راستے پر لگانا، اس ذات باری کا عرفان بخشنا جو پوری کائنات کا مالک و خالق ہے۔ اسی کی ذات پر ایمان کامل رکھنا اور اسی کو سجدہ کرنا ہے۔ مگر مطالعہ قرآن کے وقت یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ انسانی زندگی میں جو چیزیں ناگزیر ہیں اور معاشرتی طور پر وہ کن کن چیزوں کا محتاج ہے ان سب کا ذکر بھی جگہ جگہ ملتا ہے۔ اہل اقتدار کو حکمرانی کیسے کرنی چاہیے، مجلس مشاورت کے اراکین کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ صنعت وحرفت کا اصول کیا ہونا چاہئے؟ تجارت کا طریقۂ کار کیسا ہو؟ پند ونصائح کا لب ولہجہ اور اسلوب کیسا ہو؟ علم کے فروغ کے لئے تعلیم وتدریس کے مناہج کیا ہوں؟ فقر و درویشی کی حدیں کیا ہیں؟ سرمایہ داری اور سرمایہ کاری کا نفع بخش طریقہ کیا ہے؟ اور زندگی گزارنے کے وہ تمام امور جو ایک انسان کے لئے ضروری ہیں وغیرہ ان سب پر کتاب مبین نے سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ اسی لئے ایک قاری کو لازم ہے کہ تلاوت قرآن مقدس کے دوران ان امور پر نگاہ رکھے تا کہ رب کریم کے نزدیک محبوب بندہ بن



سکے۔ گویا طبقات انسانی کے ہر گروہ کے لئے زریں فرامین موجود ہیں۔ حکمرانی سے فیضیاب ہونے کے لئے اتنی صلاحیتوں کی ضرورت درکار ہے جس کا ہر شخص متحمل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے علمائے اعلام نے بندوں کی فلاح ونجاح کی خاطر اس بحر ذخار سے وقت کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق اخذ کر کے عام بندگان مومن کو روشناس کرانے کا جتن کیا۔

**خطبات رمضان فی ضوء القرآن:**

یہ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں خاں اعظمی صاحب مدظلہ العالی کے رمضان المبارک میں چیدہ چیدہ آیتوں کے خطبے ہیں۔ جن کو یکجا کر کے اب طبع کیا جارہا ہے۔ جو ایک خوش آئند عمل ہے۔

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب اپنے تعارف میں قطعا محتاج نہیں۔ چار براعظموں میں ان کا طوطی بول رہا ہے۔ وہ مفکر اسلام ہیں۔ بڑی گہری فکر اور صائب رائے کے مالک ہیں، دنیا کے حالات پر ان کی بڑی گہری نظر ہوتی ہے۔ اور وہ مسئلے کو اسلامیات کی روشنی میں حل کرنے کے خوگر ہیں۔ تغیرات زمانہ کے مدوجزر کو وہ ہمیشہ اسلام کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں اور پھر احیائے اسلام کے مخفی پہلوؤں کو اس کی تہوں سے نکال لیتے ہیں۔ رب کریم نے اپنی عطائے کریمانہ سے ان کو ایسی بالغ نظر اور متوازن فکر عطا فرمائی ہے کہ لوگوں میں کم نظر آتی ہے۔ ان کے خطبات کے جواہر پارے اب کتابی شکل میں طبع ہو چکے ہیں۔ مادی دور کو روحانیت کے اثری کردار سے شکست دینا ان کا اولین خیال ہوتا ہے۔ عالمی سطح پر ان کی مثبت فکر کے اثرات دیکھے جارہے ہیں۔

قرآن مقدس سے یوں تو ہر بندۂ مومن کا رشتۂ جان بندھا ہوا ہے۔ مگر علما اسی

سے زیادہ منسلک ہوتے ہیں اور پھر دیار غیر میں کوئی نصف صدی سے مبلغ اسلام کی حیثیت سے فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ جس کا اثر دیکھا جا رہا ہے۔ وہ دین کے اساسی پہلوؤں کو ہر جگہ اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ قرآن مقدس پر ان کی بڑی گہری نظر ہے۔ وہ استشراقی نظریات کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عطا فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یورپ میں جدید فکر و ذہن پر اسلامی ترجیحات ہم کو ملتی ہیں۔ بیان کر دیتے ہیں۔ حضرت قبلہ مفکر اسلام کی مسجد میں ہی یہ عمل جاری ہے۔ چنانچہ یہ خطبات جو کتابی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہیں یہ انہیں کا مجموعہ ہے۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے "**کلموا الناس علی قدر عقولھم**" لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق گفتگو کرنی چاہئے۔ مغرب اور مشرق میں بہت فرق ہے۔ ہر جگہ کی ضرورتیں وہاں کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہیں۔ قرآن مقدس کا نزول ایک خاص ماحول میں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے ان کا مورد خاص ہوتا ہے مگر حکم عام ہوتا ہے۔ اصول تفسیر کے ارباب علم نے اسی لئے آیاتِ مبارکہ کی شان نزول پر خاص توجہ مرتکز کی اور ان کا تتبع کر کے واضح کر دیا کہ آیت کس منظر نامے میں اتری ہے۔ اور اس وقت اس کا تاریخی پس منظر کیا تھا؟ جس سے آیتوں کے مفاہیم سمجھنے میں خاص مدد ملتی ہے۔ پھر اس کا بھی تعین کیا گیا کہ اس پس منظر کے ساتھ آیت کا وقتی تعلق کیا ہے؟ اس کو متحقق کرنے کے بعد ان آیات کا حضری وسفری، لیلی ونہاری، صیفی وشتائی، فراشی ونومی، ارضی وسماوی کا بھی تعین کیا گیا تاکہ قرآن مقدس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جا سکے۔ کیونکہ اس کا مقصود لوگوں کو ہدایت دینا ہوتا ہے۔ بعض لوگ قصص وامثلہ کے ذریعہ ہدایت حاصل کریں۔ تو کچھ لوگ اوامر ونواہی کے ذریعہ اور اسی طرح کچھ لوگ اس کی فنی خوبیوں کے



ذریعہ، وہیں پر کچھ اس کی معنوی گہرائیوں کے ذریعہ۔ کون کب کیسے ہدایت پائے گا، قرآن پاک ہیں اس کا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔

مشرقی دنیا میں نیاز مندی کا جو جذبہ وافر ایک بندہ مومن میں ہوتا ہے وہ اسی سے بالکل جداگانہ ہے، ایک مادّی دنیا میں رہنے والا انسان فقط اپنے گرد وپیش عقل کی رہبری میں صبح وشام گزارتا ہے اور ہر چیز کو پیمانہ عقل پر تولنے کا عادی ہوتا ہے۔ مغرب عقل ومادّہ کی دنیا ہے وہاں جب تک مادہ کو شکست نہیں دی جائے گی عرفان روح کا غلبہ اس وقت تک نہیں ہو پائے گا۔ اور علامہ قمر الزماں اس بحر کے شناور ہیں۔ اس تغیر میں وہ چیزیں آپ کو محسوس ہوں گی کہ قرآن اپنے روحانی اثرات سے دلوں پر مادہ کی کثافت کو کیسے صاف کرتا ہے؟ اس لئے یہ عصری تناظر کی ایک ایسی ملخص تفسیر ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔

منتخب آیات کی تفسیر اور وہی قلیل وقت میں شاید آپ کی تشنگی کو مکمل طور پر نہ بجھا سکے مگر اتنا ضرور ہے کہ مقصود قرآنی آپ کے فہم میں ضرور اتر جائے گا۔ رمضان المبارک میں خاص طور سے سامعین کی رعایت ملحوظ خاطر رکھی جاتی ہے کہ ان پر بار نہ محسوس ہو۔ اس لئے اختصار سے اور چنیدہ آیتوں کی تفسیر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ پورا مجموعہ ایک ہزار چھ سو (۱۶۰۰) صفحات پر مشتمل ہے، اس تناظر میں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر قرآن مقدس کی مکمل تفسیر شرح وبسط کے ساتھ ہوتی تو اس کا کیا معیار ہوتا؟

## چند نمونے:

اس مختصر تفسیر میں یوں تو جگہ جگہ مضامین دعوت فکر دے رہے ہیں جن سے روح سرشار ہوئی جاتی ہے مگر بعض بعض مقامات پر تفسیر کا عنصر ایسا ہمہ گیر ہو گیا ہے کہ

عقل ششدر رہ جائے۔

۱) سورۂ فاتحہ کے اسباب نزول سے لے کر اس کی جامعیت تک پھیلے ہوئے مضامین انتہائی اہم اور چشم کشا ہیں ان میں فکری اصلاح بھی ہے اور علمی مذاق بھی، اس کا نام اور پھر نام ہونے کے ساتھ ساتھ ان ناموں کی وجہ اور مفاد پر اگر چہ مختصر گفتگو ہے مگر استقرائی طور پر یہ پتہ چل جائے گا کہ فاتحہ کو فاتحہ کیوں کہتے ہیں؟ اور بعض فقہی امور کی طرف بھی اشارے کر دئے گئے ہیں۔

سورۂ قصص کے ابتدا ہی میں حکمرانوں کے طبقاتی نظام اور اقتدار کی ہوس پرستی پر بہت مدبرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ عہد قدیم سے لے کر دور حاضر تک کی شخصی حکومتوں کے جابرانہ نظام کی تاریخی حیثیت پر گفتگو ہے۔ مگر ان ظالمانہ نظام میں قوت کی فراہمی اور عوام کا استقبال ہو، آج تک ایک تواتر بن چکا ہے اس کی ہلکی سی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کتاب کا یہ پیرا گراف دیکھئے۔

''قرآن پاک کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی شان نزول کسی مخصوص واقعے سے متعلق ہوتی ہے مگر قرآن عظیم صرف واقعہ بیان نہیں کرتا بلکہ واقعہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ان اسباب کی وضاحت بھی کرتا ہے۔ جن کی بنیاد پر وہ واقعہ پیش آیا اور یہ تاثر قائم کرتا ہے کہ جن اسباب کی بنیاد پر یہ واقعات پیش آئے ہیں اور جو اس کے نتائج ہوئے ہیں قیامت تک جب بھی کسی قوم کا طرز عمل ان واقعات کے مشابہ ہوگا تو ان کے نتائج بھی وہیں ہوں گے''

۳) سورۂ ذاریات کی ابتدائی چند آیتوں کے ضمن میں خدا شناسی کی ایک داخلی کیفیت کا ذکر صرف چند سطروں میں بہت جامعیت سے بیان کیا گیا۔ مخلوق کی پیدائش کا



جو نظریہ مختلف طرز میں تمثیلی طور پر قرآن مقدس میں مذکور ہے جس میں انسان کی اپنی تخلیق سے لے کر دیگر اشیا کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے علامہ نے اس پر بھی اجمالی نظر ڈالی ہے۔ اس کتاب کا یہ اقتباس دیکھیں۔

''آخری آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ زمین میں اور تمہارے ذات کے اندر ''وفی انفسکم'' اللہ کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ اگر تم زمین پر اللہ کی نشانیاں دیکھو تو تمہاری ذات کا جو پیچیدہ نظام اور جس طرح سے تم کو حیات کی توانائیوں سے نوازا گیا ہے۔ یہ ساری باتیں خدائے برتر و بالا کی تدبیر اور اس کی ربوبیت اس کی خلاقیت کی مکمل طور پر گواہ ہے۔

۴) سورہ رحمٰن: جس طرح اپنی صوتی ترنگ کے اعتبار سے دلوں کو مُبْتَهِج کر دیتی ہے کہ قاری کی تلاوت شروع ہوتے ہی دلوں پر رحمت الٰہی کا آبشار کھل جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی معنوی حیثیت بھی اتنی جمال آفریں ہے کہ ایک قاری اس کی جاذبیت میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ انعامات الٰہیہ کی گوناں گوں قسموں سے لبریز نوع بہ نوع نوازشات سے مملو اس کی تلاوت دل کو بھی سکون بخشتی ہے اور روح کو بھی تابندگی عطا فرماتی ہے۔ میرے نزدیک یہ سورہ تقرب الٰہی عطا فرمائے جانے کے خاص جذبے سے پرنور ہے۔ یوں تو پوری سورہ مبارکہ رحمت و انوار کا منبع ہے مگر جنت کی جن کیفیتوں کا ذکر اس میں کیا گیا ہے وہ دوسری سورتوں میں نہیں ہے۔ علامہ نے ''ولمن خاف مقام ربہ جنتان'' کی بڑی جاذب تفسیر کی ہے۔ دو جنتوں کے تعلق سے متعدد اقوال نقل فرماتے ہیں۔ اس کے دو ایک چیدہ معنوں کا ذکر یوں ہے:

مفسرین کرام نے جنتان کی اور بھی تفسیریں پیش فرمائی ہیں۔ ایک جنت چاندی کی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور ایک جنت سونے کی ہے۔ اس

میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے پھر کچھ آگے چل کر رقمطراز ہیں:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں جنتیں کیا ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: یہ جنت کے وسط میں دو باغ ہیں اور ہر باغ نور کے گھروں میں سے ایک گھر ہے۔ پھر باغ اللہ کی نعمتوں سے مملو ہے۔ اس کے درخت اگے ہوئے ہیں اور ان کے پتے انتہائی سبز ہیں''

ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک جنت متقی اور پرہیز گا مومن کی ہے اور دوسری جنت ان کی جنتی ازواج مطہرات کے لئے ہے۔ حق یہ ہے کہ دو جنتوں کے بارے میں یہ سارے اقوال صحیح ہیں اور یہ ساری نعمتیں وہاں موجود ہوں گی۔ پھر آگے چل کر ''وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ'' پر انتہائی دلکش پہلو اجاگر فرمایا ہے: فرماتے ہیں:

پہلے دو جنتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے اور جن کو وہ جنتیں ملیں گی، ان کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اب یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان دو جنتوں کے علاوہ بھی دو اور جنتیں ہیں ان دو جنتوں کا نام مفسرین کرام کے کہنے کے مطابق ''جنت عدن'' اور ''جنت ماویٰ'' ہوگا۔ یہ دو جنتیں یا تو انہیں کو عطا کی جائیں گی جن کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ یہاں وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ یا پھر یہ دو جنتیں ان اہل ایمان کی ہوں گی جنہیں اصحاب الیمین کے نام سے قرآن عظیم میں یاد کیا گیا ہے۔ یعنی پہلی جنتیں مقربین بارگاہ الٰہی کی ہوں گی۔ یعنی جنہیں اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل ہوگا اور یہ دو جنتیں تمام اہل ایمان کے لئے مخصوص کی گئی ہیں۔

پھر جنت کا فی الحال موجود ہونے یا نہ ہونے پر جو لوگوں کا اعتراض ہے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ جن میں خاص طور سے معتزلہ کا رد فرمایا ہے۔



یہ چند نمونے بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے نقل کئے گئے ہیں بقیہ

ع ''قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا،،

(اردو کا محاورہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آغاز سے ترقی کا سراغ لگایا جا سکتا ہے)

اسی سے پوری تفسیر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس اختصار کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ جو کہ ایک بیانیہ اور ملخص تفسیر ہے اگر قلمی اور تفصیلی تفسیر ان کے زرنگار قلم سے منصہ شہود پر آتی تو اس کا کیا معیار ہوتا؟ کیونکہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر فکر کی جہتیں کسی اور انداز میں متنوع ہوتی ہیں اور قوت متخیلہ اسی وقت درِ آبدار کو چننے میں جس فنی کیفیت کی حامل ہوتی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو بوقت خطاب صرف حافظہ پر مبنی ہو۔ میرا اپنا خیال ہے کہ قرآن مقدس کے عمومی پہلو کو سمجھنے کے لیے یہ ملخص بیانیہ تفسیر ایک کلیدی کردار ادا کر سکتی ہے۔ رب قدیر حضرت مفکر اسلام کو تادیر عالم اسلام پر سایہ فگن رکھے۔ حضرت مولانا محمد ساجد حسین قادری مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خطبات امریکہ کی طرح اس کو بھی مدون و آڈٹ کر کے طباعت کی منزل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزاء عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد قمر الحسن قادری غفرلہ القوی
چیئرمین رویت ہلال کمیٹی آف نارتھ امریکہ
۲۳ شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ
۱۶ اپریل ۲۰۲۱ء بروز منگل

# تقریظ جلیل

محقق مسائل جدیدہ، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب دام فیضہ
القوی، (شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
حامدًا ومصلّیا ومسلّما

مفکر اسلام وعز الاسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی اہل سنت و جماعت کے ممتاز اور نمایاں عالم دین، سحر البیان خطیب، معقولات ومنقولات کے جامع، احوالِ زمانہ پر نظر رکھنے والے، سیاسی بصیرت کے حامل عظیم انسان ہیں۔

مفکر اسلام صوبہ اتر پردیش کے مردم خیز ضلع اعظم گڑھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں کے علمی وادبی ماحول میں آپ کی نشو ونما ہوئی۔ دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی تعلیم و تربیت، ابو الفیض حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری اور اکابر اشرفیہ کے فیضان نظر اور مرشد طریقت سیدی وسندی حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفے رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کیمیا نے انھیں جہان علم اور جہان خطابت کا روشن وتابناک قمر بنا دیا جس کی ضوفشانی سے ایک خطہ عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔

مفکر اسلام دین وسنیت کی نشر و اشاعت میں ہمہ وقت مصروف عمل رہتے



ہیں۔ تقریر وخطابت، وعظ ونصیحت، تصنیف وتالیف، درس قرآن وحدیث اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں اس قدر منہمک رہتے ہیں گویا اپنے آپ کو انھی کاموں کے لیے وقف کر دیا ہو۔ آپ کے استاذ مکرم اور مرشد معظم رضی اللہ عنہما کے فیضان تربیت کا ایک کمال یہ ہے کہ آیت کریمہ "ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" کی عملی تفسیر اور جیتی جاگتی تصویر کو مفکر اسلام سے معنون کیا جا سکتا ہے۔ جب کبھی دعوت وتبلیغ کے حوالے سے پندرہویں صدی ہجری میں عظیم خدمات انجام دینے والوں کا ذکر جمیل ہوگا ان میں آپ کا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ان کی خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ انھیں چند صفحات میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تقریر وخطابت کے میدان میں ان کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ جب مفکر اسلام کی خطابت کا غلغلہ پورے ہندوستان میں پھیلا تو کانفرنسیں اور محفلیں ان کی خطابت سے گلزار ہوگئیں پورے ہندوستان میں ان کی خطابت کا طوطی بولتا تھا یہ سلسلۃ الذہب آج تک جاری وساری ہے۔

مفکر اسلام نے دعوت وتبلیغ کے لیے یورپ کی سرزمین کا انتخاب فرمایا جہاں اسلام کی آبیاری اور حفاظت کی اشد ضرورت تھی۔ اسی احساس ضرورت کے تحت مسلسل نصف صدی سے اسی خطہ ارضی میں نشر دین اسلام میں مصروف ہیں اور بہت سے فلاحی و رفاہی کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کے کارناموں میں اکابر علما کے ساتھ ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کا قیام، کلیساؤں کو خرید کر مساجد بنانا، مساجد کے لیے زمین کا انتظام، جدید مسجدوں کی تعمیر اور دفاع اسلام میں اغیار کے اعتراضات اور ریشہ دوانیوں کا جواب شامل ہیں۔ ملک ہند میں رونا ہی کے ایک مکتب کو جامعہ اسلامیہ کی شکل دینا انھیں کی مرہون منت ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مفکر اسلام بہت سارے اوصاف کے جامع ہیں۔ایک عظیم عالم دین اور خطیب ہونے کے ساتھ ایک عظیم انسان بھی ہیں۔تقوی شعار،سنت کے پابند،شگفتہ مزاج، متواضع،خلیق،ملنسار،مہمان نواز،علما نواز،فصیح وبلیغ،چھوٹوں پر شفیق اور بڑوں کی تکریم یہ سب ایسے اوصاف حمیدہ ہیں جنھیں علامہ کی ذات سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

وعظ وتقریر ان کا خصوصی میدان ہے۔خطابت کے ذریعہ تبلیغ نے انھیں وہ بلند مقام عطا کیا ہے جسے بڑے بڑے کج کلاہ،نظر افتخار سے دیکھتے ہیں۔درس قرآن وحدیث بھی علامہ کے مشاغل خاص ہیں۔قرآنیات پر ان کے دروس ماہ رمضان میں اکثر وبیشتر ہوتے رہتے ہیں۔منتخب آیات پر ان کے دروس اور خطبات کا مجموعہ اشاعت کے مراحل سے گزر کر ہدیہ ناظرین ہونے جارہا ہے۔محترم مولانا محمد ساجد حسین قادری صاحب نے بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے اسے تحریری صورت دی ہے اور تحریک سنی دعوت اسلامی اس کی اشاعت کررہی ہے۔یہ کتاب تقریبا دو جلدوں میں سولہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔علامہ کی ذات سے یہ صد فی صد امید ہے کہ منتخب آیات قرآنیہ کی یہ بہترین تفسیر ہوگی ،جو اہم نکات پر مشتمل اور افہام وتفہیم میں احسن ہوگی۔

میں ایک ہفتہ سے سفر میں ہوں اور مصروف بھی،اس لیے پڑھنے کا موقع نہ مل سکا لیکن حضرت عزالاسلام کے متعدد خطبات میں نے سنے ہیں جو کامل مطالعہ،وسعت نظر اور دقت فکر کے شاہکار ہوتے ہیں،ان کے پیش نظر یہ ''**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**''ضرور اپنے مذکورہ اوصاف کے عکاس ہوں گے۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر مرتب کتاب مولانا محمد ساجد حسین قادری زید مجدہ اور محرک اشاعت امیر سنی دعوت اسلامی حضرت حافظ وقاری مولانا شاکر علی نوری مدظلہ العالی



کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔رب قدیر اس کتاب کو مقبول انام فرمائے اور مفسر آیات قرآن حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مدظلہ العالی کے علم،عمر،اقبال میں برکتیں عطا فرمائے اور ان کے حق میں اس کتاب کو توشہ آخرت بنائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

**محمد نظام الدین رضوی**
(شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور)
(نزیل: جامعہ غوثیہ نجم العلوم،اسماعیل حبیب مسجد،ممبئی ۳)
۹/شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ
۱۳/مارچ ۲۰۲۲ء(یک شنبہ)

# تقریظ جلیل

از: داعیٔ کبیر حضرت **مولانا شاکر نوری** صاحب قبلہ مدظلہ العالی
(امیر سنّی دعوتِ اسلامی)

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

**نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!**

اللہ کے فضل و کرم اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل مفکر اسلام ابوالاخلاص حضرت علامہ محمد قمر الزماں خاں اعظمی دام ظلہ العالی کے خطبات کا ایک اور مجموعہ بنام **''خطبات رمضان فی ضوء القرآن''** اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضور مفکر اسلام کی ذات محتاج تعارف نہیں، مفکر اسلام اُس عظیم شخصیت کا نام ہے جو قال ہی کے غازی نہیں بلکہ حال کے بھی غازی ہیں۔ اس وقت کسی کو نمونہ اسلاف دیکھنا ہو تو وہ حضور مفکر اسلام کو دیکھ لے۔ یقینا آپ اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ خطبات و مواعظ کے اثرات دل و دماغ کو اسی وقت متاثر کرتے ہیں جب زبانی جمع خرچ نہ ہو بلکہ بات دل سے نکلتی ہو اور اُمت کے فکر و درد میں ڈوب کر نکلتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات حضور مفکر اسلام کے خطاب کا ایک جملہ کتاب و خطاب کا اہم موضوع بن جاتا ہے۔ علامہ اعظمی دام مجدہم کے خطابات سے متاثر ہونے والوں میں دانش وروں کا بھی ایک بہت بڑا طبقہ ہے



اور استفادہ کرنے والوں میں مجھ جیسے ہزاروں خدمت دین انجام دینے والے بھی ہیں۔ اللہ پاک حضور مفکر اسلام کو عمر طویل بالخیر عطا فرمائے اور ان کے سایہ عاطفت کو ہم اہل سنت پر دراز تر فرمائے۔ آمین

دعوت و تبلیغ کی راہ میں ''پند و موعظت'' کی بڑی اہمیت ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔

(سورۃ النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو۔ (کنزالایمان)

**حکمت کی تعریف:** افعال کے حسن اور قبح کو اسی طرح افعال کے صحت و فساد کو جاننا حکمت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے نتائج کے فساد اور خرابی کی وجہ سے اختیار کرنے سے منع کرنا یا کسی چیز کو اس کے نتائج کی عمدگی کی وجہ سے اختیار کرنے کی تلقین کرنا حکمت ہے۔

**وعظ اور موعظت:** وعظ اور موعظت کی کئی تعریفیں مذکور ہیں، ان تعریفات کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

وعظ وہ ہے جو دل کو نرم کردے خواہ عبادت کے لیے خواہ گناہوں سے پرہیز کے لیے۔

وعظ و نصیحت اکثر جذباتی پہلو رکھتے ہیں کہ انھیں اُکسا کر لوگوں کی بڑی تعداد کو حق کی

طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے۔

موعظت، انسان کی فطرت کو بیدار کرتا ہے اور دل نشین ہوتا ہے اور دلیل برہان، اور امر ونہی سے زیادہ اثر رکھتا ہے۔

جب ہم حضور مفکر اسلام کے خطابات سنتے یا پڑھتے ہیں تو برملا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ کے خطابات حکمت وموعظت سے لبریز ہوتے ہیں۔آپ کے خطابات سن کر سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں زندگیوں میں انقلاب رونما ہوا ہے اور بے شمار لوگ گناہوں سے تائب ہوکر صالحین کے صف میں شامل ہو گئے ہیں۔

حضور مفکر اسلام کی خطابت کا ایک زمانہ معترف ہے،آپ کی زبان سے نکلنے والے الفاظ فصاحت وبلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہوا کرتے ہیں۔آپ کی خطابت میں وہ تمام اوصاف وکمالات پائے جاتے ہیں جو اچھے خطابات میں ہونے چاہیے۔

قابل قدر ولائق تحسین ہیں حضرت مولانا ساجد حسین قادری صاحب جنھوں نے حضور مفکر اسلام کے ان دروس قرآن کو تحریری شکل عطا کی جو ویڈیو کی صورت میں تھے۔ان خطبات کو تحریر کا جامہ پہنا کر مولانا موصوف نے انھیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔اللہ پاک مولانا موصوف کی اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے اور حضور مفکر اسلام کو صحت وعافیت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے۔

خاکپائے علما وصلحا

**محمد شاکر نوری**

۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ ۱۷ مارچ ۲۰۲۲ء



# عرضِ مرتب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَاَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ، وَصَحْبِہِ الْاَکْرَمِیْنَ اَجْمَعِیْنَ، اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخہء اسرارِ تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

(ڈاکٹر اقبال)

مفہوم: حکمت والا قرآن وہ کتابِ زندہ ہے، جس کی حکمت لازوال اور قدیم ہے۔یہ کتاب زندگی کی تکوین یا بناوٹ کے رازوں کا خزانہ ہے اور اس کی قوت سے بے ثبات (فانی) بھی ثبات (بقا) حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے پیارے حبیب حضور سیدنا ومولانا محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے نعلین شریفین کے تصدق ،اور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سرکار غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیوض و برکات سے خطباتِ رمضان فی ضوء القرآن کی ترتیب دینے کی ادنی سی سعی کی ہے ۔یقینا مجھ غریب کے لئے یہ سعادتِ عظمیٰ سے کم نہیں ہے ۔میرے مشفق ، و کرم فرما ،عالم اسلام کے بلند پایہ مفکر، مدبر،مفسر،محقق ، محدث،حضور مفکر اسلام،خطیب اعظم،علامہ قمر الزماں خان اعظمی ادام اللہ فیوضہم و دامت برکاتہم القدسیہ، سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کا یہ بے پایاں احسان ہے کہ جہاں پوری دنیا میں انکے کروڑوں مداح پائے جاتے ہیں،جن میں لاکھوں کی تعداد میں علما،فضلا،نقبا،خطبا اور اہلِ قلم وارباب علم و دانش موجود ہیں،لیکن ان سب کے باوجود حضور مفکر اسلام کی نظرِ انتخاب نے مجھ ہیچ مداں فقیر کو اس عظیم کام کے لیے منتخب فرمایا۔ورنہ

من آنم کہ من دانم

مزید کرم بالائے کرم یہ کہ

مورخہ ۶ نومبر ۲۰۲۲ء کو سرزمین امریکہ پر اہلِ سنت و جماعت کے عظیم مرکز جامع مسجد النور ہوسٹن ٹیکساس میں مجھ غریب کی ایک اور کاوش،حضرت علامہ ڈاکٹر شاہد رضا نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر انگیز تقاریر کا مجموعہ ’’**خطباتِ یو ایس اے**‘‘ کا اجرا فرماتے ہوئے یہ بھی اعلان فرمایا کہ ’’مولانا محمد ساجد حسین قادری ایک عظیم عالم دین ہیں،کیسٹوں سے تقریروں کو نقل کر کے لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔انہوں نے میری تقریروں کی تین جلدیں لکھی اور شائع کی ہیں، خطباتِ مفکر اسلام حصہ دوم وسوم اور خطباتِ امریکہ، اور چوتھی کتاب خطباتِ رمضان فی ضوء القرآن بھی جلد ہی آنے والی ہے ۔کئی ہزار صفحات انہوں نے مرتب کئے ہیں ۔اور مجھے محفوظ کر دیا ہے،اور علامہ شاہد رضا نعیمی علیہ الرحمہ کو بھی محفوظ کر دیا ہے،اس لئے کہ تقریریں تو ہواؤں



میں گم ہو جاتی ہیں،تقریریں سننے والے زندگی میں اگر چند لمحے ستائش کر بھی لیں تو پھر فراموش کر جاتے ہیں ۔اور آج کی دنیا اس قدر احسان فراموش ہے کہ وہ یاد کرنا تو بڑی دور کی بات ہے ،ملنا بھی پسند نہیں کرتی ۔مگر یہ کتابیں علامہ شاہد رضا کو اور مجھے حیات میں بھی اور مرنے کے بعد بھی زندہ رکھتی ہیں،اس لئے میں مولانا کا بے پناہ مشکور ہوں کہ انہوں نے علامہ شاہد رضا نعیمی کو بھی ہیوسٹن امریکہ کی تقریروں کے حوالے سے زندہ کر دیا۔(حضور مفکر اسلام مدظلہ)

زیرِ نظر کتاب ’’**خطبات رمضان فی ضوء القرآن**‘‘ دراصل سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک قرآنِ عظیم کی مکمل ایک سو سے زائد سورتوں کی منتخب آیاتِ مبارکہ کی تفسیر،ان کا شانِ نزول،اور تفسیر نہایت ہی علمی ،فکری انداز میں اس طریقے سے پیش کی گئی ہے کہ اس میں علما متقدمین ومتأخرین کی جملہ تفاسیر کا حاصل مطالعہ بھی ہے اور عصرِ حاضر میں سرزمین مغرب پر دشمنانِ اسلام کی جانب سے قرآن،صاحبِ قرآن اور مذہبِ اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کے بہت ہی عمدہ پیرائے میں جوابات دئے گئے ہیں ۔اس تفسیر میں شان الوہیت اور منصبِ رسالت کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے،خدائے وحدہٗ لا شریک کی ذات پر کامل ایمان و یقین، رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر،سچی محبت، اور جذبہء اطاعت،اولیا وصلحا سے وابستگی،انبیائے کرام اور ملائکہ کرام کی عصمت،بعث بعد الموت کی حقانیت،تقدیر کے خیر وشر کے متعلق بھی نادر ونایاب نکات بیان کئے گئے ہیں ۔اس کتاب کی ایک وہ خوبی جو اس کتاب کو دیگر کتب سے ممتاز کر دے گی،وہ یہ ہے کہ علامہ صاحب نے جگہ جگہ تاریخ اسلام کے حوالے سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان پہلوؤں کو مدلل، مفصل اور مبرہن انداز میں بیان فرمایا ہے،جس کا صحیح اندازہ کسی بھی قاری کو اس کتاب کے مطالعے کے بعد ہی حاصل ہو پائے گا۔یہ کتاب حضور مفکر اسلام کے علمی نگارشات میں سے ایک

عظیم شہ پارہ ہے۔اب تک عالمی سطح پر مسلمانانِ عالم بالعموم اور اہلِ سنن بالخصوص ان کے ولولہ انگیز علمی اور فکری خطابات سے بہرہ ور ہوتے رہے لیکن اب اسی سمندرِ علم وحکمت میں چھپے ہوئے موتیوں کو خود غواص نے اپنی حیات میں پہلی بار صفحہء قرطاس پر بکھیر دیا ہے۔ع

جو بڑھ کر تھام لے ہاتھ سے ساغر و مینا اسی کا ہے

میں یہ سمجھتا ہوں کہ پوری دنیائے سنیت میں شاید ہی کسی نے ماضی قریب میں ایسی کوئی تصنیف قوم کو دی ہو جس میں اس قدر قرآنِ عظیم کی مکمل ایک سو سے زائد سورتوں کی منتخب آیاتِ مبارکہ کی تفسیر، ان کا شانِ نزول، اس عمدہ پیرائے میں تلخیصا بیان کی ہو، حضور مفکر اسلام فرماتے ہیں'' میں چاہوں گا کہ ہر ایک عنوان کے تعلق سے چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ پیش کر کے سورت کے بنیادی مضامین کی طرف اشارہ کر سکوں۔ظاہر ہے کہ کسی بھی سورت کے نہ تمام مضامین کو بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ بیان کرنا ممکن ہے۔

اللہ کی کتاب کا ہر جملہ علوم ومعانی کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔آدمی سوچتا ہے کہ میں بیان کرلوں گا لیکن جب غور کرتا ہے تو وہ حیرت واستعجاب میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔حضرتِ سعدی علیہ الرحمہ نے ایک مثال دی ہے کہ میں ایک گلشن کی سیر کے لیے روانہ ہوا اور میں نے دیکھا کہ ہر طرف بہار آئی ہوئی ہے، پھول کھلے ہوئے ہیں۔میں نے پھولوں کو اپنے دامن میں جمع کرنا شروع کر دیا کہ اپنے دوستوں کے پاس لے جاؤں گا، انہیں پیش کروں گا لیکن آگے بڑھتا رہا اور میری حیرت بڑھتی رہی، باغ کا حسن مجھے کھینچتا رہا۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

یہیں ٹھہر جاؤ، یہیں سب کچھ ہے۔اور پھر ایک مقام ایسا بھی آیا کہ پھولوں کے حسن اور باغ نے مجھے اس قدر محو کر دیا کہ نہ مجھے دامن کا احساس رہا اور نہ ان کا جو دامن میں سمیٹے



تھے۔قرآن پاک پڑھنے والا نہ جانے اس طرح کے کتنے مقامات سے گزرتا ہے میں کیا بیان کر سکوں، مگر وہ ہمیشہ اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کلام الٰہی کے حسن کو انسان اپنے لفظوں میں پیش کر سکے۔بہر کیف! کوشش ہوتی ہے کہ کچھ باتیں ذہنوں میں منتقل ہو جائیں، اگر لوگ ان پر غور کریں تو وہی چند باتیں ہی ہدایت اور نجات کے لیے کافی ہوں گی۔

دورانِ تفسیر حضور مفکر اسلام نے جہاں جہاں جن جن آیاتِ طیبات، احادیثِ مبارکہ اور واقعات کو بیان فرمائے ہیں ان سب کے اصل متن کی تخریج کر کے ان کے مآخذ، مراجع اور مصادر کو وہیں پر قوسین میں درج کر دیا گیا ہے۔تاکہ کتاب کی جامعیت میں اضافہ ہو سکے۔

بطور خاص میں حضور داعیٔ کبیر حضرت مولانا حافظ وقاری شاکر علی نوری صاحب مدظلہ العالی، امیر عالمی تحریک سنی دعوت اسلامی ممبئی انڈیا کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت اور ابلاغ وتبلیغ میں نہایت گراں قدر تعاون سے نوازا۔

اس کتاب کی جمع وترتیب میں جن علما کا علمی تعاون رہا ان میں قابل ذکر مولانا مظہر حسین علیمی، مولانا عبداللہ اعظمی نجمی، مولانا ذکی اللہ مصباحی، مولانا صادق الاسلام مصباحی، مولانا محمد شرف الدین ثقافی ہیں، اللہ پاک ان کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے۔آمین

اس کتاب کی کمپوزنگ میں بتقاضۂ بشریت کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مجھ غریب کے ای میل آئی ڈی پر مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ کے نسخوں میں اس کی تصحیح ہو سکے۔

دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء حضور مفکر اسلام کے تفسیری، تقریری اور علمی فیضان سے دنیا تا دیر مستفیض ومستنیر ہوتی رہے۔خدائے تعالیٰ اس کتاب

کو مقبولِ بارگاہِ خیر الانام اور مفیدِ عوام بنائے۔

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

(اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ)

اٰمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین
صلی اللہ علیہ واٰلہ واصحابہ وبارک سلم

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

احقر العباد
**محمد ساجد حسین قادری** عفی عنہ،
خطیب مسجد غوثیہ اسلامک سنٹر ہاروی، امریکہ
muftisajid.usa@gmail.com



## خطاب نمبر (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیزان ملت اسلامیہ!

ان شاء اللہ ہر روز میں قرآن مقدس کی چند آیتوں کی تفسیر پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ تاکہ قرآن پاک سے جو ہمارا رابطہ رہا ہے وہ پوری زندگی ٹوٹنے نہ پائے۔ آج سورۂ فاتحہ کی مختصر تفسیر پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ ہم سب کی خدمات اور طاعتوں کو قبول فرمائے۔

اس سورت کا نام **سورۃ الفاتحہ** ہے۔ آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے فاتحۃ الکتاب کہا ہے۔ فاتحہ کے معنی کھولنے، آغاز کرنے اور افتتاح کے ہوتے ہیں۔ چوں کہ

قرآنِ عظیم کا آغاز اس مقدس سورت سے ہو رہا ہے اس لیے اِس کو سورۃُ الفاتحہ یا فاتحۃُ الکتاب کا نام دیا گیا ہے۔ اور نماز میں بھی تلاوت کا آغاز سورۂ فاتحہ ہی سے ہوتا ہے اس لیے بھی اس کا نام سورۃ الفاتحہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ قرآن مقدس کی اس عظیم سورت میں وہ سارے مضامین شامل ہیں جو قرآنِ عظیم کے اندر موجود ہیں۔ صرف سات آیتیں ہیں لیکن یہ سات آیتیں معانی اور مفاہیم کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں اور آج تک دنیا سورۂ فاتحہ کے مضامین کا احاطہ نہ کر سکی ہے اور نہ کبھی کر سکے گی۔ ان حالات میں وقت کی تنگی کا خیال رکھتے ہوئے مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا میں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

اس کا ایک نام ''اُمُّ القرآن'' (قرآن کی اصل اور بنیاد) ہے۔ یعنی قرآن کے مضامین کا حاصل۔ یہ نام بھی آقائے دو جہاں ﷺ نے عطا فرمایا ہے۔

اس کا دوسرا نام فاتحۃ الکتاب ہے اور یہ نام خود آقائے دو جہاں سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے۔ متعدد احادیث مبارکہ میں اس کو فاتحۃُ الکتاب ہی کہا گیا ہے۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ

اس کی نماز ہی نہیں ہوگی جو سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے۔

(صحیح البخاری، کِتَابُ الأَذَانِ بَابُ وُجُوبِ القِرَاءَةِ لِلإِمَامِ وَالمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا، فِي الحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ، الرقم:756)

اس کا تیسرا نام **سبع مثانی** ہے۔ یہ سات آیتوں پر مشتمل ہے جو بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ اور سورتوں میں آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں پڑھ لیں۔ لیکن سورۂ فاتحہ کا ہر رکعت میں



پڑھنا ضروری ہے۔ کم از کم ایک نماز دو رکعت پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک مختصر نماز ختم کرنے کے لیے بھی کم از کم دو بار سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اس لیے بھی اس کو ''سبع مثانی'' کہتے ہیں۔

اس کو ''سبع مثانی'' اس لیے بھی کہتے ہیں کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینۂ طیبہ میں۔ اس لیے بعض مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی بھی ہے اور مدنی بھی، کیوں کہ اس سورت نے اپنے نزول سے مدینۂ طیبہ کو بھی نوازا ہے۔

اس کا ایک نام سورۃُ الحمد ہے۔ اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی حمد کا طریقہ خود عطا فرمایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (سورۃ الفاتحۃ :1)

تمام تعریفیں اُس ذات اقدس کے لیے ہیں جو تمام عالمین کا پالنے والا ہے۔

اس سورت کا نام **اُم الکتاب** بھی ہے کیوں کہ یہ سورت کتاب کے تمام مضامین کا خلاصہ اور اصل ہے۔ قرآن عظیم میں کوئی بھی ایسا مضمون نہیں ہے کہ اس مقدس سورت کے اندر اس کی طرف اشارہ نہ پایا جاتا ہو۔ مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ پورا قرآن عظیم سورۂ فاتحہ میں ہے اور پوری سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے۔ اگر میں بسم اللہ کی ''ب'' کی تشریح کروں تو ساٹھ اونٹوں کا بوجھ ہو جائے۔

یہ مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عظیم کو اربابِ دانش وتفسیر نے اپنی اپنی بساط علم کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ لاکھوں صفحات لکھنے کے بعد بھی کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اللہ کے مقدس کلام کا حق ادا کر دیا ہے۔

آپ ذرا سوچیں کہ قرآن عظیم میں اللہ کی حمد کثرت سے بیان کی گئی ہے۔ کہیں ''سبوح وقدوس'' کے ذریعے، کہیں ''حمید'' کے ذریعے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سارے نام حمد الٰہی پر

مشتمل ہیں اور سورۃ فاتحہ ان تمام محامد ومحاسن کی جامع ہے جو قرآن عظیم کی سیکڑوں آیات کے اندر موجود ہیں۔ اس لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے والا گویا ان تمام آیات کا ذہنی استحضار کر لیتا ہے جو قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اس کے ساتھ قرآن پاک کے اندر اللہ کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا، مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(صحیح البخاری، کتاب الذِّکْرِ وَالدُّعَاءِ وَالتَّوْبَةِ وَالاِسْتِغْفَارِ، بَابٌ فِي أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى وَفَضْلِ مَنْ أَحْصَاهَا، الرقم:2677)

بیشک اللہ کے ننانوے نام ہیں جو بھی انہیں یاد کرے گا جنت میں جائے گا۔

تو تم ان مقدس اور حسین ناموں کے ذریعہ اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہو۔ ''اللہ'' اس کا ذاتی نام ہے اور قرآن پاک میں بار بار اللہ کا اسم ذاتی آیا ہے۔

ربُّ العالمین اللہ تعالی کا صفاتی نام ہے۔ اللہ ساری کائنات کا خالق اور پروردگار ہے اور اس کی تخلیق اور اس کی ربوبیت کے باب میں قرآن پاک کی سیکڑوں آیتیں موجود ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تخلیق ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کی وہی پرورش فرما رہا ہے، ان کی تربیت کر رہا ہے۔ اس لیے رب العالمین کی یہ مقدس صفت دراصل ان تمام آیات کی جامع ہے جو قرآن پاک کے اندر اللہ کی صفتِ تخلیق، اور اس کی ربوبیت سے متعلق ہیں۔

''العالمین'' کا اشارہ بتا رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صرف مسلمانوں کا رب نہیں ہے بلکہ پوری کائنات کا رب ہے۔ ''عالم'' کی جمع ہے عالمین اور ''عالمین'' ماسوا اللہ کو کہتے ہیں۔ اللہ کے علاوہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ عالمین کے اندر ہے۔ پوری کائنات کا خالق، پوری کائنات کا پروردگار، پوری کائنات کا رازق، پوری کائنات کی تربیت کرنے والا، پوری کائنات کو



منزل کمال تک پہنچانے والا پروردگار عالم ہے۔ اس لیے اللہ کی ربوبیت سے متعلق ان تمام سیکڑوں آیات مبارکہ کی طرف اشارہ ہے جو قرآن عظیم کے اندر موجود ہیں۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:3)

جزا کے دن کا مالک ہے۔

اسلام کا نظام سزا اور جزا کا نظام ہے۔ اللہ مالک حقیقی ہے۔ یوں تو دنیا میں لوگ اپنے آپ کو بہت سی چیزوں کا مالک کہتے ہیں۔ لیکن حقیقی مالک صرف پروردگار عالم ہے۔ اس کی یہ مالکیت میدانِ قیامت میں بہت زیادہ نمایاں ہوگی جب مشیت کا اعلان ہوگا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (سورۃ غافر الآیۃ:16)

آج کی بادشاہت کس کی ہے؟

اور کوئی جواب نہیں ملے گا تو اللہ ارشاد فرمائے گا:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورۃ غافر الآیۃ:16)

پروردگار عالم ہی کی بادشاہت ہے۔ دنیا میں تم جو بھی رہے ہو مگر آج حکومت صرف اللہ کی ہے۔ اس لیے وہ مالک یوم الدین ہے، جزا کے دن کا مالک ہے۔ ''دین'' کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو بھی وہاں سزا یا انعام ملے گا یہ اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوگا۔ اللہ رحمن ورحیم ہے اس لیے یقیناً کسی بھی حالت میں وہ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

بندے کو خدا کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورۃ الذاریات الآیۃ:56)

ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

بندہ یہاں اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔ تو ہمارا خالق ہے، ہمارا مالک ہے، ہمارا پروردگار ہے، ہمارا رازق ہے۔ جب خالق تو ہے، مالک تو ہے، پروردگار تو ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرنا ہے، تیرے ہی حضور میں حاضر ہونا ہے تو عبادت بھی تیری ہی کریں گے، اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، صرف تو عبادت کا مستحق ہے۔ اس لیے اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں اور تیری عبادت کر رہے ہیں۔ عبادت اور اطاعت سے متعلق جتنی بھی آیات مبارکہ قرآنِ عظیم کے اندر ہیں سب کا اشارہ اس مقدس آیت کریمہ کے اندر موجود ہے۔

گویا کہ ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' اسلام کے پورے نظام عبادات اور نظام معاملات پر حاوی ہے۔ حقیقی استعانت صرف اللہ سے کی جائے گی۔ اللہ کے علاوہ کسی اور سے استعانت اِس یقین کے ساتھ جائز ہے کہ حقیقی مددگار اللہ ہی ہے انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام صرف وسیلہ ہیں اس بارے میں قرآن مقدس کی جو آیات مبارکہ موجود ہیں یہ آیت کریمہ ان سب کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:153)

صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو۔

جب کوئی ذریعہ کوئی سہارا نہ ہو تو اللہ کی بارگاہ میں جھک جاؤ۔ اللہ ہی مدد کرنے والا ہے، اللہ ہی سہارا دینے والا ہے۔ اس لیے قرآنِ عظیم میں استعانت سے متعلق جتنی بھی آیات مبارکہ ہیں سب کی طرف اشارہ اس مقدس آیت کریمہ کے اندر ہے۔

اللہ تعالی اپنے بندے کو طلبِ ہدایت کی تعلیم دے رہا ہے:

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:5)



(دعا کرو کہ) اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ چلا۔

اب صراطِ مستقیم نے ان تمام مضامین کا احاطہ کر لیا ہے جو اسلام کے نظام زندگی اور آئین حیات سے متعلق ہیں۔ اسلام کا نظام عقیدہ ہو، اسلام کا نظام عبادات ہو، اسلام کا نظام معاشرت ہو، اسلام کا نظام معیشت ہو، اسلام کا نظام معاش ہو، اسلام میں حقوق اللہ کا تصور ہو، یہ سب صراط مستقیم میں داخل ہیں۔ یہ مقدس لفظ ''صراط مستقیم'' مکمل نظام کی نمائندگی کر رہا ہے۔ اس لیے صراط مستقیم فرما کر اللہ نے یہ ارشاد فرما دیا کہ سورۂ فاتحہ دراصل پورے نظام زندگی اور دستورِ حیات سے متعلق ان تمام آیات کی جامع ہے جو قرآنِ عظیم کے اندر موجود ہیں۔

اسی طرح قرآنِ عظیم میں جن اقوام کا تذکرہ کیا گیا ہے ان اقوام میں انعام یافتہ قومیں بھی ہیں اور وہ قومیں بھی ہیں جن پر عذاب آیا ہے۔ جو انعام یافتہ ہیں ان کے لیے بھی اور جو مُعذَّب اور گمراہ ہیں ان کے لیے بھی یہ آیت کریمہ وضاحت کر رہی ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:6)

اے اللہ! اس راستہ پر چلا جس راستہ پر وہ لوگ چلے ہیں جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں جن پر انعام فرمایا گیا ہے؟ اس کے بارے میں قرآنِ پاک کی دوسری آیت کریمہ وضاحت فرماتی ہے:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ○ (سورۃ النساء الآیۃ:69)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ اس میں انبیا ہیں، صدیقین ہیں،

شہدا ہیں اور صالحین ہیں۔ دنیا میں جتنے بھی کامیاب لوگ ہیں، اہل ایمان ہیں اور اللہ کی بارگاہ کے رضایافتہ ہیں وہ چار طبقوں میں موجود ہیں۔ یا تو انبیائے کرام ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کے لیے بھیجا۔ اس لیے اس آیت کریمہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں سارے انبیائے کرام آجاتے ہیں۔ گویا قرآن پاک میں نبوت اور رسالت کے باب میں جو آیات مبارکہ ہیں ان تمام آیتوں کی جامع یہ آیت کریمہ ہے۔

اسی طرح وہ قومیں جن پر عذاب ہوا ہے ان کا تذکرہ بھی قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ اس لیے یہ آیت کریمہ ان اقوام کے تذکرے کی جامع ہے جن پر اللہ نے عذاب فرمایا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو گمراہ ہو گئے ہیں تو گمراہ طبقوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں گمراہ طبقوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے اللہ! ان کے راستے پر نہ چلانا جو گمراہ ہوئے ہیں اور صراط مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ ام الکتاب کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمام مضامین جو قرآن پاک کے اندر موجود ہیں سورۂ فاتحہ ان کی جامع ہے۔ سات آیتیں ہیں لیکن ان مقدس آیتوں نے لاکھوں مضامین کو اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے۔ یہ کلام پاک کی بلاغت ہے کہ اتنے مضامین کو اس مختصر سورت کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اس سورت کا ایک نام ''سورۃ الوافیہ'' ہے۔ اس لیے کہ یہ سورت ہر نماز میں مکمل پڑھی جاتی ہے۔ دوسری سورتوں کا کچھ حصہ آپ پڑھ سکتے ہیں لیکن سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ نہیں بلکہ پوری سات آیتوں کو ہر نماز کے اندر پڑھنا ہوگا۔ اگر آپ تنہا پڑھ رہے ہیں تو آپ پر واجب ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور اگر آپ امام کے ساتھ ہیں تو امام خدا کی بارگاہ میں آپ کا وکیل ہے اور وہ آپ کی طرف سے پڑھ رہا ہے۔ اس لیے کہ حدیث پاک میں ہے۔

عن جابر بن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من



کان لہ إمام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔

(کنز العمال حرف الصاد کتاب الصلاۃ من قسم الأقوال الباب الثانی: فی أحکام الصلاۃ ومفسداتہا ومکملاتہا الفصل الثانی: فی أرکان الصلاۃ الرقم: 19683)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نمازی کا امام ہو تو اس کے امام کا پڑھنا ہی اس مقتدی کا پڑھنا سمجھا جائے گا۔

بہر کیف کوئی نماز ایسی نہیں ہے جو سورۂ فاتحہ سے خالی ہو بلکہ ہر نماز میں مکمل سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی۔

اس کا ایک نام ''سورۃ الکافیہ'' ہے۔ جس کے معنی ہیں ایسی چیز جو کفایت کرنے والی ہے۔ یعنی نماز کی بعض رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور نماز مکمل ہو جاتی ہے۔

اس سورت کا نام ''الشفا'' بھی ہے۔ آقائے دو جہاں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سورۂ فاتحہ تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر مریضوں پر دم کرتے تھے اور ان کو مکمل شفا مل جایا کرتی تھی۔ خود آقائے دو جہاں سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے شفا حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کے معمولات میں بھی یہ مقدس ترین سورۂ طیبہ موجود رہی ہے۔

اس کے بارے میں ارباب تحقیق نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی انسان بیمار ہے، اسے بخار ہے یا اور کوئی تکلیف ہے اور سورۂ فاتحہ کم از کم تین بار پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے یا پانی پر پھونک کے پی جائے یا کسی کو پلا دے تو ان شاء اللہ اسے شفا مل جائے گی۔ وہ امراض جو ناقابل علاج ہیں ان کے بارے میں بعض ارباب تحقیق نے یہ فرمایا ہے کہ نماز فجر کی سنت پڑھ کر نماز فجر کی فرض سے پہلے ۴۱ مرتبہ اگر آپ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور شروع اور اخیر میں درود

شریف پڑھیں اور پھر اسے پانی میں دم کر کے پی لیں تو یقیناً آپ کو شفا مل جائے گی۔

یہ سورۃ صرف جسمانی امراض کے لیے شفا نہیں ہے بلکہ روحانی امراض کے لیے بھی ہے۔ انسان اگر روحانی بیماریوں میں مبتلا ہے، غلطیوں کا ارتکاب کر رہا ہے، گناہ کر رہا ہے اور اس سورۃ طیبہ کو پڑھ کر کے اپنے آپ کو پاکیزہ اور باوقار راستے پر چلانا چاہے تو اللہ اس کو روحانی بیماریوں سے بھی شفا عطا فرمائے گا۔ وہ شافی مطلق ہے اور اس نے سورۃ الشفا اس لیے نازل فرمائی ہے تاکہ بندہ اس سورت کے ذریعہ اپنی جسمانی اور روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کرلے۔

اس سورت کا نام ''سورۃ الصلوٰۃ'' (نماز کی سورت) ہے۔ اس لیے کہ یہ ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے اور کوئی بھی نماز اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

اس سورت کا ایک نام ''سورۃ الدعاء'' ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سورت میں دعا کا طریقہ سکھایا ہے کہ تم میری بارگاہ میں کس طرح حاضر ہو، کس طرح دعا کرو۔ پہلے میری حمد بیان کرو، میری کبریائی بیان کرو، میری بزرگی کا اعتراف کرو، پھر اس کے بعد اس بات کا اعتراف کرو کہ ایک یوم جزا ہے جہاں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے بعد اپنی بندگی کا اعتراف کرو کہ اے اللہ! میں صرف تیری بندگی کرتا ہوں، تیرے علاوہ کسی کی بندگی نہیں کرتا۔ اس کے بعد تم خدا کی بارگاہ میں دعا کرو تو اللہ تمہاری دعائیں یقیناً قبول فرمالے گا۔ سورۂ فاتحہ کی یہ ترتیب دراصل ہماری دعاؤں کی بھی ترتیب ہے۔ اس لیے اسے سورۃ الدعا بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز ادا فرما رہے ہیں، آقائے دو جہاں ﷺ نے اس وقت آواز دی جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے آوازِ رسول سنی



لیکن جلدی نماز ختم کر کے بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے اور کہا: السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ، تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں میں نے بلایا تھا تو تم حاضر نہیں ہوئے۔ عرض کی: یارسول اللہ! میں نماز میں تھا۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن پاک کی آیت نہیں پڑھی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔

(سورۃ الانفال آیت ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں بلائیں۔

جب رسول تمہیں آواز دیں تو فوراً تم ان کا جواب دو۔ تمہیں نماز کی حالت میں آجانا چاہیے تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب یہ کہا تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ: مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا: تم کون سی سورت پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا: اُم الکتاب۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ سورت ہے کہ اس سے بہتر سورت نہ توریت میں نازل ہوئی، نہ انجیل میں نازل ہوئی اور نہ زبور میں نازل ہوئی۔ یہ سورت ایک خاص سورت ہے جو صرف قرآن پاک کے اندر نازل ہوئی اور امت محمدیہ کو عطا کی گئی۔

(سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل فاتحة الکتاب، الرقم: 2875)

اس سے اندازہ ہوا کہ حضور سرور کائنات سید عالم محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سورت کی عظمت خود بیان فرمائی ہے۔ آپ نے ان کے شانے پر دست کرم رکھا اور کہا کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں گا جس کا جواب توریت و انجیل میں نہیں ہے۔ پھر انہوں نے اس سورت کا تذکرہ فرمایا۔ اس طرح کی بہت سی احادیث مبارکہ اس سورت کی عظمت اور اس کے وقار کی گواہی دیتی ہیں۔

اس سورت کا ایک نام ''سورۃ الکنز'' ہے۔ کنز کے معنی ہوتے ہیں خزانے کے۔ یعنی

یہ مضامین کا ایک لامتناہی سمندر ہے اور اللہ کی رحمتوں کا خزانہ ہے۔ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ایک بندے کو ضرورت ہے۔

اب آئیے میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پیش کردوں۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:1)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ ہم کائنات کی ہر چیز کی تعریف کرتے ہیں۔ ہم نے آسمان کو دیکھا، ستاروں کی انجمن دیکھی، اس کی تعریف کی۔ ہم نے شفق کا حسن دیکھا، اس کی تعریف کی۔ ہم نے افق کا جمال دیکھا، اس کی تعریف کی۔ دریاؤں کی روانی دیکھی، اس کی تعریف کی۔ ہم نے پھولوں اور گلستانوں میں نکہتیں دیکھیں، اس کی تعریف کی۔ ہم نے ہر حسن کی تعریف کی، ہر خوبی کی تعریف کی، ہم نے ہر جمال کی تعریف کی جبکہ اللہ فرماتا ہے تمام تعریفیں صرف اللہ کے لیے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم غیر اللہ کی تعریف کرکے مخلوقات کی تعریف کرکے کہیں شرک کا ارتکاب تو نہیں کررہے ہیں؟ اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، تم جس کی بھی تعریف کروگے وہ اللہ کی تعریف ہوگی۔ اس لیے کہ مخلوق کی تعریف خالق کی تعریف ہوتی ہے، مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف ہوتی ہے، بنی ہوئی چیز کی تعریف سے بنانے والے کی تعریف خود بخود ہوجاتی ہے۔ اس لیے اگر تم کائنات میں کسی بھی حسن و جمال کا کسی بھی خوبی کا تذکرہ کروگے تو وہ اللہ کی تعریف ہوگی۔

اب آپ اندازہ فرمائیں کہ جب کائنات کی ہر چیز کی تعریف اللہ کی تعریف ہے تو سرورِ کائنات جو مقصدِ تخلیق کائنات ہیں، جو حسنِ کائنات ہیں، جو آبروئے کائنات ہیں اور جن سے



بہتر کوئی نہ ہوا ہے نہ ہوسکے گا ؎

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

تو کیا ان کی تعریف خدائے وحدہ قدوس کی تعریف نہ ہوگی؟ اس لیے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، تمام تعریف اللہ کے لیے ہے۔

جب کوئی خوبی ملتی ہے، جب بھی کوئی انعام ملتا ہے، جب بھی کوئی خوشی ملتی ہے، جب بھی کوئی کامیابی ملتی ہے، تو ہم کہتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ ہم اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: آپ امتحان میں کامیاب ہوگئے؟ ہم نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ آپ کو شفا مل گئی؟ ہم نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ تو ہر خوبی کے بعد ہم اللہ کی حمد اس لیے بیان کرتے ہیں تاکہ دنیا یہ جان سکے کہ جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے۔ جو بھی میسر آتا ہے، وہ اللہ کی بارگاہ سے آتا ہے۔ جو بھی عطا فرماتا ہے وہ اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ باقی سب وسائل و وسائط ہیں۔

اسی لیے اگر کوئی آپ سے آپ کا حال پوچھے کہ How Are You? آپ کیسے ہیں؟ تو یہ مت کہیے کہ I Am Fine بلکہ یہ کہیے کہ Alhamdulillah I am Fine۔ آپ کیسے ہیں؟ الحمدللہ میں بہتر ہوں۔ الحمدللہ ضرور کہیے۔ اس لیے کہ آپ کی بہتری، آپ کی کامیابی، آپ کی نجات، آپ کی صحت، آپ کی تمام صلاحیتیں خدا کی حمد سے وابستہ ہیں۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی بہت سی صفات مبارکہ ہیں۔ وہ رحمٰن بھی ہے، وہ رحیم بھی ہے، ستار اور غفار بھی ہے۔ لیکن حمد کے ساتھ اس نے اپنے ذاتی نام کا تذکرہ کیا۔ ''اللہ'' اس کا ذاتی نام ہے اور بقیہ سارے صفاتی نام ہیں۔ ''رحمٰن'' صفاتی نام ہے، ''رحیم'' اس کی صفت مبارکہ ہے۔ تو یہاں اللہ نے اپنا ذاتی نام اس لیے بیان کیا ہے کہ تمام تعریفیں اسی ذات

کے لیے ہیں جو تمام کمالات کی جامع ہے۔

اللہ کی تعریف یہ ہے: اَلْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِیْعِ الصِّفَاتِ الْکَمَالِیَّۃِ، اللہ وہ ہے جو کمال کی تمام صفتوں کا جامع ہو۔

آپ اللہ کی تعریف کریں گے؟ اس لیے کہ وہ رب العالمین ہے۔ یعنی ہر جملہ کے اندر ایک ربط ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے کیوں ہیں؟ کیوں کہ وہ ساری کائنات کا پالنے والا ہے، ساری کائنات کا پروردگار ہے، خالق ہے۔ ترقی عطا فرمانے والا ہے، روزی دینے والا ہے۔ جب رب العالمین وہ ہے تو عالمین کو بھی اسی کی تعریف کرنی چاہیے اور اسی کی حمد بیان کرنی چاہیے۔

وہ کیسا رب العالمین ہے؟ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (سورۃ ھود ایۃ الآیۃ:6)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔

زمین میں کوئی ایسا جاندار نہیں ہے جس کی روزی اللہ نے اپنے ذمۂ کرم پر نہ رکھی ہو۔ آپ پرندوں کو دیکھیے، صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو آسودہ ہو کر آتے ہیں۔ جانوروں کو دیکھیے، انہیں کون روزی دیتا ہے۔ خلاؤں میں پرواز کرنے والے پرندوں کو دیکھیے، وہ ہزاروں میل کا سفر کر کے اپنی روزی حاصل کر لیتے ہیں۔ دریا کی مچھلیوں کو، پہاڑوں کے اندر پوشیدہ مخلوقات کو اور زمین پر پھیلے ہوئے چوپایوں کو، درندوں کو، پرندوں کو، چرندوں کو کون روزی دیتا ہے؟ وہ کون ہے جو درختوں کو پالتا ہے؟ وہ کون ہے جو کائنات کی تمام چیزوں کی پرورش فرما رہا ہے؟ وہ تمام عالَم کا رب ہے، ہر شئی کا رب ہے۔ اس لیے وہی تعریف کا مستحق ہے جو کائنات کو پال رہا ہے، جو کائنات کی پرورش کر رہا ہے۔



معتزلہ وغیرہ نے کہا ہے کہ بندے کے لیے خیر کا کام کرنا اللہ کی مجبوری ہے اس لیے کہ اس نے پیدا کیا ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ غنی ہے، وہ بے نیاز ہے، وہ کیوں پال رہا ہے؟ اس لیے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے۔ بے پناہ مہربان، انتہائی رحم کرنے والا ہے۔

الرحمن الرحیم (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:2)

''رحمٰن'' اللہ کی وہ صفت ہے جس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا ہے۔ ''رحیم'' اللہ کی وہ صفت ہے جو غیر اللہ کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ خود سرکار دو عالم ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ قرآن عظیم نے ''رؤوف و رحیم'' کہہ کے پکارا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ التوبۃ الآیۃ:128)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان۔

اس لیے ''رحمٰن'' اس کی ایسی صفت ہے جس کو پہلے بیان فرمایا گیا ہے، جس میں اللہ کے علاوہ کوئی شریک نہیں ہے۔ ''الرحمٰن'' کا معنی ہے جو رحمت کی تمام عظمتوں کو سمیٹے ہوئے ہو، جس کی ذات نے رحمت کا احاطہ کر لیا ہو۔ اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے جس کی ذات نے رحمت کا احاطہ کر رکھا ہو اس لیے کہ صرف وہی رحمٰن ہے۔ بعض لوگ اپنے بچوں کا نام ''رحمٰن'' رکھتے ہیں۔ یہ بہت غلط ہے۔ خدارا ایسا مت کریں، بلکہ اسے ''عبدالرحمٰن'' (رحمٰن کا بندہ) کہیں۔ ''رحمٰن'' اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ نام کسی بھی شکل میں استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ہو رہا ہے تو غلط ہے اور اگر کسی نے کیا ہے تو اسے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنا چاہیے۔ جیسے آپ کسی کو ''اللہ'' نہیں کہہ سکتے، بلکہ عبداللہ کہیں گے۔ ایسے ہی آپ کسی کو صرف

''رحمٰن'' بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ ''عبدالرحمٰن'' کہنا ہوگا۔ یہ اللہ کی صفت خاص ہے۔

وہ رحمٰن ورحیم ہے۔ ایسا رحمٰن اور ایسا رحیم ہے کہ وہ کائنات کو اپنی رحمت سے پال رہا ہے، اپنے کرم سے پال رہا ہے، اپنی عنایت سے پال رہا ہے۔ ایک ماں اگر اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے تو اللہ کی بخشی ہوئی اس رحمت کے سہارے کرتی ہے جو ماں کے دل کے اندر ہے۔ ایک چڑیا اگر اپنے بچوں کے منہ میں دانا ڈالتی ہے تو وہ بھی اس لیے کہ اس ننھے سے دل کے اندر اللہ نے رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ ایک مچھلی اگر دریاؤں کی موجوں میں اپنے بچوں کو لے کر حلقہ بنائے ہوتی ہے تو وہ بھی اللہ کی رحمت کی بنیاد پر ہے۔ ایک مرغی کا بچہ اگر چیل لے کر اڑ لے تو مرغی چالیس چالیس فٹ تک چیختی ہوئی جاتی ہے، یہ ممتا کا جذبہ اس ننھی سی مخلوق کے اندر کس نے پیدا کیا ہے؟ پروردگارِ عالم نے جو رحمٰن ورحیم ہے، اس نے کائنات پر اپنی رحمانیت کا پرتو ڈالا اور کائنات کی پرورش ہوگئی۔

ماں کا شکم جس میں بچہ ہوتا ہے اسے ''رِحم'' کہتے ہیں، یہ بھی رحمت ہی سے مشتق ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ○ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:3)

(روزِ جزا کا مالک)

کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان اللہ کی رحمتوں پر بھروسہ کر کے گناہوں کا ارتکاب کرے کہ چلو ٹھیک ہے، وہ تو رحمٰن ورحیم ہے، اس لیے ہم گناہ کریں تو بخشے ہی جائیں گے۔ ایسا نہیں ہے۔ اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَآءِ، ایمان امید اور بیم کے درمیان کی شئی ہے۔ وہ رحمٰن ورحیم ہے، اس کی رحمت طلب کرتے رہو لیکن اس کے عذاب سے ڈرتے بھی رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے گناہوں کی بنیاد پر تمہیں سزا دی جائے۔ اس لیے فرمایا گیا: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، وہ رحمٰن ورحیم ہے مگر جزا اور بدلے کے دن کا مالک بھی ہے۔ اس کی رحمت کا سہارا بھی مانگو،



اس کی رحمت کے امیدوار رہو، ساتھ ہی اس کے عذاب سے ڈرتے بھی رہو۔ اس نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے، جہاں تمام انسانوں کا احتساب ہوگا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:4)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

جب یہ یقین ہوگیا کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے، اور مالک یوم الدین بھی ہے تو بندہ بے ساختہ خدا کی بارگاہ میں جھک گیا اور اللہ نے اسے تعلیم دی کہ تم یہ کہو! اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○ اے اللہ! ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ اگر کسی اور سے مدد چاہیں گے تو وہ بھی تیری ہی عطا ہوگی اور تیری ہی بخشش ہوگی۔

کائنات میں آپ اپنی ضرورتوں کے لیے دوسروں سے مدد مانگتے ہیں، لیکن یہ مدد اس کا ذاتی فعل نہیں ہے۔ اللہ دیتا ہے تب کوئی آپ پر مہربانی کرتا ہے، تب آپ کی کوئی مدد کرتا ہے، تب آپ کو کوئی سہارا دیتا ہے۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کہا ہے: مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ، اللہ کے لیے میری مدد کرنے والا کون ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی سے یہ کہہ کر مدد طلب کرنا کہ جو کچھ ملتا ہے اللہ کی بارگاہ سے ملتا ہے اور اللہ ہی کسی کے دل میں ڈالتا ہے تو وہ کسی کی مدد کرتا ہے، یہ جائز ہے، ناجائز نہیں ہے۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ عبادت انتہائی تذلل اور انکساری کا نام ہے، خدا کی بارگاہ میں جھکنے کا نام ہے۔ عبادت صرف اللہ کی کی جائے گی، اور تمام معبودانِ باطل کو یقیناً ٹھوکر لگائی جائے گی۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

جب ہم نے یہ دعویٰ کیا کہ اے اللہ! ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں، تو یہ شبہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان ہمیں گمراہ کر دے، غلط راستہ پر ڈال دے۔ ہم عبادت کر رہے ہوں اور وہ عبادت نہ ہو۔ ہم بندگی کا دعویٰ کر رہے ہوں اور وہ بندگی نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدانِ قیامت میں ہمارے اعمال ریاکاری کی بنیاد پر، دکھاوے کی بنیاد پر ہمارے منہ پر مار دیے جائیں۔ اس لیے جب بندہ یہ دعا کرتا ہے کہ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:5)

ہمیں سیدھا راستہ چلا۔

اے اللہ! ہم تیری عبادت ضرور کرتے ہیں اور کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ مگر یہ اُس وقت ممکن ہے، جب تو ہمیں صراطِ مستقیم پر چلائے، سیدھے راستہ پر چلائے۔

بہت سے ترجمہ کرنے والوں نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا ترجمہ کیا ہے: ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ہمیں سیدھا راستہ چلا۔ اے اللہ! ہم نے تیرے محبوب کی ہدایت کے مطابق سیدھا راستہ تو دیکھ لیا ہے۔ مگر تو ہمیں منزل تک پہنچا دے۔ راستہ دکھانے والا اگر چہ راستہ دکھا دے، مگر آگے جا کر آپ بھٹک سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ یہ گلی کہاں جاتی ہے؟ میں نے بتا دیا، مگر آپ آگے جا کر بھٹک گئے۔ اگر میں آپ کے ساتھ رہوں گا تو یقیناً آپ نہیں بھٹکیں گے۔

بلا تمثیل کہنا چاہتا ہوں کہ بندہ کہتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، اے اللہ! راستہ ہم نے دیکھا ہے، مگر اپنی مشیت کو ہمارے ساتھ کر دے تا کہ ہم کہیں بھٹکنے نہ پائیں۔



ہمیں منزل تک پہنچا دے۔ ہدایت کے تعلق سے یہ دو اصطلاحات موجود ہیں۔

(۱) اراءۃ الطریق، راستہ دکھا دینا۔

(۲) ایصال الی المطلوب، منزل تک پہنچا دینا۔

ہمارے امام نے ''اھدنا'' کا ترجمہ ''راستہ چلا'' کر کے یہ بتایا ہے کہ تمہیں اللہ کی رحمت ہی منزل تک پہنچائے گی، تمہارے مقصد سے تمہیں ہمکنار کرے گی۔ اس کے بعد یہ بھی شبہہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ہر قوم یہ دعویٰ کرتی ہے، ہر طبقہ یہ دعوی کرتا ہے، بہت سے فرقے یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہمارا راستہ صراطِ مستقیم ہے۔ تو ہم کیسے جانیں گے، ہم کیسے سمجھیں گے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ تو اللہ نے اس کے لیے ایک معیار عطا فرما دیا ہے:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:6)

راستہ ان کا جن پر تو نے انعام کیا۔

اے اللہ! ہمیں ان کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہے۔ اب انعام یافتہ کون ہیں؟ ہر قوم کہتی ہے کہ ہم انعام والے ہیں، ہم انعام یافتہ ہیں۔ تو اس کی وضاحت اس آیت میں کر دی گئی:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (سورۃ النساء الآیۃ:69)

ترجمہ: تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

انعام یافتہ نبیین ہیں، صدیقین ہیں، شہدا ہیں اور صالحین ہیں۔ چار جماعتیں ہیں۔

(۱) انبیا کی جماعت۔

(۲) صدیقین کی جماعت، جو انبیا کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

(۳) شہدا کی جماعت، جو اللہ کے راستہ میں جان دینے والے ہیں۔

(۴) صالحین کی جماعت، جو نیک اعمال کرنے والے ہیں۔

یہی چار جماعتیں ہیں جن کے اندر صراط مستقیم اور انعام محدود ہے۔ اس لیے جب بھی کوئی انعام یافتہ ہونا چاہے تو انبیا کے راستہ پر چلے، صدیقین کے راستے پر چلے، شہدا کے راستہ پر چلے، صالحین کے راستہ پر چلے۔ تب تو وہ نجات پائے گا ورنہ بھٹک سکتا ہے۔ دنیا میں وہ قومیں گزری ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور وہ قومیں بھی ہیں جن پر اللہ نے عذاب کیا ہے اور وہ بھی جو گمراہ ہو گئے۔ اس لیے یہ بھی دعا میں شامل کر دیا گیا:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

(سورۃ الفاتحۃ الآیۃ:7)

اُن کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ ان کے راستہ پر نہ چلا جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور جو گمراہ ہو گئے ہیں۔

ہم گمراہ ہونے والوں کے راستہ پر نہیں بلکہ ہدایت یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں،

امین۔ اے اللہ! ایسا ہی ہو۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ



## خطاب نمبر (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ، وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج کی اس مجلس میں قرآن پاک کی دوسری سورت، سورۂ بقرہ کے کچھ فضائل، اس کا زمانۂ نزول، شانِ نزول اور چند ابتدائی آیات مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ قبول فرمائے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ پڑھا کرو۔ اس کا پڑھنا برکت کا سبب اور رحمت کا موجب ہے اور نہ پڑھنا حسرت ہے۔

(صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا باب فضل قرأۃ القران، الرقم: 804)

جب میدانِ قیامت میں اس سورت کے پڑھنے والوں کو بلند درجہ ملے گا تو نہ پڑھنے والوں کو بے حد افسوس ہوگا۔

(شرح السنة للبغوی کتاب فضائل القران باب فضل سورة البقرة وال عمران الرقم: 780)

جو شخص سورۂ بقرہ پڑھے گا اس کو جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے گی اس گھر میں تین دن تک شیطان داخل نہیں ہوگا۔

(صحیح ابن حبان کتاب الرقائق باب قراءة القران، الرقم:780)

مسلم شریف میں ہے کہ شیطان اُس گھر سے بھاگتا ہے جس میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے۔

(صحیح المسلم کتاب صلوة المسافرین وقصرها باب استحباب صلوة النافلة فی بیته وجوازها فی المسجد الرقم:212)

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص سوتے ہوئے سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھے گا وہ قرآن شریف کو کبھی نہیں بھولے گا۔ چار شروع کی آیتیں، آیۃ الکرسی اور دو مزید آیتیں اور آخری تین آیتیں۔

(سنن الدارمی ومن کتاب فضائل القران باب فضل اول سورة البقرة واية الکرسی الرقم:3428)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی اول چار آیتیں اور آخری دو آیتیں پڑھا کرو۔

(المرقاة 81/4 باب دفن المیت)

سورۂ بقرہ کے خواص میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر کسی دشمن کا خوف ہے تو اس سورت کو رات کے بارہ بجے اپنے دل میں دشمن کا تصور کر کے پڑھا کرو، اللہ اس سورت کی



برکت سے دشمن کے ہر شر سے محفوظ رکھے گا اور اس کے حملہ کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

سورۂ بقرہ کا زمانۂ نزول آقائے دو جہاں ﷺ کی مدنی زندگی ہے۔ قرآن پاک کی سورتوں کو مکی اور مدنی سورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مکی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت سے پہلے مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور مدنی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کی اس کے بعد جتنی بھی سورتیں نازل ہوئیں ان کو مدنی سورتوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ شہر مدینہ میں نازل ہوئی ہوں، یا سفر میں نازل ہوئی ہوں یا میدانِ جہاد میں نازل ہوئی ہوں، یا کسی اور مقام پر نازل ہوئی ہوں۔ لیکن ان کو مدنی سورتوں کے نام سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔

سورۂ بقرہ بھی مدنی سورت ہے اور یہ قرآن عظیم کی طویل ترین سورت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل و برکات احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔

اللہ کے رسول تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والوں پر میدانِ قیامت میں سایہ فگن ہوگی اور قیامت کی تمازت سے محفوظ رکھے گی۔

(صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرین وقصرها باب فضل قراءة القرآن، وسورة البقرة 805)

احادیث مبارکہ میں اس کے اس طرح کے بہت سے فضائل موجود ہیں۔ سورۂ بقرہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں ان کے مضامین مکی سورتوں سے مختلف ہیں۔ اس لیے کہ مکۂ مکرمہ میں صرف کفار مکہ یا قریش تھے جو قرآن کے مخاطب تھے۔ وہ اللہ کو مانتے تھے مگر اس کی وحدانیت کو نہیں مانتے تھے، اس کے بہت سے شرکاء مانتے تھے، وہ شرک جلی کے شکار تھے۔ تین سو ساٹھ بت تو خانۂ کعبہ میں رکھے گئے تھے۔ ہر قبیلے کا الگ بت تھا، ہر خاندان کا الگ بت تھا۔ یہ صورت حال مکۂ مکرمہ میں تھی۔ وہ

آخرت کو نہیں مانتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہوگا؟ یہ ناقابل یقین ہے۔ قرآن پاک کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تھے اور سرورِ کائنات ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔

اس لیے مکۂ مکرمہ میں جتنی بھی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان تمام سورتوں کا محور یہی چار عقیدے رہے ہیں۔ (۱) اللہ کی وحدانیت (۲) سرورِ کائنات ﷺ کی رسالت (۳) بعث بعد الموت، قیامت اور حشر ونشر (۴) قرآن پاک کا منزل من اللہ ہونا۔ بیشتر آیات مبارکہ میں انہی چار عقیدوں کو مختلف انداز، مختلف اسالیب اور بے شمار دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کئی دلائل کے ساتھ، تخلیق خداوندی کے حوالے سے کائنات کے حقائق کے حوالے سے ان عقائد کو پیش کیا گیا ہے اور ان کو مضبوط اور مستحکم کیا گیا ہے۔

مکۂ مکرمہ میں چوں کہ مسلمانوں پر مظالم توڑے جا رہے تھے، ان کی زندگی بڑی مشکل تھی ان کے لیے جینا دشوار تھا، اس لیے انہیں بہت سے احکامات سے نہیں نوازا گیا۔ ان کے ذمے صرف یہ تھا کہ اللہ کو ایک مانیں، آخرت پر یقین رکھیں، نبی کی نبوت اور رسالت کا اقرار کریں اور قرآن عظیم کو کلامِ الٰہی تصور کریں۔ چنانچہ ان پر انتہائی زور دیا گیا۔ ان کے ایمان کا یہ عالم تھا کہ صلیب و دار سے گزرے، موت سے ہمکنار ہوئے، لیکن کسی ایک بھی عقیدے سے وہ منحرف نہیں ہوئے۔

کفار مکہ بتوں کی پرستش کرتے تھے جس کے نتیجے میں انہوں نے خدائے وحدہٗ قدوس کی وحدانیت کا انکار کر دیا تھا، جو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ قرآن عظیم نے اس عقیدے پر اتنا زور دیا کہ قرآن کی ایک تہائی (One Third) آیات صرف وحدانیت، رسالت، بعث بعد الموت اور قرآن پاک کی حقانیت پر مبنی ہیں اور ان میں بیشتر آیات مکی ہیں۔



مدینۂ طیبہ میں ماحول مختلف تھا۔ جب آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں براہِ راست چار قوتوں سے سابقہ تھا۔ ایک طرف یہود تھے جو وہاں پہلے سے آباد تھے، عیسائی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ منافقین تھے جو اوپر سے کلمہ پڑھتے تھے اور اندر سے اسلام کے مخالف تھے۔ یہ قوتیں تھیں، یہود تھے، نصاریٰ تھے، منافقین تھے اور اسلام کو قبول کرنے والے مسلمان تھے۔ مسلمانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدنی سورتوں میں احکام کی تعلیم عطا فرمائی۔

چوں کہ مکۂ مکرمہ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ وہاں ایک اسلامی اسٹیٹ یا اسلامی نظام حکومت قائم کیا جا سکے اس لیے عبادات کے باب میں صرف نماز کا حکم اور نماز کی فرضیت مکے کی ہجرت سے پہلے آخری لمحات میں شب معراج میں دی گئی۔ لیکن روزہ، حج اور زکوٰۃ یہ سارے احکامات مدنی زندگی میں نازل کیے گئے۔

انسان کی معاشی زندگی، تمدنی زندگی، اخلاقی زندگی، سیاسی زندگی، ان تمام زندگیوں کے بارے میں اور ان تمام نواحی حیات کے بارے میں قرآن عظیم کی آیات مبارکہ مدنی زندگی میں نازل کی گئیں۔ اس لیے مدنی آیات میں ایک طرف قرآن عظیم یہود ونصاریٰ کے اعتراضات اور ان کے لگائے گئے الزامات کے توریت وانجیل کے حوالے سے جواب دیتا ہے۔ ان کے عقائد باطلہ کو رد کرتا ہے اور قرآن پاک کی حقانیت کو ثابت کرتا ہے۔ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت مطلقہ اور سیادت عامہ کے باب میں یہود ونصاریٰ کی کتابوں ہی سے یہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ تم تو اس نبی منتظر وموعود کا انتظار کر رہے تھے اور ان کے نام سے اور ان کے وسیلے سے تم کفار پہ غلبے کی دعائیں کیا کرتے تھے اور آج جب یہ آ گئے ہیں تو تم ان کی مخالفت کر رہے ہو۔!

بات دراصل یہ تھی کہ مدینۂ طیبہ میں یہودیوں کا غلبہ تھا۔ وہ انتہائی دولت مند تھے اور مدینے کے غریب لوگ ان کی دولتوں کے نیچے دبے ہوئے تھے یہود ایک طرح سے حکمراں تھے اور مدینے کے دوسرے افراد محکوم تھے۔

منافقوں کا یہ عالم تھا کہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی جس نے مصلحتوں کی بنیاد پر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اندر سے وہ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ آقائے دوجہاں کی تشریف آوری سے کچھ پہلے مدینے کے لوگوں نے اس کے لیے سونے کا تاج بنوایا تھا تا کہ اسے بادشاہ قرار دیا جائے۔ لیکن آقا کی جلوہ گری کے بعد مدینے کا ماحول مکمل تبدیل ہوگیا اور اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ اس لیے وہ اندر سے جل بھن گیا تھا اور ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ وہ اسلام کی قوت کو مٹا دے اور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف جتنی بھی ممکن قوتیں ہیں ان کو جمع کر کے آقائے دوجہاں ﷺ اور ان کے ماننے والوں کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دے۔

یہ سازشیں وہ مکمل کرتا رہا اس لیے قرآن عظیم میں اس کے بارے میں بہت وضاحت کے ساتھ سورۂ منافقون نازل ہوئی اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں سات آیتیں صرف ان کے مکروفریب کے حوالے سے نازل فرمائی گئیں۔

اس کے علاوہ بھی جگہ جگہ منافقین کا تذکرہ رہا، عیسائیوں کا تذکرہ رہا، ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا۔ یہودیوں کے مکروفریب کا پردہ چاک کیا گیا۔ اس طرح اسلام کو ایک محکم، منظم اور باغیرت دین کی حیثیت سے قرآن عظیم نے مدینۂ طیبہ میں پیش فرمایا۔ اس لیے مدنی سورتیں دراصل انہی احکامات، واقعات اور قصص پر مشتمل ہیں جن میں یہود ونصاریٰ اور منافقین کے عقائد باطلہ کی تردید کی گئی ہے اور امت مسلمہ اور رسول اللہ صلی اللہ



تعالیٰ علیہ وسلم کے دیوانوں کو ایک نئے نظام زندگی اور ایک نئے دستور حیات سے متعارف کرایا گیا ہے۔

قرآن عظیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مکمل نظام زندگی اور دستورِ حیات عطا فرمایا ہے۔ وہ دستور زندگی اور نظام حیات مدنی زندگی کی آیات میں موجود ہیں۔ اس لیے جب بھی قرآن عظیم کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے زمانۂ نزول اور آیات، سورتوں اور احکام کے شانِ نزول کا جائزہ ضرور لیا جائے۔

اب آئیے میں چند آیات مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ سورۂ بقرہ کا آغاز الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے ہوتا ہے۔ الٓمّٓ حروف مقطعات میں سے ہے۔ حروف مقطعات کے بارے میں مفسرین کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ان حروف کا مفہوم اور معانی صرف اللہ اور اس کے رسول کے علم پاک میں ہے۔ یہ راز ہے اللہ اور رسول کے درمیان میں۔ اس لیے ان کے معانی کو عام نہیں فرمایا گیا۔

بعض مفسرین کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ اور رسول کے علاوہ حروف مقطعات کا علم بفیضانِ رسالت مآب اولیائے امت کو بھی عطا فرمایا گیا ہے۔ مگر اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ ان مفاہیم کا اظہار وہ عامۃ المسلمین کے سامنے کریں۔ اس لیے کہ ؎

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

صاحب روح المعانی نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح کنکریوں نے رسالت مآب کی گواہی دی اسی طرح حروف مقطعات بھی اہل اللہ اور اولیائے کرام کے سامنے بولتے ہیں اور اپنے مفاہیم کو خود واضح فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لکھنے والوں نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔ اب آیت مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ 2)

یہ وہ بلند رتبہ کتاب ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

قرآن عظیم نے اپنے کتاب الٰہی اور کلام الٰہی ہونے پر دو جنوں ثبوت پیش فرمائے ہیں اور جہاں بھی قرآن عظیم کو شاعری کہا گیا ہے، خواب کہا گیا ہے، گڑھا ہوا کلام کہا گیا ہے، وہیں قرآنِ عظیم نے کفار کی تردید کی ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا ثبوت اسی سورۂ بقرہ کی وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:23)

اگر تم شک کر رہے ہو اس کلام پر جو ہم نے اپنے حبیب کے اوپر نازل کیا تو اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ۔

ظاہر ہے کہ یہ چیلنج ایسا واضح تھا کہ اگر وہ لوگ اس کا جواب دے دیتے تو پورا اسلام صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا۔ مگر اس کا جواب ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے کہ اللہ کا کلام لاجواب ہے، دنیا میں کوئی بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ اللہ کی مخلوقات کا عالم یہ ہے کہ اس نے مچھر اور مکھی پیدا کیے اور آج دنیا اس کا جواب نہیں دے سکتی ہے۔ خلاؤں میں پرواز بھی کرتے ہیں، مصنوعات کی زیادتی بھی ہے، مگر اللہ کی تخلیق کا جواب نہیں ہے۔ جب اللہ کی تخلیق کا جواب نہیں ہے تو اللہ کا کلام جو اس کی ذات کے ساتھ ہے، اس کا جواب کیسے ممکن ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ کفار نے کوشش کی اور پھر وہ ناکام ہو گئے۔

آپ ذرا سوچیے کہ اگر کلام الٰہی کا جواب دینا ممکن ہوتا اور وہ ایسا کر سکتے تو بدر و حنین



اور خیبر و خندق میں اپنی گردنیں کٹوانے کے بجائے اور اپنے جگر گوشوں کی لاشوں پر ماتم کرنے کے بجائے وہ مل جل کر قرآن پاک کا جواب تلاش کر لیتے۔ لیکن ایسا ممکن نہیں تھا اس لیے کہ اللہ نے ارشاد فرمایا: لَا رَيْبَ فِيْهِ، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نہ اس کے کلام میں، نہ اس کے مضامین میں اور نہ اس کے کلام الٰہی ہونے میں۔ یہ اللہ کا کلام ہے، ہر شک اور ہر شبہ سے بالاتر ہے۔

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:2)

(قرآن عظیم) متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن عظیم نے هُدًى لِّلنَّاسِ بھی تو فرمایا ہے۔ یعنی یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ تو یہاں متقیوں کی قید کیوں لگائی گئی؟ جواب یہ ہے کہ ہدایت تو تمام انسانوں کے لیے ہے مگر اس سے فائدہ صرف وہ اٹھا سکتے ہیں جو متقی ہیں، جن کا دل قبولیت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

متقی کون ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ متقی وہ ہے جس کے دل میں گناہوں سے شدید نفرت اور نیکیوں کی شدید خواہش ہو۔ یقیناً جس دل میں نیکیوں کی شدید خواہش ہوگی وہی قرآن پاک کے احکامات کو قبول کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا۔

اس کے بعد فرمایا گیا: الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:3) جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب پر ایمان لانے کی شرط اس لیے لگائی گئی کہ غیب کہتے ہیں ان تمام حقائق قرآنیہ کو جو انسان کے حواس خمسہ سے پوشیدہ ہوں۔ یعنی فائیو سینسیز (Five Senses) کے ذریعہ جن کا علم حاصل نہ کیا جا سکے۔ اس کا علم صرف وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل ہو۔ مثال کے طور پر قبر کی زندگی، برزخ کی زندگی، بعث بعد الموت، حشر کے سارے

مقامات، حساب وکتاب کا مرحلہ، میزان کا مرحلہ، صراط پر چلنے کا مرحلہ، حاملین عرش کا وجود، عالم بالا کی تمام تر کیفیات، حوض کوثر، لوح وقلم اور سب سے بڑھ کر ذاتِ خداوندی جو غیب الغیوب ہے اس ذات کا عرفان بغیر تقویٰ کے نہیں ہوسکتا۔ اس لیے غیب پر ایمان لانا بے پناہ ضروری ہے اور غیب پر ایمان لانے کے لیے صاحب تقویٰ ہونا ضروری ہے۔ اس لیے پہلے فرمایا گیا کہ یہ ہدایت ہے متقین کے لیے اور پھر واضح فرمایا گیا کہ متقی وہ لوگ ہیں جن کا پہلا کردار یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

ایک مسلمان دو زندگیوں پر یقین رکھتا ہے، ایک ہماری ظاہری زندگی جو موت سے پہلے کی زندگی ہے۔ یہ زندگی بہت مختصر ہے، ٹائم کے نقشے پر اس کی حیثیت ایک دھبے اور ایک نقطے سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد جو زندگی شروع ہونے والی ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اس کو فنا نہیں ہے، اس کو ہزاروں اور لاکھوں سال سے شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وہ جنت کی زندگی ہے۔ (اللہ اپنے کرم سے ہمیں عطا فرمائے)، یا دوزخ کی زندگی ہے۔ (اللہ محفوظ رکھے، آمین) وہ دائمی زندگی ہے، ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے۔ اس لیے دنیا کو آخرت کی زندگی کا مَزْرَعْ (کھیتی) قرار دیا گیا ہے۔ انسان جو یہاں بوئے گا، آخرت میں وہی کاٹے گا۔ اس لیے آخرت پر یقین لانا بے پناہ ضروری ہے۔ اگر آخرت پر یقین نہ ہو تو انسان دنیا میں نیک اعمال نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیشہ یہ سوچے گا کہ اگر لذتِ امروز میسر ہے تو اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔ جو لذتیں ہمیں میسر ہیں، جو کامیابیاں میسر ہیں، جو دولت اور سرمایہ میسر ہے اور گناہ کے ارتکاب کا مزہ میسر ہے اس سے ہمیں فائدہ اٹھانا ہوگا۔ وہ لذتِ امروز کو وعدۂ فردا جس کا اس کو یقین نہیں اس کے لئے قربان نہیں کرسکتا ہے۔

لیکن جب انسان آخرت کا یقین رکھتا ہے تو جب بھی کسی گناہ کی طرف قدم اٹھانا چاہتا



ہے، فوراً آخرت کا یقین اسے روک دیتا ہے کہ خبردار! تمہیں مرنا ہے اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اس لیے تقویٰ کا کمال آخرت کے یقین کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یقین آخرت اس دنیاوی زندگی میں توازن پیدا کردیتا ہے۔ ایک آدمی جس کے سامنے طرح طرح کی نعمتیں رکھی ہوں، کھانا رکھا ہو اور اسے یقین ہے کہ کل نہیں ملے گا اور کبھی نہیں ملے گا تو ان کھانوں کو بہت زیادہ کھانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جس کو یہ یقین ہے کہ کل اس سے بہتر نعمتیں ملنے والی ہیں تو یقیناً وہ بہت احتیاط سے اور بہت توازن کے ساتھ کھانا کھائے گا۔

یہی حال زندگی کے سارے معاملات کا ہے۔ اس لیے آخرت پر یقین کے ذریعہ انسان گناہوں سے بچتا ہے، بدکرداریوں سے بچتا ہے، خطاؤں سے بچتا ہے، اللہ کی ناراضگی سے بچتا ہے، جنت میں جانے کی کوشش کرتا ہے، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتا ہے، نمازوں کی پابندی کرتا ہے، اطاعت الٰہی میں جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اسے مرنا ہے۔

موت ایک ایسی سچائی ہے جس سے آج تک کسی کو انکار نہیں ہے۔ لوگوں نے خدا کا انکار کیا، لیکن موت کا انکار کوئی بھی نہیں کرسکتا ہے۔ جب مرنا ہے اور مومن کی نگاہ میں موت ایک دوسری زندگی کے آغاز کا نام ہے۔

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

تو اس کے بعد آخرت کا دور شروع ہوجاتا ہے۔ پھر میدانِ قیامت میں ایک ابدی زندگی کی بشارت ان کو دی جائے گی جو متقی ہوں گے اور اللہ کے کلام پر یقین رکھیں گے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا: وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ، (سورۃ البقرۃ الآیۃ: 3) جو لوگ متقی ہیں، جو لوگ پرہیزگار ہیں، جو لوگ غیب پر یقین رکھتے ہیں، وہ اعمالِ صالحہ میں نماز

کو قائم کرتے ہیں۔قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی نماز کا حکم دیا گیا ہے، وہاں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔یعنی نماز قائم کرنے کا۔قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو اس کے جملہ تقاضوں کے ساتھ پورا کرو۔بہترین وضو کرو، قرآن عظیم کی بہتر تلاوت کرو، قیام، رکوع اور سجود میں تعدیل ارکان سے کام لو، مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ اور قلب کی حاضری کے ساتھ نماز پڑھو۔لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ بغیر دل کی حاضری کے نماز اپنے منزلِ کمال تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

جب بازار بھر جاتا ہے اور بھیڑ اور ازدحام بہت ہوتا ہے تو عربی زبان میں کہتے ہیں: قَدْ قَامَتِ السُّوْقُ، بازار بھر گیا ہے۔اسی طرح انسان جب اپنی تمام تر قلبی کیفیات اور انابت الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو اسے اقامتِ صلوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔اس لیے قرآن عظیم فرماتا ہے: غیب پر یقین رکھنے والے متقی وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور نماز کے جملہ تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ قرآن عظیم یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں، اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی تھیں ان پر بھی وہ ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔

اسلام سے پہلے توریت ہے، انجیل ہے، زبور ہے اور صحائف ہیں۔یہ کتابیں نازل ہوئیں مگر ان کتابوں کو ان کے ماننے والوں نے اپنی خواہشات کے مطابق تبدیل کر دیا۔جو احکام انہیں سوٹ (Suit) کرتے تھے انہیں باقی رکھا اور جو احکام انہیں ناپسند تھے انہیں بدل ڈالا بلکہ ان کے بدلے اس میں من گھڑت آیات شامل کر دیں۔یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اربابِ اقتدار کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ان پر مذہبی پابندیاں عائد کی جائیں۔چنانچہ عیسائی بادشاہوں نے خاص طور پر اپنے علما کے ذریعہ کتابوں میں تبدیلیاں کروائیں۔



اللہ پاک اجمالی طور پر یہ حکم دیتا ہے کہ یقین لاؤ کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ سے پہلے جتنی بھی کتابیں نازل ہوئی تھیں، جناب موسیٰ پر، جناب عیسیٰ پر، جناب داؤد پر اور صحائف ابراہیم علیہم السلام، ان سب پر ایمان لاؤ اور یہ کہو کہ ہم ان کے مومن ہیں۔بلاشبہہ یہ کتابیں اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہیں اور ان کے جو حصے آج بھی کلامِ الٰہی ہیں ان پر یقین رکھتے ہیں۔لیکن عمل کے لیے ہمارے پاس قرآنِ عظیم ہے۔قرآن عظیم میں وہ سارے مضامین، وہ سارے احکامات جو توریت وانجیل میں دیے گئے تھے، سب شامل کر دیے گئے ہیں اور اسے اللہ کی آخری کتاب قرار دیا گیا ہے۔اس لیے ایمان سارے انبیا پر لاؤ، ایمان ساری کتابوں پر لاؤ، مگر عمل سرورِ کائنات کی سیرت پر، ان کے احکامات پر اور قرآن عظیم پر کیا جائے گا۔آپ دیکھیں قرآن پاک میں مِنْ قَبْلِكَ فرمایا گیا، یعنی آپ سے پہلے جو انبیا آئے اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئیں، اس کا تذکرہ بار بار کیا گیا ہے لیکن مِنْ بَعْدِكَ کا تذکرہ کہیں نہیں ہے، یعنی جو کتابیں آپ کے بعد نازل ہوں گی، یا آپ کے بعد جو نبی آئیں گے، اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔اس سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ سرورِ کائنات خاتم النبیین ہیں اور قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے۔سرورِ کائنات کے بعد نہ کوئی ظلی نبی آئے گا، نہ کوئی مجدد نبی آئے گا، نہ کوئی مجتہد نبی آئے گا۔یہ ساری تاویلات ایک دجال کی باطل نبوت کو ثابت کرنے کے لیے کی گئیں ہیں۔

نبی صرف نبی ہوتا ہے اور سرورِ کائنات خاتم النبیین ہیں۔ان کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی جلوہ گر نہیں ہوگا۔پروردگارِ عالم خدائے قدیر وجبار ہمیں قرآن پاک کی ان آیات پر یقین کرنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

## خطاب نمبر (۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاَنْذَرْتَہُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، برابر ہے ان کے لیے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعتوں پر مہر فرما دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پٹی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

سورۂ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتوں میں اہل ایمان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اب ان دو آیتوں میں اہل کفر کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ وہ کفار جن کو ایمان سے محروم کر دیا گیا ہے، اب وہ



ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لیے کہ ان کی ضد، نفرت اور اسلام دشمنی کی بنیاد پر ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے، ان کے کانوں پر مہر کر دی گئی ہے اور ان کی آنکھوں پر پٹی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

یہ اس لیے نہیں کہ (معاذ اللہ) یہ مشیت کی مرضی تھی کہ انہیں ایمان سے محروم رکھا جائے۔ بلکہ سرور کائنات پیغمبر اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کے جواب میں جو مظالم انہوں نے کیے، جو دشمنیاں کیں، مخالفتوں کے انبار لگائے، ہر طرح کے مظالم سے انہوں نے مسلمانوں کو دوچار کیا، پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور کسی بھی طرح سے وہ دین کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ بلکہ ان کی مخالفتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سلسلے میں بے پناہ پریشان تھے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تسلی دی کہ اے محبوب! ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے، ان کی دشمنی کی بنیاد پر، ان کی مخالفت کی بنیاد پر، وہ سماعتوں سے محروم کر دیے گئے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پٹی ہے۔ نہ دلوں سے حق قبول کر سکتے ہیں، نہ حق سننے کے لیے تیار ہیں اور نہ حق دیکھنے کے لیے تیار ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب مقرر کیا جا چکا ہے۔ اس لیے آپ ان پر محنت نہ کریں، آپ ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں جن کے قلوب ابھی کھلے ہوئے ہیں، جو آپ کے پیغام کو سننا چاہتے ہیں اور جن کی آنکھیں حقائق کو دیکھنا چاہتی ہیں۔

یہ آیات مبارکہ کفار کے طرز عمل، ان کی دشمنی اور ان کی مخالفتوں کے حوالے سے ہیں۔ لیکن ان کے بعد کی آیتیں صرف منافقین کے بارے میں نازل کی گئی ہیں۔ منافقین مدینہ طیبہ کے وہ لوگ تھے جو زبان سے کلمہ پڑھتے مگر دل سے کافر تھے۔ ان کا یہ عالم تھا کہ جب مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تو مسلمان ہیں اور جب کافروں سے ملتے تو کہتے کہ ہم تو

مسلمانوں کے پاس صرف مذاق کرنے اور دل بہلانے جاتے ہیں، ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔

ان کی یہ دورخی انتہائی خطرناک تھی اس لیے یہ خوف تھا کہ مسلمان ان کے دھوکے میں آنے کے بعد ان کے فریب سے بچ نہ سکیں۔ اس لیے قرآن عظیم نے ان کے فریب کا پردہ چاک کرنے ان کے اس کردار کو بہت واضح طور پر ان آیات مبارکہ میں بیان کیا ہے۔

بات دراصل یہ تھی کہ مدینہ میں یہودی معاشی اعتبار سے غالب قوت تھے اور مکہ کے کفار اسلام کے خلاف اپنی سازشوں میں مصروف تھے۔ منافقین نے یہ سوچا کہ ہم دونوں طرف رہیں۔ اگر اسلام غالب ہو جائے تو ہم فائدہ اٹھائیں گے اور اگر کفار مکہ یا یہود غالب ہو جائیں تو ہم یہ کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ ہی تھے۔ ہر دو صورت میں ہمارا فائدہ ہوگا۔

یہ وہ طرز عمل تھا جس کی بنیاد پر انہوں نے انتہائی سازشی ذہن کے ساتھ پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو جاری رکھا۔ بارہا انہوں نے کفار کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور بارہا یہود کو انہوں نے اسلام کے مدمقابل آمادۂ جنگ کیا۔ اس بنیاد پر یہ ضروری تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی دورخی پالیسی کا پردہ چاک فرمائے۔

اگر آپ دیکھیں تو آج بھی دنیا میں بہت سے باطل فرقے ہیں جو خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن وہ اندر سے مسلمان نہیں ہیں۔ ان کا طرز عمل، ان کا طریقۂ کار، ان کا کیریکٹر، ان کا کردار کافروں سے ملتا ہے، بلکہ کافروں کے کردار کی تعریف بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کو کفار کے شعار اپنانے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ آج بھی یہ طبقہ موجود ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن پاک کی ان آیات کی روشنی میں ان کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ



بِمُؤْمِنِيْنَ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:8)

کچھ لوگ ایسے بھی ہے یا وہ لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے، جب کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ نہ وہ اللہ پر حقیقتاً ایمان لائے ہیں اور نہ آخرت پر۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ::9)

وہ اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے ہیں۔ مگر وہ نہ خدا کو دھوکا دے سکتے ہیں اور نہ اہل ایمان کو، وہ تو صرف اپنی ذات کو دھوکا دے رہے ہیں اور انہیں شعور نہیں ہے کہ وہ شدید خسارے کا سودا کر رہے ہیں۔

جو اسلام سے بغاوت کرے گا، یا منافقت اختیار کرے گا، یقیناً اس کا نقصان اس کی ذات کو پہنچے گا۔ چنانچہ ان منافقین کو بھی ناکامیاں میسر آئیں گی اور یہ اپنی سازشوں میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ::10)

ان کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے۔ یہ منافق ہیں اور اللہ نے ان کی منافقت کی بنیاد پر، ان کی دشمنی کی بنیاد پر بطور سزا ان کے نفاق کو، ان کے مرض کو بڑھا دیا ہے۔ ان کے لیے انتہائی تکلیف دہ عذاب ہے، انتہائی دردناک عذاب ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ حقائق کو، سچائیوں کو اور اسلام کو جھٹلاتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ○

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:11)

اور جو ان سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد برپا نہ کرو، اپنی دورخی پالیسی کی بنیاد پر، اپنی منافقت کی بنیاد پر، اپنے اس طرزِ عمل کی بنیاد پر تم فساد فی الارض کے مرتکب ہو رہے ہو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ حق اور باطل میں ایک سمجھوتا ہو جائے، ہم تو مصلحین ہیں۔

کیا آپ اس آیت کریمہ کی روشنی میں آپ آج کے مغرب زدہ طبقے کو ملاحظہ نہیں کرتے کہ وہ اسلام کے خلاف اپنے طرزِ عمل سے لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہتے ہیں کہ ہم تو صلح پیدا کرنے والے ہیں، ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، ہم تو بڑے مصلح ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہی فساد برپا کرنے والے ہیں لیکن انہیں شعور نہیں ہے کہ جسے وہ اصلاح کا نام دے رہے ہیں وہ فساد ہے۔ حق سے انحراف، حق سے بغاوت، حق سے دشمنی، حق کی پردہ پوشی، سچائی کا انکار، صداقت سے دوری، یہ فساد ہے۔

حق تو ہمیشہ اصلاح کی دعوت دیتا ہے۔ مصلح وہ لوگ ہیں جو حق پر قائم ہیں اور مفسد وہ لوگ ہیں جو حق سے انحراف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:13)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں۔

اس کے مخاطب کفار بھی ہو سکتے ہیں اور منافقین بھی کیوں کہ ان کا ایمان اہلِ ایمان کی طرح نہیں تھا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ صحابۂ کرام جو اولین مومنین ہیں ان کے ایمان کو معیار قرار دے رہا ہے۔ ایمان لاؤ اُس معیار پر جس معیار پر لوگ ایمان لائے ہیں، صحابۂ کرام ایمان لائے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ معیارِ ایمان ہیں۔ اگر کوئی



شخص یہ کہتا ہے کہ صحابہ معیارِ ایمان نہیں ہیں تو وہ قرآن پاک کی اس آیت کا منکر ہے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:13)

تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے۔

ذرا اندازہ کیجیے کہ آج بھی اہلِ ایمان کو دنیا دار بے وقوف ہی سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمان بن کے خسارے میں ہیں۔ اگر یہ مومن نہ ہوتے اور دنیا کے کافروں کی طرح ہوتے تو ان کو بہت کامیابی ملتی۔ یہ کامیابیوں کے مقام پر پہنچ سکتے تھے۔ لیکن یہ ان کا دین ہے جس کی بنیاد پر یہ نقصان اور خسارے میں ہیں۔

آج بھی مغرب زدہ ذہن یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ ان کا اسلام پر قائم رہنا ہے، اسلام پر ثبات قدم ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ مسلمانوں کی ناکامیابی کی وجہ اسلام سے دوری ہے، اسلام سے بغاوت ہے، اسلام پر عمل نہ کرنا ہے۔ اگر اسلام کو ماننا، اسلام پر عمل کرنا ناکامی کا سبب ہوتا تو قرونِ اولیٰ میں ایک صدی کے اندر مسلمان دنیا کے تین براعظموں سے اپنی عظمتوں کا لوہا نہ منوا سکے ہوتے۔

لیکن جب سے مسلمانوں کا رشتہ اسلام سے کمزور ہوا، قرآن پاک سے تعلق ٹوٹا مسلمان مسلسل زوال سے دوچار ہیں۔ یہ ترقی پسند متجددین یا مستغربین یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی ناکامی کی وجہ اسلام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی ناکامی کی وجہ اسلام نہیں ہے بلکہ اسلام کے دامن سے دوری ہے اور اسلام کو عملاً ترک کر دینا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:14)

جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب وہ اپنے

شیطانوں کے ساتھ الگ ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں، ٹھٹھا کرتے ہیں۔

آپ غور فرمائیں! شیاطین سے مراد یہود و نصاریٰ اور کفار ہیں جن سے مل کر منافقین ان سے ہمنوائی کا دعویٰ کرتے اور اپنے ایمان کا انکار کرتے تھے۔ اس لیے کہ شیاطین گمراہ کرتے ہیں، شیاطین غلط راستہ پہ لے جاتے ہیں اور یہ لوگ بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لیے ان کو شیاطین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ○(سورۃ البقرۃ الآیۃ:14)

جب ان سے کہا جاتا کہ صحابہ کی طرح ایمان لاؤ، سچے مسلمان بن جاؤ، تو وہ کہتے تھے کہ ہم تو مذاق کرتے ہیں۔ یہ انتہائی دردناک کیفیت ہے کہ مسلمانوں سے مل کر اسلام بھی ظاہر کرتے تھے اور کافروں سے مل کر یہ کہتے تھے کہ ہم تو ان سے مذاق کی بنیاد پر ملتے ہیں، استہزا کی بنیاد پر ملتے ہیں، ہم ان سے ٹھٹھا کرتے ہیں، تفریح کے لیے ان سے ہم ملتے ہیں۔

اللہ جواب عطا فرماتا ہے: اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:15)

(وہ مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں بلکہ) اللہ اپنی شان کے مطابق ان کے استہزا کا انہیں جواب دیتا ہے اور ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے جس میں وہ بھٹکتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اس طرح کا استہزا فرمائے جیسا کافر یا منافقین کیا کرتے تھے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہم ان کے استہزا کا جواب دیں گے، ان سے ہم انتقام لیں گے، انہیں ہم سزا دیں گے۔ البتہ دنیا میں کچھ دنوں کے لیے انہیں ڈھیل دی جائے گی تاکہ ان کی سرکشی اور بڑھ جائے اور وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں اور صراطِ مستقیم کو



نہ پا سکیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرنا چاہا اور خدائے برتر و بالا ان کے مذاق کا اس طرح بدلہ دے گا کہ انہیں سزاؤں سے ہمکنار کرے گا۔ ان کی سرکشی بڑھ جائے گی اور پھر انہیں جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں میں ڈال دیا جائے گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى(سورۃ البقرۃ الآیۃ:16)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ انہوں نے گمراہی کو قبول کیا ہے اور ہدایت سے اپنا دامن چھڑا لیا ہے۔ پیغمبر اعظم سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں ہدایت دینے کے لیے جلوہ گر ہوئے تھے، انہیں صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دے رہے تھے لیکن انہوں نے گمراہی کو پسند کیا، ہدایت کے بدلے میں انہوں نے گمراہی خریدی۔

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ○(سورۃ البقرۃ الآیۃ:16)

یہ تجارت ان کو فائدہ نہیں پہنچائے گی، یہ تجارت ان کو شدید نقصان سے دوچار کرے گی اور یہ کبھی ہدایت یافتہ نہیں ہوں گے۔

ان آیات مبارکہ میں کفار اور ان کے ساتھ ساتھ منافقین کے لیے کچھ ایسی باتیں کی گئی ہیں جن کو اگر مسلمان اپنے سامنے رکھے تو کبھی وہ ان کے فریب میں نہ آئے۔ مسلمانوں میں ایک طبقہ آج بھی ایسا ہے جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے لیکن اس کا کردار، اس کا طرز عمل، اس کی معیشت، اس کی معاشرت، اس کا رہن سہن اسلام سے بہت دور ہے۔ وہ اسلام بیزار لوگ ہیں جو آج کے حالات اور آج کے ماحول میں کفر سے ساز باز کرتے ہیں اور زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔

یہ طرز عمل انتہائی نقصان دہ ہے۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ صرف انہی سے رابطہ

رکھیں جو اسلام کی سچائیوں کو دل سے مانتے ہیں، اسلام کو ایک مکمل نظام زندگی اور نظام حیات کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ وہ منافقین جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اہل اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، اسلام کی شوکت کو توڑنا چاہتے ہیں، ان منافقین سے مکمل طور پر بچنے کی کوشش کریں۔

آج آپ دیکھیں کہ بہت سے فرقے ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن وہ مسلمان نہیں ہیں۔ انہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور اہل اسلام کو دھوکا دینے کو دین کہتے ہیں۔ آج ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر اہل اسلام نے، ارباب ایمان نے کام کرنا چھوڑ دیا اور اسلام کی صداقت کی تبلیغ حقیقی طور پر ترک کر دی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کا غلبہ ہوگا اور اسلام دن بدن نقصان پذیر ہوگا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے بچیں جن کا طرز عمل دو رخی ہو، جو دو چہرے رکھتے ہیں مسلمانوں میں اسلام کی بات کرتے ہیں اور کفار کے ساتھ مل کر کے وہ کفر کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مسلمان ہمیشہ حق کا ساتھ دیتا ہے اور وہ کبھی بھی کوئی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کر سکتا جس میں وہ کفر کے ساتھ سمجھوتا کرنے کی کوشش کرے اور اسلام کو بھی حق سمجھے اور باطل کو بھی حق سمجھے۔ کوئی مسلمان ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔

اس لیے ان آیات کی روشنی میں آج کے دور کا جائزہ لیجیے اور خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں دعا کیجیے کہ پروردگارِ عالم آپ کو سچا اور پکا مسلمان رکھے۔ ایمان پر زندہ رکھے اور ایمان پر خاتمہ ہو۔ زندگی میں کبھی ایسا لمحہ نہ آئے جب باطل آپ کے قریب آئے اور آپ باطل کے سامنے جھکے ہوئے نظر آئیں۔ اور اللہ ان سادہ لوح مسلمانوں کو بھی ہدایت دے جو حق کو سمجھتے نہیں ہیں اور باطل کے فریب میں آسانی سے آجاتے ہیں۔ خدائے وحدہ قدوس ہم سب کو ایمان کی اعلیٰ ترین قدروں سے نوازے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



## خطاب نمبر (۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ

وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ،

صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

سورۂ بقرہ کی اس آیت شریفہ میں اللہ رب العزت ارشاد فرما رہا ہے کہ اے لوگو! تم اپنے اُس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اس آیت کریمہ کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ اللہ ہمارا خالق ہے، ہمارا پروردگار ہے، ہمیں

روزی دیتا ہے، زندگی کی تمام توانائیوں سے نوازتا ہے، اس لیے عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے۔ یہ انتہائی ظلم کی بات اور گناہِ عظیم ہے کہ انسان کو اللہ نے پیدا کیا ہے، روزی اللہ دے رہا ہے، پروردگار عالم ہی ان کی زندگی کی تمام ضرورتوں کی کفالت فرماتا ہے اور پھر اگر انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کی پرستش کرے تو یہ انتہائی ظلم اور زیادتی کی بات ہے اور اسی کو شرک کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک کرنا، اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: تمہارا رب وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہارے لیے آسمان سے بارش نازل کی اور اس بارش کے ذریعہ پھلوں کو پیدا فرمایا تاکہ تم ان سے رزق حاصل کرسکو۔ تو خبردار!! اللہ کے علاوہ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ جب کہ تم جانتے ہو کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اللہ اپنی ربوبیت کے حوالے سے اپنے بندوں کو یاد دلا رہا ہے کہ میں تمہارا خالق ہوں، میں تمہارا پروردگار ہوں، میں تمہارا رب ہوں، تمہاری ہر سانس پہ میرا کنٹرول ہے۔ تمہارا ہر لمحۂ زندگی میری عطا ہے۔ اس لیے تم اگر میرے علاوہ کسی اور کی عبادت کروگے تو میری غیرت اسے کبھی گوارا نہیں فرمائے گی۔ ممکن ہے دنیا میں تمہیں چھوٹ دے دی جائے اور تمہیں سزا نہ ملے۔ لیکن یوم آخرت موجود ہے، جس میں تمہیں جہنم کے عذاب سے ہمکنار کیا جائے گا۔

گناہ کبیرہ بہت سے ہیں، مگر ان تمام گناہوں میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ بہت سی روایتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تمہارے تمام گناہوں کو معاف کردے گا بشرطیکہ تم نے شرک کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ شرک بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن پاک



میں سیکڑوں مقامات پر شرک کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ جو بھی اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک کرے گا یقیناً وہ جہنم کا مستحق ہوگا۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:23)

قرآن پاک ایک ایسے معاشرے میں نازل ہو رہا تھا جو عربی زبان میں بہت ممتاز تھا۔ عربوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم عرب ہیں اور پوری دنیا عجم ہے۔ ہم فصیح وبلیغ ہیں اور ہمارے مقابلے میں دنیا گونگی ہے۔ اگر آپ عربی ادب کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور جاہلی دور کے اشعار وغیرہ کا جائزہ لیں تو آپ کو حیرت ہوگی کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی جملہ شعری رعایتوں کے ساتھ اتنی اچھی شاعری نہیں ہو رہی ہے جتنی کہ آج سے چودہ سو سال پہلے دور جاہلیت میں عربوں نے کی تھی۔

ظاہر ہے کہ ان کو اپنی زبان پر ناز تھا، اپنی زبان پر غرور تھا، اپنے کو فصیح وبلیغ اور دنیا کو گونگا کہہ رہے تھے۔ اس لیے قرآن عظیم کو اس ماحول میں نازل فرمایا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ نے انبیائے کرام کو ان کے دور کے چیلنجیز کے مقابلے میں معجزات عطا فرمائے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر کا دور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا فرمایا گیا۔ اور بھی دوسرے معجزات جن کی بنیاد پر اس زمانے کے ساحر، جادوگر ایمان لے آئے اور ان کے قدموں میں جھک گئے اور اعتراف کیا کہ ہم ایمان لائے جناب موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے یونان کی طب، یونان کی میڈیکل سائنس اپنے نقطۂ شباب پر تھی۔ یونانیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم نے دنیا کے سارے امراض

پر قابو پالیا ہے۔ ہاں ایک مرض موت ہے جس پر ہم قابو نہیں پاسکے ہیں اور جس روز ہم موت کا علاج تلاش کرلیں گے، ہم موت پر قابو پا جائیں گے، پھر نہ ہم خدا کو مانیں گے، نہ حیات بعد الموت کو مانیں گے، نہ ہمیں مرنا ہوگا، نہ قبر میں جانا ہوگا، نہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔

ابھی انہوں نے موت کا علاج تلاش نہیں کیا تھا اور یہ ممکن بھی نہیں تھا۔ موت ایک امر مبرم ہے، اللہ کا ایک ایسا فیصلہ ہے جس کو ٹالا نہیں جاسکتا ہے۔ اس لیے وہ ایک غلط تصور میں تھے، غلط خیال میں تھے کہ ہم موت کو بھی مرض کی ترقی یافتہ شکل سمجھتے ہیں اور ہم موت پر بھی قابو پالیں گے۔ لیکن ایسا ممکن نہیں تھا۔ ہاں! ان کے چیلنجیز کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحا بنا کر بھیجا گیا اور حضرت عیسیٰ کی مسیحائی یہ اعلان کر رہی تھی کہ اے لوگو! تم موت کا علاج تلاش کرنے کے لیے فلسفۂ یونان میں پناہ لینا چاہتے ہو لیکن اگر موت کو زندگی میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہو تو میری بارگاہ میں آؤ۔ میں اشارہ کرتا ہوں تو مردہ زندہ ہو جاتا ہے، قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کہتا ہوں تو مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔

زندگی نبی کے قدموں سے وابستہ ہے۔ جو نبی سے دور ہوتا جائے گا مرتا جائے گا اور جو نبی سے قریب ہوتا جائے گا، زندہ ہوتا جائے گا، اور اسے حیاتِ جاوداں مل جائے گی۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام پر جو ایمان لائے وہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں مقرب ہوئے، انہیں روحانی اعتبار سے حیاتِ جاوداں میسر آگئی اور ایسے بہت سے لوگ تھے جنہیں جناب عیسیٰ علیہ السلام نے موت کے بعد مادّی زندگی عطا فرمائی۔ یہ ان کا معجزہ تھا۔

حضور سرور عالم تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی ایک دور کے لیے نہیں، کسی ایک عصر کے لیے نہیں، کسی ایک قوم کے لیے نہیں، کسی ایک زمانے کے لیے نہیں، بلکہ پوری کائنات کے لیے، ہر دور کے لیے، ہر زمانے کے لیے نبی بن کے جلوہ گر ہوئے تھے، ان کے



بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا۔ اس لیے اور انبیائے کرام کو معجزات دیے گئے اور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معجزہ بنا دیا گیا۔

وہ چلیں تو معجزہ ہو، وہ بیٹھیں تو معجزہ ہو، سر جھکائیں تو معجزہ ہو، تبسم ریز ہوں تو معجزہ ہو، تکلم نوا ہوں تو معجزہ ہو، نگاہِ کرم اٹھائیں تو معجزہ ہو، پتھروں پر قدم رکھیں تو پتھر پگھل جائے اور معجزہ ہو۔ پھر ان سارے معجزات میں سب سے اہم معجزہ قرآن عظیم ہے۔

اور انبیائے کرام کے معجزات زندہ نہیں ہیں۔ نہ عصائے موسوی زندہ ہے، نہ دست مسیحا موجود ہے۔ مگر قرآن عظیم آج بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے جو سرورِ کائنات ﷺ کا ایک ایسا معجزہ ہے جس کا جواب نہ دنیا کبھی دے سکی ہے اور نہ قیامت تک دے سکے گی۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان عربوں کو جو یہ کہہ رہے تھے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کو گڑھ لیتے ہیں، یہ تو شاعری ہے، یہ تو انہوں نے خود بنایا ہے، یہ دعویٰ غلط ہے کہ قرآن پاک کو اللہ نے نازل کیا ہے، تو ان کے جواب میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اگر تم شک کر رہے ہو جو ہم نے اپنے بندۂ خاص محمد عربی پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ۔ اگر تم تنہا نہ بنا سکو تو اللہ کے علاوہ اپنے تمام مددگاروں کو بلالو اور سب مل کر قرآن جیسی ایک سورت بنالاؤ، اگر تم سچے ہو۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن پاک کا یہ چیلنج اس وقت سامنے آیا جب کہ کفار مکہ کی دشمنی اپنے شباب پر تھی۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ قرآن پاک کا جواب تلاش کرتے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ انہوں نے کوشش کی، ناکام ہو گئے اور پھر انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ، یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو اس آگ سے

ڈروجس کے ایندھن انسان بھی ہیں اور پتھر بھی ہیں، جو آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ذرا سوچیے اس چیلنج کو جو آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن عظیم نے دیا تھا، آج بھی یہ چیلنج موجود ہے۔ کیا ضرورت تھی کفار عرب کو کہ وہ بدر، حنین، خیبر اور خندق میں جمع ہو کر کے پیغمبر اسلام کے خلاف جنگ کرتے اور اپنے جگر گوشوں کو میدانِ بدر میں تڑپتا ہوا دیکھتے؟ اگر وہ قرآن پاک کے اس چیلنج کے جواب میں مل جل کر ایک سورت بنا لیتے، چند آیتیں بنا لیتے تو اسلام باطل قرار دیا جاتا۔ ان کے لیے جنگ میں گردنیں کٹانا تو آسان تھا لیکن قرآن پاک کی کسی آیت کا جواب دینا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔

اس لیے کہ قرآن پاک ایک ایسا معجزہ ہے جو آج بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ قرآن پاک صرف ایک معجزہ نہیں ہے۔ عربی زبان میں آیت معجزے کو کہتے ہیں اور آیت قرآن پاک کے ایک مکمل جملے کو بھی کہتے ہیں۔ قرآن پاک کئی ہزار آیتوں کا مجموعہ ہے۔ اس طرح سے کئی ہزار معجزات ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں، ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس کے باوجود ہم اس عظیم انعام الٰہی سے غافل ہیں اور ہم قرآن پاک کی قدر و قیمت سے نا آشنا ہیں۔ وہ قرآن پاک جو ایک مکمل نظام زندگی بن کر جلوہ گر ہوا تھا اور جو ہماری کامیابی، ہماری فلاح، ہماری برتری، ہمارے غلبہ اور ہمارے عروج کا ضامن ہے، اس قرآن عظیم سے ہم نے بے اعتنائی برتی، جس کے نتیجے میں ہم مسلسل زوال پذیر ہو رہے ہیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دوبارہ عزت میسر آئے، دوبارہ وقار میسر آئے، دوبارہ سربلندی میسر آئے تو ہمیں اللہ کی مقدس کتاب کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور ہمیں اللہ تبارک



وتعالیٰ کے احکامات پر قرآن کی روشنی میں عمل کرنا ہوگا۔

یہ چیلنج ان عربوں کو دیا گیا تھا جو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز کر رہے تھے۔ آج چودہ سو سال بعد بھی نہ وہ جواب دے سکے اور نہ دنیا کا کوئی انسان جواب دے سکتا ہے۔ اس کا جواب دینے کے لیے کوشش کرنے والوں نے کوششیں بھی کیں لیکن ان کا جواب ان کے منہ پر مار دیا گیا۔

جواب اس لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں کو پیدا کیا ہے ان چیزوں کا جواب نہیں ہے۔ آج خلاؤں میں لوگ پرواز کر رہے ہیں، انتہائی ترقی کا زمانہ ہے، مگر مخلوقاتِ الٰہیہ کا جواب نہیں ہے۔ مکھی اور مچھر جیسی چھوٹی مخلوق کے برابر بھی یہ کوئی مخلوق پیدا نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کی تخلیق کا جواب نہیں ہے تو پھر اللہ کے کلام کا کیسے جواب ممکن ہوگا!، جو مخلوق نہیں ہے، جو اس کی صفت ازلی ہے۔ اس لیے قرآن پاک کا چیلنج اب بھی موجود ہے مگر جواب دینے سے ساری خلقت عاجز ہے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک تو مسلمان پڑھتے ہیں اور مسلمان اس کا جواب کیوں دیں گے؟ تو میں یہ کہوں گا کہ عربی صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، عربی یہودیوں کی بھی زبان ہے، بہت سے عیسائیوں کی بھی زبان ہے، بہت سے اورینٹلسٹ (Orientalist) اور مستشرقین یورپ کی بھی زبان ہے۔ ہر دور میں عربی زبان میں کچھ غیر مسلم بھی اتھارٹی کی حیثیت رکھتے رہے ہیں ان میں سے کوئی تو جواب دیتا۔ لیکن جب بھی قرآن پاک کا کوئی مطالعہ کرتا ہے یا تو وہ ایمان لے آتا ہے یا بے ساختہ یہ کہہ کر سرینڈر ہو جاتا ہے کہ اللہ کے اس کلام کا کوئی جواب نہیں ہے۔ قرآن عظیم نے یہ چیلنج اسی لیے ان کو دیا تھا اور اس چیلنج کا جواب نہ دے پانے کے بعد انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ بلاشبہہ یہ کلام الٰہی ہے، یہ

کلامِ بشر نہیں ہے۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اللہ کے رسول تاجدارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن پاک کی انتہائی مختصر سورت سورۃ الکوثر ''اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○'' کو لکھوا کر کعبہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا۔ اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی ماسٹر پیس یعنی کوئی شاہکار، کوئی شاندار شعر یا قصیدہ لکھتا تو اس کو کعبہ کے دروازے پر لٹکایا جاتا تھا۔ سبع معلقہ آپ کے سامنے ہے، وہ بھی کعبہ پر لٹکائے ہوئے قصائد تھے۔

آقائے دو جہاں نے سورۂ کوثر کو آویزاں کروایا، عرب کا ہر فصیح و بلیغ آتا اور سر جھکا کر گزر جاتا۔ اس کے بعد ان کے افصح العرب نے کہا: مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ، یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ جو سورۂ طیبہ سب سے مختصر تھی، اس کے بارے میں چیلنج پیش کیا گیا اور اس کا جواب عرب کے فصحا و بلغا سے بن نہ سکا۔

اب آئیے میں قرآن پاک کی وہ آیت کریمہ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کروں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:30)

اے محبوب! جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

کیا عجیب محبت بھرا اندازِ خطاب ہے۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کا اندازِ خطاب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقبولیت اور قرب خداوندی کا گواہ بن جاتا ہے، اللہ کی بارگاہ میں انہیں



بے پایاں قرب حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ خدائے قدیر و جبار بندوں میں جلوہ گر ہو کر اپنے احکامات کو نافذ نہیں فرمائے گا۔ وہ بے مثل ہے، بے مثال ہے۔ وہ پاک ہے، اس طرح سے کہ وہ کسی مادّی شکل میں جلوہ گر ہو۔ وہ ماورا ہے تمام مادّیات سے۔ اس کا تو یہ عالم ہے کہ ایک مغربی مستشرق نے کہا تھا کہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ذات خدا کو غیر مرئی اور غیر مجسم بنا کر کے ہمیشہ کے لیے رسوا ہونے سے بچا لیا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرح کوئی نہیں ہے۔

اس لیے اللہ نے زمین پر اپنے احکامات نافذ کرنے کے لیے جناب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس سے پہلے کہ کائناتِ انسانی کی تخلیق ہو، اس سے پہلے کہ انسان پیدا ہوں، اس سے پہلے کہ یہ زمین انسانوں سے آباد ہو، اس سے پہلے کہ وہ لوگ پیدا ہوں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق کے بہترین شاہکار ہیں، ان سب سے پہلے اللہ نے جناب آدم کو پیدا کیا تا کہ ان کے ذریعہ اس زمین کا سینہ انسانوں سے بھر جائے۔

وہ پہلے انسان ہیں، ابوالانسان ہیں، انہیں جب اللہ نے پیدا کرنے کا فیصلہ کیا اور فرشتوں میں یہ اعلان کیا کہ میں زمین پر اپنا نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں، تو فرشتوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں معروضہ پیش کیا تھا، حکمت جاننے چاہتے تھے۔ انہوں نے اعتراض نہیں کیا تھا، بلکہ سمجھنے کے لیے معروضہ پیش کیا تھا۔ فرشتے اعتراض کر ہی نہیں سکتے ہیں، اس لیے کہ فرشتوں کا تو یہ عالم ہے کہ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ، جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے صرف وہی کرتے ہیں۔ صرف سمجھنے اور جاننے کے لیے معروضہ پیش کیا۔

اصل میں ایسا تھا کہ انسانوں کی تخلیق سے کم وبیش دو ہزار سال پہلے اس زمین پر جنوں کی حکومت تھی۔ جنوں نے اپنی آتشی طبیعت کی بنیاد پر خون خرابہ کیا، زمین کو فساد سے بھر

دیا، قتل وغارت گری کی اور اللہ کے احکام سے مکمل انحراف کیا۔ تب اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان جنوں کو جنگلوں اور صحراؤں میں غیر آباد مقام پر بھیج دو اور اب میری مرضی یہ ہے کہ میں یہاں آدم کو پیدا کروں گا، انسانیت کا وجود ہوگا، انسانوں کا وجود ہوگا۔

فرشتوں کو یہ تجربہ تھا کہ زمین پر جو مخلوق پیدا کی گئی تھی اس نے زمین کو شر وفساد سے بھر دیا تھا، اس تجربہ کی بنیاد پر انہوں نے رب سے کہا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:30)

اے اللہ! کیا اس زمین پر تو ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے، جو یہاں فساد برپا کرے، خون خرابا کرے۔

اور تیری تسبیح اور عبادت کے لیے تو ہم یہ کروڑوں فرشتے کافی ہیں۔

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:30)

ہم تیری تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں اور تیری تقدیس بھی کرتے ہیں۔

اللہ نے ان کے معروضہ کے جواب میں کہا:

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:30)

میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو۔

یہ جواب مکمل تھا، مگر اس جواب کے ثبوت کے طور پر اللہ رب العزت نے جناب آدم علیہ السلام کو پیش فرمایا۔ اس طور پر کہ

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (سورۃ البقرۃ الآیۃ:31)

جناب آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے گئے، تمام چیزوں کے نام بتا دیے گئے۔ صبح قیامت تک جتنی چیزیں وجود میں آنی تھیں، خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں،



مختصر ہوں یا زیادہ ہوں، ذرات زمین سے لے کر آسمان کی وسعتوں تک جو چیز بھی وجود میں آنے والی تھی، عالم امکان کے جملہ ممکنات کا نام جناب آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا۔

مفسرین کرام نے ارشاد فرمایا ہے: اَيِ الْاَسْمَآءَ وَحَقَائِقَهَا، جناب آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بھی سکھائے گئے اور ان کی حقیقتیں بھی بتائی گئیں۔ پھر فرشتوں سے کہا گیا کہ تم ان کا نام بتاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سورۃ البقرۃ الآیۃ::31)

پھر انہیں فرشتوں پر پیش کیا اور کہا کہ تم ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

فرشتوں نے اعتراف عجز کیا اور کہا:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:32)

اے اللہ! تو بے عیب ہے، پاک ہے، ہمیں صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ بے شک تو علیم اور حکیم ہے۔ تو ہی علم والا ہے اور تو ہی حکمت والا ہے۔

فرشتوں نے جب اعتراف عجز کر لیا تو اللہ نے جناب آدم کو حکم دیا:

يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:33)

اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ (پس جب اللہ کے نبی جناب آدم نے ان کو ان تمام چیزوں کے نام بتا دیے) تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں زمینوں اور آسمانوں کے تمام غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو اور وہ بھی

جانتا ہوں جو ظاہر کرتے ہو۔

کائنات کی کوئی پوشیدہ حقیقت اور کوئی ظاہر حقیقت میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں میں سب کچھ جانتا ہوں جناب آدم علیہ السلام نے جب اپنے علم کی بنیاد پر تمام چیزوں کے نام بتا دیے اور ظاہر ہے کہ چیزیں تو بعد میں پیدا ہونے والی تھیں اور اسما کے لیے مسمّٰی ہونا ضروری ہے تو مسمیات کے بغیر انہوں نے نام کیسے بتایا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے تخلیق کائنات سے پہلے ہر چیز کو جناب آدم کے سامنے پیش فرما دیا اور ظاہر فرما دیا تھا۔ جناب آدم علیہ السلام نے تمام چیزوں کے نام بتا دئے۔

فرشتوں پر جب آدم علیہ السلام کے علم کی برتری ظاہر ہوگئی تو اللہ نے حکم دیا کہ اب آدم کا سجدہ کرو ان کے علم کی بنیاد پر، ان کی برتری کی بنیاد پر۔ اس لیے بھی کہ تم نے ان کی تخلیق کے بارے میں اپنے شکوک کا اظہار کیا تھا، تم نے ان کی تخلیق کو جنوں کے اوپر محمول کیا تھا۔ اس لیے تم ان کا سجدہ کرو۔

یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو سرورِ کائنات ﷺ سے پہلے جائز تھا۔ جیسے جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کا سجدہ کیا۔ مگر حضور سید عالم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں کہ توحید کے سب سے بڑے داعی تھے اس لیے انہوں نے سجدۂ تعظیمی کو بھی حرام قرار دے دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ سجدۂ تعظیمی کرتے کرتے سجدۂ عبودیت پر آجائیں اور شرک کا ارتکاب کرنے لگ جائیں۔ اس لیے آج فرشتوں کے سجدے کو بنیاد بنا کر یقینی طور پر سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب آدم علیہ السلام کا جو سجدہ تھا وہ آدم کو نہیں تھا بلکہ آدم کی حیثیت قبلہ کی تھی اور مسجود حقیقی وہاں بھی پروردگارِ عالم ہی تھا۔ پھر یہ سجدہ جناب آدم کے علم کا تھا یا



کسی اور چیز کا؟ تو بعض مفسرین نے بہت ہی خوبصورت بات کہی کہ صرف علم یا انسانی عظمت ہی کا سجدہ نہ تھا بلکہ وہ نور جو پیشانیٔ آدم میں منتقل کیا گیا تھا سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، اس کے لیے یہ سجدہ تھا۔

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ ابلیس جنوں میں سے تھا، صدیوں کے دامن پر اس کی عبادت کے سجدے پھیلے ہوئے تھے اور اسے فرشتوں کا مقام حاصل تھا۔ یہ فرشتوں کی جماعت میں رہتا تھا اور فرشتوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ فرشتوں کا بھی سردار تھا، اس نے سجدے سے انکار کر دیا کیوں کہ اسے یہ خیال آیا کہ آدم تو مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور میں آگ سے۔ میں آدم سے بہتر مخلوق ہوں۔ یہ کبر تھا، غرور تھا، اس نے یہ نہیں دیکھا کہ حکم دینے والا کون ہے؟ یہ حکم پروردگارِ عالم کا ہے، خدائے قدیر و جبار کا ہے۔ اس نے جناب آدم کو دیکھا، آدم کے پروردگار پر اس کی نظر نہیں تھی۔ اس لیے اس نے انکار کر دیا اور کافروں میں شمار کیا گیا۔ اس پر قیامت تک کے لیے لعنت کی گئی۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا۪-وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:35)

اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیں اور جہاں سے چاہیں آسودہ ہو کر کھائیں، جیسے چاہیں، مگر خبردار! اس درخت کے قریب نہ جائیے گا۔ اگر ایسا ہوا تو آپ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے۔

کون سا درخت تھا، مختلف روایات میں اسے گندم کا درخت بھی کہا گیا ہے۔ اسرائیلی اور عیسائی روایات میں اسے سیب وغیرہ کا درخت کہا گیا ہے۔ قرآن عظیم نے اس کا نام نہیں لیا

ہے۔ بہر کیف جو بھی رہا ہو اس درخت کے قریب نہ جائیں۔ جناب آدم علیہ السلام اور جناب حوا علیہا السلام دونوں پرہیز کرتے رہے۔ مگر چوں کہ شیطان کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے راندۂ درگاہ کیا گیا تھا اس لیے اس نے اپنا بدلہ لینے کے لیے جناب حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ یہ درخت شجرۃ الخلد ہے، یہ ہمیشگی کے لیے ہے۔ اس درخت کا پھل جو کھالے گا اس کو کبھی موت نہیں آئے گی، وہ کبھی فنا نہیں ہوگا۔ یہ تو اللہ نے تمہیں صرف یوں ہی فرما دیا ہے۔ اگر تم کھا لوگے تو اللہ غفور و رحیم ہے، وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ جناب حوا نے جناب آدم سے کہا اور پھر انہوں نے اس خطا کا ارتکاب کیا۔ یہ ایک لغزشِ پیغمبرانہ تھی۔ اس کے بعد انہیں جنت سے نکال دیا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:36/35)

پھر شیطان نے انہیں پھسلا دیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جنت سے نکال دیا۔ اور ہم نے فرمایا: اتر جاؤ، تم میں کا بعض بعض کے لیے دشمن ہوگا۔

"اھبطوا" جمع کا صیغہ ہے، تثنیہ کا نہیں ہے۔ جناب آدم اور جناب حوا اتارے گئے تھے۔ لیکن جمع کا صیغہ اس لیے استعمال کیا گیا کہ ان کی پشت پاک میں ہم سب موجود تھے، ساری انسانیت موجود تھی۔ اس لیے فرمایا گیا: تم سب اتر جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب آدم علیہ السلام جنت میں پیدا کیے گئے تھے اور دنیا میں اتارے گئے۔

اس سے پہلے آپ نے سماعت فرمایا کہ وہ ان کی خلافت ارضی کے لیے تخلیق تھی اور انہیں زمین ہی کی حکومت دی گئی تھی، زمین کی خلافت کا منصب دیا گیا تھا۔ تو جب زمین کے لیے انہیں پیدا کیا گیا تھا تو پھر جنت میں کیوں پیدا کیا گیا؟ اور جنت سے اتارا کیوں گیا؟ تو



اس میں ایک مصلحت تھی کہ آدم علیہ السلام کا ہر بیٹا، حوا کی ہر بیٹی یہ یقین کر لے کہ ہمارے ماں باپ کا وطن اصلی جنت ہے۔ وہ جنت میں پیدا کیے گئے تھے اور دنیا میں اتارے گئے، اس لیے ہم سب کا حقیقی مقام جنت ہی ہے۔ جو ماں باپ کا گھر ہو وہی اولاد کا بھی گھر ہوتا ہے۔

جنت ہمارے والدین جناب آدم اور جناب حوا علیہما السلام کا ایک دائمی گھر ہے۔ اس لیے بحیثیت انسان ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دوبارہ جنت ہی میں جانے کی کوشش کریں۔ حکم الٰہی ہے بندوں کے بارے میں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ○" اللہ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:36)

(سورۃ الاعراف الآیۃ:24)

تمہارے لیے زمین میں ایک خاص زمانے تک قیام بھی ہوگا اور تمہارے لیے ہر طرح کا مزہ بھی ہوگا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○

صدق اللہ العلی العظیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آئیے ہم اور آپ ایک مرتبہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

آج جس آیت کریمہ کی تلاوت کا میں نے شرف حاصل کیا ہے یہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام سے ایک لغزش ہوئی تھی جس کے نتیجے میں ان کو زمین پر اتارا گیا اور پھر انہوں نے اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے توبہ کرنا شروع کیا۔



ایک زمانہ تک خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں وہ توبہ و استغفار کرتے رہے مگر مشیت نے قبولیت کے حوالے سے کوئی جواب عطا نہیں فرمایا۔ جب اصرار بہت بڑھا تو ایک روز انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اس نامِ پاک کی برکت سے جس نام کو تو نے لوحِ عرش کے اوپر اپنے نام کے ساتھ لکھ رکھا ہے "محمد رسول اللہ" اس کے طفیل اور صدقے میری خطاؤں کو معاف کر دے۔ پھر ان کی خطا معاف کی گئی مگر اللہ نے فرمایا کہ آدم! تم نے اس نام کو کیسے جانا؟ تو جناب آدم علیہ السلام نے کہا کہ جب میرا خاکی مجسمہ تیار کر لیا گیا اور مجھ میں روح پھونکی گئی تو میں نے اپنا سر عرش کی طرف اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہاں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" لکھا ہوا ہے۔

میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ کوئی بہت عظیم شخصیت اور ذات ہے جس کے نام کو اللہ نے اپنے نام کے ساتھ لکھ رکھا ہے۔ جب میری توبہ قبول نہیں ہو رہی تھی تو میرے دل نے گواہی دی کی میں اگر اس معزز نام کے حوالے سے اور اس کے وسیلہ سے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کروں تو یقیناً قبول ہو جائے گی۔ آج میں نے وسیلۂ محمد عربی لیا ہے۔ تو اللہ نے ارشاد فرمایا: آدم! یہ میرے محبوب اور عظیم پیغمبر ہیں جو تمہاری اولاد میں سے ہوں گے مگر سب سے بعد میں آئیں گے ان کے بعد کوئی اور نبی جلوہ گر نہیں ہوگا۔ وہ مقصد تخلیق کائنات ہیں، میں نے انہی کے لیے ساری کائنات پیدا کی ہے۔ اگر ان کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو اے آدم! میں تمہاری بھی تخلیق نہ کرتا۔ (کنز العمال)

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جناب آدم علیہ السلام کی نگاہ میں حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ کتنا عظیم تھا۔ اب آئیے ہم تفاسیر کی روشنی میں یہ جاننے کی کوشش کریں کہ وہ کون سے کلمات تھے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب آدم کو سکھایا

تھا۔فرمایا گیا ہے کہ وہ کلمات یہ تھے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (سورۃ الاعراف الآیۃ:23)

اے اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔اگر تو نہ بخشے گا اور تو رحم نہ کرے گا تو ضرور ہم خسارے میں ہوں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کہا: اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ الا غفرت لِیْ، میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں سوالی ہوں کہ تو میری مغفرت کر دے۔

(کنز العمال کتاب الفضائل من قسم الأفعال

الباب الأول: فی فضائل نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وأسمائہ وصفاتہ البشریۃ

الفصل الثالث: فی فضائل متفرقۃ تنبیء عن التحدث بالنعم، الرقم: 32138)

ابن منذر کی روایت میں تو یہاں تک ہے کہ انہوں نے اس طرح کہا تھا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ كَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ خَطِيْٓئَتِیْ، اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں سوالی ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں جو تیرے بندے ہیں، ان کی عظمت کے حوالے سے، کرامت کے وسیلے سے، اس بزرگی کے حوالے سے جو تیری بارگاہ میں انہیں حاصل ہے کہ تو میری خطا کو معاف کر دے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کی خطا معاف فرمائی۔

اس آیت کریمہ سے چند باتوں کا علم ہوتا ہے۔پہلی بات تو یہ تھی کہ خطائے آدم سے آدم کی اولاد کو، آنے والے انسانوں کو یہ سبق دینا تھا کہ تم انسان ہو، تم سے خطا ہوگی، غلطی بھی ہوگی، انبیا کے علاوہ کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔لیکن اگر تم سے خطا اور غلطی ہو جائے تو اپنے باپ



جناب آدم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے میری بارگاہ میں توبہ کرو، یقیناً میں تمہاری توبہ قبول کروں گا۔

خطائے آدم کے اندر یہ بھی ایک مصلحت تھی کہ ان کے ذریعہ دنیا کو یہ تعلیم مل جائے کہ غلطی اور گناہ ہو جانے کے بعد انسان کو مایوس نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اللہ کی رحمت سے امید رکھتے ہوئے اگر سنت آدم پر عمل کر کے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی جائے گی تو اللہ توبہ ضرور قبول فرمالے گا۔یہ بھی تعلیم دینی مقصود تھی کہ توبہ ضرور کرو، اللہ سمیع وبصیر ہے، وہ سنتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو، جس مقام پر بھی ہو۔لیکن اگر تم میرے محبوب سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلے سے توبہ کرو گے تو تمہاری توبہ یقیناً قبول ہوگی۔نہ صرف یہ کہ خطائے آدم اور مغفرت آدم کے حوالے سے یہ بات امت مسلمہ کے ذہن میں منتقل کی گئی بلکہ قرآن عظیم نے بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (سورۃ النساء الآیۃ:64)

جب لوگ گناہوں کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں اور اے محبوب! آپ کی بارگاہ میں آئیں، پھر اللہ کی بارگاہ میں استغفار کریں اور آپ بھی ان کے لیے استغفار فرما دیں تو یقیناً وہ اللہ کو بے پناہ توبہ قبول کرنے والا اور انتہائی رحم کرنے والا پائیں گے۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بارگاہ رسول میں یا ان کے وسیلہ سے جو توبہ کی جائے گی، پروردگارِ عالم اس توبہ کو یقیناً قبول فرمائے گا۔پروردگارِ عالم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے رمضان پاک کے اس مہینہ میں ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرما دے۔

اس کے بعد آنے والے رکوع میں اللہ رب العزت نے بنو اسرائیل کو مخاطب کیا ہے کہ اے بنو اسرائیل! اس نعمت کو یاد کرو جب میں نے تم پر اپنے انعامات فرمائے تھے

اور تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا تو میں بھی وعدہ پورا کرنے والا تھا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ○

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:40)

تم مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو اور میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا اور میرے علاوہ کسی اور سے مت ڈرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنو اسرائیل کے اوپر جو نعمتیں فرمائی تھیں، جو انعامات فرمائے تھے اس کی طرف اجمالاً اشارہ فرمارہا ہے کہ ہم نے تمہیں دنیا کی عظیم قوم بنایا، ہم نے تمہیں فرعون کے ظلم سے نجات دلائی، ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا، ہم نے تمہارے لیے سمندر میں راستہ پیدا کیا، ہم نے اپنے نبی کے عصا کے ذریعے سے تم پر بارہ چشمے جاری فرمائے۔ ہم نے اس طرح کے بہت سے انعامات تم پہ فرمائے۔ اس بنیاد پر کہ تم ہماری بندگی کروگے، ہمارے ہی ہوکر رہوگے، کسی اور کو ہماری ذات میں شریک نہ کروگے۔ اس لیے تم اپنا وعدہ پورا کرو، میں بھی اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ یعنی تمہیں غلبہ اور وقار نصیب ہوگا۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو مشیت تم سے دستبردار ہو جائے گی اور تمہیں دنیا میں ذلت اور نخوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا کہ توریت میں حضور سید عالم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارتیں موجود تھیں۔ آج بھی وہ موجود ہیں۔ ان بشارتوں میں اللہ رب العزت نے جناب موسیٰ علیہ السلام اور بعد میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو یہ خبردار کیا تھا کہ تمہارے بعد ایک آخری نبی جلوہ گر ہوں گے، جن کا نام احمد ہوگا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے احمد کے نام سے اپنی قوم کو بشارت دی تھی۔ مگر جب



سرورِ کائنات ﷺ مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہوئے تو وہ یہود جو حضور کے نام سے کامیابیاں طلب کیا کرتے تھے۔ جب بھی ان کا مقابلہ کسی دشمن قوم سے ہوتا تو اپنے رب کی بارگاہ میں یہ کہتے تھے کہ مولا! اس مبشّر اور موعود نبی کے صدقے میں جو آنے والے ہیں، ہمیں دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔ قرآن پاک اس کا گواہ ہے، وہ غالب ہو جایا کرتے تھے۔

لیکن اب جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے انہوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ انکار کی دو بنیادی وجوہ تھیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کا یہ خیال تھا کہ جس طرح جناب یعقوب سے لے کر جناب موسیٰ علیہم السلام تک اور ان کے بعد انبیائے بنو اسرائیل تک جتنے بھی نبی تشریف لائے وہ بنو اسحاق میں سے تھے۔ اس لیے آنے والے آخری نبی بھی بنو اسحاق ہی میں سے ہوں گے۔ یہ ان کا زعم باطل تھا، یہ ان کا اپنا خیال تھا۔ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں ارشاد فرمائی تھی کہ آنے والے آخری نبی بھی بنو اسحاق ہی میں سے ہوں گے۔

لیکن جب سرورِ کائنات بنو اسماعیل میں جلوہ گر ہوئے تو انہیں دشمنی ہوگئی اور پھر انہوں نے نہ صرف یہ کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا، بلکہ انہیں ہر طرح کی ایذا اور تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چچا کے ساتھ شام کی تجارت کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھتے ہیں اور راہب جو آنے والے قافلوں کی ضیافت کر رہا ہے، اس نے کہا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ جناب ابوطالب نے کہا کہ یہ میرے بیٹے ہیں۔ حضور کے والد کے وصال کے بعد انہوں نے ان کو اپنا بیٹا ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔ راہب نے کہا: یہ بیٹے نہیں ہو سکتے ہیں، یہ تمہارے بھتیجے ہو سکتے ہیں۔ ان کے والد کا انتقال ان کی پیدائش سے پہلے ہوگیا ہوگا۔ یہ آخری نبی ہیں۔

ابوطالب نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ نبی ہیں؟ تو اس نے کہا تھا کہ میں نے دور سے اس قافلہ کو آتے ہوئے دیکھا، ان کے سر پر ایک بدلی سایہ کرتی تھی۔ یہ جس درخت کے نیچے بیٹھتے تھے اس درخت کی شاخیں جھک کر ان پر سایہ کرتی تھیں۔ اس درخت کے نیچے کوئی نبی ہی بیٹھ سکتا ہے۔ انہیں واپس لے جاؤ، اگر یہود انہیں پہچان جائیں گے تو قتل کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ دشمن بن جائیں گے جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ آخری نبی بنو اسحاق میں جلوہ گر نہیں ہوئے ہیں بلکہ بنو اسماعیل میں آئے ہیں۔ جناب ابوطالب نے اپنا پورا مال قافلہ کے حوالے کر دیا اور آقائے دو جہاں کو لے کر واپس آ گئے۔

انکار کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کا معاشی غلبہ تھا اور سیاسی غلبہ بھی تھا۔ یہودیوں کا وہ حال تھا کہ اہل مدینہ ان سے سال بھر قرض لیتے تھے اور جب پیداوار ہوتی تو قرض کے بدلے میں سود کے ساتھ وہ غلہ اٹھا لے جاتے۔ پھر اگلے سال بھی مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کے مکمل محتاج ہوتے تھے۔ ان کا سردار کعب بن اشرف تھا۔ یہ علمائے یہود میں سے تھا۔ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عامہ اور سیادت عامہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اسی حوالے سے قرآن پاک نے فرمایا:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:146)

یہ یہود حضور کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

بیٹا لاکھوں کے مجمع میں ہو، بہت سے ہم شکل ہوں، مگر پھر بھی باپ اپنے بیٹے کو پہچان لے گا۔ اسی طرح سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لیے پہچانے ہوئے تھے مگر یہ اپنی ضد، نفرت اور اپنے اقتدار کے زوال کو دیکھ کر ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

ایک وجہ یہ تھی کہ کعب بن اشرف جو ان کا سردار تھا، ان کا سب سے بڑا عالم تھا وہ



پسماندہ، کمزور اور غریب یہودیوں سے سالانہ رقم وصول کرتا تھا۔ ایک مقررہ رقم ان کے پھلوں میں سے لیتا تھا۔ اس نے اپنا حق مقرر کر رکھا تھا۔ اسے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ہم نے حضور سرورِ عالم کی رسالت کو مان لیا اور یہ کہا کہ یہ وہی ہیں جن کی بشارت توریت کے اندر موجود ہے تو میرا اقتدار ختم ہو جائے گا اور میری ساری آمدنی بند ہو جائے گی۔ اس لیے کعب بن اشرف نے اپنی پوری قوم کو حضور سید عالم کے خلاف کھڑا کیا اور وہ آقائے دو جہاں کی دعوت کے مقابلہ میں مکمل دشمنی پر آمادہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر تم اپنا وعدہ پورا کرتے تو میں بھی اپنا وعدہ پورا کرتا۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:41)

ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل فرمائی ہے اپنے محبوب پیغمبر پر۔

یہ کتاب اجنبی نہیں ہے۔ یہ قرآن عظیم تو تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے اور تم کو تو سب سے پہلے مسلمان ہونا چاہیے تھا۔ لیکن عالم یہ ہے کہ تم کفر کی طرف بڑھ رہے ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:41)

اور خبردار تم سب سے پہلے کافر مت ہو جانا اور میری آیتوں کے بدلے میں معمولی اور حقیر قیمت لے کر آیات کو بدلنے کی کوشش مت کرو۔

میری وہ آیتیں جو میں نے اپنے محبوب کی آمد کی بشارت کے حوالے سے توریت میں نازل کی ہیں، ان کے بدلے میں معمولی اور حقیر قیمت لے کر آیات کو بدلنے کی کوشش مت کرو۔ اگر ڈرنا ہے تو صرف مجھ سے ڈرو۔

خبر دار! حق و باطل میں التباس مت کرو اور حق کو چھپاؤ مت جبکہ تم جانتے ہو کہ حق کیا ہے۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

یہ احکامات ابتدائے اسلام میں یہودیوں کے سلسلے میں نازل کیے گئے تا کہ وہ ایمان لائیں اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو جائیں اور ان کا وہ دبدبہ، وہ شوکت، وہ وقار باقی رہے جو پہلے تھا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:47)

اے بنو اسرائیل! ان تمام نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور میں نے تم کو عالمین پر فضیلت بخشی تھی۔

لیکن حضور سید عالم تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انکار کی بنیاد پر وہ فضیلت ان سے سلب کر لی گئی اور وہ اقتدارِ تام سرورِ کائنات کے امتیوں کے حوالے کر دیا گیا اور انہیں خیر امت قرار دیا گیا۔

جناب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گری کے سبب بطورِ تنبیہ اللہ تعالیٰ یہود سے ارشاد فرماتا ہے کہ اس دن سے ڈرو جب کہ کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بدلہ نہیں ہوگا اور جس روز کوئی شفاعت قبول نہیں ہوگی اور کوئی بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کو وہ تمام انعامات یاد دلائے جو ان پر فرمائے تھے۔ انہیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی گئی کہ وہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اس میں ان کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ لیکن اللہ نے جناب موسیٰ کے ذریعہ نجات عطا فرمائی۔



ان کے لیے سمندر میں راستہ پیدا کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ جناب موسیٰ کو چالیس دن کوہِ طور پر بلایا گیا۔ لیکن اسی درمیان انہوں نے بچھڑے کو خدا بنا لیا اور یہ انتہائی بڑا ظلم تھا۔ پھر بھی ان کو معاف کر دیا گیا۔ یہ تمام انعامات اس لیے یاد کرائے گئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کے حوالے سے یہودی سوچنے پر مجبور ہوں۔ کم از کم وہ یہ تو سوچیں کہ سرورِ کائنات مکہ میں پیدا ہوئے، آخر ان کو جناب موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حوالے سے یہ ساری تفصیلات کیسے معلوم ہوئیں؟ کس نے انہیں یہ ساری تفصیلات بتائیں۔

ظاہر ہے وہاں پر کوئی ایسا شیخ نہیں تھا جس سے یہ تفصیلات معلوم ہوتیں اور پھر قرآن عظیم میں جس انداز سے بیان کیا گیا ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ان تمام حقائق کو جاننے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائے، مستقل دشمنی پر آمادہ رہے اور آج تک ان کا یہ طرزِ عمل قائم ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مسلمانوں کو انبیائے سابقین کی زندگیوں اور ان کے طرزِ عمل اور ان کی امت کے حوالے سے بہت سی نصیحتیں فرمائی ہیں تا کہ امت مسلمہ وہ کام نہ کرے جو کام یہود نے کیا تھا، جو کام نصاریٰ نے کیا تھا۔ جس طرح سے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی مخالفت کی، اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی، تکذیب ہی نہیں بلکہ جناب زکریا اور جناب یحییٰ علیہما السلام کو قتل بھی کیا، جناب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی کوشش کی۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔

ان تمام باتوں کو یاد دلا کر اللہ تبارک وتعالیٰ یہودیوں کو آمادہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ سرورِ کائنات پر ایمان لائیں۔ بلاشبہہ جو علمائے یہود حقائق کا ادراک کرنے والے تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور دوسرے کئی علما، وہ ایمان لے آئے۔ لیکن وہ لوگ جو اقتدار میں تھے، علم

بھی رکھتے تھے مگر دنیا کی لالچ نے ان کو حق سے دور رکھا، جیسے کعب بن اشرف اور اس طرح کے دوسرے سرمایہ دار، وہ ایمان نہ لائے۔ سرمایہ حق کی قبولیت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیوں نے سرورِ کائنات محمد رسول اللہ کی رسالت کو قبول نہیں کیا اور زندگی بھر ان کی مخالفت کرتے رہے، وہ اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح سے پیغمبر اعظم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا خاتمہ ہو جائے اور ہمارا غلبہ باقی رہے۔

ایک دور ایسا بھی آیا کہ انہوں نے سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مختلف طریقوں سے تضحیک و توہین کرنی چاہی۔ صحابۂ کرام جب بارگاہ رسول میں موجود ہوتے تھے اور کوئی بات سن یا سمجھ نہیں پاتے تھے تو انتہائی ادب کے ساتھ کہتے تھے: رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اے اللہ کے رسول! ہماری رعایت کیجیے۔ کیا اندازِ ادب تھا! اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان صحرا نشینوں کو کیا تربیت دی تھی وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور! دوبارہ فرما دیجیے، یہ بڑی جرأت کی بات ہوتی تھی، اس لیے وہ کہتے تھے: رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اے اللہ کے رسول! ہماری رعایت کیجیے، ہمارا خیال رکھیے۔ ہم نے سنا نہیں، یا ہم سمجھ نہیں سکے۔

یہودیوں کی لغت میں یہ لفظ انتہائی ناپسندیدہ معنی رکھتا تھا۔ چنانچہ یہ آپس میں بطور تمسخر ''رَاعِیْنَا'' کچھ کھینچ کر ادا کرتے تھے اور اس طرح سے آقائے دو جہاں کی توہین کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عظیم صحابی ہیں، یہ لغت یہود سے واقف تھے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ لفظوں کے ذریعہ آقائے دو جہاں کی توہین کر رہے ہیں تو بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے جب ان الفاظ کے ذریعہ وہ آپ پر طنز کرتے ہیں۔ ابھی یہ بات انہوں نے ختم بھی



نہیں کی تھی کہ جناب جبرئیل کے ذریعہ اللہ نے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (سورۃ البقرۃ الآیۃ:104)

اے ایمان والو! آج کے بعد ''راعنا'' مت کہنا ''اُنظرنا'' کہنا۔ (یعنی اے رسول! ہم پر نظر رحمت فرمائیں، ہم کو نظر رحمت سے دیکھیں) تاکہ اس لفظ کو بنیاد بنا کر وہ تمسخر نہ کر سکیں۔ یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو جناب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودیوں کے پاس گئے اور فرمایا کہ آج کے بعد اگر کسی نے ''راعنا'' کہہ کر میرے نبی کی توہین کرنے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ تم ان الفاظ کے ذریعہ سرورِ کائنات کی تضحیک کرنا چاہتے ہو۔ (ملخصا من تفسیر البغوی تحت الآیۃ:104 من سورۃ البقرۃ)

یہاں میں یہ بتانا چاہوں گا کہ ذرا سوچیے کہ دنیا کے کتنے ہی دربار ہیں، شان و شوکت والے قیصر و کسریٰ کے دربار، اور بھی بادشاہوں کے دربار جن کی عظمتوں کے ڈنکے تاریخ نے بجائے ہیں اور محفوظ رکھے ہیں۔ ان بادشاہوں نے اپنے دربار کے قوانین و آداب خود بنائے ہیں یا ان کے درباریوں نے بنائے ہیں، ان کے وزرا نے بنائے ہیں کہ بادشاہ کی بارگاہ میں اس طرح آؤ، کلام کرو تو اس طرح کلام کرو، آؤ تو سجدہ ریز ہو کر آؤ۔

لیکن اس زمین پر ایک دربار ایسا بھی ہے جس دربار کے قوانین انسانوں نے نہیں بلکہ اللہ نے نازل فرمائے ہیں۔ قرآن پاک کی کتنی ہی آیتیں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کے ماننے والوں کو حکم دیا ہے کہ میرے نبی کی بارگاہ میں بیٹھو تو ان کی آواز سے تمہاری آواز بلند نہیں ہونی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط کر لیے جائیں۔ اگر ان کی بارگاہ میں جانا ہو تو خبردار! دروازے کے باہر سے آواز مت دو، انتظار کرو، یہاں تک کہ خود اپنے گھر سے وہ باہر آئیں، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورۃ الحجرات الآیۃ:2)

ان آیات مبارکہ کو دیکھیے تو ان سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضور سید عالم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کے آداب خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب جبرئیل بھی آتے تھے تو پر سمیٹے ہوئے آتے تھے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہ وہ آستانہ ہے، یہ وہ بارگاہ ہے جو انتہائی نازک ہے۔ یہاں بایزید بھی آتے ہیں، جنید بھی آتے ہیں تو سانس روکے ہوئے آتے ہیں، جبرئیل بھی آتے ہیں تو انتہائی مؤدب ہو کر آتے ہیں، فرشتے بھی آتے ہیں تو ادب و احترام کے سانچے میں ڈھل کر آتے ہیں۔ یہ آستانہ، یہ بارگاہ حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ جب قرآن عظیم نے بارگاہ رسول کے آداب نازل فرمائے تو ان کی بارگاہ میں حاضری کے لیے ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟ ہمارا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیے؟ چنانچہ مفسرین کرام نے یہ فرمایا ہے کہ جب تم بارگاہ رسول میں حاضر ہو، قبر انور پہ حاضری دو، روضۂ رسول پر حاضری دو تو بالکل ایسے ہی محسوس کرو کہ تم آقائے دو عالم کی بارگاہ میں ان کی ظاہری حیات طیبہ میں حاضر ہو۔ وہاں بھی آواز بلند مت کرو، وہاں بھی کوئی ایسی حرکتِ ناشائستہ نہ ہو جس کی بنیاد پر تم اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاؤ۔ خدائے قدیر و جبار ہمیں بارگاہ رسول میں حقیقی حاضری کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان کی شفاعت کبریٰ سے نوازے جا سکیں اور ان کے صدقے میں ہماری دعائیں قبول ہو سکیں۔ اسی پارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنائے کعبہ اور تعمیر کعبہ کے حوالے سے بھی آیتیں نازل فرمائی ہیں۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:127)



جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام کعبہ کی بنیادیں استوار کر رہے تھے ایک پیغمبر تعمیر فرما رہے ہیں اور ایک پیغمبر انہیں پتھر فراہم کر رہے ہیں۔ دونوں عظیم پیغمبر ہیں، کعبہ کی تعمیر کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم سے اس عمل کو قبول فرما لے۔ اُس دُعا کی قبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان کی تعمیر مرکز کائنات ہے، محور کائنات ہے، کائنات کے لیے جائے امن ہے۔ آج وہاں دنیا کے کروڑوں مسلمان حاضر ہو کر اپنے رب کی بارگاہ میں نذر بندگی پیش کرتے ہیں۔ اسی تعمیر کے زمانے میں انہوں نے یہ دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:129)

اے اللہ! ہم تعمیر کعبہ کر رہے ہیں، اب ہماری نسل میں ایک ایسا رسول پیدا فرما دے جو تیری آیات ان پر تلاوت کرے اور انسانوں کا تزکیۂ نفس فرمائے۔

نسل میں سے مراد یقیناً جناب اسماعیل ہوں گے کیوں کہ بنائے کعبہ میں وہی شریک تھے۔ اسی دعا کے نتیجے میں سرورِ کائنات محمد رسول اللہ جلوہ گر ہوئے۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل و نویدِ مسیحا

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

## خطاب نمبر (۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ ○

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآن پاک کے دوسرے پارے کا آغاز تحویل قبلہ کی آیت کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ اللہ کے رسول تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ ہمارا قبلہ بھی وہی ہو جو جناب آدم، جناب نوح اور جناب اسماعیل علیہم السلام کا تھا۔ جب مکۂ مکرمہ میں آپ پر نماز فرض ہوئی تو آپ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز شروع فرمائی اور جب مدینہ طیبہ میں آپ تشریف لائے تو آپ کے دل میں یہ بار ہا خواہش ہوئی کہ کاش! ہمارا قبلہ وہ ہوتا جو قبلۂ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

مکۂ مکرمہ میں اس خواہش میں اتنی شدت نہیں تھی اس لیے کہ جب کعبۂ مقدسہ کی



طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو کعبہ بھی سامنے ہی ہوتا، سمت ایک ہی تھی۔ لیکن جب مدینۂ طیبہ آپ تشریف لے آئے تو بیت المقدس جانبِ مخالف ہو گیا اور اب آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تو قبلہ کی طرف آپ کی پشت ہوتی تھی۔

یہ خواہش اس لیے بھی تھی کہ انہیں علم تھا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے کعبۂ مقدسہ کی تعمیر کے وقت یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! ہماری اولاد میں کسی ایسے کو پیدا فرما دینا جو کتاب کی تعلیم دے، تزکیۂ نفس کرے۔ گویا اس دعا میں یہ خواہش پوشیدہ تھی کہ کعبۂ مقدسہ کی آبادی کا انتظام بھی ان کے ذریعہ سے ہو۔ یہ صحیح ہے کہ بہت دنوں تک جو لوگ دین براہیمی پر قائم تھے انہوں نے کعبۂ مقدسہ کی حرمت کا خیال رکھا اور عبادت کرتے رہے۔

لیکن جب شیطان کے فریب کی بنیاد پر قریش نے کعبۂ مقدسہ کو بتوں سے بھر دیا تو کعبہ کا وہ رول جو قرآن عظیم کے اندر موجود ہے وہ باقی نہ رہا۔ یہاں تک کہ حضور سرورِ کونین سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تھے، آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ لیکن جب مدینۂ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہ خواہش مزید شدت اختیار کر گئی کہ کاش ہم کعبۂ مقدسہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ سکتے۔ مگر خود اپنی مرضی سے وہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ تمامی پیغمبرانِ عظام سرورِ کائنات علیہ السلام سمیت اپنے ہر عمل میں اللہ کی مرضی اور حکم کے تابع ہوتے تھے اور تحویل قبلہ ایک ایسا معاملہ تھا جس کے لیے اپنی مرضی سے آپ نے فیصلہ کرنے کے بجائے اللہ کے حکم کا انتظار کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تبدیلیٔ قبلہ سے پہلے ان آیات کریمہ کے ذریعہ سے، جو دوسرے پارے کی ابتدائی آیات سے امت مسلمہ اور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ تبدیلیٔ قبلہ کے بعد یقیناً کفار قریش اور یہود مدینہ دونوں یہ کہیں گے کہ آخر ان لوگوں نے قبلہ کیوں بدل دیا؟ کیا بات تھی جس کی بنیاد پر ان لوگوں نے تبدیلیٔ قبلہ کا فیصلہ کیا۔

ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ قبلہ پیغمبر اعظم نے اپنی خواہش کی بنیاد پر بدلا ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ قبلہ کی تبدیلی پروردگارِ عالم کے فیصلہ سے ہوئی ہے۔ چوں کہ یہ اعتراض ہونے والا تھا اس لیے اللہ رب العزت نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جملہ امت مسلمہ کو باخبر کر دیا کہ عنقریب تبدیلیٔ قبلہ کے بعد یہ اعتراض کریں گے کہ آخر قبلہ کیوں بدلا گیا۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ مسلمان سمتوں کی عبادت نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ صرف اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اللہ کی ذات اپنے علم و قدرت سے ہر جگہ ہے، وہ سمتوں سے پاک ہے۔

کعبۂ مقدسہ ہو یا بیت المقدس، اس کو قبلہ اس لیے بنایا گیا تھا تاکہ امت مسلمہ کا اجتماعی سجدہ ایک سمت میں ہو۔ اجتماعیت کے مرکز کے طور پر قبلۂ مقدسہ کا حکم دیا گیا، ورنہ قبلہ خود معبود نہیں ہے، معبود تو رب البیت ہے، پروردگارِ عالم ہے، خدائے قدیر و جبار ہے۔ اس لیے اگر سمتوں میں کوئی تبدیلی ہوگئی ہے تو اس سے اللہ کی بندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مسلمان قبلہ کی پرستش نہیں کرتا، اُس ذات کی پرستش کرتا ہے جو قبلہ کا بھی رب ہے۔ چنانچہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:142)

عنقریب احمق لوگ یہ کہیں گے کہ کس بات نے انہیں قبلے کی تبدیلی پر آمادہ کیا، جس



پر وہ پہلے تھے۔ اے پیغمبر فرما دیجیے کہ مشرق ہو یا مغرب ہو، صرف اللہ کے لیے ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اب صراط مستقیم کا مرکز کعبۂ مقدسہ ہوگیا ہے، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ بیت المقدس سے رخ پھیر کر کعبۂ مقدسہ کی طرف اپنا رخ کرلو۔ جب کہ خود آقائے دو جہاں کو بھی یہ معلوم تھا اور یہود و نصاریٰ کو بھی یہ معلوم تھا کہ جو آخری نبی ہوں گے وہ نبی القبلتین ہوں گے۔ توریت میں عہد نامۂ قدیم میں اس کا ذکر موجود ہے کہ آخری نبی، نبی القبلتین ہوں گے، دو قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں گے۔ ابتداءً بیت المقدس کی طرف اور پھر کعبۂ مقدسہ کی طرف۔

جب انہیں یہ معلوم تھا کہ آخری نبی نبی القبلتین ہیں تو پھر انہیں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں تھی، بلکہ یہ تو توریت کی تصدیق تھی کہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق اللہ نے قبلہ کو تبدیل فرما کر توریت کی تصدیق فرمائی ہے کہ آنے والے آخری نبی جس کی بشارت جناب موسیٰ نے بھی دی ہے اور جناب عیسیٰ نے بھی دی ہے، وہ دو قبلوں کے نبی ہوں گے۔ انہیں تو اس سچائی پر ایمان لانا چاہیے تھا، مگر برا ہو عصبیت اور ذاتی مفادات کا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سرورِ کائنات سچے نبی ہیں، وہ اللہ کے رسول پر ایمان لانے کے بجائے یہ اعتراض کرنا شروع کر دئے کہ یہ قبلہ کیوں تبدیل کیا گیا۔

یہ آیت شریفہ تبدیلیٔ قبلہ اور تحویل قبلہ سے پہلے نازل کی گئی، جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ جب یہ ہنگامہ کھڑا ہو اور کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کرنے لگیں کہ قبلہ کیوں بدلا گیا، تو مسلمان پہلے ہی سے مطمئن رہیں گے اور اس اعتراض کا اثر ان کی زندگی پر بالکل نہیں پڑے گا کہ قبلہ بحکم الٰہی بدلا گیا ہے اور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی القبلتین ہیں۔ یہ

قبلہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہی بدلا گیا ہے۔

قبلہ کی تبدیلی کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ یہود و نصاریٰ جب ایمان لانے سے بیزار ہیں اور مکمل دشمنی پر آمادہ ہیں تو اب اقتدار کا محور بدل دیا گیا ہے۔ پہلے خیر امت کا لقب یا بہترین قوم کا منصب یہود کو دیا گیا تھا لیکن اب یہ منصب سرورِ کائنات کی تشریف آوری کے بعد امت محمدیہ کو عطا کر دیا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ (سورۃ ال عمران الآیۃ:110)

تمہیں بہترین امت اس لیے پیدا کیا گیا تا کہ تم لوگوں کو برائیوں سے روکو اور بھلائیوں کا حکم دو اور اللہ پر ایمان لاؤ۔

یہ خیر امت کا منصب اب امت مسلمہ کو دیا جا رہا ہے اس لیے قبلہ بھی وہی ہوگا جو امت مسلمہ کا اولین قبلہ تھا۔ یاد رکھیے! جتنے بھی پیغمبران کرام تشریف لائے ہیں وہ سب کے سب مسلمان ہی تھے۔ اسلام ہی ان کا مذہب تھا۔ لوگوں نے، مختلف مذاہب کے فالوورس (Followers) نے، ماننے والوں نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق اپنے مذاہب کے نام رکھ لیے۔ یہودیت کو یہودیت توریت میں نہیں کہا گیا ہے، بلکہ یہودیت قبیلۂ یہودا کی بنیاد پر یہودیوں نے خود اپنا نام رکھ لیا ہے۔

عیسائیت جناب عیسیٰ علیہ السلام کا مذہب نہیں ہے۔ ان کا بھی مذہب اسلام ہے۔ لیکن عیسائیوں نے اپنے مذہب کا نام عیسائیت رکھا۔ اسلام ساری کائنات کا تنہا عالمی مذہب ہے۔ جناب آدم سے لے کر سرورِ کائنات تک اور رہتی دنیا تک۔ جس کا تعلق کسی خاص قوم اور کسی خاص علاقہ سے نہیں ہے۔ اسلام کے معنی سر جھکانے، اطاعت کرنے، فرماں برداری



کرنے کے ہوتے ہیں، اللہ کی مرضی کے سامنے جھک جانے کے ہوتے ہیں۔

اس لیے دنیا کی جو بھی قوم خدائے وحدہ قدوس کے احکامات کی پیروی کرے گی، حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ یا ان سے پہلے جو انبیائے کرام گزرے ہیں ان کی تعلیمات کے مطابق وہ قوم مسلم ہی کہی جائے گی۔ جناب ابراہیم نے بھی کہا تھا: میں مسلم ہوں۔ بعد میں یہ جھگڑا پیدا ہوا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ قرآن پاک نے اس کا جواب دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی تھے بلکہ وہ ایک اللہ کی ذات کو تسلیم کر کے صرف اور صرف مسلمان تھے۔ یہی حال دوسرے انبیائے کرام کا بھی تھا۔

اب آئیے تحویل قبلہ کے بارے میں اللہ کے رسول تاجدار دو عالم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے انداز کو ملاحظہ کریں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:144)

اے پیغمبر ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کا روئے زیبا اس خواہش کی بنیاد پر آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے۔ تو ہم آپ کی مرضی کے مطابق قبلہ بدل دیں گے، اب آپ اپنا رخ مکہ مکرمہ کی طرف پھیر لیجیے اور امت مسلمہ کے افراد جہاں کہیں بھی ہوں وہ اپنا رخ کعبہ کی طرف پھیر لیں۔

یہ فرمانِ الٰہی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کے مطابق تھا کہ ہمارا قبلہ مکۂ مکرمہ ہو، کعبۂ مقدسہ ہو۔ آپ اندازہ کیجیے، مشیت کو آقا کی خواہش کا کتنا خیال ہے کہ رب العالمین سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی کے مطابق کائنات کا قبلہ تبدیل

فرمارہا ہے۔تبدیلیٔ قبلہ میں یہ بھی ایک مصلحت تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان کا امتحان لے اور منافقین کے نفاق کا مشاہدہ فرمالے، دیکھ لے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے قبلہ بدلا گیا ہے مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ شک کررہے ہیں کہ ایسا کیوں کیا گیا۔

وہ اس لیے شک کررہے ہیں کہ انہوں نے دین کو اپنی عقل کے پیمانہ پر ناپنا چاہا حالاں کہ دین اللہ کے فیصلہ اور اس کی مرضی کے مطابق ہے۔تمہاری عقل اسے قبول کرے یا نہ کرے۔چنانچہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

علم قدرت میں یہ بات ازل سے ہے کہ کون مانے گا اور کون نہیں مانے گا؟ کون مرضیٔ خدا کے مطابق اپنے قبلہ کو بدل لے گا اور کون نہیں بدلے گا؟ لیکن اس کا مشاہدہ اس وقت ہوگا جب لوگ ایسا کریں گے۔ یہاں مشاہدے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ہم مشاہدہ فرما لیں، تاکہ ہم دیکھ لیں کہ کون ہے جو ہمارے احکام کی پابندی کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے۔

آگے دوسرے رکوع میں اللہ رب العزت یہودیوں اور عیسائیوں کے طرز عمل اور ان کے انکار کے بارے میں ارشاد فرمارہا ہے کہ پیغمبر اعظم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسے نبی ہیں جن کی بشارت عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید (New Testament) اور عہد نامۂ قدیم (Old Testament)، توریت، زبور، انجیل سب میں موجود ہے۔ ہر نبی نے اپنے اپنے دورِ نبوت میں سرورِ کائنات کی تشریف آوری کا تذکرہ کیا، ان کے شہر پاک کا تذکرہ کیا، ان کے سراپائے ناز کا تذکرہ کیا، ان کی خصوصیات کا تذکرہ کیا، ان کے خاتم النبیین ہونے کا بھی تذکرہ کیا۔

یہود جو اپنی کتابیں پڑھتے ہیں اور ان کے علما اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ پیغمبر وہی پیغمبر ہیں جن کا انتظار مدتوں سے ہورہا تھا، جو موعود ومنتظر تھے، آج وہ جلوہ گر ہوچکے ہیں۔مگر



برا ہو اس عصبیت کا اور اس نفع کوشی کا جس کی بنیاد پر یہودیوں اور عیسائیوں نے سرورِ کائنات کو نبی ماننے سے انکار کردیا۔قرآن عظیم ارشاد فرمارہا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:146)

جنہیں ہم نے کتاب عطا کی ہے (توریت یا انجیل) وہ پیغمبر اعظم کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

بیٹے سے اس لیے تشبیہ دی گئی کیوں کہ بیٹا اگر لاکھوں کے مجمع میں ہو اور بہت سے لوگ اس کے ہم شکل ہوں، پھر بھی باپ کی ابوت اپنے بیٹے کو پہچان لے گی۔تو جس طرح لوگ اپنے بیٹوں کو پہچان لیتے ہیں ویسے ہی یہ بھی پہچان رہے ہیں کہ یہ آخری نبی ہیں، یہی موعود ومنتظر ہیں، یہی مبشّر نبی ہیں۔اس کے باوجود یہ حق کو چھپا رہے ہیں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ○

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:146)

اور بے شک ان میں ایک فریق حق چھپا رہا ہے اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حق کیا ہے۔

یہ بات اس لیے بھی اللہ نے ارشاد فرمائی کہ تبدیلیٔ قبلہ یا پیغمبر اعظم کی رسالت اور سیادت عامہ کا اگر یہ انکار کررہے ہیں اس کی سچائی جاننے کے بعد تو یہ بدترین قسم کی گمراہی میں مبتلا ہورہے ہیں۔نہ جانتے تو انکار کی گنجائش تھی، لیکن توریت وانجیل کی بشارتوں سے یہ جان کر بھی کہ یہ نبی ہیں، انکار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مفادات اور اپنی عصبیت جاہلیہ کی بنیاد پر سرورِ کائنات کی عظمت کا اور ان کی نبوت کا انکار کررہے ہیں۔ اس لیے کہ ہدایت یافتہ صرف وہی لوگ ہوں گے جن کو اللہ اپنی ہدایت سے نوازنا چاہے گا۔

رکوع نمبر ۳ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک عظیم نسخۂ کیمیا عطا فرمایا ہے کہ جب بھی تمہیں کوئی مشکل پیش آئے، جب بھی کوئی دشواری ہو اور جب بھی کسی المیہ سے دو چار ہو تو تمہیں نماز اور صبر کے ذریعہ مدد طلب کرنی چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ: 153)

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (اپنے اللہ سے) مدد طلب کرو۔

صبر اور نماز کو وسیلہ بناؤ۔ صبر کرو مصائب اور مشکلات پر اور اللہ کی بارگاہ میں سر جھکاؤ تو تم اپنے اللہ کا قرب حاصل کرلو گے۔ صبر ایک ایسا عظیم عمل ہے جس کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی معیت بندے کو نصیب ہوتی ہے۔ یوں تو شکر بھی بڑا عظیم عمل ہے، بندے کو شکر کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے اور صبر کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ مگر شکر کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ۔ (سورۃ ابراھیم الآیۃ: 7)

اگر تم شکر ادا کروگے تو میں اپنی نعمتوں کو بہت زیادہ بڑھادوں گا۔

مولا کا اسلوب بیان یہ ہے کہ تم اگر شکر کروگے۔ یہ سمپل پاسٹ ٹینس ( Simple Past Tense ) ہے، یعنی سادہ ماضی ہے، ماضی مطلق ہے۔ اگر تم نے شکر کیا، تو بلاشبہ میں اپنی نعمتوں کو بڑھادوں گا۔ "لأزیدنّکم" میں تاکید در تاکید ہے اور صبر کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

شکر کسی نعمت کے بعد کیا جاتا ہے اور صبر کسی مشکل کو برداشت کرکے کیا جاتا ہے۔ یقیناً صبر میں بندے کو زیادہ دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس لیے شکر میں نعمت کے بڑھانے کا حکم دیا گیا اور صبر میں معیت الٰہی سے نوازا گیا۔ اللہ کے ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس



مصیبت اور جس مشکل میں تم صبر کروگے، پروردگار عالم یقیناً تمہاری مشکل دور فرمادے گا۔ اس لیے کہ جس کے ساتھ اللہ ہو اسے کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی۔

ہاں! اگر بر بنائے ابتلا اور آزمائش کبھی اللہ تمہیں کسی مشکل میں مبتلا کرے گا تو پھر تمہارے مراتب کو بڑھادے گا، مرتبے میں اضافہ کردے گا۔ صبر کے ہر لمحہ کے مقابل اللہ اپنی بے شمار عنایتوں سے نوازے گا۔ جتنا صبر کروگے اسی قدر اللہ کی نوازشاتِ فراواں کے مستحق ہوتے چلے جاؤ گے۔ اس لیے صبر کا حکم دیا جارہا ہے کہ جب بھی کوئی مشکل آئے، جب بھی کوئی دشواری آئے تو صبر اور نماز سے مدد لو۔

آج کل کورونا کی وبا نے پوری دنیا کو مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ایسے موقع پر قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ مسلمانوں کو حوصلہ دے رہی ہے اور اللہ کی بارگاہ میں جھکنے کی تلقین کر رہی ہے کہ تم اللہ کی بارگاہ میں جھکو تو تمہارے عمل کی بنیاد پر، صبر کی بنیاد پر اور نماز کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم تمہارے شامل حال ہوگا اور مشکلات دور ہوجائیں گی۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول تاجدار دوعالم سرورِ کائنات ﷺ کا معمول پاک تھا کہ جب بھی کوئی مشکل گھڑی سامنے آتی تو آپ سب سے پہلے خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر دعا کرتے تھے۔ یہ ہے صبر اور استعانت باللہ، صبر اور اللہ سے مدد طلب کرنا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اپنی تمام مشکلات میں، اپنی تمام دشواریوں میں خدائے وحدہ قدوس کی بارگاہ میں صبر کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے نجات مانگیں۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ: 154)

جو اللہ کے راستے میں شہید کیے گئے ہیں، انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم شعور

نہیں رکھتے ہو۔

اللہ نے یہ اس لیے فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں منافقین نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اگر یہ لوگ ہمارے ساتھ ہوتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو آج ہماری طرح نعمتوں سے فیضیاب ہوتے۔ انہوں نے جنگ میں جا کر جان دے دی ہے، اس لیے انہیں کیا میسر آیا؟ اس طرح سے وہ ان مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے جو میدانِ جہاد میں اپنے رب کی بارگاہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا چاہتے تھے۔

مشیت ان کا جواب دے رہی ہے کہ خبردار! وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں شہید کیے گئے ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم کو ان کا شعور نہیں ہے۔ تم جانتے نہیں ہو کہ شہادت کا مقام کتنا بلند ہے، یہ مقام کتنا عظیم ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ خبردار! ان کے بارے میں گمان بھی نہ کرو، جو اللہ کے راستہ میں قتل کیے گئے ہیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کی بارگاہ سے روزی دی جاتی ہے۔ شہید کی حیات کے بارے میں قرآن پاک کی یہ دو عظیم آیتیں اعلان کر رہی ہیں۔ ایک مقام پر یہ ہے کہ تم شعور نہیں رکھتے ہو اور ایک مقام پر یہ ہے کہ کہنا تو بڑی دور کی بات ہے، ان کے بارے میں گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں۔ ان کی موت تمہاری موت جیسی نہیں ہے۔ ان کو حیاتِ جاودانی میسر آ گئی ہے۔

مشیت کا یہ فیصلہ ہے کہ اللہ کے راستے میں جو بھی دولت خرچ کی جائے، اللہ اسے دس گنا، سات سو گنا اور پھر جتنے ہزار گنا چاہے بڑھا دے۔ جب تم اللہ کے راستے میں کچھ مال خرچ کرتے ہو تو اللہ لاکھوں گنا اس کا ثواب دیتا ہے تو جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں زندگی خرچ کی، کیا ان کی زندگی کا ثواب حیات جاودانی سے میسر نہیں آئے گا؟ بلاشبہہ وہ زندہ ہیں۔

شہید وہ ہوتا ہے جو نبی کے مشن پر جان دے، نبی کے دین پر جان دے، نبی کے



پیغام کی بقا کے لیے جان دے، اسلام کی اشاعت کے لیے جان دے، جب نبی کے مشن پر جان دینے والا زندہ ہے تو صاحب مشن سرورِ کائنات جناب محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے بارے میں کون شبہہ کر سکتا ہے؟

شہدائے کرام کے بارے میں اعتراض کیا گیا تھا کہ اگر وہ ہمارے ساتھ رہتے تو انتقال نہ کرتے، آج بھی ہماری طرح مادّی زندگی سے لذت یاب ہوتے، ان کے جواب میں کہا گیا کہ تم انہیں مردہ مت کہو، یہ تمہارے عدم شعور کی بات ہے، تم انہیں مردہ گمان بھی مت کرو۔

سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باب میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک بندوں اور حقیقی مومنین کو جانتا ہے کہ مومن کبھی نبی کی حیات کا منکر نہیں ہوگا، اس لیے شہید کی حیات کا تو اعلان کیا گیا مگر سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات جاودانی، حیات بعد الموت کا اعلان اس لیے نہیں کیا گیا کہ مومن خود اپنی فطرت اور اپنے نبی کی عظمت کے حوالے سے یہ جان جائے گا کہ مشن پر مرنے والے اگر شہید ہیں تو جو صاحب مشن ہیں ان کا مقام اور مرتبہ کتنا بلند ہوگا۔ اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔

(أخرجه النسائی فی کتاب الجمعة، باب إکثار الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم، برقم 1374 وأبو داود فی کتاب الصلاة، باب فضل الجمعة ولیلة الجمعة، برقم 1047، وابن ماجه فی کِتَاب الْجَنَائِزِ، بَاب ذِکْرِ وَفَاتِهِ وَدَفْنِهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ برقم 1637)

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:158)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے دو عظیم نشانیاں ہیں۔

صفا اور مروہ خانۂ کعبہ سے قریب دو پہاڑیاں ہیں، حج اور عمرے کے وقت جن کی سعی کی جاتی ہے۔ آپ کو تاریخ معلوم ہے کہ جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہاں چھوڑا گیا، آج جہاں زمزم کا کنواں ہے اور جناب ابراہیم علیہ السلام مرضیٔ مولا کے مطابق اپنے ننھے شیر خوار حضرت اسماعیل علیہ السلام اور جناب ہاجرہ کو وہاں چھوڑ کر واپس چلے آئے اور جناب اسماعیل شدید پیاسے ہوئے تو حضرت ہاجرہ نے انہیں ایک پتھر پر لٹا دیا اور صفا اور مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے۔ صفا اونچائی پر ہے، اس لیے جب وہاں روانہ ہوتیں تو اپنے شہزادے جناب اسماعیل کو دیکھ لیتی تھیں اور جب میدان میں پہنچتیں تو دوڑنا شروع کر دیتیں، پھر جب اوپر جاتیں تو پھر دیکھ لیتی تھیں۔

عالم یہ ہے کہ کعبۂ مقدسہ کی طرف رخ کر کے آج بھی لوگ دعا کرتے ہیں، صفا پر بھی اور مروہ پر بھی۔ یہ وہی انداز ہے جو جناب ہاجرہ نے اختیار فرمایا تھا۔ یہی وہ اسلوب ہے، آج بھی اسی طرح ''میلین اخضرین'' کے درمیان دوڑا جاتا ہے اور صفا اور مروہ پر کعبہ کی طرف رخ کر کے دعا کی جاتی ہیں اور آج بھی ان کے صدقے میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ یہاں عیسائیوں کے ایک بڑے عالم ہماری مسجد میں تشریف لائے تھے، میں تھا اور میرے ساتھ علامہ ارشد مصباحی بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ذبیح جناب اسماعیل نہیں ہیں، جناب اسحاق ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں جناب اسماعیل ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انجیل میں مروہ کا تذکرہ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ مروہ اسرائیل میں نہیں ہے، بیت المقدس میں نہیں ہے۔ میں نے کتاب کھول کے دکھایا، تو ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا اور وہ خاموش ہو گئے۔

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں تھیں اور ان دونوں پہاڑیوں پر اساف اور نائلہ نام کے دو



بت رکھے ہوئے تھے، وہ لوگ ان بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ دونوں مرد اور عورت ہیں اور انہوں نے حرم میں گناہ کیا تھا اور پھر انہیں پتھر بنا دیا گیا۔ پتھروں کے یہ بت موجود تھے اور عہد رسالت سے پہلے عرب کے لوگ انہیں پوجا کرتے تھے۔ آپ دیکھیں کہ جن پتھروں کی پوجا ہوتی تھی نبی کے صدقے وہ جگہ عبادت کا مرکز بنا دی گئی ہے۔ اور جناب ہاجرہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے اسے شعائر اللہ میں شمار کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:158)

بے شک صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔

پھر سورۃ البقرہ، آیت 164 میں اپنی ذات کا تعارف کرا رہا ہے وہ فرماتا ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

(سورۃ البقرۃ الآیۃ:164)

بے شک زمین و آسمان کی تخلیق میں، رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں اور وہ کشتیاں یا جہاز جو سمندر میں چلتے ہیں جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ بارش جسے اللہ نے آسمان سے نازل فرمایا ہے جس سے زمین کو زندگی مل جاتی ہے مرنے کے بعد اور پھر اللہ نے زمین پہ ہر طرح کے چوپائے پھیلا رکھے ہیں اور جو ہوائیں چلتی ہیں اور وہ بادل جو آسمانوں اور زمین کے درمیان مسخر ہیں، بلاشبہہ ان تمام باتوں میں اللہ کی روشن

نشانیاں ہیں ان قوموں کے لیے جو علم و عقل رکھتے ہیں۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لاشریک می گوید

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقش دفتریست معرفت کردگار

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته



## خطاب نمبر (۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ
مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ
وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے انبیاء اور رسل میں

ایک دوسرے کو ایک دوسرے پر فضیلتوں سے نوازا ہے۔ ان میں جناب موسیٰ کلیم اللہ بھی ہیں، جنہوں نے اللہ سے کلام فرمایا اور ایک ایسی ذات پاک بھی ہے جس کو درجوں بلند کیا گیا۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ ''كَلَّمَ اللّٰهُ'' سے جناب موسیٰ کی ذات مراد ہے اور ''رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ'' سے سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت مراد ہے۔

جملہ مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ ''رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ'' سے مراد سرورِ کائنات کی ذات ہے۔ حضور تاجدارِ مدینہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سے فضائل اور کمالات ایسے عطا فرمائے گئے تھے جو دوسرے انبیائے کرام کو نہیں بخشے گئے تھے۔ یا جو فضائل انہیں عطا فرمائے گئے تھے ان فضائل میں اللہ رب العزت نے سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مزید عظمتوں سے نوازا۔

نفس نبوت میں تمام انبیائے کرام برابر ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نبی منصب نبوت میں، نفس نبوت میں دوسرے نبی سے کم یا زیادہ ہے۔ لیکن درجات کے اعتبار سے، فضائل کے اعتبار سے، کامیابیوں کے اعتبار سے اور دائرۂ دعوت کے اعتبار سے انبیائے کرام میں ایک دوسرے کو فضیلت سے نوازا گیا ہے۔

سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیائے کرام تشریف لائے وہ ایک مخصوص زمانے کے لیے آئے، مخصوص دور کے لیے آئے، ایک محدود طبقے کے لیے آئے، ایک محدود قوم کے لیے آئے، ایک محدود خطۂ زمین کے لیے آئے، کسی شہر کے لیے آئے، کسی ملک کے لیے آئے۔ لیکن سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مطلقہ اور سیادت عامہ ساری کائنات کے لیے ہے خود فرماتے ہیں: بُعِثْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً میں تمام مخلوق کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔



ان کا زمانۂ نبوت قیامت تک کے لیے ہے، ان کے بعد کوئی اور نبی جلوہ گر نہیں ہوگا۔ انبیا تشریف لاتے رہے یہاں تک کہ آقائے دو جہاں سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور پھر نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ اور انبیائے کرام کی کتابیں بدل دی گئیں مگر سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی عظیم کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا اور اسے قیامت تک نہیں بدلا جائے گا۔

جو کمالات انبیائے کرام کو دیے گئے ان کمالات میں سرورِ کائنات محمد رسول اللہ کو منزل کمال تک پہنچایا گیا۔ آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری کائنات کے لیے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ کسی دوسرے نبی کو یہ منصب نہیں عطا فرمایا گیا۔ بلاشبہہ ہر نبی اپنی قوم کے لیے، اپنی زمین دعوت پر رحمت ہی بنا کر بھیجے جاتے تھے۔ مگر رحمت تمام کی حیثیت سے ساری کائنات کے لیے، سارے عالمین کے لیے تنہا سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی بھیجا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ آقائے دو جہاں سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا:

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ

(صحیح مسلم کِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ باب جُعلت لی الأرض مسجدًا وطهورًا الرقم:523)

یعنی: مجھے انبیائے کرام پر چھ چیزوں میں فضیلت عطا فرمائی گئی ہے۔ مجھے ایسے کلمات سے نوازا گیا جو مختصر ہونے کے باوجود علم و فضل، معانی اور مفاہیم کی کائنات اپنے اندر رکھتے تھے۔ مجھے رعب اور دبدبہ عطا فرمایا گیا کہ جو مجھ سے اختلاف کرنے والے دشمن ہیں وہ

سیکڑوں میل سے میرے تصور سے، میرے خوف سے لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں۔ غنائم کو میرے لیے حلال قرار دیا گیا۔ مجھ سے پہلے مالِ غنیمت انبیائے کرام اور ان کی امتوں پر جائز نہیں تھا، مالِ غنیمت ایک مقام پر جمع کیا جاتا اور آگ لگا دی جاتی تھی۔ اب ایسا نہیں ہے، بلکہ مالِ غنیمت کو میرے لیے اور میری قوم کے لیے قیامت تک کے لیے حلال قرار دیا گیا ہے۔ میرے لیے پوری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا۔ دوسرے انبیائے کرام کے لیے عبادت کی مخصوص جگہیں ہوتی تھیں، یوں تو مساجد اسلام میں بھی اونچا مقام رکھتی ہیں اور ان کی روایت بھی انبیائے کرام کی ذات سے وابستہ ہے۔ لیکن ہماری عبادت کے لیے اسے لازم قرار نہیں دیا گیا، پوری روئے زمین کو ہمارے لیے سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے۔

جب بھی نماز کا وقت ہوگا، عبادت کا وقت ہوگا تو چاہے صحرا ہو، شہر کی زمینیں ہوں، فضا کا ماحول ہو، سمندروں پہ سفر کر رہے ہوں، کائنات میں جہاں کہیں بھی ہوں، وہاں عبادت کر سکتے ہیں۔ جب نماز کا وقت آجائے تو خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے۔ یہ سہولت، یہ آزادی اور یہ وسعت صرف سرورِ کائنات محمد رسول اللہ کو عطا فرمائی گئی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے لیے زمین کو جب مسجد کی طہارت عطا فرمائی تو جو مسلمان زمین پر سجدہ کرنا جانتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ سجدہ ہم کہیں بھی کر سکتے ہیں تو اب جہاں سجدہ ہوگا وہاں گناہ نہیں ہو سکتا، کوئی غلطی نہیں کی جا سکتی، اللہ کی نافرمانی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ زمین کو سجدے کی طہارت عطا فرما دی گئی، پاکیزگی بخشی گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اشارہ دیا گیا کہ تم زمین پر اگر اللہ کی عبادت کی نیت سے بڑھو گے تو زمینیں تمہارے قدموں میں سمیٹ دی جائیں گی، لیکن اگر تم عیش وعشرت کی نیت



سے بڑھو گے تو قدموں کے نیچے سے زمین سلب کر لی جائے گی۔

تاریخ اسلامی گواہ ہے کہ جب تک مسلمان عبادت کی نیت سے کسی ملک میں قدم رکھتے تھے، وہ ملک ان کا استقبال کرتا تھا، زمینیں ان کے قدموں کو چومتی تھیں اور جب مسلمانوں نے یہ طرزِ عمل چھوڑ دیا اور اللہ کی عبادت کے بجائے ہوسِ ملک گیری کے لیے یا عیش وعشرت کے لیے آگے بڑھنا شروع کیا تو ان سے اقتدار لے لیا گیا اور زمینیں ان سے چھین لی گئیں۔ آج بھی اگر مسلمان اللہ کی زمین پر سرورِ کائنات کی بخشی ہوئی نعمت کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کے لیے آگے بڑھنا چاہیں تو دنیا کی زمینیں آج بھی ان کا استقبال کرنے کے لیے تیار ہیں۔

پھر آقا نے فرمایا: میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ دیگر انبیائے کرام نے اپنی قوم کو مخاطب کیا ہے، جیسے یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ لیکن سرورِ کائنات نے جب بھی مخاطب فرمایا ہے تو تمام انسانوں کو اپنا مخاطب بنایا ہے، جیسے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ، اے لوگو! اس لیے کہ وہ کسی ایک قوم کے لیے، کسی ایک طبقہ کے لیے نبی نہیں بنا کر بھیجے گئے تھے۔ بلکہ پوری دنیائے انسانیت کے لیے، جن وانس کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ پھر آقا نے فرمایا: میری ذات پر انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ خاتم النبیین ہونے کا منصب میرے علاوہ کسی اور کو نہیں عطا فرمایا گیا۔ ترمذی شریف کی مشہور روایت ہے کہ آقائے دو جہاں نے ارشاد فرمایا:

اَنَا حَبِیْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ۔ (سنن الترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابٌ (ثَالِثٌ) فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرقم:3616)

میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

بلاشبہہ اور انبیائے کرام کلیم بھی تھے، نجی بھی تھے، صفی بھی تھے۔ یہ مناصب، یہ مرتبے اور یہ مقامات انبیائے کرام کو عطا فرمائے گئے۔ مگر حبیب ہونے کا مقام تمام عظمتوں

سے بالاتر ہے۔آقا فرماتے ہیں: مجھے اللہ نے اپنا حبیب قرار دیا ہے اور میرے لیے یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔

وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ اٰدَمُ فَمَنْ دُونَهُ وَلَا فَخْرَ

(سنن الترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابٌ (ثَالِثٌ) فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرقم:3616)

میں قیامت کے دن لواء الحمد کا اٹھانے والا رہوں گا، میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور جناب آدم اور ان کے بعد کی تمام انسانیت، تمامی انبیائے کرام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ مجھے قیادت کا منصب عطا کیا جائے گا اور میں اپنے رب کی بارگاہ میں دنیا کے تمام انسانوں اور انبیائے کرام کے ساتھ حمد الٰہی کے لیے حاضر ہوؤں گا تو لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور جتنے بھی انسان ہیں وہ میرے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے، میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔آقا نے فرمایا:

وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ

(سنن الترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ·بَابٌ ثَالِثٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرقم:3616)

میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔

وہ مشہور حدیث پاک آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوگی کہ جب میدانِ محشر میں تمامی انسان اپنی نجات کے لیے پریشان ہوں گے، تپش محشر میں کبھی جناب آدم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ صفی اللہ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے دست قدرت



سے بنایا ہے اور آپ کو فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، آپ کا مقام بہت بلند ہے، آپ ہماری شفاعت کیجیے تا کہ محشر میں ہم کو نجات میسر آسکے۔لیکن وہ معذرت کرلیں گے اور کہیں گے: اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِيْ، کہیں اور جاؤ۔ مجھ سے ایک خطا سرزد ہوگئی تھی، میں تو اپنے رب کی بارگاہ میں آج شرمندہ ہوں۔

اس کے بعد لوگ جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس، جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں سے شفاعت میسر نہیں آئے گی، یہاں تک کہ حضور سید عالم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو اللہ کے رسول فرمائیں گے: اَنَا لَهَا، میں اس شفاعت کے لیے ہوں جس کے لیے تم سرگرداں ہو اور انبیائے کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہوتے رہے ہو۔ پھر آقا فرمائیں گے کہ میں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر، سجدہ ریز ہوں گا اور اپنے رب کی تعلیم کی ہوئی دعا، تعلیم کیے ہوئے انداز اور اسلوب کے ساتھ میں اپنے رب کی تسبیح کروں گا، ایسی تسبیح کہ مجھ سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کی ہوگی۔ پھر میرا رب مجھ سے کہے گا:

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ۔

(مسند احمد مُسْنَدُ الْمُكْثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ مُسْنَدُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الرقم: 9623)

اے محمد! اپنا سر اٹھائیے مانگئے عطا کیا جائے گا، شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

پھر آپ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ وہ اولین شافع ہوں گے، اس کے بعد اور انبیائے کرام کو اجازت دی جائے گی کہ وہ بھی اپنے اپنے امتیوں کی شفاعت کر سکتے ہیں۔آقا فرماتے ہیں:

وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ، فَيَفْتَحُ اللهُ لِي، فَيُدْخِلُنِيهَا، وَمَعِي فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا فَخْرَ۔ (سنن الترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،بَابٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرقم:3616)

سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، پھر جنت میرے لیے کھول دی جائے گی تو میں اس میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ غریب اور فقیر مسلمان داخل ہوں گے اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ پھر آقا نے فرمایا:

وَأَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَى اللهِ وَلَا فَخْرَ۔

(أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ بَابٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ ﷺ الرقم:(3616)

اور میں خدائے وحدہ القدوس کی نگاہ میں اولین وآخرین سب سے زیادہ معظم اور مکرم ہوں گا اور یہ فخر کی بات نہیں ہے۔

یہ وہ فضائل اور خصوصیات ہیں جو خود سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہیں۔ اس لیے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ سے مراد حضور سرورِ کائنات کی ذات ہے۔ اس کے بعد اس آیت شریفہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب عیسیٰ بن مریم کے نام کے ساتھ قدرے تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور سید عالم سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینۂ طیبہ میں جلوہ گر ہوئے تو وہاں یہود ونصاریٰ دو طبقے پہلے سے موجود تھے جو اپنے کو اہل کتاب کہتے تھے۔ مگر ان میں شدید جنگیں ہوتی تھیں، انتہائی اختلافات تھے اور یہ ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے۔ حالاں کہ دونوں کتاب پر ایمان لانے والے تھے۔

ان کے اس طرزِ عمل کی بنیاد پر اللہ رب العزت نے ان کو ہدایت سے محروم رکھا اور پھر ان میں کچھ لوگ حقیقتاً ایمان لائے اور کچھ لوگ ایمان سے محروم ہو گئے۔ یہ اس لیے کہ علم



الٰہی میں یہ بات تھی کہ یہ لوگ کتابوں پر ایمان نہیں لائیں گے اور آپس میں اختلاف کریں گے۔ علم الٰہی ہی کا دوسرا نام تقدیر ہے۔ یہ ان کے لیے مقدر ہو گیا تھا ورنہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا۔ مگر ان لوگوں کے اپنے طرزِ عمل کی بنیاد پر انہیں ہدایت سے محروم رکھا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں یہود ونصاریٰ کا بہت متضاد طرزِ عمل تھا۔ یہود انہیں نبی بھی نہیں مانتے تھے، یہاں تک کہ ان کے نسب میں اختلاف کرتے تھے۔ ان کے لیے اچھے الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ الفاظ جو کسی مومن کی زبان پر نہیں آسکتے ہیں۔ روزِ اول سے ان کے مخالف تھے۔

دوسری طرف عیسائی انہیں خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ افراط وتفریط کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف تو نبوت کا انکار تھا اور ان کے نسب کے بارے میں اچھے الفاظ استعمال نہ کرنا تھا اور دوسری طرف اتنا بڑھانا کہ انہیں خدا اور خدا کا بیٹا قرار دینا تھا۔ یہ دونوں باتیں غلط تھیں اس لیے قرآنِ عظیم نے بہت تفصیل کے ساتھ مختلف مقامات پر جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا تذکرہ کیا ہے اور جناب مریم پر لگائے گئے تمام الزامات کا قرآن عظیم نے دفاع بھی کیا ہے۔ مکمل دو سورتیں جناب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کے حوالے سے قرآن پاک میں موجود ہیں۔ سورۂ آلِ عمران اور سورۂ مریم۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ عیسائیت کے اوپر کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں عیسیٰ علیہ السلام کی عظمتیں بیان فرمائیں، انہیں روح اللہ کہا، کلمۃ اللہ کہا، ان کے معجزات کا تذکرہ کیا، جناب مریم کی پاکیزگی بیان کی۔ یہ سب کچھ قرآن پاک نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت مطلقہ کو ظاہر کرنے کے لیے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے۔

کاش! جناب عیسیٰ کے ماننے والے عیسائی قرآن پاک کے اس احسان کو قبول

کر لیتے اور قرآن پاک کی عظمت کا اعتراف کرتے۔ یقین مان لیجیے کہ اگر قرآن پاک نازل نہ ہوا ہوتا اور وہ معجزات جو جناب عیسیٰ سے سرزد ہوئے، ان کا تذکرہ نہ ہوتا، جو انہیں عطا فرمایا گیا تھا تو یقین مان لیجیے کہ آج جناب عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت، ان کی نبوت اور ان کی تاریخیت کو ثابت کرنا بھی لوگوں کے لیے دشوار ہو جاتا۔

پوری دنیائے عیسائیت پر یا جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں پر قرآن عظیم کا، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ کا احسان عظیم ہے کہ آج بھی جب جناب عیسیٰ روح اللہ کا نام آتا ہے، کلمۃ اللہ کا نام آتا ہے تو ہر مسلمان کی نگاہیں احترام سے جھک جاتی ہیں اور بے ساختہ ان کے نام کے ساتھ علیہ السلام کا معزز لفظ زبانوں پر آجاتا ہے۔ ان کی بے ادبی کو کفر قرار دیا گیا ہے، ان کی نبوت کے انکار کو بھی کفر قرار دیا گیا ہے۔

جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے، ان تمام انبیائے کرام کو ماننا، ان کی نبوت کو ماننا، ان کا احترام کرنا مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی دنیا میں کسی ایک مذہب کو پوری دنیا کے لیے تسلیم کیا جائے اور ایک مذہب پوری دنیا کا ہو تو وہ اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر یہودیت کو دنیا کا مذہب بنایا جائے تو یہودی جناب عیسیٰ کو نہیں مانتے، سرورِ کائنات کو نہیں مانتے۔ اسی طرح اگر عیسائیت دنیا کا مذہب بن جائے تو عیسائی سرورِ کائنات محمد رسول اللہ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کے ایک ارب پچاس کروڑ مسلمان کسی ایسے مذہب کو قبول کر لیں جو ان کے نبی کے بارے میں اچھے خیالات نہ رکھتا ہو؟ ان کے نبی کی نبوت کا انکار کرتا ہو؟ اب رہ گیا صرف اسلام کہ اگر اسلام پوری دنیا کا مذہب ہو تو جناب عیسیٰ کی عظمت بھی محفوظ ہے، جناب موسیٰ کی نبوت بھی محفوظ ہے، ہر ایک کا احترام بھی محفوظ ہے، ان کی کتابوں پر ایمان



لانا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے، ان کی تعلیمات بھی محفوظ ہیں۔

اس لیے اگر کبھی پوری دنیا کا کوئی ایک مذہب ہوا تو وہ صرف اسلام ہو سکتا ہے جس میں انبیائے کرام کی عظمتیں، ان کا وقار، ان کی نبوتیں، ان کی تعلیمات، سب کچھ محفوظ ہیں۔ قرآن پاک کا معاملہ یہ ہے کہ قرآن پاک آخری کتاب ہے اور اس کتاب کے اندر وہ تمام تعلیمات موجود ہیں جو جناب موسیٰ علیہ السلام، جناب عیسیٰ علیہ السلام اور جناب داؤد علیہ السلام کی کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ محرف تعلیمات تو نہیں ہیں، جنہیں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو حقیقی تعلیمات ہیں وہ سب کی سب موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام سرورِ کائنات نے بار بار اہل کتاب کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور اسلام کو جاننے کی کوشش کریں اور اسلام کو تسلیم کر کے ایسا معاشرہ قائم کریں جس میں اختلاف نہ ہو۔ لیکن وہ آپس میں کٹ مرنے کے لیے تیار تھے، اسلام کو قبول کرنے کا بھی ان کے پاس موقع کہاں تھا؟

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو صاحب عقل وشعور تھے، وہ عیسائی ہوں یا یہودی ہوں، انہوں نے دامانِ رسالت تھاما اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ کہیں پوری پوری قوم داخل ہوئی۔ کیا نجاشی بادشاہ داخل نہیں ہوئے؟ کیا پورا ملک داخل نہیں ہوا؟ کیا پورا سیریا داخل نہیں ہوا؟ کیا پورا فلسطین دامانِ رسالت سے وابستہ نہیں ہوا؟ یہ اسلام کی عظمت تھی کہ جنہوں نے ہر طرح کی عصبیت سے بے نیاز ہو کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی وہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے پہ مجبور ہوئے۔ لیکن جن کی آنکھوں پر نفرتوں کی پٹی بندھی ہوئی تھی اور جنہوں نے ہمیشہ عصبیت کے چشمے سے اسلام کو دیکھنے کی کوشش کی انہوں نے اسلام کو سمجھنے کے بجائے ہمیشہ غلط انداز سے اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی۔

یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ قرآن پاک کی وہ

تعلیمات، جن میں تمام انبیائے کرام کی تعلیمات موجود ہیں، سب کی عظمتیں محفوظ ہیں، سب کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے، ان تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور پھر دعوت دی جائے کہ آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، جس کے لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کو دعوت دی تھی۔

اسی سورت میں ایک مقدس آیت ہے جسے آیۃ الکرسی کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں۔ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے:

جس شخص نے فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کو موت کے بعد جنت میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

(السنن الکبری للنسائی کتاب عمل الیوم واللیلۃ ثَوَابُ مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ الرقم:9848)

آپ اندازہ فرمائیں کہ آیۃ الکرسی پڑھنے والے کے لیے اتنے بڑے انعام کا اعلان حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی مسلمان اس نعمت کبریٰ سے محروم رہ جائے تو یقیناً وہ محروم ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور زمین کرسی کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے ایک وسیع وعریض میدان میں کوئی حلقۂ زیور پڑا ہوا ہو۔

(الاسماء والصفات للبیہقی باب ما جاء فی العرش والکرسی الرقم: 301)

اس طرح کے بہت سے فضائل آیۃ الکرسی کے باب میں موجود ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ہر مسلمان اسے یاد کرلے اور نماز فرض کے بعد اس کی تلاوت کو لازم کرلے۔

ایک مشہور واقعہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ



اموال زکات کی حفاظت پر مامور تھے۔ ایک شخص آتا ہے اور وہ چوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ اسے پکڑ لیتے ہیں، تو وہ رونے لگتا ہے، کہ میں بڑا غریب ہوں، مفلس ہوں، مجھے چھوڑ دیا جائے۔ صبح کو اللہ کے رسول نے پوچھا کہ رات کے قیدی کا کیا حال ہے۔ نگاہِ رسالت دیکھ رہی تھی حالاں کہ آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ جناب ابوہریرہ نے کہا کہ وہ بڑا مجبور اور بے کس تھا، مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے کہا کہ وہ آج پھر آئے گا۔

جناب ابوہریرہ کو یقین تھا کہ میرے آقا نے فرمایا ہے تو وہ پھر آئے گا۔ وہ منتظر رہے، وہ پھر آیا تو آپ نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے معذرت کی۔ صبح کو آقائے دو جہاں ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آقا نے فرمایا کہ رات کے قیدی کا کیا ہوا؟ کہا: یارسول اللہ! وہ پھر آیا تھا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، وہ بڑی مسکین صورت بنائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: وہ آج پھر آئے گا۔

تیسری شب وہ پھر آیا تو آپ نے کہا کہ اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، میں یہیں تمہیں قید رکھوں گا یہاں تک کہ صبح ہو جائے اور آقا تمہیں دیکھیں اور تمہیں سزا دیں۔ کہا: نہیں، اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں ایک ایسی بات کی تعلیم دوں گا جس کے ذریعہ تمہیں بڑا فائدہ پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، میں تمہیں چھوڑتا ہوں، کیا کہنا ہے؟ اس نے کہا: آیۃ الکرسی پڑھا کیجیے، اس مقدس آیت کے پڑھنے سے کبھی شیطان قریب نہیں آئے گا اور کبھی شیطان کے فریب سے آپ دو چار نہیں ہوں گے۔ صبح کو آقا نے پوچھا تو کہا: یارسول اللہ! میں نے اسے چھوڑ دیا، اس نے آیۃ الکرسی کے بارے میں کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہا ہاں! تھا تو وہ شیطان لیکن بات اس نے صحیح کی ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الوکالۃ بَابُ إِذَا وَكَّلَ رَجُلًا فَتَرَكَ الوَكِيلُ شَيْئًا فَأَجَازَهُ الْمُوَكِّلُ فَهُوَ جَائِزٌ، وَإِنْ أَقْرَضَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى جَازَ الرقم:2311)

اس سے آپ اندازہ کریں کہ اس مقدس آیت کریمہ کا کیا عظیم مقام ہے۔ یقیناً ہر مسلمان کو کوشش کرے گا کہ اس آیت کریمہ کو یاد بھی رکھے اور پڑھے بھی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

اللہ، جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ حی اور قیوم ہے۔

حی کا معنی ہے جو خود بھی زندہ ہے اور سب کو زندگی دینے والا ہے اور جس کے وجود سے ساری کائنات قائم ہے، وہ پوری کائنات کو وجود بخشنے والا ہے۔ ان کلمات کو بہت سے مفسرین اور بہت سے صوفیائے کرام نے اسم اعظم کہا ہے۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا وظیفہ بہت سے صوفیائے کرام کے معمولات میں داخل ہے۔ خدا کرے یہ آیۃ الکرسی اور اس کے ساتھ ساتھ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا یہ وظیفہ ہماری زندگی میں داخل ہو اور اس کی برکتوں سے ہم نوازے جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:258)

اے محبوب! کیا آپ نے اس شخص کو ملاحظہ نہیں فرمایا جس نے جناب ابراہیم سے حجت کی تھی؟ گفتگو کی تھی؟ اور جناب ابراہیم نے اس سے کہا تھا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو مردوں کو زندہ کرتا ہے، زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے حجت قائم کی تھی نمرود کے مقابل میں۔ جب اس نے یہ کہا تھا کہ تمہارا خدا کون ہے؟ تمہارا پروردگار کون ہے؟ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ نمرود بولا خدا تو میں ہوں، پورا عراق میری عبادت کرتا ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی اور موت دینے



والا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ میں بھی زندگی دیتا ہوں اور میں بھی مارتا ہوں۔ یہ بڑی انوکھی اور دلچسپ بات تھی اور اس نے بطور دلیل دو قیدیوں کو بلایا۔ ایک قیدی کے لیے موت کا فیصلہ کیا گیا تھا، اسے پھانسی ہونے والی تھی اور دوسرے قیدی کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ جسے چھوڑ دینے کا فیصلہ دیا گیا تھا اسے اس نے موت دے دی، پھانسی کی سزا سنادی اور جس کے لیے موت کا فیصلہ کیا گیا تھا اسے چھوڑ دیا۔ پھر اس نے کہا کہ دیکھو میں بھی زندگی اور موت کا مالک ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ دلیل بالکل بھونڈی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مفہوم اور اس معنی میں زندگی اور موت دینے والا نہیں ہے، وہ تو غیر موجود کو موجود کرنے والا ہے اور پھر موجود کو موت دینے والا اور پھر زندہ کرنے والا ہے۔ جناب ابراہیم چاہتے تو یہ کہتے کہ یہ کیسی دلیل تم نے دی ہے؟ میرا رب، میرا مالک، میرا پروردگار اس اعتبار سے زندگی اور موت کا مالک نہیں ہے جیسے تم کہہ رہے ہو۔ تم نے ایک قیدی کو چھوڑ دیا اور ایک قیدی کو پھانسی دے دی۔ میرا پروردگار حقیقی طور پر زندگی اور موت دینے والا ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے، وہی موت دے گا اور پھر وہی زندگی دے گا۔ لیکن آپ نے جاہل اور غبی کے سامنے بحث کرنے کے بجائے ایک نئی دلیل پیش کی اور کہا:

فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:258)

بیشک میرا رب تو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے۔ اگر تم بھی خدا ہو تو سورج کو مغرب سے طلوع کر دو۔ تو وہ کافر مبہوت ہو گیا اور اللہ ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

ہدایت انہیں ملتی ہے جن کا دل ہدایت قبول کرنے کے لیے تیار ہو۔ وہ چوں کہ منکر

تھا، مغرور تھا، سرکش تھا اور ہدایت کے لیے اس کی سماعت تیار نہیں تھی، اس کا دل قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا اس لیے وہ لاجواب تو ہوگیا، مگر اس نے ہدایت قبول نہ کی۔

جناب ابراہیم علیہ السلام اسے دعوت دیتے رہے اور پھر آپ نے دیکھا کہ ایک مقام ایسا آیا جب اس نے جناب ابراہیم سے کہا: ہم نے تمہارے خدا کو دیکھا نہیں ہے۔ تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ اپنی فوج بھیجے، میں تمہارے خدا کی فوج سے مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بھی ایک احمقانہ مطالبہ تھا۔ اگر اس کے شعور کے کسی بھی گوشے میں خدا کی عظمت کا احساس ہوتا تو وہ کبھی یہ بات نہ کرتا۔ وہ ایک جاہل اور غبی تھا۔ طاقت اور غرور کے نشہ میں وہ چیلنج کر رہا تھا کہ آپ اپنے خدا سے عرض کیجیے کہ وہ اپنی فوج بھیجے، میری فوج اس سے مقابلہ کرے گی۔

جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی تو اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم! نمرود سے کہو کہ وہ اپنی فوج کو ایک میدان میں لے آئے۔ ملک کے اندر کوئی بھی فوجی باقی نہ رہ جائے۔ پھر اللہ کی فوج اترے گی۔ اس نے اپنی فوج کو جمع کیا اور منتظر رہا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اور خدا کی فوج آئے گی اور میرا مقابلہ ہوگا۔ لیکن فوج کے بجائے مچھر زمین پر نازل ہوئے اور وہ ہر فوجی کی ناک میں، ہر ہاتھی کے سونڈ میں، ہر گھوڑے کی ناک میں داخل ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ان مچھروں کے ذریعہ پوری کی پوری فوج تباہ ہوگئی۔

نمرود میدان سے بھاگا، اپنے گھر میں گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ آج عجیب معاملہ ہوا۔ ابراہیم کے خدا کی فوج آئی اور ہماری پوری فوج تباہ ہوگئی۔ وہ تو مچھر تھے۔ ابھی وہ یہ بات کر ہی رہا تھا کہ ایک مچھر اس کی ران پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو یہی ابراہیم کے خدا کی فوج ہے، یہ اس کا ایک سپاہی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی بیوی نے کہا پھر بھی تم ایمان نہیں لا رہے ہو؟ ابھی یہ بات کر ہی رہا تھا کہ وہ مچھر اس کی ناک میں گھس گیا، پھر اس



کے سر میں درد پیدا ہوا۔ درد بہت شدید تھا۔ پہلے تو اس نے اپنے نوکروں سے دبانے کے لیے کہا، پھر دھیرے دھیرے چپت لگائی گئی اور پھر اسی مچھر کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی اور وہ فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

خدائے قدیر و جبار کے منکرین کا یہی حشر ہوتا ہے۔ مچھر تو پھر بھی مرئی اور محسوس تھے۔ دیکھے جاسکتے تھے، محسوس کیے جاسکتے تھے۔ لیکن آج کورونا وائرس کا جو عذاب آیا ہے، یہ وائرس تو نہ دیکھے جاسکتے ہیں، نہ محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ لاکھوں افراد کو موت سے ہمکنار کر چکے ہیں۔ کاش! آج کے دور کے نمرودوں کو اللہ پر یقین کرنے کا موقع ملتا اور وہ آج کے عذاب کو دیکھ کر خدا کی بارگاہ میں جھک جاتے تو یہ مصیبت ان سے ٹل جاتی۔ مگر ان کا کفر اتنا مضبوط ہے کہ ان حالات میں اگر اس غیر مرئی اور غیر محسوس قوت کو ایک لمحہ کے لیے دیکھ بھی لیں تو شاید ہی وہ خدا کی بارگاہ میں جھک سکیں۔ کچھ لوگوں نے اعتراف کیا ہے اور انہوں نے دعاؤں کا مطالبہ کیا ہے مسلمانوں سے بھی اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے بھی۔ شاید انہیں محسوس ہوگیا ہے کہ یہ ایک ایسا عذاب ہے جس پر ہم اللہ کی رحمت اور اس کے کرم کے بغیر قابو نہیں پا سکتے۔

چلیں دنیا کے لوگ تو خدا کے ماننے والے نہیں ہیں، اگر وہ خدا کی بارگاہ میں نہیں جھکتے تو کوئی بات نہیں مگر امت مسلمہ جو ایک ارب پچاس کروڑ ہیں وہ خدا کی بارگاہ میں جھک جائیں، اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں اور یہ عہد کریں کہ آئندہ ہم کوئی کام اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کے خلاف نہیں کریں گے تو امت مسلمہ کی توبہ کی بنیاد پر بھی پوری دنیا سے یہ عذاب ٹل سکتا ہے۔ خدائے وحدہ قدوس ہمیں اور آپ کو اور دنیا کے تمام انسانوں کو اس عذاب سے بچا لے اور اس زمین پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

## خطاب نمبر (۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ تم ہرگز بھلائی نہیں حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ تم اپنی محبوب ترین شے کو اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے اللہ اسے جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں سے یہ مطالبہ فرمایا ہے، یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں اپنی محبوب ترین چیز کو جسے وہ پسند کرتے ہیں اسے اللہ کے



راستے میں خرچ کریں۔ یہاں "البِرّ" سے مراد اللہ کی رضا ہے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم اپنی محبوب چیز کو اللہ کے راستہ میں خرچ کیے بغیر بھلائی نہیں حاصل کرسکو گے۔

انفاق فی سبیل اللہ اسلام کا ایک ایسا اہم رکن ہے کہ اگر آپ قرآنِ عظیم کا مطالعہ کریں تو جہاں کہیں بھی نماز کا حکم دیا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ زکوۃ کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوۃ مالی عبادت ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں بندہ عبادت کرکے نماز پڑھ کر سجدہ ریز ہو کر اپنی بدنی عبادت کا حق ادا کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں زکوۃ دے کر، صدقہ و خیرات کے ذریعہ سے وہ مالی عبادت اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔

نماز حق اللہ ہے اور زکوۃ کا تعلق حقوقُ العباد سے ہے۔ نماز ہم پر فرض کی گئی ہے اس لیے کہ اللہ ہمارا خالق و مالک ہے، پروردگار ہے۔ انسان کی فطرت میں بندگی ہے۔ لیکن اللہ نے انبیائے کرام کے ذریعہ یہ تعلیم دی کہ بندگی صرف اسی کی کی جائے گی جو پروردگار ہے جو خالق اور مالک ہے اللہ کہتا ہے وہ میں ہوں۔ میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی اہل اسلام موحدین ہیں وہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ لیکن وہ لوگ جو مسلم نہیں ہیں انہوں نے مظاہر فطرت اور مظاہر قدرت کو معبود بنالیا۔ اور جہاں کہیں بھی انہیں کوئی خوبی نظر آئی، کوئی کمال نظر آیا، کوئی بڑائی نظر آئی، کوئی خوف نظر آیا، کوئی فائدہ نظر آیا اور کوئی نقصان نظر آیا تو اس کے سامنے جھک گئے۔ انہوں نے ہزاروں معبود بنالیے مگر معبود صرف پروردگارِ عالم ہے۔

اللہ کی بندگی دراصل اللہ کا حق ادا کرنا ہے کہ اس نے پیدا کیا ہے وہ ہمارا معبود ہے اور زکوۃ دینا حکم الٰہی ہے مگر اس کا تعلق اللہ کے بندوں سے ہے۔ نہ معلوم کتنے افراد ہیں جو آج ان نعمتوں سے بہرہ یاب نہیں ہیں۔ جن نعمتوں سے ہم اور آپ یا دوسرے آسودہ حال لوگ

مطمئن ہیں اور بہرہ یاب ہیں۔ اللہ ہی نے یہ نعمت عطا فرمائی ہے یہ ایک فضیلت ہے ان لوگوں کے اوپر جو مالی اعتبار سے پس ماندہ ہیں، فاقہ کش ہیں اور ضرورت مند ہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ ہم ضرورت مند ہوتے اور دوسرے ہم سے بہتر ہوتے۔ لیکن چونکہ اللہ نے ہم کو مال دیا، دولت دی اس لیے مال کا حق ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں خرچ کریں اور جو جتنا اللہ کے راستے میں خرچ کرے گا اتنا ہی وہ اللہ کے قریب ہو جائے گا۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالی عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ایک باغ ہے جو مجھے بہت عزیز ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے جسے چاہیں دے دیں۔ میں اسے نذر کرتا ہوں تو آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا: ابوطلحہ یہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ وہ باغ بہت خوبصورت تھا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم پر سب سے زیادہ حق تمہارے قریبی رشتہ داروں کا ہے یہ اپنے اقربا میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عزیزوں میں وہ باغ تقسیم کر دیا۔

حضرات! اللہ کی رحمت اور رضا اس بات میں پوشیدہ ہے کہ بندہ اللہ کی بارگاہ میں اپنی محبوب شئ قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہے۔ اب یہ محبوب شئ مال بھی ہوسکتی ہے، علم بھی ہو سکتا ہے، جان بھی ہوسکتی ہے، خواہشات بھی ہوسکتی ہیں اور دوسری چیزیں بھی ہوسکتی ہیں۔ ہر وہ چیز جس سے بندے کو محبت ہے اگر وہ اللہ کی رضا کے لیے اور دین کی ضرورت کے لیے اللہ کے راستہ میں خرچ کرے گا۔ تو اس آیت کریمہ کے پیشِ نظر وہ اللہ کے قرب اور خیر کامل سے نوازا جائے گا۔ درجنوں آیاتِ مبارکہ انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں اللہ نے نازل فرمائی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے دنیا میں دو طبقے پیدا کیے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو آسودہ حال



ہے اور ایک طبقہ وہ ہے جو آسودہ حال نہیں ہے۔ جو طبقہ آسودہ حال ہے اس طبقے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی آسودگی اور اپنے مال کا شکریہ ادا کرے اور شکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ زبان سے بھی ہے اور ایک عمل سے بھی ہے۔

زبان سے شکریہ ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی نعمت کی طرف نظر اٹھائے جو اللہ نے اسے دی ہے یا جب بھی اسے خیال ہو تو وہ کہے کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے اور اگر وہ مال والا ہے تو مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے بھی وہ اللہ کا عملاً شکر ادا کرتا ہے۔ اس لیے کئی آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالی نے انفاق کے بارے میں احکامات نازل فرمائے ہیں۔

قرآنِ عظیم نے آغاز ہی میں اہل تقوی کی صفت یہ بیان کی ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:3)

(پرہیزگار وہ لوگ ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

کوئی سرمائے دار یہ نہ سمجھ لے کہ یہ میں اپنی طرف سے کسی کو دے رہا ہوں۔ بلاشبہ مالک مجازی مال کا وہ ہے۔ لیکن مالک حقیقی پروردگار عالم ہے۔ اس لیے اللہ فرماتا ہے جو ہم نے دیا ہے۔ وہ کسی پر احسان نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہماری عطا ہی کو ہمارے بندوں پہ خرچ کر رہے ہیں۔ ہم چاہتے تو کسی اور کو دیتے اور انہیں محتاج بنا دیتے لیکن یہ ہمارا کرم اور مہربانی ہے کہ ہم نے انہیں آسودہ حال بنایا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ "مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ" یہاں "مِنْ" "تبعیض" کے لیے ہے۔ ہم نے جو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرو۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ شروع شروع میں جب اسلام جلوہ گر ہوا تھا تو صحابہ کرام نے

پوچھا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم کتنا خرچ کریں۔کیا خرچ کریں۔

وَ یَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ ○ قُلِ الْعَفْوَ ۔(سورۃ البقرۃ الآیۃ:219)

وہ آپ سے پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں تو اللہ نے فرمایا کہ اے محبوب کہہ دو تمہاری اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات سے زیادہ جو بھی بچا رہے وہ خرچ کرو۔

ابتدا میں یہی حکم تھا لیکن بعد میں زکات کی فرضیت ہوئی( 2 and half percent) ڈھائی پرسینٹ اس مال سے جو saving میں محفوظ ہے۔جس پہ سال گزر چکا ہے اس پر زکوۃ دینا فرض قرار دیا گیا۔اتنا تو دینا ہی ہے۔اس کے علاوہ جتنا بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے گا اتنا ہی وہ صاحب بر اور نیکی والا ہوگا اور اللہ کی رضا کو حاصل کرنے والا ہوگا۔قرآنِ عظیم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

(سورۃ البقرۃ الآیۃ 195)

تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ یہ فرمانا اپنے ہاتھ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔اس میں ربط کیا ہے؟ ویسے یہ ہاتھ کو ہلاکت میں نہ ڈالنا ہر اس ہلاکت سے متعلق ہے جو انسانی زندگی کو نقصان پہنچانے والی ہے اور جو تباہ کرنے والی ہے۔لیکن یہاں انفاق کے ساتھ ہلاکت کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے اور اللہ کو راضی کرو گے، جنت کے مستحق بن جاؤ گے اور اللہ کے بندوں کو خوشیاں بانٹو گے۔

لیکن اگر تمہارے پاس دولت ہے اور تم نے اللہ کی رضا کے بجائے عیاشی پہ خرچ کیا، گناہوں پہ خرچ کیا، ریاکاری پہ خرچ کیا، دکھاوے پہ خرچ کیا، شراب نوشی پہ خرچ کیا، ناچ



گانوں پہ خرچ کیا، برائیوں پہ خرچ کیا اور عیش وعشرت پہ خرچ کیا تو تمہاری دولت بھی تمہیں جہنم میں لے جائے گی۔اس طرح سے تم اپنی دولت کو ناجائز راستے میں خرچ کر کے اپنے ہاتھ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو۔اگر اللہ نے تمھیں دولت دی ہے تمہیں تو اسے نیک راستے میں خرچ کر کے کامیابی حاصل کرو، اللہ کی رضا حاصل کرو اور جنت کے مستحق بن جاؤ۔لیکن اگر تم نے اپنی دولت کو اس راہ کے علاوہ بے جا خرچ کیا تو یقیناً اس کی سزا تمہیں ملے گی۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخاوت کرنے والا اللہ سے قریب ہے، بندوں سے قریب ہے اور جنت سے قریب ہے اور بخیل جو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتا وہ اللہ سے دور ہے، بندوں سے دور ہے اور جنت سے بھی دور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دولت کے ذریعہ سے جنت بھی حاصل کی جاسکتی ہے اور جہنم کا مستحق بھی انسان ہوسکتا ہے۔اسی بات کو قرآنِ عظیم نے درجنوں مقام پر مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔ایک اور مقام پر اللہ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○(سورۃ البقرۃ الآیۃ:245)

کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے اور پھر اللہ اسے بہت زیادہ بڑھا دے اس لئے کہ اللہ قابض بھی ہے اور باسط بھی ہے۔رزق کو روکنے والا بھی ہے اور روزی کو کشادہ کرنے والا بھی ہے۔قبض وبسط یہ اللہ کی صفت ہے اس لیے کوئی شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اللہ اسے بے پناہ دولت اپنے کرم بے پایاں سے نوازے گا۔

یہاں اللہ کے اس فرمان پر کہ کون اللہ کو قرضِ حسن دے گا یہودیوں نے مذاق اڑایا تھا کہ مسلمانوں کا خدا تو ضرورت مند ہے، وہ قرض مانگ رہا ہے۔ان ظالموں کو یہ معلوم نہیں تھا

کہ یہ تشویق کے لیے یعنی شوق دلانے کے لیے اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ورنہ جو مال اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ کے بندوں پہ خرچ کیا جاتا ہے۔ مگر اللہ کے بندوں پہ خرچ کر کے وہ اللہ کی طرف سے عطا کا مستحق بن جاتا ہے۔ جس طرح سے ایک قرض لینے والا یقیناً قرض ادا کرے گا۔ اسی طریقے سے جب اللہ کے بندوں پہ آپ خرچ کریں گے تو یہ ذمہ داری ہے اللہ کی طرف سے آپ کو کئی گنا بڑھا کے دیا جائے گا۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ایک صحابی حضرت ابو الدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھی ایک باغ ہے۔ بہت ہی خوبصورت، بہت ہی بڑا جس میں چھ سو کھجوروں کے درخت ہیں میں اللہ کو قرض دے رہا ہوں۔ آپ اسے اپنی مرضی سے جسے چاہیں عطا فرما دیں۔

یہ یقین تھا صحابہ کرام کا جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی اور جب بھی کوئی پیغام پہنچتا تو بغیر کسی تکلف کے اپنا مال بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا کرتے تھے۔ قرض کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت عطا فرمائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

ایک اور آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی مثال جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جس کو زمین میں بویا گیا۔ پھر اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے تھے اور پھر اللہ جسے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔

یعنی کم از کم نیکی کا ثواب سات سو گنا تو ملنا ہی ہے لیکن اللہ اپنے کرم سے جتنا چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت وعلم والا ہے۔ اس کی عطا بہت وسیع ہے اور اس کا علم بہت عظیم ہے وہ جانتا ہے کہ کس کو کتنا دینا ہے۔



حضرات! آپ نے دیکھا ہی ہوگا کہ ایک کسان زمین میں ایک دانہ ڈالتا ہے اور پھر اس سے ننھی کونپل نمودار ہوتی ہے اور پھر وہ کونپل ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اس نے ایک دانہ ڈالا تھا اور ہزاروں دانے اللہ نے اسے عطا فرمائے تو پھر جو ایک رقم اللہ کی بارگاہ میں خرچ کرے اللہ اسے ہزاروں کے برابر عطا فرما دے گا۔

غزوۂ تبوک میں ایک ایسا موقع تھا کہ جب مسلمان انتہائی تکلیف میں تھے، غربت کے ماحول میں تھے۔ بیشتر لوگ مکہ سے مہاجر ہو کر مدینہ طیبہ میں گئے تھے ان کی معاشی حالت بہت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ ایسے موقع پہ رومیوں (رومن پاورس) نے یہ چاہا کہ مدینہ پہ یکبارگی حملہ کیا جائے اور اسلام کو ہمیشہ کے لیے جڑ سے ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے تیاریاں کیں اور تین لاکھ فورسیز تبوک کے میدان میں جمع کر دیئے۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابۂ کرام کو جمع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم پر ایک حملہ ہونے والا ہے اور دشمن قوتیں مسلح ہو کر میدانِ تبوک میں جمع ہو رہی ہیں۔ اسلامی سلطنت اور رومی سلطنت کے درمیان یہ سرحد ہے اگر ہم نے دفاع نہیں کیا تو کل مدینہ طیبہ پر حملہ ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ہمیں آگے بڑھ کر دشمن کی قوتوں کو روکنا ہوگا اور وسائل ہمارے پاس نہیں ہیں۔

جب آپ نے یہ اعلان فرمایا تو صحابۂ کرام کے جذبۂ ایثار کا یہ عالم تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامان سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ بارگاہِ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے۔ یا رسول اللہ یہ نذر ہے اس کے علاوہ جتنا بھی آپ چاہیں گے ہم خرچ کریں گے ہمیں یقیناً اپنے ملک اور اپنے مذہب کے دفاع کے لیے تبوک کی طرف بڑھنا ہوگا۔

(سنن الترمذی، أبواب المناقب، باب فی مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، الرقم: 3700)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں آٹھ ہزار دینار تھے انہوں نے چار ہزار دینار بچوں کے لیے رکھے اور چار ہزار بارگاہِ رسول میں لے کر حاضر ہوئے۔ جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوچا کہ حضرت ابوبکر مکہ مکرمہ میں بہت بڑے تاجر تھے اور بہت دولت مند تھے۔ ہر بار نیکی میں آگے بڑھ جاتے تھے میں آج ان سے زیادہ خوشحال ہوں آج میں شاید نیکی میں ان سے آگے بڑھ جاؤں۔ چناں چہ انہوں نے اپنے مال کے دو حصہ کئے۔ ایک حصہ لے کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا: مَا تَرَكْتَ فِيْ بَيْتِكَ يَا عُمَرُ ! اے عمر! تم نے گھر میں کیا چھوڑا ہے۔ تو آپ نے عرض کیا کہ حضور آدھا مال لے کے آیا ہوں اور آدھا میں نے بال بچوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہت مختصر سامان لے کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے، حالت یہ تھی کہ اپنے جسم کا لباس بھی اتار کر انہوں نے ٹاٹ کا لباس پہن لیا تھا اور اسے کانٹوں سے سل لیا تھا۔ اللہ کے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو غیب داں نبی نے مسکرا کے فرمایا: اَتَرَكْتَ فِيْ بَيْتِكَ شَيْءً يَا اَبَابَكْرٍ اے ابوبکر! کیا تم نے گھر میں بھی کچھ چھوڑا ہے؟ حضرت عمر سے پوچھا تھا تم نے گھر میں کیا چھوڑا ہے۔ اندازِ سوال بتا رہا ہے کہ گھر میں کچھ چھوڑا ہے۔ عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں اللہ اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ وہ میرے لیے کافی ہے۔ اللہ کے رسول نے ان کا مال پورے مال کے اوپر پھیلا دیا۔ جنابِ عمر نے کہا: کہ واللہ ہم ابوبکر سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ان کا اخلاص ان کی قربانیاں ہمیشہ عظیم تر رہی ہیں۔

یہاں یہ بات میں سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ دنیا کے معاملہ میں مسابقت کرنا ناجائز بھی ہوسکتا ہے اور شاید کسی مرحلہ میں جائز بھی ہو لیکن دین کے معاملہ میں اگر کوئی شخص ایک



دوسرے سے آگے بڑھنا چاہے جیسے کہ بعض صحابہ نوافل پڑھنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھتے تھے، صدقہ وخیرات کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا بہت پسندیدہ ہے۔ یہ RACE نہ صرف جائز عمل ہے بلکہ انتہائی مستحسن امر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے پورا مال پیش کیا۔ (حضور نے فرمایا) ابوبکر تم آج ٹاٹ کا لباس پہن کر آئے ہو۔ کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سوچا شاید میرا لباس کسی شہید کا کفن بن جائے اس لیے میں اسے بھی لے کر آیا ہوں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی، محفل جمع تھی پروانے نبی پر قربان ہو رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت جبریل حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی وہی لباس پہن رکھا تھا جو جناب صدیق نے پہن رکھا تھا۔ حضور نے پوچھا جبریل! تم نے یہ لباس؟ کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج یہاں سے لے کر عرش تک جتنے فرشتے ہیں سب نے وہی لباس پہنا ہے جو جناب صدیق کا لباس ہے۔ اللہ نے صدیق کو سلام فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ان سے پوچھو کہ کیا وہ مجھ سے راضی ہیں؟ جنابِ صدیق جھوم اٹھے اور کہا کیا کوئی بندہ اپنے خدا سے ناراض ہوسکتا ہے۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

(کنز العمال حرف الفاء کتاب الفضائل من قسم الافعال
باب فضائل الصحابة فضل الصديق رضی اللہ عنه الرقم:35658)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

دیوان گانِ مصطفیٰ ایسے تھے جو اللہ کی رضا میں اپنا سب کچھ قربان کرتے تھے اور پھر اللہ انہیں راضی کرنے کے لیے پوچھتا تھا کہ کیا میرا صدیق مجھ سے راضی ہے؟

حضرات گرامی! یہ ایثار وقربانی کا وہ نظام تھا جو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا۔ جب تک مسلمان ایثار پیشہ رہے اس وقت تک آگے بڑھتے بھی رہے، کامیاب ہوتے بھی رہے، عزت وآبرو کی ساری بلندیاں بھی حاصل کرتے رہے۔ لیکن جب سے ان کے اندر بخل پیدا ہوا، دنیا پرستی پیدا ہوئی، دنیا کی آسائشوں نے انہیں دنیا سے غافل کر دیا، غریب بندوں کو دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے، ان کا مذاق اڑاتے رہے، عظیم الشان محلوں کے نیچے جھوپڑیاں موجود ہیں، ان پر فاقہ ہو رہا ہے مگر ان پر توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو وہ معماروں سے یہ کہتے ہیں "میرے گھر کی دیواریں بلند کر دو، غریبوں کے بچوں کی آواز ہمیں بہت پریشان کر رہی ہے۔ یہ صورت حال انتہائی دردناک ہے۔

احادیث مبارکہ میں سیکڑوں مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں بہت ہی زیادہ تاکیدات فرمائی گئی ہیں۔ وہ مشہور حدیثِ قدسی تو آپ نے سماعت فرمائی ہی ہوگی کہ جس میں ایک بندے سے میدان محشر میں اللہ تعالیٰ پوچھے گا میں بھوکا ہوا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تو وہ کہے گا اللہ تو تو رزاق مطلق ہے، رب العلمین ہے، ساری کائنات کی پرورش تو کرتا ہے تو کیسے بھوکا ہوا؟ تو اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اگر تو نے اسے کھلایا ہوتا تو آج میں تجھے جنت کی نعمتوں سے نوازتا۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل عیادة المریض، الرقم:2569)

یعنی اپنی ذات کو ایک بھوکے انسان کی جگہ بطورِ مثال پیش کر کے پروردگارِ عالم نے انسان کے جذبۂ ہمدردی کو بیدار فرمایا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر انسان اللہ کا ماننے والا ہو کر اللہ کے رزق میں اللہ کے بندوں کا حق نہ ادا کرے تو یہ یقیناً بہت بڑی زیادتی ہے۔

دوسرے رکوع میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:



يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ (سورۃ ال عمران، الآیۃ:103،102)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔ اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا (فرقوں میں بٹ نہ جانا) اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا (دشمنی تھی) اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ۔

حضرات! اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ایک مومن کی حیات اور اس کی موت کے حوالے سے ایک بہت اہم تعلیم عطا فرمائی ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ صرف زبان سے نہ کہو ہم ڈرتے ہیں۔ بلکہ ہر وقت یہ خیال ہو کہ ہمارا خدا، ہمارا پروردگار، ہمارا رب ہمیں دیکھ رہا ہے جب بھی کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرو تو یہ ضرور سوچو کہ اس سے ہمارا رب راضی ہوگا یا ناراض ہوگا، یہ کام جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اگر ہر وقت تم اللہ کو شہید وبصیر سمجھ کر اس کے سامنے حاضر رہنے کا خیال پیدا کر لو گے تو یہ تقوٰی ہے اور اس طرح تم تمام گناہوں سے بچتے رہو گے۔

اس لیے اللہ سے ڈرو، محفل میں ڈرو، تنہائی میں ڈرو، مجمع میں ڈرو، الگ ہو کے ڈرو، کوئی ایسا لمحہ نہ ہو کوئی ایسی سانس نہ ہو جس میں تم اللہ سے بے خوف ہو جاؤ۔ ایک بزرگ

نے فرمایا ہے جو دم غافل سو دم کافر جو سانس بھی غافل ہے وہ سانس کسی مسلم کی سانس نہیں ہو سکتی۔ بندے کو ہر لمحہ ہر حال میں اپنے اللہ کو شہید و بصیر جان کر اس سے ڈرتے رہنا چاہیے اور جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی اس کی موت اسلام پر ہوگی۔ "وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" اور ہرگز تمہیں موت نہ آئے مگر جب بھی آئے اسلام کی حالت میں آئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔

"كَمَا تَعِيْشُوْنَ تَمُوْتُوْنَ وَ كَمَا تَمُوْتُوْنَ تُحْشَرُوْنَ"

(ثُمَّ العَوارِضِ فی ذِمِّ الرَّوَافِضِ، التفضیل، فیما عدا العشرۃ المبشرین بالجنۃ)

یعنی تمہاری موت اسی حالت میں آئے گی جس حالت میں تم زندگی گزار رہے ہو اور جس حالت میں موت آئے گی اسی حالت میں تمہارا حشر ہوگا۔

اگر انسان غفلت میں ہے اللہ کو یاد نہیں رکھتا اللہ کا خوف نہیں ہے تو یہ ڈر ہے کہ موت کے وقت بے خوفی کی کیفیت ہو۔ اور خاتمہ ایمان پر نہ ہو لیکن جو لوگ ہر وقت اللہ سے ڈرتے ہیں، اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، اللہ کو شہید و بصیر سمجھتے ہیں، یہ جانتے ہیں کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، وہ ہمارے دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے واقف ہے، وہ سطح ذہن پر ابھرنے والے خیالات سے بھی واقف ہے، وہ ہماری خواہشات و امنیات سے بھی واقف ہے تو یقیناً وہ اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے اور جب بھی ان کو موت آئے گی تو یقیناً اسلام پر آئے گی۔ اس کے بعد اللہ اجتماعی زندگی کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ اللہ سے ڈرتے بھی رہو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور کبھی جدا نہ ہو۔ یہ اتحاد بین المسلمین کا ایک عظیم اعلان ہے جو قرآنِ عظیم ارشاد فرما رہا ہے مسلمان جب متحد تھے تو کوئی ایک آواز دنیا میں کہیں اٹھتی تھی تو دنیا بھر کے مسلمان اس آواز کی حمایت میں تیار ہو جاتے تھے۔



ایک لڑکی نے آواز اٹھائی تھی سندھ کے مقام سے جس کی آبرو پر سندھ کے راجہ داہر نے حملہ کرنا چاہا تھا تو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے بھیجا اور وہ کامیاب ہوئے۔ ایک بچی کی آواز پر! لیکن آج ہزاروں کراہیں ہمارے سامنے ہیں، تڑپتی ہوئی لاشیں، بچوں کے ٹکڑے ہیں، بھوک اور پیاس ہے، جنگلوں میں موت سے ہمکنار قافلہ ہے اس کے باوجود ہمارے اندر اتحاد پیدا نہیں ہو رہا ہے۔ ہمارے ہر ملک کا حکمراں صرف اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے امت مسلمہ کی مظلومیت سے غافل ہے اور کہیں سے صدائے احتجاج بھی بلند نہیں ہو رہی ہے۔

اور یاد رکھیے جب تک دنیا کے مسلمان اللہ کے اس حکم پر عمل نہیں کریں گے۔ تب تک وہ ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے، عزتیں لٹتی رہیں گی، عصمتیں برباد ہوتی رہیں گی، موت کا دائرہ بڑھتا رہے گا، ذلتیں اور رسوائیاں مقدر بن جائیں گی۔ اس لیے قرآن پاک کی اس روشنی میں امت مسلمہ کو جمع ہو جانا چاہیے۔ اللہ فرماتا ہے اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور خبردار فرقوں میں نہ بٹ جاؤ، الگ الگ نہ ہو جاؤ، الگ الگ جدا نہ ہو جاؤ۔

ناظرین کرام! ذرا دیکھئے حبل اللہ کیا ہے؟ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبل اللہ سے مراد قرآن عظیم ہے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ یعنی قرآن کو اپنا نظام زندگی اور دستورِ حیات بنا لو، قرآن کو اپنی زندگی میں داخل کر لو، قرآن کے فیصلہ کے سامنے جھک جاؤ اور قرآن کو بنیاد بنا کر سب لوگ متحد اور منظم ہو جاؤ۔ حبل اس رسی کو کہتے ہیں کہ جس سے کوئی عہد جڑا ہوا ہو۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، یہ اللہ کا کرم ہے کہ جب تم حبل اللہ کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو گے تو یقیناً بلاشبہہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا اور تمہیں کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے گا۔

اب آپ دیکھیے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے قوموں کو کس طرح متحد کر دیا تھا۔ اوس وخزرج یہ دو قبیلے ہیں اسلام کی جلوہ گری سے پہلے یہ ۱۲۰ سال تک جنگ کرتے رہے۔ اور جب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور ان قبیلوں نے اسلام کی دولت سے خود کو فیضیاب کرلیا تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قبیلوں کو منظم کر دیا اور ۱۲۰ سال کی جنگ جس میں ہزاروں افراد دونوں طرف سے مار دیے گئے تھے وہ جنگ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ لوگوں نے اپنا خون معاف کر دیا، اپنے اوپر ٹوٹنے والے مظالم کو معاف کر دیا اور جو غلطیاں ان سے ہوئی تھیں اس کی معافی طلب کرلی اور ایک ایسی سیسہ پلائی دیوار ہو گئے کہ انہوں نے روم اور ایران کو جھکا دیا۔

یہ وہ کمال تھا جو تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے ذریعہ ایک انقلاب کی شکل میں دنیا کے سامنے پیدا فرمایا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پوری امت مسلمہ کو متحد اور منظم کر دیا تھا اور جب تک یہ اتحاد کا سلسلہ باقی رہا۔ ع

رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

ہمارا قافلہ بڑھتا رہا اور جب سے ہم نے علاقائیت کی بنیاد پر وطنی عصبیت کی بنیاد پر اور بہت نئے نئے نام دے کر کے قومیت عربیہ کی بنیاد پر آپس میں جنگیں کیں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ امتِ مسلمہ کا شیرازہ بکھر گیا تو دشمن قوتوں نے ہمیں مزید ٹکڑوں میں بانٹ دیا اور مزید تقسیم در تقسیم سے ہمیں دو چار کرتے رہے۔ وطنیت کا نعرہ عرب کی سرزمین پر لگایا گیا قومیت عربیہ کے نام پر جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا۔

ان تازہ خداؤں میں سب سے بڑا وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے



محمد عربی سے ہے عالم عربی تم عربیت پہ ناز کرتے ہو محمد عربی کو تم نے چھوڑ دیا ہے، ان کی تعلیمات کو تم نے چھوڑ دیا ہے، تم چرواہے تھے، وحشی تھے، صحراؤں میں رہنے والے تھے، اونٹ چرانے والے تھے، کوئی حیثیت تمہاری نہیں تھی لیکن محمد عربی نے تمہیں متحد و منظم کر کے قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کا مالک بنا دیا۔ اور اب پھر تم اسی دورِ جاہلیت کی طرف لوٹ رہے ہو اور عربی قومیت کا نعرہ لگا کر دنیا کے تمام مسلمانوں سے الگ ہونا چاہتے ہو۔

ایک صدی بھی نہیں گزری کہ عرب آپس میں ٹکرائے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کے رہ گئے۔ اللہ انہیں توفیق دے یہ پھر قرآن کی طرف پلٹیں اور قرآن کو نظامِ زندگی بنا کر اس پر عمل کریں تو ان شاء اللہ آج بھی کامیابی ان کو میسر آئے گی۔

آقا نے فرمایا: اور تم دوزخ کے کنارے کھڑے تھے پھر اللہ نے تمہیں گرنے سے بچا لیا۔ اللہ تعالی نے تمہیں گرنے سے یوں بچایا کہ پیغمبر اعظم کو بھیجا اور آقا نے انہیں دوزخ کے کناروں سے کھینچ کر جنت سے ہمکنار کیا۔

میرے آقا فرما رہے ہیں: میری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آگ کے گڈھے میں کوئی شخص کودنا چاہتا ہو اور میں اسے کمر پکڑ کے کھینچ رہا ہوں جہنم سے کھینچا ہے سرور کائنات نے۔ اس لیے اگر لوگ چاہتے ہیں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی برکتیں آج بھی دنیا میں ہوں تو متحد ہو جائیں، منظم ہو جائیں، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے نمونہ بنائیں اور آگے بڑھیں کامیاب ہوں گے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

آیت متلو میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اے اہل ایمان! تم میں ایک ایسے گروہ کا موجود ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف خیر کی دعوت دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن پاک کا یہ عظیم فرمان کہ تم میں ایک جماعت کا ہمیشہ ہونا ضروری ہے جو خیر کی



دعوت دے، بھلائیوں کی طرف بلائے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام تمام عالم انسانی کا مذہب ہے اس لیے یہ مسلمانوں کی ذمے داری ہے کہ جملہ انسانوں کو وہ اللہ کے راستہ کی طرف بلائیں، دین کی دعوت دیں اور معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن یہ ہر فرد کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے قرآن عظیم نے یہ قانون وضع فرمایا کہ تم میں کسی ایسی جماعت کا ہر وقت ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو برائیوں سے روکے، بھلائیوں کی دعوت دے۔

حضراتِ گرامی! یہ اس لیے ہے تاکہ اسلام کی دعوت کا سلسلہ کبھی رکنے نہ پائے اور معاشرے میں جو برائیاں پھیل رہی ہیں انہیں دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔ ماضی میں اس بات کا ہمیشہ التزام رہا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت داعیانِ دین کی موجود رہی ہر جگہ، ہر ملک میں، ہر مقام پر جو دین کی دعوت دیتی رہی اور اس طرح اسلام غیر مسلم علاقوں میں پھیلتا رہا۔

وہ داعیانِ دین ان تمام خصوصیات سے آراستہ تھے، ان تمام صفات سے متصف تھے جو ایک داعی کے لیے ضروری ہیں۔ اس لیے کہ اگر ان کا طرز عمل دنیا کے دوسرے انسانوں ہی کی طرح ہوگا تو لوگ ان کو قبول نہیں کریں گے۔ انہیں اپنے اخلاق کے اعتبار سے، اپنے طرز عمل کے اعتبار سے، اپنے انداز کے اعتبار سے معاشرہ میں انتہائی نمایاں ہونا چاہیے۔ ان کا علم معتبر ہو، ان کی اخلاقی قدریں پرکشش ہوں اور معاشرہ میں ان کا مقام اس اعتبار سے ممتاز ہو اس لیے کہ وہ داعیانِ دین ہیں اور دنیا ان کو اپنے لیے معیار تصور کرے، ان کی تقلید کرے، ان کے نقشِ قدم پر چل سکے، وہ کسی حد تک برائیوں سے پاک ہوں جتنا ممکن ہو اور انسانی معاشرہ میں وہ نمونہ بن سکیں پھر اس کے بعد وہ علم کے اس مقام

پر ہوں کہ وہ دعوت کے راستے میں آنے والی ہر مشکل کو اور سارے سوالات کو بخوبی حل بھی کر سکیں اور جواب بھی دے سکیں۔ قرآن وسنت کی دعوت دیں، خدا کی توحید کی طرف بلائیں، باطل قوتوں کا استحصال کرنے کے لیے دلائل کی روشنی میں اپنی بات کریں۔

یقیناً ایسے بے لوث خدمت کرنے والے، اخلاص وللہیت کے ساتھ دین کا کام کرنے والے جب تک موجود رہے، اس وقت تک اسلام کا سیل رواں بڑھتا رہا۔

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

لیکن جب یہ خصائص کم ہو گئے اور دین کی دعوت بھی اخلاص کی بنیاد پر نہیں بلکہ مادی ضرورت کی بنیاد پر دی جانے لگی اپنے کردار اور اخلاق کی بنیاد سے دین کی دعوت کا دعوٰی کرنے والے ایسے نہیں تھے کہ دنیا ان سے متاثر ہو سکے۔ تو اس کے نتیجے میں اسلام کا سیل رواں ٹھہر گیا اور اکنافِ عالم میں جو بڑھنے کی رفتار تھی، پھیلنے کی رفتار تھی وہ یا تو کم ہو گئی یا معدوم ہو گئی اور پھر دنیا کو دعوت دینے کے بجائے مسلم معاشرے میں خود اتنی خرابیاں پیدا ہو گئیں کہ غیر مسلم یہ سوچنے لگے کہ اسلام اگر ایک ممتاز مذہب ہے تو پھر مسلمانوں کے اندر بھی وہی خرابیاں ہیں جو ہمارے اندر ہیں تو پھر ایسے مذہب کو قبول کرنے کا فائدہ کیا؟

اگر مسلمان نیک ہوتے اور ان کے دعات، دین کی دعوت دینے والے اخلاص و للہیت کے پیکر ہوتے، ان کا اخلاق نمایاں ہوتا، پرتوِ اخلاقِ رسالت ہوتے تو یقیناً یہ دین دنیا کے تمام حلقوں میں اب تک غالب ہو گیا ہوتا۔ وہ کیا خوبی تھی! کہ کوئی بزرگ، اللہ کا ولی، کوئی عالم دین کسی بستی میں پہنچتا تھا تو پوری آبادی اسلام کے سائے میں، اسلام کے دامن میں آجایا کرتی تھی۔ خواجۂ اعظم کو دیکھئے تنہا آئے تھے، داتا گنج بخش کو دیکھئے تنہا آئے تھے۔



اسی طریقہ سے دنیا کے مختلف ملکوں میں جو داعیان دین پھیلے وہ تنہا گئے اور انہوں نے پورے ماحول کو بدل دیا لیکن اب یہ ایسا نہیں ہو رہا ہے اس لیے کہ دعوت کے لیے جو حقیقی تقاضے ہیں ان سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ قرآنِ عظیم نے اسلام کے نظام کو آگے بڑھانے کے لیے اس بات پہ زور دیا ہے کہ مخلصین اور ارباب علم و دانش کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو ہر دور میں اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کر سکے اور اسلامی خوبیوں کو نمایاں کر سکے۔

اس کے بعد کے رکوع میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (سورۃ ال عمران الآیۃ: 110)

تم ایک بہترین امت ہو، خیر امت ہو یہ بڑا عظیم تاجِ کرامت ہے اور عظمت ہے جو مصطفٰی صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے سب کے سر پر رکھا گیا ہے۔ پوری دنیا میں لاکھوں انسان ہیں، ہزاروں جماعتیں ہیں، کروڑوں انسان ہیں ان کا اپنا اپنا طرز حیات ہے، طرز زندگی ہے مختلف مذاہب کے ماننے والے ہیں لیکن آقائے دو جہاں سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خیر امت سے یاد کیا گیا۔

ایک مسلمان صرف اتنا سوچ لے کہ ہم اس عظیم مذہب کے ماننے والے ہیں۔ جس مذہب کے ماننے والوں کو خیر امت سے نوازا گیا ہے تو شاید وہ اپنا طرز زندگی بدل کر دین کی برتری اور کامیابی کے لیے کوشش کرے۔ فرمایا تم بہترین امت ہو تمہیں اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر کامل یقین رکھو۔

حضرات! خیر امت کے لیے شرط یہ تھی کہ تم برائیوں سے روکو، بھلائیوں کا حکم دو اور اللہ پر ناقابل شکست یقین رکھو۔ یہ تین باتیں جب جمع ہو جائیں گی تو اس امت کو خیر امت کے

لقب سے نوازا جائے گا۔ بلاشبہ ہم آج بھی خیر امت کے لقب سے نوازے جاسکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم میں ایک گروہ اور ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے جو دین کی دعوت دے اور یہاں فرمایا جارہا ہے تمام انسانوں سے، تمام مومنین سے کہ تم کو خیر امت اس بنیاد پر قرار دیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ تو کیا ہر انسان کے ذمہ ہے کہ وہ یہ کام کرے اگر ہر انسان کی یہ ذمہ داری ہے تو پھر ایک جماعت کا خاص طور پہ تذکرہ کیوں کیا گیا۔

حضرات گرامی! ہاں یہ ہر انسان کی ذمہ داری ہے مگر ہر ایک کا طریقۂ کار اس کی مسئولیات اپنے اپنے دائرے کے اعتبار سے اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف ہے۔ ایک عالم دین اپنے علم کے ذریعہ سے لوگوں کو خیر کی دعوت دے اور برائیوں سے روکے۔ سرمایہ دار داعیانِ دین کے لیے سہولتیں پیدا کرے اُس جماعت کے لیے جو دین کا کام کر رہی ہے، عام انسان دین کے کام کرنے والی جماعت میں شامل ہو کر اس کو تقویت دیں اور جس کی جتنی صلاحیت ہے اس صلاحیت کے اعتبار سے دین کی دعوت دے اور معاشرہ سے برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں اور یہ ہر انسان کرسکتا ہے۔

ایک سربراہِ مملکت اپنی مملکت کا ذمے دار ہے اور وہ اپنی پوری مملکت میں برائیوں کو روکنے اور بھلائیوں کو پھیلانے کا کام کرے یہ اس کی ذمہ داری ہے، ایک سربراہ قبیلہ، خاندان کا بڑا آدمی وہ اپنے دائرۂ عمل میں یہ کام کرے۔ اسی طریقے سے جو جب اور جیسے بھی کرسکتا ہو اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے اپنی اپنی استعداد کے اعتبار سے اور اپنے اپنے دائرۂ عمل اور دائرۂ اختیار کے اعتبار سے دین کا کام کرنے کی کوشش کرے۔



آقائے دو جہاں سرور کائنات ﷺ نے فرمایا تھا ”کہ تم جب کسی برائی کو دیکھو تو ہاتھ سے روکو ہاتھ سے نہیں روک سکتے تو زبان سے روکو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں ہے تو کم از کم دل سے برا جانو اور ظاہر ہے کہ ہاتھ سے روکنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے شارحین حدیث نے یہ کہا کہ جو ارباب اقتدار ہیں وہ طاقت اور قوت کے ذریعہ سے برائیوں کا استحصال کریں اور اوامر پر عمل کرانے کی کوشش کریں، جو اہل علم ہیں وہ اپنی زبان سے دین کی دعوت دیں، برائیوں سے روکیں اور جو یہ بھی نہیں کرسکتے تو دل سے برائیوں کو برا جانیں اور بروں کی صحبت سے بچنے کی کوشش کریں یہ بھی دعوت کا ایک مناسب طریقہ ہے۔

اس لیے خیر امت کے منصب کے مستحق وہی لوگ ہیں جو برائیوں سے روک رہے ہوں اور بھلائیوں کی دعوت دے رہے ہوں اور اللہ پر کامل یقین رکھتے ہوں، ایمان رکھتے ہوں۔ آج یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے جنہیں خیر امت کہا گیا تھا اسی کے افراد اپنے معاشرے میں ان ساری برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں جن برائیوں کو دور کرنے کے لیے اسلام جلوہ گر ہوا تھا، جن برائیوں کو دور کرنے کے لیے ان کے سر پر تاجِ خیر امت رکھا گیا تھا، تاجِ کرامت رکھا گیا تھا، آج وہ برائیاں معاشرے میں موجود ہیں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے دین کی دعوت کے لیے اپنے وجود کو باضابطہ تیار کرسکیں۔ ان لوگوں کی معاشرے میں اکثریت ہے جو برائیاں پھیلا رہے ہیں، برائیوں کی تائید کر رہے ہیں، برائیوں کے ساتھ ہیں اور وہ لوگ کم ہیں جو برائیوں سے بچنے اور بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

امت ایک جماعت کو کہتے ہیں، ایک قوم کو کہتے ہیں، جب تک قوم کے سارے افراد اس قابل نہ ہو جائیں کہ وہ دین کی دعوت دیں، برائیوں سے روکیں، بھلائیوں کی طرف بلائیں۔ اس وقت تک دنیاوی وقار و عظمت کے اعتبار سے انہیں خیر امت کا منصب میسر نہیں

آئے گا۔ ہاں ! اگر ایمان ہے تو یقیناً ایمان کی وجہ سے وہ خیر امت کے لقب سے نوازے جائیں گے مگر یہ منصب دنیا میں اسی وقت اپنی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہوگا جب لوگ اللہ کے احکامات کی اتباع کریں اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیں۔

قرآنِ عظیم نے اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ دین کی دعوت کے ساتھ ساتھ دین کے راستہ میں پیش آنے والی مشکلات اور دشواریوں کو صبر اور سکون کے ساتھ برداشت کرنے کے لیے بھی تیار ہوں اگر ایسا ہوگا۔ تو پروردگارِ عالم کی مدد ان کے شامل حال ہوگی اور یقینی طور پر وہ کامیاب ہوں گے، سرفراز ہوں گے۔

آپ داعیانِ دین کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور اُن افراد کا جائزہ لیں جنہوں نے تنہا کسی میدان میں قدم رکھا اور نصرت الہی ان کے ساتھ تھی اور اللہ نے کامیابیوں سے ہمکنار فرمایا۔ افریقہ کے مختلف علاقوں میں بہت تھوڑے لوگ پہنچے اور انہوں نے افریقہ کے بیشتر علاقوں کو مسلم افریقہ میں تبدیل کر دیا۔

چائنا کی سرزمین پر عہد تابعین میں کچھ لوگ پہنچے تھے اور وہاں کئی کروڑ مسلمان جلوہ گر ہو گئے، ملیشیا اور انڈونشیا کی سرزمین پر تھوڑے تاجر پہنچے تھے۔ اپنے کردار، اپنے اخلاق اور دعوت کے جذبے کے ساتھ کام کیا ان کے ایک ہاتھ میں مالِ تجارت ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں قرآنِ عظیم ہوتا تھا اپنے انصاف پسند مزاج سے اپنے عدل کی بنیاد پر، ایمانداری کی بنیاد پر انہوں نے دلوں کو جیتا اور ان دلوں میں انہوں نے قرآنِ پاک کا نور اتار دیا۔ لیکن کیا آج دنیا میں کوئی ایسی جماعت پائی جاتی ہے کہ جس کی دینی دعوت کے ساتھ ساتھ اس کا اخلاق اور اس کا کردار اتنا مضبوط ہو اور اتنا پاکیزہ ہو کہ لوگ اس کی طرف مائل ہو سکیں۔

ایک طرف تو اسلام کے خلاف ہزاروں سازشیں ہو رہی ہیں اور دوسری طرف



مسلمان اپنے اس منصب سے بہت دور جا پڑا ہے جسے خیر امت کا منصب کہا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ امت مسلمہ کو خیر امت کے تاج کرامت سے نوازے، انہیں اس قابل بنائے کہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ وہ خیر امت ہیں اور ایک ایسی جماعت دنیا کے ہر طبقے میں موجود ہو جو خالصًا لوجہ اللہ، دنیا کی تمام خواہشات سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف دین کی تبلیغ کرے برائیوں سے لوگوں کو روکے اور بھلائیوں کی طرف بلائے۔

حضرات ! دنیا بھر میں برائیاں اتنی عام ہیں کہ آج بھی اگر اسلام کی اخلاقی اور ایمانی قوت کے ساتھ کام نہیں کیا گیا تو دنیا تباہی کے دہانے کو پہنچ جائے گی۔ جن برائیوں کو روکنے کے لیے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ وہ برائیاں آج پوری دنیا کا مزاج بن چکی ہیں اس لیے آج کے دور میں اسلام کی تعلیمات کی بے پناہ ضرورت ہے۔

معاشرتی ناانصاف، طبقاتی کش مکش، قوموں کی آپس میں جنگ اور ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ہو کر بسی آبادیوں کو تباہ کرنا، انسان کا انسانی قدروں سے دور ہو جانا، اخلاقیات کا جنازہ نکل جانا، معاشرے میں بے حیائی اور بے شرمی کا عام ہو جانا، جھوٹ، کذب اور دروغ کی بنیاد پر سوسائٹی کا قائم ہونا، عدل کا ماحول سے مکمل غائب ہو جانا یہ وہ برائیاں ہیں جنہیں صرف اسلام دور کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ ایک مکمل نظام عدل ہے۔ مگر ان برائیوں کو دور کرنے کے لیے امت مسلمہ کو آگے بڑھنا ہوگا۔ پہلے خود اپنی اصلاح کرنی ہوگی اور جب وہ اصلاح پذیر ہو جائے تو پھر دوسروں کو دین کی دعوت دینی ہوگی، خیر کی طرف بلانا ہوگا۔ پروردگار عالم اہل اسلام کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ یہ کام کر سکیں۔ اس کے بعد رکوع نمبر چار میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (سورۃ ال عمرٰن الاٰیۃ: 121)

کہ اے پیغمبر! جب آپ صبح سویرے اپنے اہل سے الگ ہو کر میدانِ احد میں پہنچے ،مومنین کے لیے قتال کے مقامات منتخب کرنے کے لیے اللہ سمیع وعلیم ہے۔جب کہ دو گروہوں نے اپنی خام خیالی کی بنیاد پر الگ ہونا چاہا تو اللہ ان کا مددگار تھا اور اللہ ہی پہ اہل ایمان بھروسہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے تمہاری بدر میں مدد فرمائی جب کہ تم بہت کمزور تھے تو اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر گزاروں میں شمار کیے جاؤ۔(سورۃ اٰل عمران الآیۃ:121،122،123)

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ غزوۂ احد کے بارے میں ارشاد فرمارہا ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کی تیاری شروع کی اور آپ سات شوال ہفتہ کے روز ۳ ھ میں میدان احد میں تشریف لے گئے اور وہاں عسکری تنظیم کے سلسلے میں ایسے مقامات منتخب کرنا شروع کیے جہاں مسلمان قیام فرما کر یا صف بندی کر کے مقابلہ کر سکیں ،دشمن نے چیلنج کیا تھا اور بڑی قوت کے ساتھ وہ حملہ آور ہونے والا تھا۔ان حالات میں یہ ضروری تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جائیں اہل ایمان کی جماعت کے ساتھ اور میدانِ مقابلہ میں ایسے ٹھکانوں کو مقرر کریں جہاں سے ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔

ایسے موقع پر منافقین جو تین سو کی تعداد میں تھے،وہ الگ ہو گئے ، ہم نہیں جائیں گے ،یہ وہی لوگ ہیں جو اوپر سے کلمہ پڑھتے تھے اور اندر سے ہمیشہ اسلام کو ختم کرنے کے کوشش کرتے تھے۔

ان کا یہ خیال تھا کہ اگر ہم الگ ہوئے تو ہمارے ساتھ قبیلۂ اوس اور خزرج کے لوگ بھی الگ ہو جائیں گے اور اس طرح مسلمان شکست کھا جائیں گے۔تھوڑی دیر کے لئے قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں ہم ناکام تو نہ ہو جائیں گے اس بنیاد پر انہوں نے بھی سوچا ہی تھا کہ اللہ نے ان کے دل میں یہ یقین ڈال دیا کہ ہمیں ہر حال میں



پیغمبر اعظم کا ساتھ دینا ہے چوں کہ وہ منافق نہیں تھے،منافقین نے تو ساتھ چھوڑ دیا تھا مگر قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگوں نے جنگ میں شرکت کی،اللہ نے یہ ان کے بارے میں بتایا کہ جب دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ الگ ہو جائیں ہمت ہارنے کی بنیاد پر اللہ ہی ان کا مددگار تھا اور اللہ کی مدد کی بنیاد پر وہ دوبارہ شریک ہوئے۔

یاد رکھیے! جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ یقیناً انہیں کامیاب کرتا ہے ورنہ منافقین کی سازش کی بنیاد پر تو یہ ممکن تھا کہ یا تو میدانِ احد میں جاتے ہی نہیں یا جاتے تو بدترین شکست سے دوچار ہوتے،تھوڑی دیر کے لیے تکلیف ضرور پیش آئی۔آقائے دو جہاں نے کچھ لوگوں کو جن کی تعداد چالیس تھی ایک پہاڑ پر کھڑا کر دیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے تم یہاں سے نہ اترنا ،مقابلہ ہوا دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا،ان کی فوج دور چلی گئی نگاہوں سے غائب ہو گئی،ان لوگوں نے سوچا کہ شاید جنگ ختم ہو چکی ہے اور انہوں نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے سلسلہ میں اپنے ذہن میں یہ تاویل کر لی ہوگی کہ یہ شاید جنگ کے وقت تک کے لئے یہ حکم تھا کہ ہم یہاں کھڑے رہیں،وہ اتر آئے اور سامان سمیٹنے میں لگ گئے،مگر بعد میں دشمن نے پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کیا اور لوگ بکھر گئے۔

معاملہ یہ تھا کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کرام کے ساتھ تنہا رہ گئے تھے،وہ زخمی ہوئے اور پانسہ پلٹ گیا لیکن بعد میں پھر مسلمان جمع ہوئے،اور کفر کی قوت کو شکست ہوگئی اور وہ لوگ واپس چلے گئے،مگر اس میں مسلمانوں کو بہت بڑا جانی نقصان ہوا،یہ نقصان اس لیے ہوا کہ ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے اپنے خیال کے مطابق کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں،انحراف کیا اور اس کی بنیاد پر خاصا نقصان میدان احد میں مسلمانوں کو اٹھانا پڑا یہاں تک کہ جناب سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ

ستر صحابہ شہید کر دیے گئے۔

پتہ یہ چلا کہ مسلمان خواہ وہ حالت امن میں ہو یا حالت جہاد میں جب تک احکام رسول کی پابندی کرتا رہے گا، اس وقت تک اسے کامیابی ملے گی عزت و آبرو میسر آئے گی اور جب ایک بھی حکم رسول سے انحراف کرے گا تو میدانِ حیات میں اسے شکست ہو جائے گی، احد کا معرکہ ہمیں اس بات کی تلقین کر رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جب معاملہ دشمن سے درپیش ہو، تو کہیں بھی کسی طرح بزدلی نہ پیدا ہونے پائے، تھوڑا سا خیال آیا تھا قبیلۂ اوس وخزرج کے درمیان میں کہ ہم بھی واپس چلے جائیں جیسے کہ منافقین گئے تھے وہ انہیں منافقین تو سمجھتے نہیں تھے لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جما دیا اور پھر وہ حق پر قائم رہے۔

رکوع نمبر پانچ میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (سورۃ ال عمران الآیۃ: 130)

اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ، بڑھا چڑھا کر، سود در سود اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

حضرات! عربوں میں جو برائیاں تھیں ان برائیوں میں صدیوں کے دامن میں پھیلی ہوئی ایک بہت بڑی برائی سود کی تھی، سرمایہ دار غریبوں کو سود پر پیسہ دیتے تھے اور پھر انہیں اس قابل نہیں چھوڑتے تھے کہ وہ کبھی ادا بھی کر سکیں۔

اسے "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" کے نام سے یاد کیا گیا ہے یعنی سود در سود، کسی نے اگر ایک ہزار دینار لیا سال بھر میں وہ سود کی بنیاد پر ڈیڑھ ہزار دینار بن گیا اگر وہ نہ دے سکیں تو پھر اس کے بعد وہ ڈیڑھ ہزار پر سود لگتا پھر دو ہزار پر پھر تین ہزار پر اس طرح بڑھتے بڑھتے وقت ایسا آجاتا تھا کہ وہ رقم ادا ہی نہ کر سکیں اور جب کوئی رقم ادا نہیں کرتا تھا تو



سود خوار، سرمائے داران کو اپنا غلام بنا لیتے تھے، گویا وہ ان کے خریدے ہوئے ہیں اس طرح غلامی کا رواج بڑھتا جا رہا تھا اور غریب سرمائے داروں کی مٹھی میں انتہائی کربناک حالات سے دوچار تھا۔

ایسے موقع پہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود سے منع فرمایا اور قرآنِ عظیم نے سود کی حرمت کے سلسلے میں آیتیں نازل فرمائیں کہ سود حرام ہے۔

حضراتِ گرامی! خطبۂ حجۃ الوداع میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد سود ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا ہے میں نے سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود معاف کیا اور اے لوگو! تم بھی سود معاف کر دو اور آج کے بعد یہ نظام اسلامی معاشرے میں باقی نہیں رہے گا۔ غلامی اور بدترین غلامی کا یہ دور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ختم ہوا قرآن پاک نے اس کی وضاحت فرما دی ہے اور یہ ارشاد فرمایا:

''اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کے لیے، ایسی جنت کے حصول کے لئے جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے یہ تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی، اور تنگدستی میں بھی اور غصہ پی جانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ محسنین کو احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے'' (سورۃ ال عمران الآیۃ: 131، 132، 133، 134)

حرمتِ سود کے بعد یہ آیاتِ مبارکہ اس لیے نازل کی گئیں کہ سود کا کاروبار تو بند کرو، لیکن اگر تم یہ محسوس کرتے ہو کہ معاشرے میں کوئی ضرورت مند ہے، بھوکا ہے، پریشان حال ہے تو اس کی مدد کرو بجائے سود پر پیسہ دینے کے فی سبیل اللہ اس کی مدد کرو تا کہ اس کی

غربت دور ہو جائے اور یہ مدد صرف سرمایے دار ہی نہ کریں۔ بلکہ تم میں وہ لوگ جو خود معاشی تکلیف میں مبتلا ہیں وہ بھی اپنی بساط بھر اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح سے بغیر سودی نظام کے معاشرے میں امن قائم ہو سکتا ہے اور معاشی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔

حضراتِ گرامی! یہ ساری تعلیمات انسانی فلاح و بہبود کے لیے ہیں اور جب انسان تعلیمات قرآنی پر عمل کرے گا تو یقیناً وہ محسنین میں شامل ہوگا جن سے اللہ محبت فرماتا ہے۔

پروردگارِ عالم ہم کو اور آپ کو تعلیماتِ قرآن پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم میں کا ہر فرد برائیوں کو اپنی بساط بھر روکے اور نیکیوں کے لیے کام کرے اور اگر کوئی ایسی جماعت سامنے ہو جو دین کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے آگے بڑھ رہی ہو تو اس کی مدد ہر طرح کی جائے اللہ ہم پر اور آپ پر اپنا فضل فرمائے۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ



## خطاب نمبر (۱۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ط وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میں سورۂ نساء کی چند آیات مبارکہ پڑھنے اور ان کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ سورۂ نساء مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس لیے مدنی ہے۔ اس

میں ۱۷۶ آیات ہیں۔ ۲۴ رکوع ہیں۔ ۳۰۴۵ الفاظ ہیں۔ حروف غالباً ۱۶۰۳۰ ہیں۔ اس سورت میں انسان کی معاشرتی زندگی کے احکامات نازل ہوئے ہیں۔

معاشرہ گھر سے بنتا ہے۔ قرآن عظیم میں فرمایا گیا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ النساء الآیۃ:19)

تم اپنی ازواج کے ساتھ بھلائی کے ساتھ زندگی گزارو۔

زندگی گزارنے کا نام معاشرہ ہے۔ اس کو فیملی لائف (Family Life) کے نام سے جانتے ہیں۔ جب یہی معاشرہ پھیلتا ہے تو قبیلہ بن جاتا ہے، پھر قوم بن جاتا ہے، پھر ملک کے دائرے میں پھیل جاتا ہے۔

اس سورت میں معاشرہ (Society) کے احکامات بتائے گئے ہیں۔ اس لیے کہ جب انسان اجتماعی زندگی گزارتا ہے، تنہا تنہا نہیں بلکہ معاشرہ میں رہتا ہے تو انسانوں کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ کچھ حقوق اپنی فیملی کے ہوتے ہیں، کچھ حقوق پڑوسیوں کے ہوتے ہیں، کچھ حقوق ملک کے ہوتے ہیں، یا معاشرے کے دوسرے افراد کے ہوتے ہیں۔ چوں کہ اسلام ایک منظم نظام زندگی کی حیثیت سے مدینۂ پاک میں ابھر رہا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو مدینۂ طیبہ میں نازل فرمایا جن کا تعلق انسانی معاشرہ سے ہے۔

اس سورت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ایک انسان کی گھریلو زندگی کیسی ہونی چاہیے۔ معاشرے کے بنیادی قوانین واضح کیے گئے ہیں۔ صنف نازک یعنی عورتیں جو تاریخ کے ہر دور میں انتہائی مظلوم رہی ہیں، انہیں کبھی بھی مردوں کے برابر حق نہیں دیا گیا، انہیں بیچا گیا، ان کا سودا کیا گیا، ان کی آبروریزی پر فخر کیا گیا۔ یہ دور تاریک ترین دور تھا جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے پوری دنیا میں تھا۔



یونان یہ بحث کر رہا تھا کہ عورت کے اندر روح ہوتی ہے یا نہیں، احساس ہوتا ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ وہاں کی عورتیں اس قدر ظلم و جبر کی شکار تھیں کہ وہ اپنے احساسات کے اظہار کو بھول گئی تھیں۔ ہندوستان میں اگر شوہر مر جاتا تو زندہ بیوی کو اس کی چتا پہ جلا دیا جاتا تھا۔ عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

عیسائیت یقیناً ایک آسمانی مذہب تھا لیکن اس میں اتنی تبدیلی کر دی گئی کہ حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مجرم قرار دیا گیا اور عورت کے بارے میں یہ آیت موجود ہے جو یقیناً گڑھی ہوئی ہے کہ جو عورت سے قریب ہوگا وہ ملکوت سماوات میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اس مظلوم طبقہ کو اوپر اٹھانے کے لیے اسلام نے اپنی دستوری کتاب قرآن پاک میں ایک سورت رکھی ہے جس کا نام سورۃ النساء ہے، جس میں عورتوں کے حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے حقوق کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے اعتبار سے مردوں کے برابر ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:228)

مردوں کے حقوق عورتوں پر ویسے ہی ہیں جیسے عورتوں کے مردوں پر ہیں۔

ہاں زندگی کے فرائض میں ڈیوٹیز (Duties) میں یقیناً اختلاف ہے۔ مرد کو وہ کام کرنا ہے جو اس کے مطابق ہے اور عورت کی ذمے داریاں وہ ہیں جو نسوانیت کا تقاضا ہیں۔ اس بنیاد پر تقسیم کار میں فرق ضرور ہے۔ مگر جہاں تک مرد اور عورت کے حقوق کا معاملہ ہے، ایک دوسرے کے جذبات کی رعایت کا معاملہ ہے، انسانی قدروں کے احترام کا معاملہ ہے تو ان میں سب کو برابر رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد یتیموں کے حق کے بارے میں زور دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ

عربوں میں اسلام کی آمد سے پہلے یتیموں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ قبائل میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور جس قبیلے کے مرد مار دیے جاتے تھے، ان کی عورتیں کنیز بنالی جاتی تھیں اور ان کے بچے بھی یتیم ہو جاتے تھے جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ وہ بھی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ بعض جنگیں تو سو سو سال تک چلتی رہی ہیں۔ ان حالات میں یتیموں کی تعداد بہت زیادہ تھی، جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک یتیم، جس کا باپ مر گیا ہے، یا قتل کر دیا گیا ہے اور وہ چھوٹا ہے تو اس کی دولت پر اس کے گھر والے، چچا یا دوسرے لوگ قابض ہو جاتے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ جوان ہو، اس کی دولت کو ہڑپ کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح جب وہ بڑا ہوتا تو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے بجائے وہ دوسروں کا دستِ نگر ہوتا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ازدواجی زندگی کے باب میں اس بات کی تلقین کی کہ اے لوگو! تم اپنے حقوق کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو۔ ایک اور بات جو معاشرے میں بڑی اہم ہے وہ وراثت کی تقسیم ہے۔ اسلام سے پہلے وراثت کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں تھا۔ باپ مر جاتا تو بڑا بیٹا اس کی جائداد کا مالک ہو جاتا اور بقیہ بیٹے اور بیٹیاں ان کی حیثیت غلاموں جیسی ہوتی تھی، وہ بڑے بیٹے کے رحم وکرم پر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہوں میں بھی تخت وتاج کا مالک بڑا بیٹا ہی ہوتا تھا، چاہے وہ بودا ہو، وہ ناکارہ ہو۔

اسی طرح زمین داری کے ماحول میں زمین دار کا بڑا بیٹا ہی پوری زمین کا مالک ہوتا تھا۔ بقیہ دوسرے اس کے دست نگر ہوتے تھے۔ اسی طرح وراثت میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا۔ آج بھی آپ دنیا کی متمدن قوموں کو دیکھیے تو ان کے یہاں بھی عورتوں کا وراثت میں کوئی حق نہیں ہے۔ یورپ میں اگر شوہر مر جائے تو سب کچھ بیوی کا ہوتا ہے۔ اس



کی بیٹی ہے، اس کے دوسرے اعزا ہیں، ان کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔

وراثت میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا، وہ ہمیشہ دوسروں کے دست نگر ہوا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں بھی باپ کی جائداد میں بیٹی کا کوئی حق نہیں تھا۔ اب انہوں نے کچھ تبدیلیاں کرنی شروع کی ہیں اور شاید وہ اسلام کی طرف اس اعتبار سے آجائیں کہ اسلام نے چودہ سو سال پہلے سے بیٹی کو حق دیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آج اگر شوہر مر جائے تو بیوی کہاں جائے گی؟ اگر اس کا حق نہیں ہے باپ کی جائداد میں تو یقیناً اسے لوگوں کے ٹکڑوں پر پلنا پڑے گا یا دیوداسیاں بن کر کہیں بھی جا کر انہیں پناہ لینی پڑے گی، اپنی عزت نفس کا سودا کرنا پڑے گا۔

اسلام تنہا وہ مذہب ہے جس نے انسانی تاریخ (Human History) میں پہلی بار باپ کی جائداد میں بیٹی کا حق رکھا ہے۔ اگر شوہر مر جاتا ہے یا طلاق دے دیتا ہے تو یقیناً باپ کی چھت اور بھائی کا گھر محفوظ ہے۔ اسے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

جس معاشرے میں ایسا نہیں ہے، اس معاشرے میں طلاق کے بعد بھی اسے مجبور کیا جاتا ہے کہ جس بیوی کو اس نے طلاق دے دی ہے اس کا خرچ وہ طلاق کے بعد بھی برداشت کرے۔ یہ کتنی ذلت کی بات ہے کہ جس شوہر نے پیر کی جوتی بنا کر اپنی بیوی کو طلاق دے دی اسی شوہر کے دروازے پر وہ اپنی زندگی کی بھیک مانگنے کے لیے مجبور کی جاتی ہے۔

یہ بات اس وقت زیادہ اٹھی تھی جب مسلم پرسنل لاء کی تبدیلی کی بات ہوئی تھی۔ تو میں نے اس وقت بھی کہا تھا کہ وہ بیویاں یا وہ لڑکیاں جن کا شادی کے بعد کوئی سرپرست نہیں رہ جاتا ہے، وہ دان کر دی جاتی ہیں، ان کے لیے تو مجبوری ہے کہ وہ سابقہ شوہر سے زندگی کی بھیک مانگیں۔ مگر اسلام نے تو پہلے ہی حقوق عطا فرما دیے ہیں۔

فرض کیجیے کہ شوہر نے طلاق دے دیا اور آپ کہتے ہیں کہ شوہر اس وقت تک اس کا حق ادا کرے جب تک یہ دوسری شادی نہ کرلے۔ تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر کسی کی بیٹی مر جائے تو پھر وہ کہاں جائے گی؟ اس لیے اسلام نے عورت کو، لڑکی کو باپ کی جائداد میں اور بیوی کو شوہر کی جائداد میں حق دیا ہے تاکہ وہ دوسروں کی دست نگر نہ رہ جائے۔

اسی طرح معاشرتی زندگی کے اور بھی دوسرے احکام ہیں جن کی تفصیل کے ساتھ اس سورت میں وضاحت کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تھوڑے سے وقت میں اتنا موقع تو نہیں ہوتا کہ پوری سورت کی تفسیر بیان کی جائے۔ لیکن چند آیات کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔

اس میں حقوق زوجین میاں بیوی کے حقوق بھی متعین کر دیے گئے ہیں۔ بیوی کے حقوق کیا ہیں اور شوہر کے حقوق کیا ہیں۔ یتیم بچوں کی پرورش کس طرح ہونی چاہیے اس کے لیے آقائے دو جہاں سرورِ کائنات نے کتنی تاکیدات فرمائی ہیں، احادیث میں اس کی تفصیلات آپ کو ملیں گی۔ میرے آقا نے فرمایا:

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا۔

(صحیح البخاری کتاب الادب بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا 6005)

یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں ان دو انگلیوں کی طرح جنت میں ایک دوسرے سے قریب ہوں گے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ۔

(سنن ابن ماجه کتاب الادب باب حق الیتیم الرقم: 3679)

یعنی سب سے بہتر گھر وہ ہے جہاں کوئی یتیم ہو اور اس کی اچھی پرورش ہو رہی ہو۔

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یتیم کے حقوق کو بھی بڑی حد تک محفوظ کر دیا گیا ہے۔



اس کے بعد اطاعت رسول پر آیات مبارکہ موجود ہیں کہ اگر تم مسلمان ہو، ایمان رکھتے ہو تو تمہاری سب سے بڑی ذمے داری یہ ہے کہ تم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقوق کا مکمل خیال رکھو۔ تمہارے اوپر بہت سے حق ہیں، اللہ کا حق ہے، اللہ کے رسول کا حق یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے، ان کی اتباع کی جائے، ان کے احکام کا احترام کیا جائے۔ پھر حقوق العباد کی بھی وضاحت اس سورت طیبہ میں کی گئی ہے۔

بنیادی طور پر میرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چند آیات مبارکہ کی وضاحت پیش کر کے یہ شوق دلاؤں کہ لوگ پورے قرآن عظیم کی تلاوت کرنے کا شرف حاصل کر سکیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔

(سورۃ النساء الآیۃ: 1)

اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

یہاں ''خلقکم'' میں مرد بھی داخل ہیں اور عورتیں بھی داخل ہیں۔ یعنی اے انسانی معاشرے کے افراد! تم ایک دوسرے سے کمتر یا برتر نہیں ہو۔ تم سب کو ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا کیا گیا ہے، جناب آدم اور حوا سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے اپنی پیدائش اور اپنی تخلیق کے اعتبار سے تم کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنے سے کمتر سمجھے، پسماندہ سمجھے۔

اللہ فرماتا ہے کہ اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا، یعنی جناب حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بنایا اور پھر دونوں میاں بیوی کے ذریعہ زمین پر کثیر تعداد میں لوگوں کو پھیلا دیا۔ اس سے ڈرو جس کے واسطے تم ایک دوسرے

کے حقوق مانگتے ہو اور قطع رحمی سے بچو، رشتوں کے توڑنے سے بچو، کوشش کرو کہ رشتے کبھی ٹوٹنے نہ پائیں۔ اللہ بلاشبہہ ہر وقت تم پر نگراں ہے۔

تمہارا کوئی بھی عمل، تمہارا کوئی بھی طرز زندگی اللہ کی نگاہِ قدرت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جب کہ یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ یا تو اللہ تمہیں تمہارے جرائم کی سزا دنیا ہی میں دے دے گا اور نہیں تو کم از کم میدانِ محشر تو ہے، جہاں تمہاری غلطیوں کی سزا ملے گی۔

اس لیے معاشرتی زندگی میں تم ایک ماں باپ سے پیدا کیے گئے ہو، تم میں کسی طرح کا احساسِ برتری نہیں ہونا چاہیے ہم بہتر ہیں، وہ کمتر ہے۔ ہم سوپیریئر (Superior) ہیں وہ انفیریئر (Inferior) ہے۔ اس طرح کی باتیں یقیناً اسلام کے اصولوں کے خلاف ہیں۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ○ (سورۃ النساء، الآیۃ:10)

جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھا لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کھاتے ہیں اور یقیناً وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں، یعنی جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔

کس قدر احساس دلانے والی یہ آیت کریمہ ہے کہ یتیموں کا مال کھانے والے اپنے پیٹ میں دنیا میں جہنم کی آگ کھاتے ہیں اور مرنے کے بعد ان کا پورا وجود جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔

آج کسی نہ کسی شکل میں لوگ یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں۔ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اپنے گھر کے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یتیموں کے نام پر چندہ کر کے خود ہڑپ کر جاتے ہیں۔ آج ایسی بہت سی تنظیمیں ہیں جو چندہ کرتی ہیں اور 80% یا 60% یا



75% وہ صرف منیجمنٹ میں لے لیتی ہیں انتظام کی حیثیت سے اور وہ یتیم جن کے لیے وہ چندہ کرتی ہیں، انہیں کچھ نہیں پہنچتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ بھی یتیموں کے مال کھانے کے برابر ہی ہے۔

اس آیت میں ان یتیموں کا ذکر ہے جو مدینۂ طیبہ میں یا مکۂ مکرمہ میں یا عربوں میں موجود تھے۔ لیکن آج بھی کسی نہ کسی شکل میں اگر یتیموں کا حق مارا جاتا ہے، ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو انہیں نارِ سعیر میں ڈالا جائے گا، بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔

ایک آیت کریمہ میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ۟ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ۔

(سورۃ النساء الآیۃ:11)

اللہ وصیت فرماتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو یعنی مرد کو عورتوں کے مقابلے میں دوہرا حصہ ملے گا۔

اس آیت کریمہ کو لے کر مستشرقین نے بھی اور غیر مسلم قوتوں نے بھی کافی ہنگامہ مچایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دیکھیے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد کو عورت کے مقابل میں دوہرا حصہ دیا جاتا ہے اور لڑکی کو آدھا حصہ دیا جاتا ہے۔ یہ تو ظلم ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنی لڑکی کو کچھ نہیں دیتے ہیں۔ جن کے معاشرے میں لڑکی کو جائداد میں حصہ دینے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے آدھا حق کیوں دیا ہے؟ آئیے میں اس کی تھوڑی سی وضاحت کر دوں تاکہ ذہن صاف ہو جائے۔

جن کے قانون میں اور مذہب میں بھی ان کی جائداد میں لڑکی کا کوئی حق نہیں

ہے، انہیں اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ وہ کم از کم اتنا تو مانیں کہ اکہرا ہی حق دیتے ہیں مگر دیتے تو ہیں، قرآن نے دیا تو ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مرد کو دوگنا اور عورت کو اکہرا کیوں دیا جائے گا؟ لڑکی کو ایک حصہ اور لڑکے کو دوگنا کیوں دیا جائے گا؟

کسی بھی نظام کو سمجھنے کے لیے اس نظام کے تمام گوشوں کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ آپ کسی خوبصورت عمارت کی ایک اینٹ نکال کر باہر پھینک دیجیے، وہ اینٹ بدصورت لگے گی، اس کو عمارت کے اندر فٹ کر دیجیے تو وہی اینٹ حسن کا شاہکار بن جائے گی۔ تو پورے نظام زندگی اور عائلی قانون سے ہٹ کر دیکھتے ہیں تو انہیں بڑا عجیب لگتا ہے۔ لیکن ذرا یہ بھی تو سوچیں کہ اسلام میں مرد کی ذمہ داریاں کتنی ہیں؟ اسلام میں مہر دینا مرد کا کام ہے۔ بال بچوں کی پرورش کی ذمے داری مرد کی ہے۔ کمانا مرد کا کام ہے۔ وہ ساری ذمے داریاں جن کا تعلق انسان کی معاشی زندگی سے ہے وہ مرد سے متعلق ہیں۔ عورت کو کمانے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کما بھی لے تو مرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم اپنی جائداد یا اپنی دولت مجھے دے دو۔

اگر کسی مجبوری کی بنیاد پر عورت کما کر اپنے شوہر کی خدمت کرتی ہے تو ایک طرح سے یہ اس کے لیے صدقہ ہوگا لیکن عورت کی جائداد میں مرد کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ مہر بھی فراہم کرے اور نان ونفقہ بھی دے، وہ بچوں کا خرچ دے، ان کی تعلیم کا انتظام بھی کرے۔ جتنی ذمے داریاں ہیں سب شوہر کی ہیں۔ تو اسلام نے اسے دوہرا حق اس لیے دیا ہے کہ اس کی ذمے داریاں زیادہ ہیں جب کہ عورت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت کو، کسی لڑکی کو بیاہ کر کے لاتا ہے۔ تو اس کا خرچ دوگنا ہو جاتا ہے۔ جب کہ لڑکی آدھا اپنے باپ سے لیتی ہے اور پھر اپنے شوہر کے گھر آتی ہے تو آدھا اس سے لیتی ہے۔ تو اس کا بھی دوگنا ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی زیادتی



نہیں ہے بلکہ یہ اسلام کا عادلانہ نظام ہے جس نے چودہ سو سال تک انسانی معاشرے کو ہر طرح کی پستی، ذلت اور طبقائیت سے بچائے رکھا ہے۔ آج بھی دنیا میں اگر امن ہوگا تو یقیناً اسی معاشرے کی بنیاد پر ہوگا۔

ہماری فیملی لائف سے متعلق اس طرح کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن عظیم کے اندر موجود ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا (سورۃ النساء الآیۃ:35)

اگر کبھی عورت اور مرد کے درمیان اختلاف کا خوف ہو تو دونوں کی طرف سے حَکَم (فیصل) متعین کیے جائیں۔ ایسے دو افراد متعین کیے جائیں جو فیصلہ کریں۔ پھر وہ جو فیصلہ کریں اس کو میاں بیوی مان لیں تا کہ طلاق کی نوبت نہ آئے، جھگڑا نہ ہو، تصادم نہ ہو۔ یہ ایک مشترکہ معاشرے کا انتہائی حسین قانون ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب تک یہ معاشرہ بکھرا نہیں تھا، ہمارے بہت سے مسائل کورٹ میں جانے کے بجائے گھر کے بزرگ حل کر دیتے تھے۔ ان کا اتنا احترام ہوتا تھا کہ بیوی کی طرف سے اگر کوئی بزرگ آگیا اور شوہر کی طرف سے کوئی آگیا اور دونوں نے مل کر دونوں کی باتیں سنیں، اگر کسی کی غلطی تھی تو اس کو تنبیہ کی اور پھر انہیں جمع کر دیا۔ طلاق سے بچ گئے، مار پیٹ سے بچ گئے، ڈومیسٹک وائلنس (Domestic Violence) سے بچ گئے اور اگر زیادہ بات بڑھی تو وہ کورٹ میں جانے سے بچ گئے۔ یہ ساری باتیں اسلامی معاشرے کے حسن پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے: وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا۔ (سورۃ النساء الآیۃ:36)

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

معاشرتی حسن کے ساتھ ساتھ اگر تم اللہ کی خالص عبادت کرو گے تو تمہارا دین بھی سنور جائے گا اور تمہاری دنیا بھی سنور جائے گی۔لیکن اگر تم اللہ سے بے نیاز ہو کر، اس کی عبادت سے بے نیاز ہو کر، بغیر خشیت الٰہی کے اپنے طور پر معاشرے میں کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو یہ یقیناً تمہیں نقصان دِہ ہوگا اور تم کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔

عجیب بات ہے کہ قرآن عظیم میں کئی مقامات پر کہیں یہ کہا گیا کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ بناؤ، شرک نہ کرو اور ماں باپ سے حسن سلوک کرو۔کہیں کہا گیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔آخر اللہ کے حق کی ادائیگی کے بعد ماں باپ کا تذکرہ بار بار قرآن عظیم نے کیوں کیا؟ اس لیے کہ انسان کو اللہ نے پیدا کیا لیکن پیدائش کا سبب ماں باپ بنے۔ماں باپ نے ایک بچے کی پیدائش اور اس کی تربیت میں بے پناہ زحمتیں اٹھائیں۔ اتنی زحمتیں اٹھائیں کہ انہوں نے اپنی جوانی اور اپنے سارے آرام، اپنی تمام تفریحات اپنے بچوں کی پرورش کے لیے قربان کر دیں۔

خالق تو اللہ ہے، پیدا کرنے والا اللہ ہے، مالک اللہ ہے۔لیکن وسیلہ ماں باپ بن گئے ہیں اللہ کی تخلیق کے۔اس لیے اللہ نے اپنے حق کے ساتھ ساتھ ماں باپ کے حق کا قرآنِ پاک میں کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا حق سب سے بڑا ہے اور رسول پاک کا حق اللہ کے حق کے ساتھ ہے۔اس کے بعد کائنات میں اگر کسی کا حق ہے تو ماں باپ کا حق ہے۔

قرآن عظیم میں ایک دعا تعلیم فرمائی گئی ہے کہ ایک بیٹے کے لیے، بچوں کے لیے



ضروری ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے لیے اس طرح دعا کریں:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (سورۃ الاسراء الآیۃ: 24)

اے اللہ! ہمارے ماں باپ پر اسی طرح رحم فرما جیسا کہ بچپنے میں انہوں نے ہماری پرورش کی۔

حکم الٰہی ہے کہ اگر تمہارے ماں باپ میں کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوں تو خبردار انہیں اُف بھی نہ کہو، ان کے سامنے اپنے شانوں کو ہمیشہ جھکائے رکھو۔کاندھوں کو جھکائے رکھنا آج سے چودہ سو سال پہلے یہ حکم قرآن میں نازل ہوا۔آج کا کردار یہ ہے، کیریکٹر یہ ہے کہ اگر کوئی بات کسی سے کہی جائے تو وہ اپنے شانوں کو جھٹک کر چلا جاتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ اپنے شانوں کو ہمیشہ ماں باپ کے سامنے جھکائے رکھو اور اُف بھی نہ کرو ان کے سامنے۔اس کے ساتھ ساتھ تم یہ دعا کرو کہ اے اللہ! ہمارے ماں باپ پر اس طرح رحم فرما جیسا کہ بچپن میں انہوں نے ہماری پرورش کی۔(سورۃ الاسراء الآیۃ: 23، 24)

دعا میں ماں باپ کے سلسلے میں انسان کو بچپن کیوں یاد دلایا گیا؟ بچپن سے تشبیہ کیوں دی گئی ہے؟ اس لیے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندے کو احساس دلائے اور محسوس کرائے کہ جب تم چل نہیں سکتے تھے تو انہوں نے چلایا تھا، جب پی نہیں سکتے تھے تو پلایا تھا، جب تم بول نہیں سکتے تھے تو انہوں نے بولنے کا سلیقہ دیا۔بچپنے میں احمقانہ باتیں کرتے تھے تو وہ مسکرا دیتے تھے، کبھی تم کو تلخ لہجے میں انہوں نے جواب نہیں دیا۔

اب اگر وہ بوڑھے ہو جائیں، وہ نہ چل سکیں تو چلاؤ، نہ کھا سکیں تو کھلاؤ۔اگر درازیٔ عمر کی بنیاد پر کوئی کلمۂ ناپسندیدہ کہہ دیں تو تم پیار سے برداشت کرو۔تم غلاظت کرتے تھے تو وہ دھوتے تھے اور ناراض نہیں ہوتے تھے۔اس لیے اگر ماں باپ ارذل عمر کی منزل پہ پہنچ

جائیں اور ان کا بھی یہ حال ہو جائے تو تمہیں ویسی ہی خدمت کرنی چاہیے جیسے کہ بچپنے میں انہوں نے تمہاری خدمت کی ہے۔

رمضان کا زمانہ تھا، آقائے دو جہاں سرورِ کائنات خطبہ دینے کے لیے جارہے ہیں، آپ نے پہلے منبر پر قدم رکھا اور کہا آمین، دوسرے پر قدم رکھا اور کہا آمین اور تیسرے پہ قدم رکھا اور کہا آمین۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے آج تین مرتبہ آمین کہا ہے، یہ معمول کے مطابق نہیں ہے۔ کہا کہ جب میں نے پہلے منبر پر قدم رکھا تو جبرئیل آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! جس کو رمضان کا مہینہ مل جائے اور وہ ماہِ رمضان میں اپنے خدا کی بارگاہ میں توبہ کر کے اپنی بخشش کا انتظام نہ کرے تو وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے۔ میں نے کہا آمین۔ جب کسی کے سامنے آپ کا نام لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے تو وہ بھی رحمت الٰہی سے دور ہو جائے۔ میں نے کہا آمین۔ جس کے ماں باپ بوڑھے ہو جائیں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت نہ حاصل کرے وہ بھی رحمت الٰہی سے دور ہو جائے۔ میں نے کہا آمین۔

(صحیح ابن حبان کتاب الرقائق 9- باب الأدعية ذكر رجاء دخول الجنان المصلي على المصطفى صلى الله عليه وسلم عند ذكره مع خوف دخول النيران عند إغضائه عنه كلما ذكر هالرقم:907)

آپ اندازہ کیجیے کہ دعا کرنے والے جناب جبرئیل سید الملائکہ ہیں اور آمین کہنے والے سرورِ کائنات ﷺ ہیں۔ نہ ان کی دعا رد ہو سکتی ہے اور نہ آپ کی آمین رد ہو سکتی ہے۔

ایک صاحب ہیں جنہوں نے اپنی ماں کو پیٹھ پر بٹھا کر حج کرایا ہے، عمرہ بھی کرایا، سعی بھی کرائی، پورا حج کرایا۔ بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! میں نے اپنی ماں کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر حج کرایا ہے، کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا: حق ادا کرنے کی بات کر رہے ہو؟ ماں نے تمہاری پیدائش کے وقت جتنے جھٹکے برداشت



کیے ہیں، تم نے ایک جھٹکے کا بھی حق ادا نہیں کیا ہے۔ ماں کا حق کوئی بھی نہیں ادا کر سکتا ہے۔

(مسند البزار مسند بريدة بن الحصيب رضى الله عنه الرقم:4380)

باپ کے بارے میں سرکار نے فرمایا:

دُعَآءُ وَالِدٍ لِّوَلَدِهٖ كَدُعَآئِ لَكُمْ

ایک باپ کی دعا اپنے بیٹے کے لیے ایسی ہے جیسے نبی کی دعا اپنے امتی کے لیے۔ اگر باپ دعا کرے تو وہ بھی قبول ہوگی اور خدانہ کرے کوئی دعائے بربادی کرے تو وہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر حال میں باپ کو باپ بن کر رہنا چاہیے، کبھی کوئی ایسی دعا نہیں کرنی چاہیے جو بچوں کے حق میں عذاب بن جائے۔

اس لیے اللہ نے فرمایا کہ میری ذات میں کسی کو شریک نہ بناؤ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور پاس اور دور کے ہمسائے، ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ ہم صحبت اور ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ جس سے کسی طرح بھی تعلق ہے اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔ مسافر کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔

(خلاصة سورة النساء الآية:36)

یہ احکامات دیے گئے ہیں اس سورت طیبہ میں۔ یہ انسانی زندگی کے معاشرتی احکامات ہیں۔ جو چیز انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنے میں سب سے زیادہ رکاوٹ بنتی ہے وہ بخل ہے۔ آدمی بخیل ہوتا ہے تو وہ اپنے پڑوس میں لوگوں کو بھوکا دیکھتا ہے لیکن اپنی دولت چھپائے ہوئے رہتا ہے۔ عظیم الشان محلوں میں رہتا ہے، اس کے آس پاس جھوپڑیوں میں کرایہ ہوتی ہیں لیکن وہ اسے سنائی نہیں دیتی ہیں، وہ بہرا ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کو اپنی دولت سے اتنی محبت ہو کہ وہ خرچ کرنا نہ جانتا ہو۔ قرآن

عظیم نے فرمایا:

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○ (سورۃ النساء الآیۃ:37)

جولوگ بخل کریں اوراوروں سے بخل کے لیے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چھپائیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حدیث پاک میں ہے: بخیل لوگوں سے دور ہوتا ہے، اللہ سے دور ہوتا ہے اور جہنم سے قریب ہوتا ہے۔ سخی، اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والا لوگوں سے قریب ہوتا ہے، جنت سے قریب ہوتا ہے اور اللہ سے قریب ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُودِ الرقم: 1961)

اس لیے کہ اسلام میں سخاوت ایک بہت ہی عظیم خصلت ہے، ایک اخلاقی قوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کی مقدس زندگیاں دیکھیے کہ وہ خود بھوکے رہتے تھے مگر دوسروں کو آسودہ کرتے تھے۔

ایک جنگ میں تین مجاہدین، تین صحابی زخمی ہو کر گرے ہوئے ہیں۔ ایک صاحب جو اپنے بھائی کو پانی پلانے کے لیے مشکیزہ لے کر پہنچے تھے، انہوں نے بھائی سے کہا کہ پانی پی لو۔ وہ دم توڑ رہے تھے، انہوں نے اشارہ کیا، اس طرف دیکھا دوسرا پریشان ہے، وہاں گئے تو انہوں نے تیسرے کی طرف اشارہ کر دیا اور جب وہ وہاں پہنچے تو اس کا انتقال ہو گیا، واپس آئے تو دونوں کا انتقال ہو چکا تھا۔

موت کے وقت بھی رسول پاک کے تربیت یافتہ صحابہ اور مجاہدین اپنے سے زیادہ



دوسروں کا خیال رکھتے تھے۔ آج زندگی کی سہولتوں میں بھی لوگ کسی کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔

اس کے بعد رِبا کی مذمت کی گئی ہے کہ سود بڑھا کر کے سود در سود کے ذریعہ تم انسانی معاشرے کو تباہ نہ کرو۔ اس طرح ارتکاز زر ہوتا ہے اور غریبوں کا سرمایہ سرمایہ داروں کی جیب میں جاتا ہے اور غریب کبھی کبھی سود در سود کی لعنت میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (سورۃ النساء الآیۃ:43)

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں خبردار! نماز کے قریب مت جاؤ، یہاں تک کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

یہ حکم حرمت شراب کے قانون سے پہلے کا ہے۔ جب تک شراب کو مکمل حرام قرار نہیں دیا گیا تھا اس سے پہلے یہ کہا گیا تھا کہ شراب کی حالت میں، نشے کی حالت میں تم نماز کے قریب مت جاؤ، مسجد میں داخل نہ ہو۔ یہ اس لیے فرمایا گیا کہ نشے کی حالت میں انسان وہ کچھ بک سکتا ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ قرآن پڑھتے پڑھتے وہ کچھ اور بھی کہہ سکتا ہے۔ اس لیے جب تک مکمل ہوش نہ ہو اس وقت تک تم نماز سے قریب بھی مت جاؤ۔

یہ اس لیے فرمایا گیا کہ نماز کی حرمت باقی رہے۔ شروع میں تو یہ کہا گیا تھا کہ نماز کے قریب نہ جاؤ۔ تو شراب پینے والوں کی تعداد میں کمی ہو گئی۔ اس لیے کہ نماز کے اوقات ایسے ہیں کہ نشے کی حالت یقیناً ان کو متاثر کر سکتی تھی۔ اس کے بعد فرمایا گیا کہ شراب میں نفع کم ہے اور نقصان زیادہ ہے۔ پھر شراب کو مکمل حرام قرار دیا گیا۔ یہ تین اسٹیج ہیں۔

حرمت شراب کا حکم اس لیے دیا گیا کہ وہ قوم شراب کی اتنی عادی تھی کہ کوئی خوشی ہو تو

شراب، کوئی غم ہو تو شراب، باپ کی میت آجائے تو باپ کے غم میں شراب نوشی، ہر محفل میں شراب۔ شراب ان کے یہاں پانی کی طرح استعمال کی جاتی تھی، شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس لیے دھیرے دھیرے فطری تقاضوں کے مطابق شراب کی حرمت کا حکم دیا گیا اور پھر ایک وقت وہ آیا کہ آقائے دو جہاں کے منادی نے اعلان کیا:

اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ

(صحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن بَابُ {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا} المائدة: 93 إِلَى قَوْلِهِ: {وَاللَّهُ يُحِبُّ المُحْسِنِينَ} آل عمران: 134 رقم الحدیث 4620)

آگاہ ہو جاؤ کہ شراب حرام قرار دی گئی۔

مدینے میں منادی یہ اعلان کرتا پھر رہا تھا اور دیوانگانِ عشقِ رسول محبت رسول میں ڈوب کر اس قدر مٹکے توڑے جیسے مدینے میں شراب کی بارش ہوئی ہو۔

اس کے بعد فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

(سورۃ المائدۃ الآیۃ:90)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! شراب اور جُوا اور بُت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ''شراب'' حرمت کے لفظ کے ساتھ قرآن میں موجود نہیں ہے۔ قرآن نے نجس قرار دیا ہے۔ ان کو غور کرنا چاہئے کہ لفظ حرمت تو مشترک ہے اچھے اور برے کے درمیان لیکن شراب ایسی بری شئی تھی جس کے لیے لفظ حرمت کا استعمال کرنا بھی



مناسب نہیں سمجھا گیا اور اسے شیطانی عمل قرار دیا گیا۔ اب اس سے زیادہ سخت ہدایت شراب کے سلسلے میں اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (سورۃ النساء الآیۃ:58)

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کرو۔

اللہ حکم دیتا ہے کہ تم امانات کو اس کے اہل کی طرف لوٹا دیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم امانت دار بنو اور خیانت کر بیٹھو۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بینکنگ کا نظام نہیں تھا۔ اس زمانے میں لوگ اپنی دولت کسی کے پاس سپرد کر دیتے تھے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ واپس انہیں کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ اس لیے ایسے حالات میں قرآن عظیم نے فرمایا کہ جو تمہیں امانت دے اس کا حق ادا کرو، اسے واپس کرو۔

تم نبیٔ عربی نبیٔ اُمّی اور امین کے ماننے والے ہو۔ وہ امین تھے اور امانت ایسی کہ نبوت کے اعلان سے پہلے ہی دنیا انہیں صادق اور امین کہتی تھی۔ وہ واقعہ تو کتابوں میں، احادیث میں محفوظ ہے کہ جب آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا تو آپ نے مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بستر پر سلایا اور کہا: میں اللہ کے حکم سے ہجرت کر رہا ہوں، تم امانتیں لوگوں کو واپس کر کے آجانا۔ دشمنوں کی امانتیں تھیں، جو قتل کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے، جنہوں نے آپ کو شہید کرنے کے لیے آپ کے گھر کو گھیر رکھا تھا، ان کی امانتوں کو واپس کرنے کے لیے آپ نے حضرت علی کی زندگی خطرے میں ڈالی۔ ایسے امین تھے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس لیے ان کے امتی کو ان کے نقش قدم پر چل کر امانت کو واپس کرنا ضروری ہے۔ آگے فرمایا گیا:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا

يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ○ (سورۃ النساء الآیۃ:58)

اور جب تم لوگوں کے درمیان میں فیصلہ کرو تو ہمیشہ انصاف کے ساتھ کرو۔ بے شک اللہ کیا ہی خوبصورت نصیحت تمہیں فرماتا ہے اور بے شک اللہ سننے والا ہے اور جاننے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○

(سورۃ النساء الآیۃ:59)

اے لوگو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور ان اولو الامر کی اطاعت کرو جو اسلامی اقدار کے حامل ہوں۔ اگر تمہیں کسی چیز میں اختلاف ہو تو اختلاف دور کرنے کے لیے اللہ اور رسول کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ ہمارے اختلاف کا فیصلہ فرما دیجیے۔ اگر تم اللہ پہ یقین رکھتے ہو اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر عمل ہے۔

اگر کسی بات کے سلسلے میں تم میں یا تمہارے طبقوں میں یا افراد میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور جو وہ فیصلہ کریں اسے ہر صورت میں مان لو۔

نوٹ: اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات ظاہری کے ساتھ موجود نہیں ہیں تو قران وحدیث کو حَکَم بناؤ۔ فرمایا گیا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورۃ النساء الآیۃ:64)

ترجمہ: ہم نے جب بھی کسی رسول کو بھیجا تو اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔

ایک مقام پر یہ فرمایا گیا کہ جب تم اطاعت کرو گے تو نبی کے ہر فیصلے کو ماننا پڑے



گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (سورۃ النساء الآیۃ:64)

جب لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں، یعنی گناہ کر لیں تو اے محبوب! آپ کی بارگاہ میں آئیں، وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور آپ بھی ان کے لیے استغفار فرمائیں تو اللہ تواب ورحیم ہے، وہ اللہ کو تواب ورحیم پائیں گے۔ یقیناً اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

اللہ تو اپنے علم وقدرت سے ہر جگہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کے لیے رسول پاک کے آستانے کی خبر کیوں دی؟ وہاں جانے کے لیے کیوں فرمایا؟ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ توبہ اگر قبول ہوگی تو سرورِ کائنات کے وسیلے سے ہوگی۔

یہ آیت کریمہ آج بھی اتنی ہی موثر ہے جتنا کہ عہد رسالت میں تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُسی زمانے کی بات ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ سرورِ کائنات ہر دور کے نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو بھی بات ہے وہ ہر دور کے لیے ہے۔ اس لیے آج بھی قبرِ رسول پر جا کر کوئی نبی کے واسطے سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور سرکار استغفار فرما دیں تو اس کی توبہ ضرور قبول ہوگی۔

یہی نہیں بلکہ قبر رسول پر جائے بغیر بھی اگر رسول پاک کے واسطے سے دعا کرے گا اور توبہ کرے گا تو اللہ توبہ قبول فرمائے گا۔

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (سورۃ النساء الآیۃ:65)

تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

فرمایا: اے محبوب! آپ کے رب کی قسم ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں اللہ اپنی قسم اپنے نبی کے تعلق سے یاد فرما رہا ہے۔ وہ مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ وہ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور جب آپ فیصلہ فرمادیں تو اپنے دل میں کوئی حرج محسوس نہ کریں اور مکمل طور پر آپ کے فیصلے کے سامنے سر اطاعت خم کردیں۔

یہ احکامات ہیں۔ جو لوگ ان احکامات پر عمل کریں گے یقیناً وہ اسلامی معاشرے کے بہترین افراد ہوں گے اور معاشرہ امن وشانتی سے بھر جائے گا۔

یہ وہ دور تھا جب مکۂ مکرمہ سے کچھ لوگ ہجرت کر گئے تھے اور وہ غریب تھے، ہجرت کی طاقت نہیں تھی، مدینۂ طیبہ نہیں جاسکتے تھے وہ وہاں پھنس گئے تھے اور کفار مکہ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ تو اللہ کی بارگاہ میں وہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں اس ظالم آبادی سے نکال دے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○

(سورۃ النساء الآیۃ:75)

کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ تم اللہ کے راستہ میں جہاد نہیں کرتے اور عورتوں اور مردوں میں انتہائی کمزور لوگ اور بچے جو یہ کہہ رہے ہیں: اے اللہ! ہمیں اس ظالم آبادی سے



نکال دے، جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنی بارگاہ سے مدد عطا فرما اور ہمارے لیے اپنی بارگاہ سے کوئی مددگار عطا فرمادے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ یہ آج سے چودہ سو سال پہلے مکے کے مستضعفین کے لیے ہے، لیکن یہ آیت آج بھی دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے انتہائی اہم ہے کہ وہ اس پر عمل کریں کہ ہزاروں مستضعفین مرد اور عورت، بچے آج دنیا کی بہت سی آبادیوں میں آواز دے رہے ہیں امت مسلمہ کو اور اس امت کے کان بہرے ہو چکے ہیں، کوئی سننے والا نہیں ہے۔

خدا اسلام کے مستضعفین کو، مردوں کو، عورتوں کو اور بچوں کو غلبہ عطا فرمائے اور ظلم اور جبر کے ماحول سے نکال کر امن وعافیت کا ماحول عطا فرمائے۔ (آمین)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۱۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میں چھٹے پارے کی چند آیات مبارکہ پڑھنے کا شرف حاصل کروں گا، خدائے قدیر و جبار ہمیں فہم قرآن سے نوازے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے۔

انسانی معاشرے میں خطائیں اور برائیاں ہوتی رہتی ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جو ان خطاؤں کی پردہ پوشی کرتے ہیں بشرطیکہ ان کے ذریعہ سے معاشرے میں جرائم نہ پھیل



جائیں، انفرادی غلطیوں کو چھپاتے ہیں، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی کمزوریاں تلاش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی غلطیوں کو پھیلائیں، لوگوں کو بدنام کرنے کی کوشش کریں اور بے عزت کریں۔

قرآن عظیم جہاں اور بھی معاشرتی اصول عطا فرماتا ہے وہاں اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی برائی کے پھیلاؤ کو اس کی اشاعت کو پسند نہیں فرماتا۔ مگر صرف اس شخص کے لیے جو مظلوم ہو ایک مظلوم کو حق حاصل ہے اپنی دادرسی کے لیے اپنے اوپر کیے جانے والے ظلم کو معاشرے کے افراد یا قانون تک پہونچائے۔

لیکن اس کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی کی غلطی کو، کسی کے جرم کو، کسی کی خطا کو، اس کی تضحیک کے لیے، اس کی تذلیل کے لیے، اس کو ذلیل کرنے کے لیے بالاعلان لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

اللہ کی ایک صفت ''ستار'' ہے وہ خود پردہ پوش ہے، وہ لوگوں کی پردہ دری فرمادے تو اس زمین پر کم لوگ ہوں گے جو زمین پر رہنے کے قابل ہوں گے۔ خطائیں سب سے ہوتی ہیں حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ابن آدم کثرت خطا کا مرتکب ہوتا ہے۔

''وَ خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ''

(سنن الترمزی أبواب صفة القیامة والرقائق والورع باب: 49 الرقم:: 2499)

اور بہترین خطا کار وہ لوگ ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرلیتے ہیں۔

اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پسند نہیں فرماتا ''اَلْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ'' کسی برائی کو پھیلانا، اُسے عام کرنا، اپنی بات سے، اپنے قول سے، اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صرف مظلوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر ٹوٹنے والے مظالم کی دادرسی کے لیے اس کا اعلان کرسکتا ہے

۔ورنہ حدیثِ پاک میں رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب باب: لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، الرقم: (2442)

جس نے کسی مسلمان کے عیوب کی پردہ پوشی کی اللہ میدانِ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

قیامت کا دن کہ جہاں لوگوں کے عیب کھل رہے ہوں گے وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی پردہ پوشی کرے گا، جنہوں نے دنیا میں اللہ کے بندوں کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کی، انہیں بے نقاب اور رسوا کرنے کی کوشش نہیں کی، رکوع نمبر ایک میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے پیغمبر! اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے براہِ راست کتاب نازل ہو، تو اے پیغمبر! ان کا یہ مطالبہ کوئی نیا نہیں ہے اس سے پہلے جنابِ موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑے مطالبات کر چکے ہیں انہوں نے یہ کہا تھا جناب موسیٰ سے "اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً" ہمیں اللہ کو آمنے سامنے دکھا دو تب ہم ایمان لائیں گے، لیکن یہ مطالبہ انتہائی بڑا مطالبہ تھا اور بڑی جرأت کی بات تھی کہ وہ اپنے اللہ کو دیکھنا چاہیں جس کو دیکھنا ممکن نہیں ہے، اس مطالبہ کی بنیاد پر ان پر عذاب نازل ہوا فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ یہ ظلم تھا کہ اپنی حیثیت سے بہت آگے بڑھ کر جناب موسیٰ پر ایمان لانے کے بجائے وہ اللہ کو دیکھنے کی تمنا کریں۔

حضرات! ایمان کی بنیاد غیب ہے۔ پیغمبر جو کچھ فرمادیں، عقل مانے یا نہ مانے تمہیں اس پر ایمان لانا ہے یہ آمَنْتُ بِاللّٰهِ کا بنیادی مفہوم ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی عقل کو مطمئن کر کے ایمان لاتا ہے یا اس وقت تک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بات نہیں مانتا ہے



جب تک عقل مطمئن نہ ہو، تو وہ پیغمبر پر ایمان نہیں اپنی عقل پر ایمان لایا ہے اور اسلام میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے بعد جو مطالبہ انہوں نے کیا اور جو زیادتیاں کیں انہوں نے اس کے نتیجہ میں انہیں بار ہا سزاؤں سے ہمکنار کیا گیا، ان کے اوپر کبھی پہاڑ اٹھا دیا گیا جب ان سے کہا گیا کہ معافی کے لیے ضروری ہے کہ تم شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور تم وہاں "حِطَّةٌ" کہو اور "حِطَّةٌ" کا معنی ہوتا ہے گناہوں کا گر جانا لیکن وہ "حِنْطَةٌ" کہتے ہیں (ہمیں گندم دی جائے) ان سے کہا گیا تھا سبت کا احترام کرو ہفتے کے دن کا لیکن انہوں نے ہفتے کے دن کا احترام کرنے کے بجائے انوکھے طریقے ایجاد کیے شکار کے مچھلیوں کیے اور پھر ان پر عذاب نازل ہوا۔

انہوں نے انبیا کو قتل کیا، حضرت مریم پر الزام لگایا تو یہ جرائم کے عادی ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسی لیے اگر یہ آپ سے مطالبہ کرتے ہیں تو آپ انھیں ignore (نظر انداز) کیجئے اور اپنی دعوت کا کام انجام دیتے رہیے جن کے دل کو اللہ نے اپنے لیے قبول فرمالیا ہے وہ مائل ہوں گے اور جن کو اپنی بارگاہ سے رد کر دیا ہے وہ کبھی مائل نہیں ہوں گے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہے۔

"وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ"

(سورۃ النساء الآیۃ: 157)

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جتنے انبیائے کرام کا نام اللہ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے ان میں بیشتر انبیائے کرام کے نام کے ساتھ باپ کا نام ہے۔ لیکن جہاں کہیں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام آیا ہے تو ماں کے نام کے ساتھ آیا ہے باپ کے ساتھ نہیں اس لیے کہ

حضرت عیسی علیہ اسلام قدرتِ الٰہی سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔اس لیے عیسی ابن مریم ہر جگہ کہا گیا ہے تو انہوں نے یہ دعوٰی کیا تھا اور آج بھی یہودیوں اور عیسائیوں کا دعوٰی ہے کہ انہیں قتل کیا گیا ہے، سولی پر چڑھایا گیا، پھانسی دی گئی ہے۔اللہ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" (سورۃ النساء الآیۃ:157)

اور انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ اُن کے لئے اِس کی شبیہ (شکل وصورت) کا ایک بنا دیا گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص جو جناب عیسی علیہ السلام کا مخبر تھا بادشاہ کے دربار میں وہ سب سے پہلے فوجیوں کو لے کر تلاش میں نکلا تھا، جناب عیسی علیہ السلام کو اللہ نے آسمان پہ اٹھالیا ان کی قیام گاہ سے، لیکن وہ شخص جو جناب عیسی علیہ السلام کا مخبر تھا اس کی شکل بدل دی گئی وہ جناب عیسی جیسا لگنے لگا اور پھر اسے گرفتار کر کے سولی دے دی گئی، کرسچین اور یہودی آج تک کہتے ہیں ہم نے قتل کیا یا سولی دی مگر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آج بھی باحیات ہیں اور قیامت سے پہلے دوبارہ جلوہ گر ہوں گے اور اسلام کو غالب فرمائیں گے۔

قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے کہ انہوں نے اس بارے میں شک بھی کیا آپس میں ایک دوسرے سے جب کہ انہیں اس کا علم نہیں تھا صرف وہ گمان پروری کر رہے تھے، اپنے خیال کی بنیاد پر ایسا کر رہے تھے۔

"وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا" (سورۃ النساء الآیۃ:157)

انہوں نے انہیں یقیناً قتل نہیں کیا تھا۔

تاکید کے ساتھ اللہ فرماتا ہے۔

"بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا" (سورۃ النساء الآیۃ:158)



بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

حضراتِ گرامی! مسلمانوں میں مسلمان ہونے کا دعوٰی کرنے والی ایک جماعت قادیانیوں کی ہے جو معاذ اللہ ایک جھوٹے نبی کی اتباع کرنے والی ہے اور جو مسیلمہ قادیان غلام احمد کو اپنا نبی مانتی ہے اس کا بھی یہی کہنا ہے کہ جناب عیسی کو سولی دے دی گئی اور ان میں سے بعض کا کہنا تو یہ ہے کہ ان کی قبر کشمیر میں ہے یہ جھوٹ ہے جس کو پھیلایا جا رہا ہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت عیسی کوئی نبی نہیں تھے معاذ اللہ جس نبی کا اعلان جناب موسیٰ نے کیا تھا وہ تو غلام احمد ہے جب کہ چودہ سو سال کی امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ اور قرآن عظیم کا فیصلہ اس بات کا گواہ ہے کہ جناب عیسی علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا اور آج بھی وہ زندہ ہیں اور اللہ قادر مطلق ہے۔

اگر اللہ جناب عزیر علیہ السلام کو ایک سو سال کے بعد نیند سے بیدار فرما سکتا ہے اللہ اس دنیا میں اصحاب کہف کو تین سو سال کے بعد دوبارہ نیند سے بیدار کر سکتا ہے اور اللہ سرور کائنات کو جسم کے ساتھ عظیم معراج کرا سکتا ہے تو اللہ قادر مطلق ہے کہ وہ یقیناً جناب عیسی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا سکتا ہے۔

اس کے بعد اور بھی بہت سے احکامات نازل ہوئے پھر اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" (سورۃ المائدۃ الآیۃ:3)

اے ایمان والو! جب بھی تم کسی سے وعدہ کرو، کوئی معاہدہ کرو تو اس کو ہر طرح سے پورا کرنے کی کوشش کرو۔

یہ ایمان کی علامت اور پہچان ہے، مومن کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، مومن کبھی ایسا

طرز عمل اختیار نہیں کرتا کہ جس کی بنیاد پر اس کے ایمان کے بارے میں شبہہ کیا جائے۔

یہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے سورۂ مائدہ مدنیہ ہے اور اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شعائر اللہ کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حلال وحرام کے قوانین عطا کئے ہیں اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کے بارے میں وہ آیت کریمہ نازل کی ہے جس پر امت مسلمہ قیامت تک فخر کرے گی۔

"اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا" (سورۃ المائدۃ الآیۃ:3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس سورت میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مضامین ہیں چند مضامین کا تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ" (سورۃ المائدۃ الآیۃ::2)

تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ اکسائے اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور سرکشی میں تم کسی کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

یہاں ایک ضابطہ عطا فرمایا جا رہا ہے کہ اگر کسی قوم نے تم پر ظلم کیا ہے اور جب تم ان پر غالب ہو جاؤ تو اپنے ظلم کا ان سے بدلہ نہ لو بلکہ انہیں چھوڑ دو، معاف کر دو۔ یہی پیغمبر اعظم کی



سیرت ہے۔ فتح مکہ میں آپ نے دیکھا اور یہی مسلمانوں کا طرز عمل ہمیشہ رہا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ کتنا بڑا ظلم کیا تھا مکے کے لوگوں نے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آقائے دو جہاں کو ان کے رفقا کو اور ان کے صحابہ کو عمرہ سے روکا تھا جب کہ وہ احرام پوش تھے، قربانی کے جانور ان کے ساتھ تھے، وہ کہتے رہے کہ ہم صرف عمرہ کرنے والے ہیں مگر انہوں نے اپنی طاقت اور قوت کی بنیاد پر روکا اور کہا کہ اس سال نہیں کر سکتے۔ اس پر بہت سے صحابۂ کرام نے اس خواہش کا اظہار کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اور آپ حق پر ہیں ہمیں ان کی بات نہیں سننی چاہیے۔ مگر آقائے دو جہاں نے چند شرائط پر صلح کر لی اور شرائط بھی ایسی تھیں جو بظاہر قابل قبول نہیں تھیں۔ ان تمام شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مدینہ سے مکہ آئے گا تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے، کوئی مکے سے مدینہ جائے گا تو آپ کو واپس کرنا ہوگا۔ حضور نے فرمایا یہ بھی قبول ہے۔

صلح پسندی اور معاشرے میں امن کو باقی رکھنے کے لیے آقائے دو جہاں نے یہ ظالمانہ شرط بھی قبول فرمالی۔ بعض صحابہ کرام نے کہا: یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں، آقا نے فرمایا: ہاں ہم حق پر ہیں۔ تو پھر ہم کیوں یہ تسلیم کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فیصلہ یہی ہے اور اس کے بعد سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں اللہ نے فرمایا:

"إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا" (سورۃ الفتح الآیۃ::1)

بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی۔

یہ صلح حدیبیہ دراصل ایک فتح عظیم کا پیش خیمہ تھی اور آپ نے دیکھا کہ اس کے بعد مکہ مکرمہ کی عظیم فتح جو دنیا کی تمام فتوحات کا دروازہ کھولنے والی مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ تو اللہ ارشاد فرما رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جن لوگوں نے تمہیں گھر سے بے گھر کیا، تمہارے گھروں پر قبضہ

کیا تمہیں قتل کیا تمہیں صلیب دی تمہیں تپتی ہوئی ریت پر کھینچا تمہارے جسم پر پتھر رکھا تمہیں بال بچوں سے الگ کیا تمہیں بھوکا رکھا تمہارا سوشل بائکاٹ کیا تمہارے قتل کے منصوبے بنائے، تمہارے پیغمبر کے قتل کے منصوبے بنائے تمہیں مسجد حرام سے روکا کہیں ایسا نہ ہو کہ غالب ہونے کے بعد تم ان سے انتقام لینا شروع کر دو۔ مسجد حرام سے روکا جانا یقیناً بہت بڑا جرم مگر یہ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرو، بلکہ ہمیشہ نیکیوں اور تقوی میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور خبردار! گناہ اور سرکشی میں کسی کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔ اس کے بعد بہت سی آیتیں، بہت سے احکامات نازل ہوئے ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَ مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهٖ۔ (سورۃ المائدۃ الآیۃ::3)

تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا۔

اب یہاں چند چیزیں ایک ساتھ ہیں تم پر مردار کو حرام قرار دیا گیا، خون کو حرام قرار دیا گیا، خنزیر کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا اور بوقت ذبح اگر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے تو اس جانور کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان میں مناسبت کیا ہے؟ مردار کو حرام کیوں قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ جب کوئی جانور مر جاتا ہے اور انسان اسے کھاتا ہے تو مردے کے جسم کی ساری بیماریاں اس میں منتقل ہو جاتی ہیں۔

یاد رکھیئے! کہ خون سے بیماریوں کا بڑا گہرا تعلق ہے، ڈاکٹر ایک قطرہ خون لے کر کے آپ کی درجنوں بیماریوں کا پتہ لگا لیتا ہے، پتا چلا کہ بیماریاں گوشت میں نہیں ہیں بلکہ خون کے



اندر ہیں اور چوں کہ مردہ جانور کا خون اس کے جسم کے اندر جم کر رہ جاتا ہے اس لیے اس کے کھانے سے یقیناً بیماریاں پھیلیں گی یعنی جس جانور کو ذبح کیا گیا ہو اس کا بہتا ہوا خون بھی مت کھاؤ، اس لیے کہ اس کے اندر بھی جراثیم ہوں گے اور یقینی طور پر وہ جراثیم تم کو لگ سکتے ہیں، تم بیمار ہو سکتے ہو "وَ لَحْمُ الْخِنْزِيرِ" اور سور کا گوشت بھی نہ کھاؤ تمام جانوروں میں سور کے گوشت کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے اس لیے کہ ایک بہت بڑی قوم سور کے گوشت کو، خنزیر کو بہت شوق سے کھاتی ہے اور یہ ہونا تھا کہ مسلمان ایک عالمی قوت کی حیثیت سے دنیا کے ہر ملک میں پہنچے، ممالک فتح کریں اور وہاں ایسا بھی طبقہ ہو جو سور کا گوشت کھاتا ہو تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان بھی کھانا شروع کر دیں تو منع کر دیا گیا۔

ایک طبی وجہ یہ بھی ہے جو میڈیکل سائنس والوں نے بتائی ہے کہ ہر جانور یورک ایسڈ، اپنے پیشاب سے ۹۰ پرسینٹ خارج کر دیتا ہے مگر سور صرف ۱۰ پرسینٹ خارج کرتا ہے یہ یورک ایسڈ اس کے گوشت میں ہوتا ہے اور جو لوگ اسے کھائیں گے اسے تو انہیں یورک ایسڈ سے متعلق ساری بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں اس کی ناپاکی اپنے مقام پر ہے، وہ نجاست کھاتا ہے جب کہ دوسرے جانور نہیں کھاتے لیکن ایک میڈیکل وجہ یہ بھی ہے جو اہل علم نے بتائی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جس پر اللہ کا نام لے کر نہ ذبح کیا گیا ہو اسے بھی نہ کھاؤ

یاد رکھیے! اللہ کا نام بوقت ذبح لے کر انسان جانور کی ذبح کی تکلیف کو کم کر دیتا ہے اللہ کے نام کی عظمت کا یہی عالم ہے۔ میں ایک مثال دوں آپ نے سرحدوں کے محافظ فوجیوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ سینہ تانے کھڑے رہتے ہیں اور اپنے وطن کی محبت کی بنیاد پر وہ گولی کھا لیتے ہیں اور انہیں موت کی دردناکی کا احساس نہیں ہوتا تو جب وطن کی محبت کی بنیاد پر لوگ جان دیتے ہیں تو انہیں احساس نہیں ہوتا تو ہر جانور، ہر مخلوق اپنے اللہ کو پہچانتی ہے جب اللہ کا نام لیا جائے

تو ذبح کی تکلیف کم ہوگی یا نہیں ہوگی، بلکہ اپنے رب کے نام پر اس کی روح جھوم اٹھے گی۔
ہاں! جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو وہ حرام ہے اور جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ حرام نہیں بلکہ جائز ہے۔

یہاں بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ کسی جانور کو اگر کسی نام کے تحت منسوب کر دیا جائے تو وہ بھی اسی آیت کے تحت آتا ہے، مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ ہم نے فلاں کام کے لیے رکھا ہے، یا کسی کی نیاز کے لیے رکھا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ جانور بھی حرام ہوگیا اس لیے کہ نام آپ نے دوسرے کا رکھ دیا ہے۔ یہاں بوقت ذبح کی قید ہے، بوقت ذبح اگر اللہ کا نام لیا جائے تو حلال ہوگا، یاد رکھیئے کہ کسی بھی آیت کریمہ کو سمجھنے کے لئے شان نزول اور پس منظر اور بیک گراؤنڈ دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

چوں کہ کفار مکہ جب کسی جانور کو ذبح کرتے تھے تو اللہ کے نام کے بجائے بسم اللات، بسم الھبل ،بسم العُزّٰی ،لات کے نام سے، ہبل کے نام سے اور عزی کے نام سے جانور ذبح کرتے تھے، ہر قبیلے کا اپنا بت تھا اور جو قبیلہ ذبح کرنا چاہتا وہ اپنے بت کے نام سے ذبح کرتا اس کی تردید کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ خبردار! اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام تم نہ لو اگر کسی اور کا نام لو گے اور اللہ کا نام نہ لو گے تو جانور حلال نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اُس مشہور آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کروں گا جو ہمارے لیے سرمایۂ عظمت ہے، دنیا میں جتنے بھی مذاہب آئے ،منزل من اللہ مذاہب، کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس مذہب کے بارے میں نازل کرنے والے، بھیجنے والے رب نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے اس دین کو مکمل کر دیا ہے، اور یہی دین قیامت تک باقی رہے گا اور یہی میرا پسندیدہ دین ہے کسی مذہب کے بارے میں اللہ نے نہیں فرمایا، مگر اسلام چوں کہ آخری



مذہب تھا اور اس کے بعد کوئی اور مذہب نہیں آنے والا تھا اور ساری کائنات کا مذہب تھا، تمام انسانوں کا مذہب تھا اور ہے، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس مذہب کو چن لیا اور پسند فرمالیا، ۹ھ میں عرفات کے میدان میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

”اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيْنًا (سورۃ المائدۃ الآیۃ:3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔

نزول آیت کے وقت ایک جشن جیسی کیفیت تھی، جو صحابہ اس وقت موجود تھے ان کے دل کا جو عالم رہا ہوگا ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

لیکن جو شہدا اپنی قبروں میں آرام فرما رہے تھے یقیناً انہوں نے جب اللہ کے اس انعام کو سنا ہوگا تو قبروں میں ان کی روحیں جھوم گئی ہوں گی کہ جس دین کے لیے ہم نے اپنی جان دی اپنی حیات کے لمحات کو قربان کئے، اپنی زندگیاں اللہ کی بارگاہ میں نذر کیں آج وہ دین مکمل ہوگیا۔ اس کی تکمیل میں ہمارا خون بھی شامل ہے، ہماری شہادتیں بھی شامل ہیں اور ہماری قربانیاں بھی شامل ہیں، وہ اپنی قبروں میں عالم برزخ میں بھی فخر کریں گے اور میدان قیامت میں بھی اور کیا عالم رہا ہوگا، خلفائے راشدین جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، جناب عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انہوں نے یہ سنا ہوگا کہ آج دین مکمل فرما دیا گیا ہے۔

اللہ فرماتا ہے: میرے نبی کے دیوانو! آج تمہارے لیے ہم نے دین مکمل کر

دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں جو دین کے حوالے سے ہیں یا جو اس پر عمل کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں تم پر مکمل کر دی ہیں اور ہم نے اسلام کو قیامت تک کے لیے بحیثیت دین پسند کرلیا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں اس آیت کریمہ کا نزول یقیناً اللہ کا بہت بڑا انعام تھا، حجۃ الوداع کے موقع پر اللہ نے اس آیت کریمہ کو میدان عرفات میں نازل فرمایا اس آیت کو سننے کے بعد یہود ی جو ایمان نہیں لائے مگر کبھی کبھی حقائق کا ادراک ان کو ہوتا ہے، ان کی ضد تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں انہوں نے جناب عمر فاروق سے یہ کہا کہ یہ آیت کریمہ اگر ہمارے نبی پر نازل ہوتی تو ہم اسے یوم عید بنا لیتے، ہم اسے بطور جشن ہر سال مناتے انہوں نے فرمایا کہ ہم تو ہر سال مناتے ہیں اور قیامت تک مناتے رہیں گے۔ عرفات کے میدان میں جمع ہونا یہ بھی تکمیل دین کے جشن منانے کے برابر ہی ہے اور پھر یہ آیت جمعہ کو نازل ہوئی ہے اور ہم تو ہر ہفتے "اَلْجُمُعَةُ عِيْدُ الْمُسْلِمِيْنَ" کے نام سے مناتے ہیں۔

تم سال میں ایک بار مناتے ہم ہر ہفتہ مناتے ہیں اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ اللہ ہمیں اس آیت کریمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اسلام کو اکناف عالم میں پھیلانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته



## خطاب نمبر (۱۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ، وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔

حاضرین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ!

آج ساتویں پارے کی چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "جب انہوں نے سنا اس کلام کو جو رسول پاک پر نازل ہوا ہے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، آنسوں بہا رہی تھیں۔ اس لیے

کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں شامل فرما لے، ہمارا نام شاہدین میں لکھ دے اور ہم کیوں ایمان نہ لاتے جب کہ ہمارے پاس حق آ چکا ہے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار صالح قوموں میں ہمیں داخل فرما دے گا، تو اللہ تبارک وتعالی نے ان کی خواہش کے مطابق انہیں جنتوں کے ذریعہ ثواب عطا فرمایا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ نیکو کاروں ہی کی جزا ہے، ان کا بدلہ ہے"۔ (سورۃ المائدۃ الآیۃ: 85/84/83)

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی تھی، جب مکہ مکرمہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کفارِ قریش کی زیادتیوں اور مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی حبشہ جس کو آج کل ایتھوپیا کہتے ہیں۔ اس زمانے میں وہاں عیسائی تھے ان کے بادشاہ کا نام نجاشی تھا۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سترہ صحابہ کو بھیجا پھر مزید قافلے جاتے رہے یہاں تک کہ ان کی تعداد اسّی تک ہوگئی۔

جب مسلمان وہاں پہنچے تو کفار مکہ کو یہ خیال آیا کہ ہمیں ان کو واپس لانا چاہیے تا کہ مزید ہم ان پر مشق ستم کر سکیں، ان پہ زیادتی کر سکیں۔ اسی مقصد سے ایک وفد نجاشی کے دربار میں پہنچا اور اس وفد کے قائد نے یہ کہا کہ اے بادشاہ! یہ لوگ ہمارے رشتہ دار ہیں، ہمارے شہر کے رہنے والے ہیں، ہم سے ناراض ہو کر یہاں آ گئے ہیں، آپ انہیں ہمارے ساتھ واپس کر دیجیے، تو بادشاہ نے کہا کہ انہوں نے پناہ لی ہے اور پناہ دینے والے کبھی واپس نہیں کیا کرتے ہیں، میں ان سے پوچھوں گا کہ آخر انہوں نے اپنا وطن کیوں چھوڑا؟ تو نجاشی نے اپنے دربار میں مہاجر مسلمانوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے مکہ کیوں چھوڑا اور یہاں آنے کی زحمت کیوں گوارا کی؟ تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے اور



کہا: اے بادشاہ! ہم گمراہ تھے، ایک دوسرے کا قتل کرتے تھے، شراب پیتے تھے، ناحق مال کھاتے تھے بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بھی بہت سی برائیاں ہمارے معاشرے میں موجود تھیں۔

یہاں تک کہ اللہ کو ہم پہ رحم آیا اور اللہ نے اپنا پیغمبر بھیجا، انہوں نے تعلیم دی کہ ہم صرف ایک اللہ کی پرستش کریں، بتوں کی پوجا نہ کریں، لوگوں کا مال ناحق نہ کھائیں، ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں، کسی کو ناحق قتل نہ کریں، کسی کو نہ ستائیں۔ ان تعلیمات سے ہم متاثر ہوئے اور ہم نے اپنے پیغمبر کی دعوت کو قبول کیا اور ہم مسلمان ہو گئے۔

اب یہ لوگ جو ہمیں لینے کے لیے آئے ہیں، یہ دوبارہ ہمیں واپس لے جانا چاہتے ہیں تا کہ یہ ہمیں مجبور کریں کہ ہم بتوں کو سجدہ کریں اور اس برے معاشرے میں پھر ضم ہو جائیں، جو معاشرہ ہمارے اسلام لانے سے پہلے بنا تھا۔ اس لیے ہم یہاں آ گئے ہیں کہ آپ بھی اہل کتاب ہیں اور جو پیغمبر اعظم تشریف لائے ہیں ان پر بھی کتاب نازل ہو رہی ہے اس لیے ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں پناہ دیں گے، یہ سن کر کے نجاشی نے کہا ٹھیک ہے، آپ کو پناہ حاصل ہے۔

انہوں نے ایک دوسرا حربہ استعمال کیا، کفار مکہ کے وفد نے بادشاہ سے کہا کہ ان سے یہ پوچھیے کہ جناب عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ ان کے بارے میں یہ کیا کہتے ہیں؟ یہ ایک بڑا ہی خطرناک حملہ تھا، ان کا یہ خیال تھا کہ جب جناب عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں یہ کہیں گے کہ یہ خدا کے بیٹے نہیں ہیں تو یقیناً نجاشی بادشاہ ناراض ہوگا اور انہیں اپنے ملک سے نکال دے گا، اس پر جناب جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ مریم کی چند آیاتِ مبارکہ تلاوت کیں، آیتیں تلاوت کی جا رہی تھیں اور دربار میں جتنے بھی حواری تھے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننے والے ان کی آنکھوں میں آنسوں تھے،پلکیں بھیگی ہوئیں تھیں،خود نجاشی کی آنکھوں سے بھی آنسوں بہہ رہے تھے اور جب تلاوت ختم ہوئی ۔تو نجاشی نے زمین سے تنکا اٹھایا اور کہا کہ واللہ جو کچھ تمہاری کتاب میں اللہ نے فرمایا ہے،عیسیٰ علیہ السلام اس تنکا کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔یہ کلام حق ہے اور اس کے بعد وہاں سے کافروں کا وفد مکہ واپس آگیا۔

یہی شانِ نزول ہے اگر چہ شانِ نزول تو ایک خاص موقع سے متعلق ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک کو حق کا عرفان رکھنے والے جب بھی سماعت کریں گے تو ان کی پلکیں بھیگ جائیں گی،آنسو جاری ہو جائیں گے اس لیے کہ اللہ کا کلام قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے۔بعد میں مدینہ طیبہ میں ستر افراد حبشہ کے لوگ نجاشی کی طرف سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے،انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور معتبر روایت کے مطابق نجاشی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی مسلمان ہوئے تھے۔اللہ کے رسول نے ان کا اسلام قبول فرمایا اور جب نجاشی کا انتقال ہوا تو آپ نے انتقال کی خبر بھی دی جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن ان کے انتقال کی خبر دی جس دن آپ وفات پائے تھے اور نماز گاہ پہنچے صحابۂ کرام کو نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز بَابُ الرَّجُلِ يَنْعَى إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِنَفْسِهِ الرقم:1245)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ ان کی قوم مسلمان ہوئی بلکہ وہ خود بھی مسلمان ہو گئے تھے،آپ اندازہ فرمائیں کہ آج بھی حبشہ میں مسلمانوں کی اکثریت اس لیے ہے کہ وہ انہیں لوگوں کی اولاد سے ہیں جنہوں نے ابتدا میں اسلام قبول کیا تھا آج بھی وہ اسلام پر قائم ہیں اگر چہ اس وقت سے لے کر آج تک بے پناہ کوششیں ہوئیں ہیں کہ حبشہ کے لوگ اسلام



سے باز آجائیں۔مگر جب اسلام ایک مرتبہ دل میں گھر کر جاتا ہے،قلب میں بیٹھ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے دلوں سے نکال نہیں سکتی۔

نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ حضور نے پڑھی۔تو بعض لوگ آج بھی کہتے ہیں کہ چوں کہ آقا نے نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھی تھی اس لیے مرنے والا کہیں بھی ہو۔ہم نماز غائبانہ پڑھ سکتے ہیں۔ہمارا اور جمہورِ مسلمین کا یہ کہنا ہے کہ وہ جنازہ دو رضرور تھا حبشہ میں تھا مگر غائبانہ نہیں تھا۔وہ حضور کی نگاہوں کے سامنے تھا اس لیے اگر جنازہ سامنے ہو تو فاصلے کی کوئی حیثیت نہیں نماز پڑھی جاسکتی ہے اور یہ بات اس لیے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں کوئی ٹیلیفونک نظام تو نہیں تھا اور نہ یہ ممکن تھا کہ کوئی قاصد آکر اتنی جلدی بتادے کہ نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضور نے اپنی نگاہوں سے ان کے انتقال کو دیکھا تھا،اپنے علم سے جانا تھا اور اس کے بعد خود خبر دی تھی کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا ہے،آؤ ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں،علم غیب بھی تھا اور عینی مشاہدہ بھی تھا۔اس لیے اس کو بنیاد بنا کر کے غائبانہ نماز جنازہ کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے"اور جب انہوں نے سنا جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ ان کی انکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں یا بہا رہی تھیں،اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا تھا۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (سورۃ المائدۃ الآیۃ:83)

اور وہ کہتے تھے اے اللہ!ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ایمان کے گواہوں میں شامل فرمادے اور جب وہ ایمان لے آئے تو یہودیوں نے طعنہ دیا کہ تم ایک اجنبی پیغمبر پر ایمان لائے تم تو خود ہی صاحب کتاب تھے۔

دیکھیے! یہ ہوتا ہے کہ جب انسان دشمنی پر آمادہ ہوتا ہے تو جن باتوں کو خود نہیں مانتا انہیں باتوں کو بنیاد بنا کر انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہودی تو خود بھی جنابِ عیسیٰ کو نہیں مانتے مسلمان تو مانتے ہیں، ان پر ایمان لاتے ہیں اس کے باوجود انہوں نے کہا کہ تم تو خود بھی نبی کے ماننے والے تھے، صاحب کتاب تھے، تم جا کر ایمان کیوں لائے۔ تو انہوں نے جواب دیا "وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ" کیوں ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر؟ جب کہ حق ہمارے اوپر جلوہ گر ہو چکا ہے۔

"وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ

(سورۃ المائدۃ الآیۃ:85،84)

ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو صالحین میں شامل فرما دے گا۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جنتوں کا ثواب عطا فرمایا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی احسان کرنے والوں کی جزا ہے۔

یہ آیت شانِ نزول کے اعتبار سے خاص موقع کی ہے مگر آج بھی جو قرآن عظیم کو اخلاص کے ساتھ پڑھے گا۔ یقیناً وہ اس سے متاثر بھی ہوگا اور اس کی آنکھیں بھی نم ہو جائیں گی۔ وہ پلکوں کی نمی کے ساتھ اپنے پروردگار کے کلام کی تلاوت کرے گا اور آج بھی اس کو دیکھا جا سکتا ہے اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ بلاشبہہ وہ لوگ کہ جنہوں نے شہادت کا اقرار کیا اور حق پر ایمان لائے ان کے لیے جنتیں ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○

(سورۃ المائدۃ الآیۃ:86)



لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی بلاشبہہ وہ جہنم والے لوگ ہیں، جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا تھا کہ صحابۂ کرام نے جن میں جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے کچھ نے یہ عہد کر لیا کہ ہم عورتوں سے تعلق نہیں رکھیں گے، کچھ نے کہا ہم مسلسل بھوکے رہیں گے بعض نے کہا کہ ہم موٹا ٹاٹ کا کپڑا پہنیں گے، کسی نے کہا کہ ہم زمین پر آرام کریں گے بستر پر آرام نہیں کریں گے۔ جب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ تشریف لائے اور آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا" کہ تمہارے جسموں کا تمہارے اوپر حق ہے۔ میں کھانا بھی کھاتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، میں شب بیداری بھی کرتا ہوں، آرام بھی کرتا ہوں، میں وہ سارے کام کرتا ہوں جس سے انسانی زندگی کا تعلق ہے۔ میں نے اپنے اوپر کوئی چیز حرام نہیں کی ہے اس لیے تم یہ روش چھوڑ دو۔ آقائے دو جہاں نے فرمایا اور ان کی تائید میں قرآن پاک کی آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ (سورۃ المائدۃ الآیۃ:87)

اے ایمان والو! وہ پاکیزہ چیزیں جو اللہ نے تمہارے اوپر حلال کی ہیں تم ان کو اپنے اوپر حرام مت قرار دو اور حد سے مت گزرو! اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر کے کسی حلال شی کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینا یہ مناسب نہیں ہے۔ ہاں! کبھی کبھی زہد اور تقوی کے راستے میں ایسا مقام آتا ہے کہ جب انسان کم خوردن، کم خفتن اور کم گفتن پر عمل کرتا ہے کم کھانا، کم سونا، کم بات کرنا۔ یہ اپنے اوپر حرام کرنا نہیں ہوا بلکہ نفس کی تربیت کے لیے یہ بعض وقت ضروری ہوتا ہے۔ وہ ان آیات کے منع

کے حکم میں نہیں آئے گا۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ ''اندروں از طعام خالی دار'' تم اپنے اندرون کو کھانے یعنی کم کھا کر خالی رکھو! ''تا در آں نورِ معرفت بینی'' تا کہ تم اپنے قلب کے اندر معرفت کا نور محسوس کر سکو۔ لیکن جو لوگ ترکِ لذات یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ اللہ اس سے راضی ہوگا یقیناً ان کا ایسا کرنا شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔

اسلام رہبانیت کا مذہب نہیں ہے، اسلام زندگی کا مذہب ہے اور حیات کے جو جائز تقاضے ہیں ان کا پورا کرنا بھی انسانی زندگی کے لیے ضروری ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے ''وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا'' کھاؤ! جو اللہ نے تمہیں رزق عطا فرمایا ہے جو حلال بھی ہے اور طیب بھی ہے ''وَ اتَّقُوا اللّٰهَ'' اللہ سے ڈرو! ''الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝'' کہ جس کے اوپر تم ایمان لائے ہو۔

(سورۃ المائدۃ، الآیۃ:88)

اب یہاں صحابۂ کرام کو یہ احساس ہوا کہ ہم نے قسم کھالی تھی تو ہماری قسم کا کیا ہوگا۔ کیا ہم گنہگار ہوں گے؟ ایسے گنہگار کہ جس پر ہمارا محاسبہ ہو، تو اللہ نے ان کے اس خیال کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل کی ''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ'' اللہ تعالیٰ ان قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا جو عادتاً تم نے بطورِ تکیۂ کلام کبھی کبھی کرلیا کرتے ہو۔

آج آپ کسی عرب سے ملاقات کیجیے کوئی بھی ڈیلینگ ہو، واللہ، باللہ، تاللہ سیکڑوں بار کہے گا، ایسے ہی اور جگہ بھی یہ رواج ہے، اگرچہ یہ رواج اچھا نہیں ہے کہ اللہ کی ذات کو بیچ میں لاکر کے، قسم کھا کر اپنا مال بیچا جائے، لوگوں پر اپنا یقین قائم کیا جائے۔ یہ مناسب نہیں ہے مگر یہ عادتاً کسی نے کہا ہے تو اس کا مواخذہ نہ ہوگا ''وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ



الْاَيْمَانَ'' لیکن اگر تم نے قسم ارادہ سے کھائی ہے تو یقیناً اس پر تمہارا مواخذہ ہوگا اور تم سے سوال کیا جائے گا۔ پس اگر ایسا ہو تو اس کا کفارہ ادا کر دو ''فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ'' تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے ''مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ'' اس اوسط سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، خود کھاتے ہو یا ان کو کپڑا پہناؤ۔ یہ معیار بتا دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے کہ جب مساکین کو کھلانا ہو تو کوئی معمولی سی غذا فراہم کر دو۔ صرف قسم کے کفارے کے لیے بلکہ اس معیار سے انہیں کھلاؤ جس معیار سے تم اپنے بچوں کو کھلاتے ہو اور خود کھاتے ہو۔ تب جا کر قسم کا کفارہ پورا ہوگا۔

یا پھر انہیں لباس پہناؤ، یا پھر ایک غلام کو آزاد کرو، دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلاؤ اور ایسا کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، یا انہیں کپڑا پہناؤ، یا پھر ایک غلام آزاد کرو۔ یہ تینوں شکلیں اگر ممکن نہیں ہیں تو تین دن مسلسل روزہ رکھو، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جس کو تم نے توڑ دیا۔ جب تم قسم کھالو اور وہ قسم توڑنی پڑ جائے، تم توڑ رہے ہو، تو پھر دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا انہیں لباس پہناؤ کوئی ایک عمل یا ایک غلام آزاد کرو۔

یہ بھی اسلام کی ایک خوبی ہے کہ اس زمانے میں جب غلامی کا رواج بے پناہ تھا۔ ہر گھر میں غلام ہوا کرتے تھے، رسولِ پاک کی رحمت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ انہیں غلام بنائے رکھا جائے تو آپ نے ان کی آزادی کو باضابطہ، عبادت کے برابر مقام دے دیا۔ روزہ چھوڑ دو تو غلام آزاد کرو! قسم توڑ دو تو غلام آزاد کرو! اور جمعہ کا دن آئے تو غلام آزاد کرو۔

چنانچہ صحابہ نے اپنی زندگی میں سیکڑوں غلام آزاد کیے اور اس طرح سے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غلامی کا خاتمہ کر دیا اور غلاموں پر یہ مہربانیاں فرمائیں، یہ ان کا احسانِ عظیم تھا۔ قرآن پاک بھی غلاموں کی آزادی کو عبادت کا قائم مقام قرار دیتا ہے۔

غلط قسم کھانا ایک جرم ہے اور صحیح قسم کھا کر توڑ دینا بھی ایک جرم ہے اور اس کے بدلے میں اگر تم اللہ سے معافی چاہتے ہو تو غلام آزاد کرو اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو تین روز تک مسلسل روزے رکھو۔ مزید یہ کہ "وَ احْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ" اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

سرمائے دار لوگ، دولت مند لوگ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یا قسمیں توڑ توڑ کر یہ نہ سمجھ لیں کہ چلو کفارہ ادا کر لیں گے کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں کسی حالت میں کہ جب تم سے ایسی بات ہو گئی ہے۔ جیسا کہ اس واقعے میں موجود ہے غیر ارادی طور پر ہو گئی ہے اور تمہارا قسم توڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اب اگر ٹوٹ گئی ہے تو یہ کفارہ ادا کرو۔

پھر اللہ تاکید فرما رہا ہے "وَ احْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ" کہ خبردار! اس کو عادت نہ بنا لو! بلکہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو، جو قسم کھا لیتے ہو اسے پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ یہ اس لیے ہے تاکہ اللہ تم پر اپنی آیتیں روشن فرما دے تاکہ تم خدا کی بارگاہ میں شکر گزار ہو جاؤ۔

(سورۃ المائدۃ الآیۃ:89)

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○

(سورۃ المائدۃ الآیۃ:90)

"اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا، بتوں کا نصب کرنا اور تیروں کا پھینکنا یہ ناپاکیاں ہیں اور شیطان کا عمل ہے اس سے بچو! تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

حضرات! قران کی اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن منکرات سے منع



کیا گیا ہے ان سے بچو! ان میں سب سے پہلی چیز شراب ہے۔ شراب کو "ام الخبائث کہا گیا ہے، تمام برائیوں کی ماں ہے، تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ شراب کوئی ایک برائی نہیں ہے شراب پینے والا بہت سی برائیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ زنا سے شراب کا بڑا گہرا تعلق ہے جہاں شراب کی کثرت ہوگی وہاں زنا کاری بھی ہوگی، جنسی آوارگی بھی ہوگی، بے حیائی بھی ہوگی، بے شرمی بھی ہوگی، بے غیرتی بھی ہوگی، ریپ بھی ہوگا، قتل بھی ہوگا یہ سب کچھ شراب نوشی سے پیدا ہوتے ہیں اس لیے اللہ نے سب سے پہلے مسلمانوں پر شراب کو حرام قرار دیا۔

آپ اندازہ فرمائیں! ایک شرابی تنہا اپنے آپ کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ جب شراب کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر وہ اپنے بچوں کا حق مارتا ہے، اپنی بیویوں کا حق مارتا ہے، اپنی ماں کا گلا دبا کر کے اس سے پیسے چھین کر کے شراب پیتا ہے ایسے ہزاروں کیسیز معاشرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بچے بلکتے رہتے ہیں، بھوکے رہتے ہیں، بیویاں تڑپتی رہتی ہیں اور شوہر شراب پی رہا ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شراب سے انسانی صحت تباہ ہو جاتی ہے۔

آج اس ماڈرن دور میں بھی جہاں شراب کو شیرِ مادر سمجھا جاتا ہے۔ آپ کسی ڈاکٹر کے پاس جائیں تو سب سے پہلے وہ پوچھے گا کہ آپ پیتے تو نہیں ہیں، تم اسموک تو نہیں کرتے ہو؟ یہ سوالات اس لیے کیے جاتے ہیں کہ شراب کا اور زندگی کے امراض کا بہت گہرا تعلق ہے خواہ وہ کینسر ہو، خواہ وہ ہارٹ اٹیک، خواہ وہ معدے کی خرابی ہو، خواہ وہ کوئی اور مرض ہو۔

شراب سب میں اپنا رول ادا کرتی ہے، انسانی صحت کو تباہ کر دیتی ہے، انسان کو برباد کر دیتی ہے۔ ایک نقصان اور بھی ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ شرابی کی عمر صحت کے اعتبار سے بھی کم ہو جاتی ہے اور اپنی عمر طویل کو پہنچ بھی گیا تو بھی کم ہوتی ہے اس لیے کہ جو زمانہ ہوش کا زمانہ ہے وہی عمر کا زمانہ ہے اور جو بے ہوشی کا زمانہ ہے، غفلت کا زمانہ ہے اسے عمر میں

شامل نہیں کیا جائے گا۔

شرابی اگر دو گھنٹے بے ہوش رہتا ہے تو ساٹھ ستر سال کی عمر میں دو دو گھنٹے ہر روز کے شمار کر لیجئے کتنے سال بن جائیں گے۔ جب وہ خود بخود اپنی عمر سے خود کو الگ کر لیتا ہے اور بے ہوشی کے ساتھ نشے میں گزارتا ہے۔ اپنی زندگی جس میں وہ کسی کام کا نہیں رہ جاتا، وہ ناکارہ ہوتا ہے۔ اس لیے شراب کی حرمت کا اعلان فرمایا گیا۔

آپ اندازہ فرمائیں! کہ آج سے چودہ سو سال پہلے شراب کو حرام قرار دے کر کے سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کروڑوں افراد کی زندگیاں بچالیں اور آج بھی بچا رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں ایک ملک میں کار میں بیٹھا ہوا تھا اور یہ پابندی لگی ہوئی تھی کہ شراب پی کر نہ چلاؤ تو پولس والا وہ مشین لے کر آیا۔ شرابی کے منہ پر رکھ کر سانس لینے کو کہتے ہیں۔ لیکن جب دیکھا کہ مسلمان ہے تو کہا جائیے، مسلمانوں کو دیکھ کر انہوں نے کبھی بھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ وہ شراب کے بارے میں ٹیسٹ کرتے ہوئے نظر آئے ہوں۔

اگر وہ جان جائیں کہ یہ مسلمان ہے تو یقیناً وہ پرہیز کرتے ہیں شراب کو ٹیسٹ کرنے سے انہیں معلوم ہے کہ یہ شراب نہیں پیتے ہیں۔ بعض ڈاکٹر بھی اگر یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان ہے تو یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آپ پیتے ہیں یا نہیں پیتے ہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ نہ معلوم کتنے جھگڑوں کا سبب بنتی ہے، شراب خانوں میں جھگڑے ہوتے ہیں جو مار پیٹ ہوتی ہے وہ بھی شراب کی بنیاد پر ہوتی ہے اس لیے شراب کو حرام قرار دیا گیا۔ یہ آقائے دو جہاں ﷺ کی رحمت کا ایک حصہ ہے جو قرآن پاک کے ذریعہ دیا جارہا ہے۔

"وَ الْمَیْسِرِ" دوسری برائی جوا ہے، جوا ایک ایسی برائی ہے کہ جس کی بنیاد پر آئے دن جھگڑے ہوتے ہیں، نقصانات ہوتے ہیں۔ مَیْسِر کہتے ہیں آسانی سے حاصل ہو جانی



والی چیز۔ چونکہ جوے میں کوئی آدمی محنت نہیں کرتا ہے بلکہ آسانی سے کسی دوسرے کا مال حاصل کر لیتا ہے، بغیر کمائے ہوئے، بغیر کسی محنت کے بغیر کسی حق کے کسی کا مال حاصل کرنا یوں بھی ناجائز ہے اور جوے کو شراب کے ساتھ ہی حرام قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ اس میں کئی آدمیوں کا مال سمٹ کر کے کسی ایک آدمی کے پاس آجاتا ہے اور بعض لوگ تو جوے میں اپنی پوری زندگی کو ہار جاتے ہیں، اپنا سب کچھ گنوا دیتے ہیں، اپنا سب کچھ برباد کر دیتے ہیں۔

میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے قرض لیا اور جوے میں ہار گئے اور پھر پوری زندگی میں قرض ادا نہ کر سکے اور وہ منظر سے غائب ہو گئے۔ اسی طریقے سے ایسے بھی واقعات پیش آئے ہیں کہ لوگ اپنی بیویوں کو جوے میں ہار گئے ہیں بلکہ تاریخ انسانی میں ایک دردناک واقعہ کسی ملک کا ہے کہ وہاں بیوی کو جوے میں ہارنے کے بعد ایک بڑی جنگ ہو گئی تھی۔

آپ اندازہ کریں! کہ یہ کتنا خطرناک عمل ہے اور کس قدر بے غیرتی کا عمل ہے کہ انسان اپنی بیوی کو، اپنی پروپرٹی کو، اپنی جائداد کو رکھ کر کے پھر ہار جائے، اسلام سعی و عمل کا مذہب ہے، کوشش و پیہم کا مذہب ہے۔ اسلام ہاتھ سے کمانے کی اور محنت اور مزدوری کر کے حاصل کرنے کی، کاروبار کرنے کی اور نوکری کرنے کی تاکید کرتا ہے کہ تم جو کماؤ وہ حلال طریقے سے ہو اور جائز طریقے سے ہو ہزاروں افراد کا مال لوٹ کر کے جوا کے ذریعہ سے اپنا گھر بھر لو یہ آسانی کی دولت اسلام میں حرام ہے۔

اس کے بعد "وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ" یہ بت جو نصب ہوتے تھے ان بتوں پر کفار چڑھاوے چڑھاتے تھے، ان سے منتیں مانگتے تھے اور نہ معلوم کتنے عمل کرتے تھے۔ تو تنصیب اصنام کو انصاب کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور ازلام یہ لوگ تیر پھینک کر کے قسمت کا

پتہ لگاتے تھے کبھی تیرا گر اپنے صحیح نشانے پر پہنچا تو صحیح ہے ورنہ غلط ہے اس طرح سے بہت سے فال لیتے تھے تیر کے ذریعہ سے اس لیے اس کو بھی حرام قرار دیا گیا اور لفظ حرام استعمال نہیں کیا شریعت نے بلکہ رجس کہا ہے رجس!

حرام جو ہے اپنے اندر متضاد معنی رکھتا ہے حرام وہ بھی ہے جس سے منع کر دیا گیا ہو، اور حرام احترام کے معنی میں بھی ہے اس لیے یہ عمل اتنے ناپاک ہیں کہ اللہ نے اس کو "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" پہلے کہا کہ یہ ناپاکی ہے۔ ناپاکی بہت طرح کی ہوتی ہے، دنس بھی ناپاکی ہے اور بھی الفاظ ہیں ناپاکی کے لیے مگر یہاں "رجس" کہا گیا ہے۔ "رجس" اس ناپاکی کو کہتے ہیں جو سڑی ہوئی ہو جس سے بدبو اٹھ رہی ہو تو اسے ناپاکی کہا گیا ہے۔

آپ ذرا سوچیے! شراب جب بنتی ہے تو پہلے انگور کو سڑایا جاتا ہے جب اس سے بلبلے اٹھتے ہیں تو اسے ٹھنڈا کیا جاتا ہے پھر شراب بنتی ہے تو یہ سڑا گلا ہوا مشروب انتہائی شاندار بوتلوں میں خوبصورت پیمانوں میں دنیا میں فروخت ہو رہا ہے اور دنیا اسے شوق سے پی رہی ہے۔

اسلام نے اسے ناپاک قرار دیا ہے اور یہی نہیں کہ صرف ناپاک ہے "مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" یہ سب شیطان کے عمل سے ہوتا ہے۔ شیطان شراب پلاتا ہے، تلقین کرتا ہے، شیطان جوا کھلواتا ہے، شیطان انصاب و ازلام میں مبتلا کرتا ہے تاکہ انسان اپنے کو تباہ کر لے، خدا کا باغی بھی جائے، معاشرے کا بھی اور گھر کو بھی برباد کر دے۔

"فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (سورۃ المائدۃ الآیۃ:90)

تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

تو اے لوگو اجتناب کرو! بچو ان باتوں سے شراب سے، جوئے سے، انصاب و ازلام سے تاکہ تمہیں فلاح مل جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مبتلا شراب اور جوا میں مبتلا ہوگا،



انصاب و ازلام میں مبتلا ہوگا وہ فلاح یافتہ نہیں ہوگا۔ نجات اس کو نہیں ملے گی اس لیے حصولِ نجات کے لیے ضروری ہے کہ تمام انسان ان باتوں سے مکمل طور سے پرہیز کریں، اسے حرام تصور کریں۔

اب اللہ وجہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے انہیں کیوں حرام قرار دیا ہے، کیوں انہیں ناپاکی قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ شیطانی عمل ہے "اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ" شیطان کا یہ ارادہ ہے، شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور عداوت پیدا کر دے۔ تم آپس میں شراب اور جوا وغیرہ میں مبتلا ہو کر، آپس میں دشمنی پیدا کرو، آپس میں لڑو اور تباہ ہو جاؤ۔ شراب کے ذریعہ سے اور جوے کے ذریعہ سے "وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ" اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جو شراب اور جوا کا شکار ہوگا، مبتلا ہوگا وہ ذکر اللہ نہیں کر سکتا ہے۔

شراب کے نشے میں نماز میں اسے اس کا احساس نہیں ہوگا اسی طرح سے جوئے میں اتنا منہمک ہوگا کہ نہ اسے نماز کا احساس ہوگا نہ عبادت اور اطاعت کا احساس ہوگا۔ اس لیے جوے کو حرام قرار دے دیا گیا۔ ساری برائیوں کے ساتھ ساتھ ایک برائی یہ بھی ہے کہ یہ چیزیں تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دیتی ہیں "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○" تو کیا تم رک جاؤ گے اس کے بعد؟ (سورۃ المائدۃ الآیۃ:91)

اب آئیے میں بتاؤں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حرمت کے باب میں پورے مدینۂ طیبہ میں یہ اعلان کروایا "اَلَا حُرِّمَتِ الْخَمْرُ" آگاہ ہو جاؤ کہ شراب حرام قرار دے دی گئی ہے۔ تو لبوں سے لگے ہوئے جام پٹک دیے گئے مدینہ طیبہ میں، اتنے مٹکے توڑے گئے کہ لگتا تھا کہ شراب کی بارش ہوئی ہے جب کہ شراب ان کی زندگی کا حصہ تھی،

ان کے لیے لازمی تھی۔ ایسا کوئی آدمی نہیں تھا جو شراب نہ پیتا ہو، چند ایک کے علاوہ اس لیے اور اس کے بعد آج تک کسی مخلص مسلمان نے شراب کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ حرمت کا یہ نظام آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا۔

اس کے برعکس امریکہ میں گزشتہ صدی کے درمیانی حصہ میں جب یہ دیکھا کہ شراب کی برائیاں معاشرے کو تباہ کر رہی ہیں تو شراب کو روکا گیا اور شدت کے ساتھ منع کیا گیا اور کروڑوں ڈالرس خرچ کیے گئے۔ شراب کو روکنے کے سلسلے میں پولس کا نظام قائم کیا گیا کہ شرابی کو پکڑو اور سزا دو۔ مگر ہوا کیا؟ جب شراب پر پابندی لگائی گئی تھی تو چار سو شراب کی بھٹیاں تھیں وہاں جہاں شراب بنتی تھی اور جب تیس سال کے بعد غالباً دوبارہ جائزہ لیا گیا تو ساٹھ ہزار بھٹیاں پورے امریکا میں موجود تھیں جہاں چوری کے ساتھ غیر قانونی شراب بن رہی تھی ان بھٹیوں کو کچھ دن کے لیے روکا گیا پھر اسے اجازت دے دی گئی۔

برطانیہ میں بھی شراب پر پابندی لگانے کی کوشش کی گئی مگر ناکام ہو گئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ عادتوں کے بدلنے سے پہلے دل بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا ہے کہ شراب بری چیز ہے، لیکن اس کے باوجود لوگ شراب پیتے ہیں اس لیے کہ دل نہیں بدلتا دماغ جانتا ہے کہ یہ برا ہے، یہ عمل برا ہے، لیکن دل نہیں مانتا اور اسلام براہ راست دل کی اصلاح کرتا ہے۔ پہلے دل کو بدل دیتا ہے اور جب دل بدل جاتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے گناہ کی طرف مائل نہیں کر سکتی۔

آقائے دو جہاں نے سب سے پہلے تربیت کا نظام قائم کیا اور جب وہ مقام آیا کہ دلوں کی صفائی ہو گئی اور قلوب مائل الی اللہ ہو گئے تو شراب کو حرام قرار دے دیا گیا اور آج تک حرام ہے اور قیامت تک حرام رہے گی۔ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ دوبارہ اس کی حلت کا



فیصلہ کیا جائے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ (سورۃ المائدۃ الآیۃ:92)

اللہ کی اطاعت کرو! اللہ کے رسول کی اطاعت کرو! اور پرہیز کرو! پس اگر تم رخ پھیر لو گے! پس جان لو کہ ہمارے نبی پر صرف واضح پیغام پہنچا دینا ہے۔

انہوں نے پیغام پہنچا دیا تم نے تسلیم نہیں کیا تو سزا دینا اللہ کا کام ہے۔ صحابہ کرام کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا کہ جو شراب ہم پی چکے ہیں ان کا کیا ہوگا۔

اس کے بارے میں اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

"لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" (سورۃ المائدۃ الآیۃ:93)

جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں ہے جو کچھ انہوں نے پہلے چکھا جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں کریں۔

شراب کی حرمت سے پہلے جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیا ہے، ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے جو پہلے وہ استعمال کر چکے ہیں۔ پہلے جو کچھ ہوا ہے وہ معاف ہے، اب جب حرمت کا نزول ہو گیا ہے تو اب اس کے بعد مواخذہ ہوگا۔

حضرات! اس سورت کا نام سورۃ مائدہ ہے۔ مائدہ کے معنی دسترخوان کے ہوتے ہیں۔ اس سورت کا نام مائدہ کیوں ہے؟ اس سے متعلق ایک بڑا اہم واقعہ ہے حواری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے جو ان پر ایمان لائے تھے، جب اللہ نے حواریین کو حکم دیا کہ وہ

ہمارے رسول پر ایمان لائیں تو انہوں نے اقرار کیا "اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ"، ہم ایمان لائے اور گواہ ہو جاؤ کہ ہم اسلام لانے والوں میں ہیں۔ جب اسلام لے آئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک بات کہی کہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل کرے۔ جس میں نعمتیں چنی ہوئی ہوں۔ اللہ فرمارہا ہے:

"اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ" (سورۃ المائدۃ الآیۃ:112)

اور جب حواریوں نے یہ کہا اے عیسیٰ ابن مریم!

یہ ان کا انداز تھا یاد رکھیے کہ مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عام انسانوں کی طرح لیں۔ یا محمد نہیں کہہ سکتے، حالانکہ محمد نام تو خود ہی بڑا اعظیم ہے۔ محمد کے معنی ہوتے ہیں "الَّذِيْ يُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ"، جس کی ہمیشہ تعریف کی جائے، نام ہی تعریف ہے، نام ہی ثنا ہے، نام ہی مکمل نعت ہے، مگر پھر بھی عام انسانوں کی طرح انہیں بلانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا نبی اللہ کہہ کر بلانا ہوگا۔

اور خود قرآن عظیم میں اللہ نے تمام انبیائے کرام کے نام لیے ہیں۔ مگر سرور کائنات کو جب بھی مخاطب کیا تو یا ایہا الرسول، یا ایہا النبی، یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر کہہ کر کیا۔ نبی کو بھیجنے والا مولا وہ اپنے نبی کا نام انتہائی آداب و القاب کے ساتھ لے رہا ہے تو امتیوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ انہیں عام لوگوں کی طرح آواز دیں اور بلائیں۔ مگر چوں کہ وہ لوگ تربیت یافتہ نہیں تھے اس لیے انہوں نے کہا "یا عیسی بن مریم" اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یا پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی نئے نئے دین میں داخل ہوئے ہیں، ابھی ان کی تربیت نہیں ہو پائی تھی۔

اور وہ سوال یہ تھا

"هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ"



کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتارے۔

یہ سوال بھی بڑا عجیب تھا لیکن انسان کا مواخذہ اس کی صلاحیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

ابھی وہ اسلام لائے ہیں، جنابِ عیسیٰ پر ایمان لائے ہیں، ابھی اللہ کی ذات وصفات کے باب میں ان کی معلومات اتنی نہیں ہے کہ اس لفظ کو محسوس کر سکیں کہ کیا آپ کا رب استطاعت رکھتا ہے؟ ایک مسلمان کبھی یہ نہیں کہے گا وہ جانتا ہے کہ اللہ قادر مطلق ہے، غنی و بے نیاز ہے۔ لیکن پھر بھی حواریوں نے کہا "اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ"، کیا ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل فرما سکتا ہے۔

"قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○" (سورۃ المائدۃ الآیۃ:112)

کہا اللہ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

جناب عیسیٰ نے کہا کہ اللہ سے ڈرو! کہ تم مومن ہو کر ایسا سوال کر رہے ہو، کیا تمہیں اللہ کی قدرت کے بارے میں کوئی شبہہ ہے کہ تم "يَسْتَطِيْعُ" کہہ رہے ہو۔ یہ ساری باتیں جو انہوں نے کہی تھیں اس پر جناب عیسیٰ علیہ السلام نے "اتَّقُوا اللّٰهَ" ڈرو اللہ سے کہہ کر کے انہیں سمجھا دیا۔ تب انہوں نے کہا: "قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ" (سورۃ المائدۃ الآیۃ:113)

بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ٹھہریں اور ہم آنکھوں دیکھ لیں کہ آپ نے ہم سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔

تب جنابِ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی:

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ○(سورۃ المائدۃ الآیۃ:114)

اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دسترخوان نازل فرما تاکہ دسترخوان اترنا ہمارے لیے عید بن جائے۔ ہمارے لوگوں کے لیے جو موجود ہیں اور آنے والے لوگوں کے لیے بھی اور تیری طرف سے عظیم مژدہ اور نشانی بن جائے اور ہمیں روزی عطا فرما اور بے شک تو بہترین روزی عطا فرمانے والا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا: قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ○(سورۃ المائدۃ الآیۃ:115)

ہاں! میں نازل کروں گا تم پر مگر اس شرط کے ساتھ کہ دسترخوان کے نزول کو دیکھ کر بھی کوئی کفر کرے گا تو میں اسے دردناک عذاب دوں گا۔

یہاں سے مفسرین اور علمائے تحقیق نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی سے معجزہ طلب کرے اور نبی معجزہ دکھا دیں اور پھر وہ قوم ایمان نہ لائے تو قوم پر یقیناً عذاب نازل ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر طلب کے بہت سے معجزات دکھائے۔ مگر طلب کے بعد آپ نے کبھی بھی معجزہ نہیں دکھایا۔ اس لیے کہ اگر آپ دکھا دیتے اور یہ ضدی قوم معجزے پر ایمان نہ لاتی تو اللہ کا عذاب آجاتا۔ یہ بھی رحمۃ للعلمین کی رحمت تھی کہ مطالبہ کے باوجود بھی بعض حالات میں آپ نے معجزات نہیں دکھائے۔

حضرات! یہاں سے ایک اور بات مفسرین نے لکھی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ اللہ ہم پر دسترخوان نازل فرما تاکہ ہمارے لیے اور ہمارے بعد والوں کے لیے عید ہو جائے پتہ چلا کوئی



نعمت ملے کوئی خوشی ملے اللہ کی طرف سے تو اس پر عید منانا جائز ہے۔ بتائیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی کوئی نعمت ہو سکتی ہے، ان سے بڑا کوئی انعام ہو سکتا ہے اس لیے ان کے یوم ولادت کو بطورِ عید منانا یہ صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور بالواسطہ مطالبہ ہے قرآن عظیم کا۔ پروردگارِ عالم ہمیں حق پر قائم رکھے اور اپنے نبی سے بے پناہ محبت کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ!

## خطاب نمبر (۱۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاھُمْ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

سامعین کرام، حضرات وخواتین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ!

آج سورۃ انعام کی چند آیتیں پڑھنے کا شرف حاصل کروں گا، جس میں اللہ تبارک و



تعالیٰ نے امت مسلمہ کو بھی ان تعلیمات سے نوازا ہے، جو اس سے پہلے توریت وانجیل کے اندر موجود تھیں، اسلام ایک مکمل نظام اخلاق ہے۔ اللہ کے رسول سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخلاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے جلوہ گر ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

1) "وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" (سورۃ القلم الآیۃ::4)

اے محبوب آپ خلق عظیم کی بلندیوں پر فائز ہیں۔

اور خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"إنما بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ"

(رواہ البخاری فی الأدب المفرد برقم "273" عن أبی ھریرۃ)

مجھے اللہ نے اس لیے مبعوث کیا ہے کہ میں اخلاق کی تمام عظمتوں کو مکمل کردوں۔ تمام قدروں کو مکمل کردوں، تمام مکارم کو مکمل کردوں۔

جن آیات کو میں نے پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے اور جن کا میں ترجمہ پیش کروں گا، یہ اسلام کے اخلاقی نظام کا بات حصہ ہے اور اسلام میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اخلاقی قدروں کو نمایاں کیا گیا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں ہے خواہ وہ انسان کی معاشرتی زندگی ہو، معاشی زندگی ہو، انفرادی زندگی ہو، اجتماعی زندگی ہو، سیاسی زندگی ہو، کاروباری زندگی ہو۔ کوئی بھی گوشۂ حیات ہو ہر ایک کے بارے میں اخلاقی اعتبار سے اصول موجود ہیں۔ لیکن ان آیاتِ مبارکہ میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن باتوں سے روکا گیا ہے۔ وہ توریت وانجیل کے اندر بھی موجود تھیں اور قرآن عظیم کے اندر بھی موجود ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمارہا ہے کہ "اے محبوب

آپ فرما دیجیے آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے "اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا" اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرو، اللہ بے مثل ہے، بے مثال ہے، "لَا ضِدَّ لَهٗ، وَلَا نِدَّ لَهٗ، وَلَا شَبِيْهَ لَهٗ، وَلَا مَثِيْلَ لَهٗ" نہ اس کے جیسا کوئی ہے، نہ اس کے مثل کوئی ہے، نہ اس کے مشابہ کوئی ہے۔

کائنات میں اللہ تنہا ہے، واحد ہے، احد ہے اور اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک قرار دینا یہ سب سے بڑا جرم ہے، یہاں تک کہ اور گناہوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ توبہ سے یا کبھی بغیر توبہ معاف فرما سکتا ہے۔ یہ اس کی مرضی ہے چاہے تو معاف کرے چاہے تو سزا دے، لیکن شرک ایسا گناہ ہے کہ جب تک بندہ سچے دل سے توبہ کر کے اور اپنے سابقہ شرک کے ارتکاب سے معافی طلب نہیں کرے گا اس وقت تک وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ "تم اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ" توحید الٰہی ایک ایسا مضمون ہے کہ قرآن پاک کا ون تھرڈ (one therd) حصہ توحید کے حوالے سے موجود ہے۔ اس لیے مکہ مکرمہ میں جب آقائے دو جہاں جلوہ گر ہوئے تو ان کے سامنے سب سے بڑا چیلنج مشرکین کا تھا جنہوں نے سیکڑوں معبود بنا رکھے تھے، ان معبودان باطلہ کے مقابل ایک حقیقی خدائے وحدہ قدوس کی تعلیمات کو عام کرنا یہ پیغمبر کی زندگی کا بنیادی مقصد تھا۔

اس لیے شرک کی مذمت، شرک کی قباحتیں مشرکین کے انجام کے حوالے سے قرآن پاک میں سیکڑوں آیات مبارکہ بلکہ پوری پوری سورتیں موجود ہیں، خاص طور پر وہ سورتیں جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ہیں، صرف ایک سورت کا اگر آپ جائزہ لیں تو اس میں شرک کے جتنے بھی گوشے ہیں سب آجاتے ہیں وہ سورۃ الاخلاص ہے۔

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" فرما دیجیے! کہ اللہ ایک ہے۔ اب اس فرمان میں ان



مشرکین کا رد ہو جاتا ہے جو ایک کے علاوہ کئی خدا مانتے ہیں، خواہ وہ تین ہوں، یا تین سو ہوں، یا تین ہزار ہوں۔ "اللہ ایک ہے" اس میں رد ہو گیا ہے ان تمام اقوام باطلہ کا جو ایک کے بجائے بہت سے خداؤں کو مانتے ہیں۔

"اَللّٰهُ الصَّمَدُ" اللہ بے نیاز ہے، اس میں رد ہو گیا ان تمام مشرکین کا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تنہا اتنے بڑے نظام کائنات کو کیسے چلا سکتا ہے اس لیے اس نے ہر کام کے لیے الگ خدا بنا رکھا ہے۔ (معاذ اللہ)

یہ روزی دینے والا خدا ہے معاذ اللہ! یہ تعلیم سے نوازنے والا خدا ہے، بہت سے خدا انہوں نے بنا رکھے ہیں مختلف کاموں کے لیے، یہ دریاؤں کا خدا ہے، یہ ہواؤں کا خدا ہے، یہ ستاروں کا خدا ہے، یہ شفا دینے والا خدا ہے، یہ سیکڑوں معبودانِ باطل انہوں نے بنا رکھے تھے اس خیال سے کہ ایک اللہ اتنے بڑے نظام کو نہیں چلا سکتا مگر اسلامی توحید کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ جو کسی کام کو نہ کر سکے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

اللہ صمد ہے، کسی بھی شریک کی اسے ضرورت نہیں ہے، وہ تنہا سارے نظام کائنات کو چلا رہا ہے، اسی نے کائنات کو مکمل پیدا کیا ہے، وہی خالق و مالک ہے، وہی مدبر حقیقی ہے، وہی چلانے والا ہے۔ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ" اور اس میں ان تمام باطل مشرکین اور کفار کا رد ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ باپ ہے، اللہ سے کوئی پیدا ہوا ہے یا یں طور جیسے انسانوں سے کوئی پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے، اللہ اس سے بے نیاز ہے "وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ" اور کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا کسی اعتبار سے اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔

تو آپ اگر غور کریں، تو شرک کی جتنی اقسام ہے، ان آیاتِ مبارکہ کے اندر ان کا رد ہو

چکا ہے، ان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ اخلاص کو ون تھرڈ قرآن، ثلث قرآن تہائی قرآن کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

بہر کیف! تو میں نے یہ عرض کی کہ گناہوں میں شرک، بہت بڑا گناہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوسکتا، اور گناہ تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے معاف فرمادے لیکن شرک کے لیے توبہ کرنا دوبارہ ایمان لانا ضروری ہے اور ہمیشہ کے لیے شرک سے اجتناب کر کے ہی انسان اپنے رب سے معافی طلب کرسکتا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے "وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا "اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو! میں پہلے بھی کسی آیت کریمہ کے ذیل میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ اور کہیں اپنی الوہیت کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

اس لیے کہ کائنات میں انسان ماں باپ کے ذریعہ سے پیدا ہوا ہے، اس کی پرورش ہوئی ہے، پالنے والا اللہ ہے، روزی دینے والا اللہ ہے، ماں کے پستانوں میں دودھ پیدا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ مگر ذریعہ تو ماں باپ ہی ہیں اس لیے اللہ نے اپنی ذات کے بعد سب سے پہلے حکم دیا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو! یعنی اگر کوئی شخص شرک تو نہیں کرتا مگر ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی نہیں کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں وہ بندہ مردود ہے اور وہ سزاؤں کا مستحق ہوگا۔ عربوں میں ایک روایت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو کھلانے پلانے کے خوف سے قتل کر دیا کرتے تھے، خاص طور سے بچیوں کو، بچیوں کو دفن کرنا وہ اپنے لیے باعثِ اعزاز سمجھتے تھے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنابِ قیس ابن عاصم خود روایت کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی چھ زندہ بچیوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا



ہے۔ لیکن آخری بچی کی جب یاد آتی ہے تو دل تڑپ اٹھتا ہے اس لیے کہ آپ کے آنے سے پہلے ہمارے پہلو میں پتھر تھا دل نہیں تھا، ہم سوچتے تھے کہ یہ بچیاں ہمارے اوپر بوجھ ہوں گی، ہمیں انہیں کھلانا پڑے گا اور کیا ہم کسی کے سسر ہوں گے، کوئی ہمارا داماد ہوگا؟ ایسی بے عزتی ہم گوارہ نہیں کرسکتے۔

چنانچہ وہ بچیوں کو پیدا ہونے کے بعد ہی قتل کر دیتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی چھ بچیوں کو دفن کیا ہے۔ لیکن آخری بچی کی یاد ابھی تک ہے اور میں دفن کر کے آرہا تھا تو لگ رہا تھا جیسے کہ وہ مجھے آواز دے رہی ہو، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آئیں ہیں تو ہمیں زندگی ملی، آپ نے ہمارے دلوں کو زندہ کیا ہے ورنہ ہم بہت ہی ظلم کا شکار تھے، ظلم کرنے والے تھے، بڑے ظالم طبقے میں پیدا ہوئے تھے۔

آپ اندازہ فرمائیے! کہ یہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہم نے یہ مظالم کیے ہیں، آپ نے ہمیں زندگی دی، اور آپ نے ہمیں اور ہمارے دل کو انس اور محبت سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ"

(سورۃ الأنعام، الآیۃ:151)

اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب کو رزق دیں گے۔

خبردار! تم اپنی اولاد کو کھلانے پلانے کے ڈر سے مت قتل کرو! ہم تمہیں بھی روزی دینے والے ہیں اور خاص طور پر انہیں بھی روزی دینے والے ہیں۔ تم انہیں روزی نہیں دیتے، روزی دینے والے ہم ہیں، وسائل دینے والے ہم ہیں۔

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" (سورۃ ھود الآیۃ::6)

زمین پہ کوئی جاندار ایسا نہیں کہ جس کی روزی اللہ نے اپنے ذمۂ قدرت نہ لے لی ہے۔اس لیے تم قتل مت کرو! غور فرمائیں! پہلا گناہِ عظیم شرک ہے،اس کے بعد دوسرا گناہ ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی ہے اور تیسرا بڑا گناہ اولاد کو قتل کرنا ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ"

(سورۃ الأنعام الآیۃ:151)

اور خبر دار! بے حیائیوں کے قریب،فواحش کے قریب مت جانا،اس کے قریب مت ہونا! خواہ وہ کھلی ہوئی ہوں یا چھپی ہوئی ہوں۔

حضراتِ گرامی! یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ یہ نہیں کہا گیا ہے کہ بے حیائیوں کا ارتکاب نہ کرو، یہ فرمایا کہ بے حیائیوں کے قریب نہ جاؤ ،فواحش کے قریب نہ جاؤ ،قریب نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب گناہ تو گناہ ہے ہی مگر کوئی ایسا عمل جس کے ذریعہ سے گناہ کی خواہش پیدا ہوتی ہو وہ "لَا تَقْرَبُوا" میں آتا ہے۔

مثال کے طور پر ایسی محفلوں میں جہاں زنا کے ارتکاب کا موقع میسر آئے ایسے اشخاص سے دوستی کرنا جو گناہ کی طرف لے جانے والے ہوں،ایسے لٹریچر کو پڑھنا جن میں گناہ کی ترغیب ہو،بے حیائی اور عریانیت ہو،ایس فلمیں دیکھنا جو گناہ کی طرف دعوت دینے والی ہوں۔یہ ساری باتیں "وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ" میں شامل ہوگئیں ہیں۔

اگر تم مومن ہو تو تمہیں گناہوں کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے مگر تمہیں ان تمام اسباب اور وسائل سے،ان تمام طریقوں سے،ان تمام محفلوں سے بھی اپنے کو الگ کرنا ہوگا جن کی بنیاد پر بے حیائی پھیل سکتی ہے یا تمہارے اندر پیدا ہوسکتی ہے۔شرابیوں کی محفل میں نہ



جاؤ،شرابیوں سے دوستی نہ رکھو،اور بے حیائی کے ماحول میں نہ جاؤ،عریانیت کے ماحول میں نہ جاؤ،ایسے مقام پر نہ جاؤ جہاں سے ترغیب گناہ ملتی ہو تو جہاں سے انسانی خیالات کو گناہ کی طرف باضابطہ مائل کیا جاتا ہو،جہاں شہوتیں جاگتی ہوں،جہاں سے جنسی قوتیں بے قابو ہوتی ہوں ان کے قریب بھی نہ جاؤ! ان سے ہمیشہ دور رہنے کی کوشش کرو!

خواہ وہ چھپی ہوئی ہوں،یا ظاہر ہوں،بے حیائیاں اور بے شرمیاں چھپی ہوئی ہوں ،یا ظاہر ہوں،تنہائیوں سے ان کا تعلق ہو،یا مجلس سے ان کا تعلق ہو کسی ایسے مقام سے جہاں سے کوئی نہ دیکھ رہا ہو اس سے تعلق ہو یا دیکھنے والوں کے ماحول سے ان کا تعلق ہو،ان کے قریب بھی نہ جاؤ اگر تم اللہ کے احکامات کو ماننے والے ہو اور فرمایا:

"لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ" (سورۃ الاسراء الآیۃ:33)

اور خبر دار! کسی جان کو کبھی قتل مت کرنا،مگر حق کے ساتھ۔

یہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے قتل کیا ہو اور تمہیں قاضی بنا دیا گیا ہو،یا جج بنا دیا گیا ہو اور اس کے بدلے میں تمہیں پھانسی دینی ہو،سزا دینی ہو تو حق کا مطلب یہ ہے کہ تم کو سزا دینی ہے تو وہ تو حق ہے مگر اس کے علاوہ بغیر حق کسی کی جان کو لینا یہ جرم عظیم ہے اور یہ شرک کی طرح سے ہی، قتل اولاد کی طرح سے ہی ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

قرآن عظیم نے ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا" (سورۃ المائدۃ الآیۃ:32)

جس نے کسی جان کو بغیر کسی وجہ کے،بغیر کسی حق کے قتل کیا،یا فساد فی الارض کے بغیر قتل کیا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو بچایا،اس نے پوری

انسانیت کو بچایا اس کا مطلب ہے کہ ایک انسان پورے معاشرے کا فرد ہے اور ایک انسان پر ظلم کرنا پورے انسانی معاشرے پر ظلم ہے۔

اس لیے مسلمان اگر سچا مسلمان ہے تو کسی کو قتل کرنے کا تصور نہیں کرسکتا اور نا ہی کسی پہ زیادتی کرنے کا، یہ قرآن پاک کی وہ تعلیمات ہیں کہ جن کو عام کیا جائے تو وہ سارے الزامات خود بخود دور ہو جائیں گے جس میں کبھی ٹیرے رزم، کبھی قتل ناحق کا الزام لگایا جاتا ہے، یہ جرائم خود لوگ کرتے ہیں اور الزام مسلمانوں کے سر دیتے ہیں۔ اسلاموفوبیا کا جو ماحول ہے وہ اس لیے ہے کہ میڈیا نے ایک طویل زمانے سے ایک غلط تصویر پیش کی ہے، جس کی بنیاد پر نفرتوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا ہے اور یہ بڑھتا رہا تو آئندہ حالات بہت خطرناک ہو سکتے ہیں۔

اس لیے قرآن پاک کی وہ آیاتِ مبارکہ جو عدل پر مبنی ہیں، انسانیت پر مبنی ہیں، انسانیت کے احترام پر مبنی ہیں، اخلاقی قدروں پر مبنی ہیں، ان آیاتِ مبارکہ کو باضابطہ طور پر عام کیا جائے اور بتایا جائے کہ اسلام دنیا کا سب سے خوبصورت، سب سے حسین اور انسانیت پرور مذہب ہے۔ اسلام میں ظلم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے "ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ" اور یہ سارے احکامات اللہ کی طرف سے وصیت ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو، شعور سے کام لو، غلطیاں نہ کرو۔

اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے "وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ عرب میں تین طبقے ایسے تھے جو انتہائی مظلوم تھے غریب تو ہمیشہ مظلوم ہوتا ہی ہے مگر اس کے علاوہ تین طبقے اور بھی تھے۔ اس میں یتیم تھے، عورتیں تھیں اور غلام تھے یہ مظلوم ترین طبقے تھے۔ اس لیے قرآن عظیم نے اور احادیثِ مبارکہ نے بار بار ان کے ساتھ مہربانی کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔



یتیم کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے "وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ" یتیم کے مال کے قریب بھی نہ ہو۔ حضراتِ گرامی! آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یتیم پیدا کیا گیا تاکہ وہ یتیموں کے درد کو محسوس کرسکیں، عبداللہ کے در یتیم نے دنیا کے یتیموں کو پناہ دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا"

(صحیح البخاری کتاب الادب باب فضل من یعول یتیما الرقم: 6005)

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح قریب ہوں گے جیسے دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔

اللہ کے رسول نے فرمایا: سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کی پرورش ہو رہی ہو۔ آقا کے ساتھ صحابہ جا رہے ہیں، دیکھا ایک گھر بڑا نورانی ہے، صحابہ نے کہا آقا یہ گھر بڑا نورانی ہے تو آقا نے فرمایا: ہاں، یہاں کوئی بچی پیدا ہوئی ہوگی یا کسی یتیم کی پرورش ہو رہی ہوگی۔

اس سے اندازہ فرمائیں! کہ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کو آقائے دو جہاں نے انتہائی اہم عبادت قرار دیا ہے اور قرآن فرما رہا ہے "وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ" یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ! ہوتا یہ تھا کہ قبائلی جنگیں ہوتی تھیں، سیکڑوں سال کے دامن میں پھیلی ہوتی تھیں ایک قبیلہ جو شکست کھا جاتا تھا، اس کے بڑوں کو مار دیا جاتا تھا اور بچوں کو یتیم بنا لیا جاتا تھا اور پھر ان کو غلام بنایا جاتا تھا اور اگر یتیموں کے مال کا کوئی سرپرست ہوتا خواہ وہ رشتے دار ہی کیوں نہ ہو تو اس سے پہلے کہ یتیم بڑے ہو جائیں جوان ہو جائیں اور اپنی جائداد کو، اپنی پروپرٹی کو، اپنے مال کو استعمال کرسکیں لوگ وہ مال کھا جایا کرتے تھے۔

یہ دردناک صورتحال تھی ایسے موقع پر اللہ کی مقدس کتاب میں فرمایا گیا کہ یتیم کے

مال کے قریب بھی نہ جاؤ! یعنی ان کو ناجائز استعمال کرنے اور کھانے کا تصور بھی نہ کرو! قرآن پاک میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ جو یتیم کا مال کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ اس طرح کے احکامات کے ذریعہ سے یہ درس دیا گیا کہ یتیم کا حق ادا کرنے کی کوشش کرو، ان کا مال مت کھاؤ۔

"اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" (ان کے مال کے قریب نہیں ہو سکتے ہو) مگر بہتر طریقے سے۔ بہتر طریقہ کیا ہے؟ فرض کیجیے کہ کسی باپ نے اپنے یتیم بچے کے لیے ایک ہزار ڈالر چھوڑا اور وہ یتیم بچہ جوان ہوا بیس سال میں، پندرہ سال میں اس قابل ہوا کہ اپنی جائداد پر قبضہ کر سکے تو وہ ایک ہزار ڈالر یقیناً ایک سو کے برابر ہو جائے گا انفلیشن کی بنیاد پر، وہ کم ہوتا چلا جائے گا اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ یتیم کا مال اس کے بڑے ہونے سے پہلے پہلے ضائع ہو جائے گا تو تم اسے کاروبار میں لگا دو اور پھر اس کا حق اسے محفوظ کر دو اس میں کوئی خیانت نہ ہونے پائے۔

یہ ہے "بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" یتیم کے مال سے قریب ہو تو اچھی طرح سے قریب ہو جو اچھا طریقہ ہے "حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ" یہاں تک کہ وہ اپنے سن شعور کو پہنچ جائے، بہت سے لوگوں نے بالغ ہونا ترجمہ کیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے مگر اس سے مراد بلوغ عقل بھی ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ کوئی بچہ بالغ ہو جائے مگر اپنی دولت کو سنبھالنے کے قابل نہ ہو اور وہ اپنی دولت کو ناجائز کاموں میں بری طرح سے خرچ کر دے اور پھر وہ تکلف کرنے لگے، ہاتھ ملنے لگے اس لیے یتیم کو بڑے ہونے کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کر رہے ہو تو وہ اپنے مال کو خرچ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ "وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ" تم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کر برابر رکھو۔

دیکھئے ہر آیت کے اندر کسی عظیم اخلاقی نظام یا شرعی نظام کا حکم ہے۔ انسانی زندگی



میں ڈیلنگ، ایک دوسرے کے ساتھ کاروبار کرو، یعنی تم جس کے ساتھ کاروبار کرو، ناپ تول کا کاروبار کرو تو انصاف کے ساتھ کرو، خبردار کوئی بے انصافی نہ ہونے پائے، ڈنڈی نہ مارو! کوئی ایسا کام نہ کرو کہ جس کی بنیاد پر تم اخلاقی مجرم بنو اور قانونی مجرم بھی بنو اور شرعی مجرم بھی بنو۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: "لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" میں کسی بھی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جو جتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے میں اس کو اتنا ہی بوجھ دیتا ہوں۔ میں یہ احکامات نازل فرما رہا ہوں کیوں کہ میں تمہارا رب ہوں، تمہارا مالک و معبود ہوں تو لازم ہے کہ تم اس پر عمل کرو۔ "وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی" اور جب تم بات کرو تو انصاف کی بات کرو! خواہ وہ انصاف تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اپنے بیٹے کے خلاف ہو، اپنے باپ کے خلاف ہو، اپنے بھائی کے خلاف ہو، کسی کے بھی خلاف ہو۔ جب معاشرے میں انصاف کی بات ہو تو عدل سے کرو! اس میں رشتہ داریوں کو نہ دیکھو! بلکہ اللہ کے قانون کو دیکھو اور اس کی رعایت کرو۔ "وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا" اور اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرو! اللہ سے کیا ہوا وعدہ وہ ہے جو ایمان کے حوالے سے ہے "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ" جب ایمان لائے ہو تو ان تمام باتوں کا تم نے وعدہ کیا ہے اور پھر ان تمام باتوں کو پورا کرو! "ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" اور یہ وصیتیں ہیں جو اللہ نے تم کو کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (سورۃ الأنعام، الآیۃ:152)

صدق اللہ العلی العظیم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ!

## خطاب نمبر (۱۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ط

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ○

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ

الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ لا

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ (سورۃ الاعراف آیۃ 157)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○



اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ، وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔

نویں پارے کی جن آیات مبارکہ کی تلاوت کرنے کا میں نے شرف حاصل کیا ہے۔ان کی مختصر سی وضاحت پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

میری رحمت نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔کائنات کی کوئی شے میری رحمت سے خالی نہیں ہے۔میں کائنات کا پروردگار ہوں، پالنہار ہوں، خالق و مالک ہوں۔کسی بندے کو جو بھی نعمت پہنچتی ہے وہ میری رحمت کے ذریعہ ہی پہنچتی ہے۔اگر میری رحمت کائنات پر چھائی ہوئی نہ ہوتی تو کسی شے کی بھی پرورش نہ ہو پاتی۔نہ انسان پروان چڑھ سکتا، نہ پرندے پرواز کر سکتے۔نہ درختوں میں پھل نمودار ہوتے، نہ پھول کھلتے اور نہ ہی کوئی وجود اپنی تمام مادّی اور جسمانی تقاضوں کو پورا کر سکتا۔مگر میری رحمت نے کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے اور کائنات کی ہر شے کو میری رحمت کا حصہ پہنچتا ہے۔

کائنات میں وہ اشیا بھی ہیں جو ذوی العقول نہیں ہیں۔جانور ہیں، شجر و حجر ہیں، کائنات کی دوسری مخلوقات ہیں۔وہ میری رحمت کا حصہ اپنے وجود کی بقا کے لیے مجھ سے حاصل کرتے ہیں، میں عطا کرتا ہوں اور ان سے کوئی مواخذہ بھی نہیں ہے۔لیکن کائنات میں انسان اور جن دو ایسی مخلوق ہیں جن کو میں نے عقل و شعور سے نوازا ہے، حق اور باطل کی پہچان کی صلاحیت عطا کی ہے، انہیں ہم نے ذوی العقول بنایا ہے۔اس لیے ان کو فری وِل (Free Will) دیا گیا ہے، اختیار دیا گیا ہے اور اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یا تو یہ حق کو قبول کرتے ہیں یا باطل کے راستہ پر چل پڑتے ہیں۔

ہم نے انہیں پیدا کرنے کے بعد ان میں انبیا اور رسول بھیجے، پیغمبر بھیجے، تا کہ ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیں۔ جو ہدایت یافتہ ہو گئے انہیں اللہ کی رحمت کا حصہ بے شمار ملے گا۔ عام مخلوق کی طرح سے دنیا میں بھی اللہ کی نعمت ملے گی اور آخرت میں بھی انہیں اللہ کی رحمت سے دائمی زندگی اور جنت الخلد سے نوازا جائے گا۔

لیکن ذوی العقول میں، انسانوں اور جنوں میں جو لوگ خدا کے باغی ہوں گے وہ دنیا میں جینے اور رہنے کی حد تک، برتنے کی حد تک تو اللہ کی رحمت سے استفادہ کریں گے لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اور حقیقی زندگی تو آخرت ہی کی ہے۔

اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں، ننانوے حصے اس نے اپنے بندوں پر آخرت میں رحم فرمانے کے لیے محفوظ رکھے ہیں اور ایک حصے سے ساری کائنات کی پرورش ہو رہی ہے۔

اللہ کی رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔ (سورۃ الأعراف، الآیۃ:156)

میں لکھوں گا ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

رحمت کا وہ خصوصی حصہ جس کا تعلق عالم آخرت سے ہے، وہ میں نے ان ایمان داروں کے لیے، ارباب ایمان کے لیے محفوظ کر رکھا ہے جو پرہیزگار ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو میری رحمت کا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مکمل فائدہ اٹھائیں گے۔ آخرت میں ان کو دائمی زندگی دی جائے گی، جنت سے نوازا جائے گا، عذاب سے محفوظ کیا جائے گا۔

لیکن وہ لوگ جنہیں ہم نے عقل وشعور دیا، دانائی دی، اچھے اور برے کی تمیز دی،



حق اور باطل کو سمجھنے کی صلاحیت دی اور ہم نے عظیم پیغمبروں کو بھیج کر ان کے سامنے صراط مستقیم کشادہ کر دی اور پھر بھی وہ شیطان کے بہکانے سے گناہوں کی طرف مائل ہوئے، برائیاں کیں، یا کفر اختیار کیا تو انہیں آخرت کا کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آخرت میں انہیں نجات کیوں نہیں ملے گی؟ آخرت میں انہیں محروم کیوں کیا جائے گا؟ جب کہ اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ کسی ملک کے شہری ہوں گے تو آپ اس ملک کے بینیفٹ (Benefit) سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن آپ اس ملک کے شہری نہیں ہیں، باغی ہیں تو آپ کو اس ملک سے کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔

جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھ کر دنیا کی زندگی سنوارتے ہیں، وہ آخرت کے شہری ہیں، انہیں حصہ ملے گا۔ لیکن جو آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے، یا یقین رکھتے ہیں مگر آخرت کے لیے کام نہیں کرتے اور دنیا میں برائیاں کرتے ہیں انہیں وہاں سے ان کی حیثیت کے مطابق یا تو حصہ ملے گا یا نہیں ملے گا۔ اگر مومن ہیں، گنہ گار ہیں تو ممکن ہے کہ اللہ معاف فرما دے۔ لیکن مومن ہی نہیں ہیں تو انہیں آخرت میں کوئی بھی حصہ میسر نہیں آئے گا۔

اب اللہ مزید وضاحت فرما رہا ہے کہ یہ متقی اور اہل ایمان کون سے لوگ ہیں؟ اس لیے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو یہود و نصاریٰ نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم بھی متقی ہیں، ہم بھی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ہم بھی نیک کام کرتے ہیں اس لیے ہم کو بھی جنت کا مستحق ہونا چاہیے۔ ایمان اور تقویٰ کی مزید وضاحت کی جا رہی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا

عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ (سورۃ الأعراف، الآیۃ:157)

اہل تقویٰ اور اہل ایمان وہ لوگ ہیں جو اتباع کرتے ہیں، پیروی کرتے ہیں اس امی نبی کی جسے وہ لکھا ہوا پاتے ہیں توریت اور انجیل کے اندر۔

یہاں اللہ ارشاد فرما رہا ہے کہ توریت اور انجیل میں میرے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہیں اور انہوں نے پڑھا بھی ہے۔ اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لاتے۔ چوں کہ وہ خود اپنی کتاب کی مخالفت کرتے ہیں، جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور قرآن عظیم کی بھی اور آخری نبی کی بھی۔ اس لیے انہیں آخرت کا کوئی حصہ نہیں ملے گا، خواہ وہ اس کا دعویٰ کچھ بھی کریں۔

یہاں سرورِ کائنات کا ایک منصب اور ایک صفت بیان کی گئی ہے۔ منصب یہ ہے کہ وہ نبی ہیں، رسول ہیں۔ رسول اور نبی میں عام طور پر جمہور کے نزدیک فرق یہ کیا گیا ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو نئے قوانین اور نئی کتاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور نبی وہ ہوتا ہے جو رسول کی لائی ہوئی کتاب پر عمل کی دعوت دے رہا ہو۔ کبھی کبھی نبی اور رسول دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

رسول کے معنی ہوتے ہیں پیغام پہنچانے والا، جو اللہ کا پیغام لے کر بندوں تک پہونچائے اسے رسول کہتے ہیں۔ نبی خبر دینے والے کو کہتے ہیں، اس کا عربی ترجمہ "اَلْمُخْبِرُ عَنِ الْغَيْبِ" ہے، جو غیب کی خبر دینے والا ہو وہ نبی ہے۔ ظاہر ہے کہ انبیائے کرام اس لیے تو نہیں آتے ہیں کہ وہ بارش کی خبر دیں، موسم کی خبر دیں، یا حادثات کی خبر دیں، یا دنیا کے ہونے والے واقعات کی خبر دیں، یہ تو کوئی بھی کرسکتا ہے۔ نبوت کا خاص محور علم غیب ہے۔ جب اللہ کا بھیجا ہوا رسول غیب کی خبریں دیتا ہے، عالم برزخ کی خبر دیتا ہے، جنت



و دوزخ کی خبر دیتا ہے، لوح وقلم کی خبر دیتا ہے، عرش و کرسی کی خبر دیتا ہے، احکامات الٰہیہ کی وضاحت کرتا ہے جو خاص اس کے اوپر نازل کیے جاتے ہیں، تو اسے نبی کہتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی پروفیٹ (Prophet) کہتے ہیں۔ پروفیسی کا مطلب غیب کی خبر دینا ہی ہوتا ہے۔ نبی کے معنی ہوتے ہیں غیب کی خبر دینے والا۔

جو غیب کی خبر دینے والا ہے اگر اس کے بارے میں کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ غیب خود بھی نہیں جانتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کے مفہوم سے وہ نا آشنا ہے۔ لغت میں بھی اور اصطلاح شریعت میں بھی ہے "اَلنَّبِيُّ هُوَ الْمُخْبِرُ عَنِ الْغَيْبِ"، نبی وہ ہوتا ہے جو غیب کی خبر دینے والا ہوتا ہے۔

دوسری صفت "امی" ہے۔ اُمّی کا بھی بعض لوگوں نے بہت ہی بے اعتنائی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ اَن پڑھ وغیرہ کیا گیا ہے۔ بلا شبہ امّی کا لفظ اگر غیر نبی کے لیے استعمال ہو تو اس کا معنی اَن پڑھ ہی ہوگا۔ "امیین" کا لفظ آیا ہے قرآن پاک میں عربوں کے لیے۔ لیکن جب نبی کے لیے استعمال ہو تو اس کے معنی ان پڑھ کے نہیں بلکہ یہ ترجمہ کیا جائے گا کہ اُمّی وہ ہیں جنہیں کسی ہیومن ایجنسی یا انسان نے نہ پڑھایا ہو، بلکہ اللہ نے براہِ راست اسے پڑھایا ہو۔ وہ خود فرماتا ہے:

"وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا"

(سورۃ النساء، الآیۃ:113)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (سورۃ الاعلیٰ، الآیۃ:6)

اے پیغمبر! ہم آپ کو اس طرح پڑھائیں گے کہ آپ اسے کبھی فراموش نہ کریں گے۔

جسے کسی انسان نے پڑھایا ہو اسے پڑھا لکھا کہا جائے اور جسے براہِ راست اللہ نے پڑھایا ہو اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ اَن پڑھ ہے، یہ لفظ استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ اُمّی کے معنی ایک ایسا پیغمبر، ایک ایسی ذات جس کو کسی انسان نے یا کسی ہیومن ایجنسی نے یا انسانی ذرائع نے تعلیم نہ دی ہو بلکہ براہ راست جو مبدأ فیاض سے، خدائے وحدہ قدوس کے ذریعہ سے علم حاصل کر رہا ہو۔ یہی نبوت کی شان بھی ہے، یہی اس کا مقام اور مرتبہ بھی ہے۔

''اُمّی'' کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ سرورِ کائنات مکۂ مکرمہ میں جلوہ گر ہوئے تھے اور مکہ کا دوسرا نام اُمّ القریٰ بھی ہے۔ لہٰذا امّی کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جو اُمّ القریٰ میں جلوہ گر ہوئے۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ سورۂ فاتحہ وہ سورت ہے کہ اس کے جیسی سورت توریت وانجیل یا کبھی کسی آسمانی کتاب میں نازل نہیں ہوئی۔ اس لیے اس کو ام الکتاب یا ام القرآن کہا جاتا ہے۔ چوں کہ سرورِ کائنات پر نازل ہوئی اس لیے انہیں امّی کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ انہیں سورۂ فاتحہ جیسی عظیم سورت عطا فرمائی گئی ہے۔ اس کا ایک اور مفہوم ہوسکتا ہے کہ اُمّی کا معنیٰ ''ماں والا'' ہوتا ہے۔ جب آقائے دو جہاں جلوہ گر ہوئے تو باپ کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت عبداللہ کا انتقال چھ مہینے پہلے ہو چکا تھا اور اُس وقت صرف ماں موجود تھیں۔ تو جو صرف اپنی ماں کی آغوش میں پروان چڑھے وہ امّی ہیں۔ اس طرح کے اور بھی مفہوم ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

لیکن اگر ترجمہ کرنا بایں معنی ہے کہ انہیں کسی انسان نے نہیں پڑھایا ہو تو بلاشبہ وہ اللہ کی جانب سے پڑھے لکھے تھے۔



حضرت کا علم علم لدنی تھا اے امیر!
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

امّیت یعنی کسی انسان سے نہ پڑھا ہونا غیر نبی کے لیے تو ہوسکتا ہے کہ عیب کی بات ہو، کمزوری کی بات ہو۔ مگر نبی کے لیے یہ بڑا اونچا مقام ہے۔ امّی کہہ کر پروردگار عالم نے پورے قرآن پاک اور ان کی تعلیمات کی عظمت کو واضح فرمایا ہے کہ آپ ذرا سوچو کہ جس پیغمبر نے کسی مکتب میں قدم نہ رکھا ہو، کسی کے سامنے زانوئے ادب نہ تہہ کیا ہو اس نے قرآن عظیم جیسی عظیم کتاب، ایک عظیم نظام زندگی، ایک عظیم دستور حیات اور ایک ایسا کلام، جو چودہ سو سال سے دنیا کو چیلنج کر رہا ہے کہ اس جیسی ایک سورت یا چند آیتیں بنالاؤ اور دنیا آج بھی عاجز ہے۔ اتنے عظیم کلام کو دنیا کو عطا فرمانے والا، کیا وہ اَن پڑھ ہوسکتا ہے؟ کیا وہ ایک ایسا انسان ہوسکتا ہے ان انسانوں کی طرح ہوسکتا ہے جسے انسانوں نے نہیں پڑھایا ہے؟

اُمّی ہونا غیروں کے لیے تو یقیناً عیب کی بات ہے، لیکن پیغمبر کی نبوت مطلقہ اور سیادت عامہ کو ثابت کرنے کے لیے امّی ہونا سرورِ کائنات کا ایک بہت بڑا اعجاز ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: یہ اس پیغمبر کی اتباع کرتے ہیں، جو نبی امّی ہیں جن کے بارے میں وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس توریت وانجیل میں۔

توریت اور انجیل میں سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے بشارتیں موجود ہیں۔ اولڈ ٹسمینٹ (عہد نامۂ قدیم) میں بھی اور نیو ٹسمینٹ (عہد نامۂ جدید) میں بھی۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ آیات احکام، اوامر اور نواہی کو بدل دیا گیا ہے۔ مگر یہود ونصاریٰ کی زباں بندی کے لیے آیات بشارت آج بھی موجود ہیں۔ اگرچہ اس عہد نامۂ قدیم سے مراد توریت، زبور اور عہد نامۂ جدید سے مراد انجیل ہے، لیکن جب بھی گفتگو ہو تو آپ یہ محسوس

کریں گے کہ ان کی تاویل ہمیشہ ناقابل قبول ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، جس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ سینا سے طلوع ہوا، سعیر پر جلوہ گر ہوا اور فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا۔

یہ ترجمہ ہے توریت کے الفاظ کا۔ اللہ سینا سے طلوع ہوا، یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ سعیر سے چمکا یعنی اس کا نور چمکا، یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا، وہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ہیں۔

بتائیے دنیا میں کہیں اور بھی ایسا پہاڑ ہے جناب عیسیٰ کے علاقے میں، جناب موسیٰ کے علاقے میں جسے فاران کا نام دیا گیا ہو؟ فاران کا لفظ واضح طور پر توریت میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی بشارتیں ہیں، سیکڑوں ہیں جن کی وضاحت کی جائے تو ہر بشارت کا بنیادی مفہوم سرورِ کائنات کی ذات بن جاتی ہے۔

اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام جب اٹھائے جانے والے تھے تو انہوں نے اپنے حواریوں کو، یعنی اپنے صحابیوں کو جمع کیا اور کہا کہ مجھے تم سے جدا ہونا ہے اور میرا جانا ہی تمہارے لیے مفید ہے۔ حواری رونے لگے کہ حضور! آپ ہمیں کس کے حوالے چھوڑے جا رہے ہیں؟ ہم نے آپ کے لیے بادشاہِ وقت سے مخالفت لی، زمانہ ہمارا دشمن ہے۔ پھر جب ہم بیمار ہوتے تھے تو آپ ہمیں شفا دیتے تھے۔ ناقابل علاج مریضوں کو آپ چھوتے تھے اور شفا مل جاتی تھی۔ اب ہم اپنے امراض کو لے کر، اپنی پریشانیوں کو لے کر کہاں جائیں گے۔ جب ہم پر ظلم ہوتا تھا تو ہم آپ کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔

انہوں نے کہا کہ مجھے جانا ہی پڑے گا، میرے رب کی رحمت نے مجھے تم سے غیر حاضر ہونے کا حکم دیا ہے لیکن تم غمزدہ نہ ہو، میرے بعد وہ ذات جلوہ گر ہونے والی ہے جس کا



نام "فارقلیط" ہوگا۔ فارقلیط بہت بڑی بشارت ہے جس کو دنیا میں "بشارۃ الفارقلیطیہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ "فارقلیط" کے معنی ہی احمد ہوتے ہیں۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (سورۃ الصف، الآیۃ: 6)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے لوگو! مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، میری دو ذمہ داریاں ہیں، توریت کی تصدیق کرنا اور آنے والے نبی کی بشارت دینا جن کا نام احمد ہوگا۔

انجیل میں "فارقلیط" کا لفظ آیا ہے، یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے، قرآن عظیم نے اسی کو عربی میں پیش فرمایا ہے کہ ان کا نام احمد ہوگا، جناب عیسیٰ علیہ السلام نے خود بشارت دی ہے۔

یہ بشارتیں موجود ہیں، ان بشارتوں کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو یہ ان کا جرم عظیم ہے۔ ایک انسان ناواقفیت سے کسی بات کو نہ مانے تو اس کا جرم ہلکا سا ہو سکتا ہے، لیکن جو جانتا ہے پھر بھی نہیں مانتا ہو وہ جرم عظیم کا مرتکب ہے۔ ایک آدمی نابینا ہے، نہیں دیکھتا ہے اور نہیں مانتا اور ایک آدمی بینا ہے اور پھر بھی نہیں مانتا ہے تو یہ حقائق کا انکار ہے اور اس کی بنیاد پر انہیں اللہ کی وسعتِ رحمت کا حصہ میسر نہیں آئے گا۔ ہاں وہ چوں کہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے، وہ اللہ کی مخلوق ہیں اس لیے دنیا میں اللہ اپنی ربوبیت سے انہیں نوازے گا، مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اسے وہ توریت میں بھی اور انجیل میں بھی پاتے ہیں۔ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ، وہ پیغمبر، وہ نبی انہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ اور ان پر پاکیزہ

چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (سورۃ الأعراف، الآیۃ:157)

یہاں جو بات جاننے اور سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی حلال قرار دیتے ہیں، اللہ کے نبی حرام قرار دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ تشریعی قوانین میں پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ حلال فرمائیں یا حرام فرمائیں۔ یعنی انہیں حلت وحرمت کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ کہنا کہ وہ مجبور محض ہیں (معاذ اللہ) یہ غلط تصور ہے۔ قرآن نے حلت وحرمت کا انتساب نبی کی طرف کیا ہے۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وہ طیبات کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو چیزیں حلال ہیں وہ طیب اور طاہر ہیں۔ حلال چیزیں کبھی صحت کے لیے نقصان دہ نہیں ہوسکتی ہیں، حلال چیزوں سے کبھی وبا نہیں پھوٹ سکتی ہے۔ جن قوموں نے حرام کھایا ہے اس کا انجام آج کورونا وائرس کی شکل میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا، یہ اطلاعات آپ کو اخبارات سے ملی ہوں گی کہ کورونا وائرس کا بنیادی طور پر جو چشمہ پھوٹا ہے وہ دو چیزوں کے کھانے کی بنیاد پر ہوا، ایک سانپ اور دوسرا چمگاڈر۔ دونوں کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے، دونوں کا استعمال ناجائز ہے۔

چائنیز ان دونوں کو شوق سے کھاتے تھے اور آج بھی مارکیٹ میں یہ چیزیں وہاں دستیاب ہیں۔ اس بنیاد پر یہ مرض پھوٹا ہے اور آج ناقابل علاج ہے اور پوری دنیا آج موت سے ہمکنار ہے۔ اس لیے یہ طیبات میں سے نہیں تھے، خبائث میں سے تھے مگر چوں کہ ان کے پاس قرآن کا نظام نہیں پہنچا، انہوں نے اپنی طبیعت اور رغبت کی بنیاد پر حرام خوری کی جس کے نتیجے میں آج وہ عذاب الٰہی سے دوچار ہوگئے۔



یہی حال شراب نوشی کا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ہندوستان میں شراب بیچنے کے لیے دکانیں کھول دی گئی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ کسان مر رہا ہے، اس کے لیے کوئی تیاری نہیں ہے، ہزاروں افراد خودکشی کرتے ہیں، ان کے لیے کوئی نظام نہیں ہے۔ شراب اتنی ضروری تھی کہ اس کی دکانیں کھول دی گئی ہیں۔

اب عالم یہ ہے کہ لاکھوں انسان سڑکوں پر دو دو میل لمبی لائن لگائے ہوئے مار پیٹ کر رہے ہیں، گھر میں جا کر مار پیٹ کرتے ہیں۔ دو مہینوں کے بعد شراب ملی ہے تو شراب پی کر سڑکوں پر سو گئے ہیں۔ کاش! اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت نے ہمیشہ کے لیے شراب بندی کر دی ہوتی۔ لیکن وہ کر نہیں سکتے اس لیے کہ ہندوستان کی ۳۳ رفیصد اکونومی کی بنیاد شراب پر ہے۔ ساڑھے تین سو کروڑ روپے کی شراب روزانہ ہندوستان میں بکتی ہے۔ اتنا بڑا معاشی نقصان وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے تمام دکانوں اور مارکیٹ سے پہلے انہوں نے شراب کی دکانوں کو کھول دیا ہے۔ اب یہ عالم ہے کہ بعض علاقوں میں شراب گھروں میں پہنچائی جارہی ہے تاکہ لوگ بھیڑ نہ لگائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: طیبات کو اللہ کے رسول نے حلال قرار دیا اور خبائث کو حرام قرار دیا۔ آپ دیکھیں کہ لفظ ہی ایسا استعمال کیا گیا جس کو سننے کے بعد کوئی باشعور انسان اس کی طرف رغبت بھی نہیں کر سکتا۔

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

(سورۃ الأعراف، الآیۃ: 157)

اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اُتارے گا۔

یعنی ان کے اوپر سے ان کے وہ بوجھ اور وہ مشقتیں جو ان کے سر پر تھیں، وہ انہیں

اتار دیں گے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توریت میں حلت وحرمت کے قوانین بہت سخت تھے۔ بہت سی چیزیں جو ناجائز تھیں، جیسے اونٹ کا گوشت وغیرہ، اسلام نے انہیں حلال قرار دیا اس لیے کہ ان میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ تو بہت سی چیزیں جو ان کے یہاں جائز نہیں تھیں وہ اسلام میں جائز ہیں اور بہت سی مشکل زندگی جو ان کے یہاں تھی ان کے بارے میں اسلام میں آسانی دی گئی۔ یہودیوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تو افطار کرنے کے بعد سے لے کر شام تک انہیں روزہ ہی رکھنا تھا۔ وہ رات کو بھی کچھ نہیں کھا سکتے تھے۔ ایسے ہی دوسرے بہت سے احکامات تھے جن میں بڑی سختی تھی۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ پیغمبر نہ صرف یہ کہ تمہارے اوپر سے بوجھ اتاریں گے بلکہ تمہاری مشکلات کو آسان بھی فرمائیں گے۔ یہ ان کا منصب ہے، یہ ان کی پیغمبرانہ ذمہ داری ہے۔

اب اس کے بعد مومن کون لوگ ہیں اس کے بارے میں فرمایا:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ۔ (سورۃ الأعراف، الآیۃ: 157)

تو وہ جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تعظیم کریں اور انہیں مدد دیں۔

تعظیم رسول بے پناہ ضروری ہے۔ تعظیم رسول کے بغیر ایمان مقبول نہیں ہے۔ اس لیے ایمان کے فوراً بعد ''وَعَزَّرُوْهُ'' کہا گیا، یعنی جنہوں نے ان کی تعظیم کی۔ جنہوں نے ان کا ادب کیا، ان کی عظمتوں کا اعتراف کیا، ان کی بارگاہ میں مودبانہ حاضر ہوتے رہے، سرتاپہ ادب بنے رہے۔ صرف انسان نہیں، ساری کائنات نبی کی بارگاہ میں سرتاپا ادب ہے۔ ؎

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گردِ منزل میں
نہ جانے کس بلندی پر ہے کاشانہ محمد کا

یہ عالم ہے سرورِ کائنات کا۔ وَنَصَرُوْهُ اور جب ان کے دین کو مدد کی ضرورت پیش



ہو تو وہ ان کی مدد کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہیں، خواہ انہیں اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ (سورۃ الأعراف، الآیۃ: 157)

اور وہ اس نور کی کامل اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا۔

یہاں نور سے مراد قرآن عظیم ہے۔ عجیب بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو قرآن پاک کا نازل کرنے والا ہے اس نے بھی اپنے آپ کو نور کہا ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ النور، الآیۃ: 35)

اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

یہاں نور سے مراد مُنوِّرُ السماوات والارض ہے، یعنی آسمانوں اور زمینوں کا منور کرنے والا، انہیں روشنی عطا فرمانے والا۔ تو اللہ منوِّر ہے سرورِ کائنات نور ہیں اور قرآن عظیم بھی نور ہے۔ نازل کرنے والا بھی نور ہے۔ اور جو کتاب لے کر آئے ہیں وہ بھی نور ہے اور یہ کتاب وہ ہے جو انسانوں کو تاریکیوں سے روشنیوں کی طرف لے جاتی ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

جو لوگ حلت وحرمت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، جو پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں، جو پیغمبر کی تعظیم کرتے ہیں، اسلام کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی یعنی قرآن عظیم کی اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، یہی لوگ فلاح یافتہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کہنا کہ نبی مکرم پر ایمان نہ لا کر بھی ہم مستحق رحمت الٰہی ہو سکتے ہیں، انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ سرورِ کائنات صرف ایک قوم کے لیے، ایک طبقے کے لیے، ایک ملک کے لیے، ایک خاص دور کے لیے نبی نہیں ہیں، بلکہ پوری کائنات کے لیے نبی ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔ (سورۃ الاعراف" الآیۃ:158)

تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمینوں میں جس کی بادشاہت ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہی محیی اور ممیت ہے، پس اس رسول پر ایمان لاؤ جو نبی امّی ہیں، جو اللہ پر خود ایمان لاتے ہیں اور اس کے کلمات پر اور انہیں کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضیلتیں عطا فرمائی گئی ہیں، نبی امّی اور دوسرے الفاظ سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ مگر یہاں میں مختصر سی فہرست پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں حضور کی وہ فضیلت جو تمامی انبیائے کرام پر ہے۔

حضور خاتم النبیین ہیں، آپ کے علاوہ کوئی اور خاتم النبیین نہیں ہے۔ حضور کے لیے ساری مخلوقات پیدا ہوئیں۔ آپ کا مقدس نام عرش اور جنت کی پیشانیوں پر تحریر کیا گیا۔ تمام آسمانی کتابوں میں آپ کی بشارت دی گئی۔ آپ کی ولادت کے وقت تمام بت اوندھے گر پڑے۔ آپ کا شق صدر ہوا۔ آپ کو معراج پاک کا شرف عطا کیا گیا۔ آپ کے لیے براق جیسی سواری پیدا کی گئی۔ آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کو ہر تحریف وتبدیل سے محفوظ کر دیا گیا، اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا۔ آپ کو آیت الکرسی عطا کی گئی۔ آپ کو خزائن ارض وسماوات کی کنجیاں دی گئیں۔ آپ کو جوامع الکلم سے نوازا گیا۔ آپ کو رسالت عامہ کا شرف عطا فرمایا گیا۔ آپ کی تصدیق کے لیے معجزۂ شق القمر پیش آیا۔ آپ کے لیے اموال غنیمت کو حلال قرار دیا گیا۔ تمام روئے زمین کو اللہ نے آپ کے لیے مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنا دیا۔

آپ کے بعض معجزات ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں، جیسے قرآن پاک۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا کو ان کے نام سے پکارا، مگر آپ کو القاب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ یاایہا النبی،



یاایہا الرسول، طٰہٰ، یٰسین۔ اللہ نے آپ کو اپنا حبیب قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی رسالت، آپ کی حیات اور آپ کے شہر کرم کی قسم یاد فرمائی ہے۔ آپ کی عمر مبارک کی بھی قسم یاد فرمائی ہے۔ آپ تمام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اکرم الخلق ہیں، کائنات میں سب سے افضل ہیں۔ قبر میں آپ کی ذات کے بارے میں منکر نکیر سوال کریں گے۔ آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ امہات المومنین ہیں۔ ہر نمازی پر واجب قرار دیا گیا ہے کہ بحالت نماز "السلام علیک ایہا النبی" کہے، آپ پر سلام بھیجے۔ اگر کسی نمازی کو بحالت نماز حضور پکار لیں تو اسے نماز کو چھوڑ کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑے گا، وہ ایسا کرے گا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں آپ کو مختار بنایا ہے۔ آپ جو چاہیں حلال فرما دیں اور جو چاہیں حرام فرما دیں۔ آپ کے منبر اور قبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ صور پھونکنے کے بعد سب سے پہلے آپ قبر انور سے اٹھیں گے۔ آپ کو مقام محمود عطا فرمایا گیا۔ آپ کو شفاعت کبریٰ سے نوازا گیا۔ آپ کو قیامت کے دن لواء الحمد عطا کیا جائے گا جس کے نیچے سارے انبیا ہوں گے۔

آپ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ کو حوضِ کوثر عطا فرمایا جائے گا قیامت کے دن ہر شخص کا نسب اور تعلق منقطع ہوگا مگر آپ کا باقی رہے گا۔ آپ کے علاوہ کسی نبی کے پاس حضرت اسرافیل نہیں اترے۔ آپ کے دربار میں بلند آواز سے بولنے والے کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ آپ کی ادنیٰ سی گستاخی کرنے والے کو قتل کی سزا دی گئی۔ آپ تمام انبیائے کرام میں سب سے افضل ہیں اور آپ کو سب سے زیادہ معجزات عطا فرمائے گئے۔ دیگر انبیائے کرام کو معجزہ دے کر بھیجا گیا اور سرورِ کائنات کو معجزہ بنا کر بھیجا گیا۔

## خطاب نمبر (۱۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج میں نے سورۂ ہود کی چند آیات مبارکہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے اور ان کے ذیل میں کچھ باتیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے فہم سلیم سے نوازے اور ہم سب کو قرآن پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۂ ہود ہجرت سے کچھ پہلے مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مکۂ مکرمہ میں جو آیات



مبارکہ نازل ہوئی ہیں وہ عام طور پر چار مضامین کا احاطہ کرتی ہیں۔ چوں کہ کفار مکہ توحید کے قائل نہیں تھے، سرورِ کائنات کی رسالت کا انکار کر رہے تھے، قیامت کا انکار کر رہے تھے اور قرآن پاک کو اللہ کی کتاب ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے اس سورت میں بھی مکی سورتوں ہی کی طرح انہیں عناوین اور مضامین کے حوالے سے آیتیں نازل فرمائی گئی ہیں اور مختلف طریقوں سے اہل مکہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تم جن باتوں کا انکار کر رہے ہو وہ حقائق کے منافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا ایک ہے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے اور قیامت برحق ہے اور اللہ کا علم ساری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اسی طرح قرآن پاک کا یہ چیلنج بھی اس میں موجود ہے کہ تم اس کے جیسی دس سورتیں ہی بنالاؤ۔ ابتداءً دس سورتوں کا مطالبہ تھا، پھر یہ فرمایا کہ ایک ہی سورت بنالاؤ۔ پھر ایک مقام پر یہ فرمایا کہ چند آیتیں ہی بنالاؤ۔ اس لیے کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، انسانوں کا اپنا شاعرانہ کلام ہے تو تم بھی تو ارباب ادب ہو، فصاحت و بلاغت پر ناز کرتے ہو، تم اس کے جیسی چند سورتیں ہی بنالاؤ۔

اس کے بعد قوم ہود کے ہولناک انجام کا تذکرہ ہوا، قوم نوح کی جہالت اور اندھی تقلید کا تذکرہ ہوا، قوم لوط کی عیش وعشرت اور نفس کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہوا اور قوم شعیب کے تجارتی اور کاروباری بددیانتی کا تذکرہ ہوا ہے۔

ان تمام اقوام کے تذکرے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ ان میں انبیائے کرام کو مبعوث کیا گیا اور جب انہوں نے انبیائے کرام کی باتوں کو نہیں مانا تو پھر ان پر عذابِ الٰہی آیا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ سرورِ کائنات سے پہلے انبیائے کرام کی بعثت مخصوص اقوام اور محدود زمانہ کے

لیے تھی، مگر پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ادوار اور تمام اقوام عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

اس سورت کے باب میں ایک حدیث آتی ہے کہ بعض صحابہ نے یہ محسوس کیا اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار نظر آتے ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ عم یتسائلون، سورۂ مرسلات اور اذا الشمس کورت جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ پیغمبر اعظم محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو معصوم ہی نہیں سید المعصومین ہیں، جن سے خطا کا کوئی امکان نہیں ہے، جن کے صدقے میں کائنات کو نجات ملے گی، وہ ان سورتوں کو پڑھ کر اس کے اثرات کو قبول کر کے اپنی زندگی میں، اپنی حیات میں اس کے احساس کی بنیاد پر بڑھاپے کی سرحدوں تک پہنچے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم ان سورتوں کو پڑھتے ہیں لیکن ہمارے اوپر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہم پڑھتے ہیں زبان سے اور قلب پر اس کے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔

ماہ رمضان میں ہر سال پورا قرآن پاک پڑھا جاتا ہے اور آپ سماعت کرتے ہیں۔ لیکن کیا ان سورتوں نے آپ پر بھی وہ اثر ڈالا ہے جس کا تذکرہ سرورِ کائنات فرما رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ سمجھتے نہیں ہیں۔ قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے، نصاب حیات ہے اور آپ نے اپنی زندگی میں کبھی اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کا قلب ان اثرات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے جو قرآن پاک کو روحِ انسانی میں مرتب کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ ہمارے قلوب انوارِ قرآن سے منور ہوں اور ہم قرآن پاک کو صرف سنیں ہی نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔



اب چند آیات مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ○

(سورۃ ھود، الآیۃ:1)

الر حروفِ مقطعات میں سے ہیں۔ جس کا حقیقی معنی اللہ اور رسول کو معلوم ہے۔ لیکن بعض اہل علم نے اپنے طور پر اس کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ الف سے مراد ''انا'' ہے، لام سے مراد ''اللہ'' ہے اور ''را'' سے مراد رؤیت ہے۔ اس کا مفہوم ہے ''اَنَا اللّٰہُ اَرٰی'' میں اللہ ہوں اور میں ساری کائنات کو دیکھ رہا ہوں۔ لیکن بہر کیف یہ ایک قیاس ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا حقیقی مفہوم یہی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ۔

یہاں تنوین شان کے لیے ہے، یعنی یہ معزز کتاب، یہ محترم کتاب ایسی ہے کہ اس کی آیات محکم ہیں، بڑی پختہ ہیں، ان میں کسی طرح کا خلل اور شبہہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک کی آیات کو محکمات سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور کچھ متشابہات ہیں، جن پر ایمان لایا جائے گا۔ عمل کرنے کی جو آیتیں ہیں وہ بہت ہی محکم اور بہت ہی واضح ہیں۔

ثُمَّ فُصِّلَتْ، آیات محکم اتاری گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ تفصیل اس حکمت اور خبر والے پروردگار کی طرف سے ہے جس نے یہ قرآن نازل کیا ہے۔

یہاں ''مِن لَّدُنْ'' آیا ہے۔ علم لدُنّی کا نام آپ نے سنا ہوگا؟ جو علم اللہ کی بارگاہ سے براہِ راست حاصل ہوا سے علم لدنی کہتے ہیں، وہ یہیں سے ماخوذ ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ ○ (سورۃ ھود، الآیۃ:2)

خبردار! تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اللہ کی جانب سے تمہیں ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔

انذار یعنی عذاب الٰہی سے ڈرانا اور تبشیر یعنی اللہ کی نعمتوں کی بشارت دینا۔ یہ دونوں میرے کام ہیں، یہ میرا منصب ہے کہ میں بشیر بھی ہوں اور نذیر بھی ہوں۔ اگر تم اللہ کے عذاب سے ڈر کر نیک کام کرو گے تو اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہوسکو گے، دائمی نعمتوں سے جو کبھی تم سے سلب نہیں کی جائیں گی۔ جنت سے ہمکنار کیے جاؤ گے۔ اور اے مکہ والو! اگر تم سے خطائیں اور غلطیاں ہوگئی ہیں اور تم نے زمانۂ کفر میں اللہ کے احکام سے انحراف کیا ہے تو اس حکم کی پیروی کرو کہ

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ۔ (سورۃ ھود، الآیۃ:3)

اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرو اور پھر اس کی طرف مکمل طور پر رجوع کرو۔

اگر تم ایسا کرو گے، اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرو گے اور کمال رجوع تمہارے اندر پیدا ہوگا۔ استغفار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج استغفار کریں اور کل پھر گناہ کر بیٹھیں۔ بلکہ ایسا استغفار ہو کہ جس کے بعد پھر آپ اللہ کی طرف کامل طور پر رجوع کا راستہ اختیار کریں، اس کی طرف مائل ہو جائیں، انابت الی اللہ کے منصب پر فائز ہو جائیں۔ آپ کی حیثیت منیب کی سی ہو جائے اس کے نتیجے میں یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا، اللہ تمہیں شاندار متاع سے نوازے گا۔ وہ متاع جو اس کی بارگاہ کرم سے میسر آئے گی۔ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی، ایک خاص مدت تک۔

وَیُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (سورۃ ھود، الآیۃ:3)



اور ہر فضل والے کو اس کا فضل عطا فرمایا جائے گا۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ (سورۃ ھود، الآیۃ:3)

اور اگر تم نافرمانی کرو گے تو بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے۔

اللہ کے رسول سے پروردگارِ عالم فرما رہا ہے کہ یہ کہو کہ اگر تم پلٹ گئے، تم نے انحراف کیا، تم نے بغاوت کی تو میں تم سے تمہارے بارے میں اس بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جسے یوم حشر اور قیامت کہا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ اگر تم دنیا میں کسی بادشاہ کے قانون کی خلاف ورزی کرو تو شاید تم کہیں بھاگ جاؤ اور اس کی گرفت میں نہ آؤ۔ مگر پروردگارِ عالم خدائے قدیر و جبار ہے، اس سے بھاگ کر تم کہیں نہیں جاسکتے ہو، گناہ کرو گے تو پکڑے جاؤ گے۔

کیوں کہ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ، تم کو تو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا ہے، اسی کے حضور جانا ہے، کوئی اس سے بچ نہیں سکتا ہے۔ جب تم جانتے ہو کہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے تو اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے اپنے وجود کو مکمل طور پر تیار کرو۔ اللہ کی خشیت سے تم گناہوں سے بچو اور فضل الٰہی کی امید رکھو۔ تو تمہیں کامیاب اور کامران سمجھا جائے گا۔

وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سورۃ ھود، الآیۃ:4)

اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یاد رکھو! جرم سے بچنے کے لیے بہت سے لوگ کچھ اس طرح کا راستہ اختیار کرتے ہیں کہ قانون مجرم کو دیکھ نہ رہا ہو، مجرم قانون کی گرفت میں نہ آرہا ہو۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے۔ اللہ علیم و خبیر بھی ہے، اللہ قادر مطلق بھی ہے اور اللہ کے علم سے تم باہر جا ہی نہیں سکتے ہو، اللہ کے دائرۂ حکومت سے تم الگ نہیں ہو سکتے ہو، دنیا اور آخرت میں اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس

لیے گناہ چھوڑ دو، اللہ کی طرف رجوع کرو اور سچی توبہ کرو۔ اس کے بعد بارہواں پارہ شروع ہو رہا ہے۔ اس پارے کا آغاز اس آیت کریمہ سے ہوتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (سورۃ ھود، الآیۃ:6)

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہوگا سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں ہے۔

دابۃ زمین پر چلنے والی مخلوق کو کہتے ہیں، خواہ وہ اڑنے والی ہو یا رینگنے والی ہو یا چلنے والی ہو۔ اللہ قادر مطلق ہے اور اس نے جتنی مخلوق پیدا فرمائی ہیں اس کا رزق بھی اس نے اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھا ہے۔ وہ لوگ جو علم اور فکر سے نوازے گئے ہیں، صلاحیتوں سے نوازے گئے ہیں، انہیں اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے حصولِ رزق کے لیے کوشش کرنی ہوگی۔ مگر رزاق تو صرف پروردگارِ عالم ہے۔

عجیب عالم ہے کہ انسان کو روزی دینے والا اللہ ہے، پروردگارِ عالم ہے اور انسان روزی حاصل کرنے کے لیے خدا ہی کو بھول جاتا ہے۔ جس کی بارگاہ سے روزی ملنے والی ہے، جو روزی دینے والا ہے، اس کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا، تمہاری کمائی کا وسیلہ جو بھی ہو، ذریعہ جو بھی ہو۔ تمہارے ذرائع ہوں، تمہاری تجارت ہو، مگر دینے والا تو پروردگارِ عالم ہی ہے۔ اس لیے تم حصولِ رزق کے سلسلے میں اللہ کو بھول کر روزی حاصل کرنا چاہو گے تو ہوسکتا ہے کہ دنیا میں تمہیں کامیابی ہو جائے، لیکن یہ روزی تمہارے لیے عذاب بن سکتی ہے۔ اللہ ہی روزی دینے والا ہے اور اس نے ہر جاندار کی روزی اپنے ذمۂ قدرت پر رکھی ہے۔

جب روزی دینے والا وہ ہے تو رجوع بھی اسی کی طرف کیا جائے گا، جھکا بھی اس کی



بارگاہ میں جائے گا۔

خدا کو بھول گئے لوگ فکرِ روزی میں
خیالِ رزق ہے رزّاق کا خیال نہیں

روزی کا خیال تو ہے، روزی دینے والے کا خیال نہیں ہے۔

اب اس آیت کریمہ کی وسعت کا جائزہ لیجیے۔ کائنات کی کون سی ایسی شے ہے جس کو اللہ روزی نہیں دے رہا ہے؟ ایک پرندہ اپنے گھونسلے سے صبح کو پرواز کرتا ہے اور شام کو بھرے ہوئے پیٹ کے ساتھ واپس آتا ہے۔ ایک جانور اپنی چراگاہوں میں جا کر آسودہ ہو جاتا ہے۔ ننھی ننھی اڑنے والی چیزیں اپنی روزی حاصل کر لیتی ہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق کو اتنا شعور عطا فرمایا ہے کہ وہ اپنی روزی کو پہچانتی ہیں۔

آپ کسی باغ میں کسی جانور کو داخل کر دیں تو وہ صرف ان گھانسوں اور پودوں کو کھائے گا جو اس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ ہر ایک پر منہ نہیں مارتا ہے، ہر ایک کو کھانے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ یہ تو انسان اتنا وحشی ہے کہ جو چیز اس کے لیے پیدا کی گئی ہے اسے بھی کھاتا ہے اور جو چیز پیدا نہیں کی گئی ہے اسے بھی کھاتا ہے۔

آپ نے گرم ملکوں اور سرد ملکوں کا جائزہ لیا ہوگا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سائبیریا وغیرہ کے علاقوں سے ہزاروں پرندے ہزاروں میل کا سفر کر کے پرواز کر کے گرم ملکوں میں اپنی روزی کے حصول کے لیے آتے ہیں۔ جب گرم ملکوں کا موسم بدل جاتا ہے تو وہ واپس اپنے ملکوں میں چلے جاتے ہیں۔ یہ شعور کس نے بخشا ہے؟ روزی حاصل کرنے کا یہ طریقہ کس نے بتایا ہے؟ وہی پروردگارِ عالم ہے جس نے ہر مخلوق کی روزی اپنے ذمۂ قدرت میں اپنی تدبیر کے حوالے سے لے رکھی ہے۔ وہی مدبرِ حقیقی ہے، کائنات کے ذرے ذرے کو

روزی پہنچانے والا وہی ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کو جب حکم ہوا کہ آپ کو ہِ طور پر چالیس روز کے لیے آجائیں اور روزہ رکھیں، آپ کو کتاب دی جائے گی، توریت دی جائے گی۔ ان کے ذہن میں خیال آیا کہ میری قوم تو ہر چیز مجھ سے مانگتی ہے، مجھ سے ہی من وسلویٰ طلب کرتی ہے، مجھ سے ہی پانی طلب کرتی ہے۔ میں اتنے دنوں کے لیے جاؤں گا تو میری قوم کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب موسیٰ سے کہا: اس چٹان کے اوپر اپنا عصا مار یے۔ انہوں نے عصا مارا، چٹان کئی ٹکڑوں میں تبدیل ہوگئی۔ کہا: ایک اور ٹکڑے پہ مار یے۔ وہ بھی کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر پتھر کے پیٹ سے ایک ننھا سا کیڑا اپنے منہ میں ہری گھانس لے کر باہر نکلا۔ اللہ نے فرمایا: موسیٰ! پتھروں کے پیٹ میں ننھے سے کیڑے کو جو اللہ روزی دیتا ہے وہ تمہارے امتیوں کو بھول جائے گا؟ رزاق میں ہوں، رزاق تم نہیں ہو۔ آجاؤ میری بارگاہ میں۔

یہ اللہ کی رزاقیت ہے اور وہ کائنات کی ہر شے کو روزی دینے والا ہے۔ سمندر کی تہوں میں مچھلیوں کو، زمین کے پیٹ میں کیڑوں کو اور زمین کے اوپر پرندوں کو، انسانوں اور جانوروں کو۔ کائنات کی کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے جو اپنی روزی بفیضِ الٰہی اور اللہ کی بخشی ہوئی تدبیر اور عقل کے ذریعہ سے خود نہ حاصل کرتی ہو۔

اللہ صرف روزی ہی نہیں دیتا ہے، بلکہ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○

(سورۃ ھود الآیۃ:6)

اللہ یہ بھی جانتا ہے کہ کس ذی روح نے کہاں قیام کیا ہے اور کہاں سے اسے رخصت ہونا ہے۔ ہر ذی روح کے بارے میں ہر چیز اس روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے، جسے لوحِ



محفوظ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ایک اور رکوع میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۔ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ (سورۃ ھود آیت نمبر 13)

کفار یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کو پیغمبر نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے۔ آپ ان سے فرمادیں کہ تم ان کے جیسی دس سورتیں ہی بنالاؤ۔ اگر تم تنہا نہ بنا سکو تو اللہ کے علاوہ جسے چاہو مدعو کرلو، اگر تم سچے ہو۔

لیکن آپ نے دیکھا کہ وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔ اللہ فرماتا ہے:

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ (سورۃ ھود آیت نمبر 14)

پس اگر وہ جواب نہ دیں تو وہ جان لیں کہ قرآن عظیم علم الٰہی کے مطابق نازل ہوا ہے۔ وہی صرف معبود ہے۔ تو کیا تم اسلام قبول کروگے؟

یعنی اسلام کو قبول کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم کی شکل میں ایک عظیم معجزہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس قوم کے سامنے جو اپنے آپ کو فصیح وبلیغ کہتی تھی، اپنی شاعری اور خطابت پر جس کو ناز تھا، اس کے سامنے قرآن پاک چیلنج کر رہا ہے کہ اس کے جیسی دس سورتیں ہی بنالو۔ یا پھر ایک سورت کی چند آیتیں ہی بنالو۔ مگر آپ نے دیکھا کہ یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

کوشش انہوں نے ضرور کی مگر وہ بنا نہیں سکے۔ بات طویل ہو جائے گی ورنہ میں ان کی کوششوں کا ضرور تذکرہ کرتا۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ پیغمبر اعظم کی نبوت کو مٹانے

اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے وہ بدر وحنین اور خیبر وخندق میں جمع ہوئے، اپنے جگر گوشوں کو تڑپتا ہوا دیکھا، مگر قرآن پاک کا جواب نہ بنا سکے۔ کیا ضرورت تھی انہیں بدر وحنین اور خیبر وخندق میں جمع ہونے کی؟ قرآن نے ایک علمی اور فکری چیلنج کیا تھا، مل کر کے چند سورتیں یا آیتیں بنا لیتے، قرآن پاک کا دعویٰ باطل ہو جاتا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جب کلام الٰہی نہ ہونا ثابت ہو جاتا تو اسلام خود بخود صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا۔

مگر وہ اتنا جانتے تھے کہ ہم دشمنی کی بنیاد پر جنگ تو کر سکتے ہیں، مگر قرآن پاک کی کسی آیت کا جواب ہمارے بس میں نہیں ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ۚ وَ مَنۡ یُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَۃِ نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا ۔ (سورۂ آلِ عمران، آیت: 145)

جو شخص صرف دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا خواہاں ہے ہم اسے پورا پورا دیں گے۔

یہ لوگ دنیا کی وجہ سے دین کو اختیار نہیں کر رہے ہیں کہ شاید ہماری دنیا کو خسارہ پہنچ جائے، ہماری دنیا کی زینت اور ہماری لذتوں کو خسارہ پہنچ جائے۔ تو ٹھیک ہے ہم انہیں دنیا میں وہ سب کچھ دیں گے جو وہ چاہتے ہیں لیکن ان کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے عذاب کے اور کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ دنیا میں جو کچھ انہوں نے کہا ہے اور کیا ہے سب کچھ جط کر دیا جائے گا۔ دنیا میں جو وہ کر رہے تھے وہ سب کچھ باطل ہو جائے گا۔

یہ نہ سمجھیں وہ لوگ کہ اگر ایمان نہیں لائیں گے اور کچھ فلاحی کام وہ کر لیں گے تو اس کی جزا قیامت میں انہیں ملے گی۔ بلاشبہہ مومن جب کرے گا تو اسے اضعافا مضاعفۃ یعنی کئی گنا



ملے گا، لیکن جب اللہ پر یقین نہ رکھنے والا کوئی شخص کرے گا تو اسے اللہ کی بارگاہ سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ دنیا میں شہرت مل جائے گی تعریف ہو جائے گی مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جب کوئی آخرت کو مانے گا ہی نہیں تو آخرت میں حصہ کیسے پائے گا؟ ایک آدمی جب کسی ملک کا شہری نہیں ہے تو اس ملک کے بینیفٹ (Benefit) سے فائدہ کیسے اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح جو آخرت کا شہری نہیں ہے، مجبورًا وہاں لے جایا جائے گا، مگر اس دنیا میں وہ آخرت کو مانتا نہیں ہے، تو اسے آخرت کا کوئی حصہ میسر نہیں آئے گا۔ دنیا میں وہ چاہے جو بھی فائدہ اٹھالے، اس پر کوئی روک نہیں ہے۔

لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اپنے رب کی عبادت کی وہ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کافر ومشرک اور مومن ومسلم دونوں گروہوں کے درمیان میں جو مثال اللہ نے دی ہے وہ اندھے اور بہرے اور سمیع وبصیر کی مثال دی ہے۔ ایک اندھا اور بہرا اور ایک سننے والا اور دیکھنے والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔ وہ مومنین جو ایمان لائے ہیں ان کی حیثیت سننے اور دیکھنے والے کی ہے اور جو ایمان نہیں لائے ہیں وہ اندھے اور بہرے ہیں۔ کبھی بھی اندھے اور بہرے اور سمیع وبصیر، سننے اور دیکھنے والے برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس سورت میں مختلف انبیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ ہر نبی نے اپنے دور نبوت میں اپنی قوم کو بلایا، لیکن جب وہ نہیں مانی تو اس میں جو ماننے والے تھے ان کو بچا لیا گیا اور جو ماننے والے نہیں تھے ان پر عذاب نازل ہوا۔ فرمایا گیا:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۙ (سورۃ ھود، الآیۃ: 25)

ہم نے جناب نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، انہوں نے کہا کہ میں تمہاری طرف اللہ

کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔

اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، میں تمہارے سلسلے میں آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کافروں نے کہا: تم ہم جیسے بشر ہو، تمہاری اتباع ارذل لوگوں نے کی ہے، کمزور لوگوں نے، پسماندہ لوگوں نے، نچلے طبقے کے لوگوں نے کی ہے۔ تم کو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ ہم تمہیں کاذب سمجھتے ہیں۔

جب ایک طویل زمانے تک، جس کا دائرہ صدیوں کے دامن پر پھیلا ہوا ہے، وہ ایمان نہیں لائے تو پھر انہیں طوفانِ نوح کے ذریعہ ڈبو دیا گیا۔ یہ قرآن کا بھی حصہ ہے اور تاریخ کا بھی حصہ ہے۔ اس کے بعد اللہ ایک مقام پر فرماتا ہے:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ○ (سورۃ ھود، الآیۃ: 50)

اور جناب ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف بھیجا گیا۔ کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو بالکل جھوٹے الزام عائد کرنے والے ہو۔

یہ بڑی طاقتور قوم تھی، پہاڑوں میں انہوں نے عظیم الشان محلات بنا رکھے تھے۔ وہ پہاڑوں کو تراش کر زندگی گزارتے تھے۔ بڑی عیش وعشرت کی زندگی ہوتی تھی۔ جناب ہود نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ انہوں نے بھی جب نہیں مانا تو ایک زمانے کے بعد ان پر عذاب نازل کر دیا گیا۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (سورۃ ھود، الآیۃ: 61)



اور قوم ثمود کی طرف جناب صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کوئی تمہارا معبود نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی ہے جس نے تم کو زمین پر ہر طرح کی سہولتیں عطا فرمائی ہیں اور عمارتوں سے نوازا ہے۔ تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو، رجوع کرو۔ بے شک میرا رب قریب بھی ہے اور مجیب بھی ہے۔ سننے والا بھی ہے اور جواب عطا فرمانے والا بھی ہے۔ پھر جب انہوں نے نہیں مانا تو ان پر بھی عذاب نازل کیا گیا۔

اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم کو اس برے گناہ سے بچانے کا ہر ممکن اقدام کیا۔ وہ لوگ مردوں سے جنسی رابطہ رکھتے تھے، عورتوں کے قریب نہیں ہوتے تھے۔ یہ عام برائی تھی جو اس معاشرے میں پھیل چکی تھی۔ جناب لوط علیہ السلام نے مختلف طریقوں سے، مختلف انداز سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

یہ صرف قرآن میں نہیں ہے، بائبل میں بھی اسی طرح سے تذکرہ موجود ہے، جسے یہودی بھی مانتے ہیں اور نصرانی بھی مانتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ آج کے ماحول میں دنیا کی طاقتور قوموں کے مقابلے میں یہود ونصاریٰ سرینڈر ہو گئے ہیں اور کھل کر یہ واضح نہیں کر رہے ہیں کہ ایسا عمل تو جانور بھی نہیں کرتے ہیں۔ جانور بھی اپنے اپوزٹ سیکس (Opposite Sex) میں دل چسپی لیتا ہے، ہم جنسوں میں نہیں۔ مگر یہ کیسے انسان تھے جناب لوط علیہ السلام کی قوم والے جو اپنوں سے جنسی تقاضے پورے کرتے تھے، اپنی خواہشات پوری کرتے تھے۔ اللہ نے فرشتوں کو بھیجا اور پھر ان کی زمینیں الٹ دی گئیں، انہیں تباہ کر دیا گیا۔

آج بھی مختلف مشکلات سے اگر قومیں دوچار ہیں تو شاید اس کی وجہ طاقتور قوموں کی یہ برائیاں بھی ہوں جنہوں نے اس طرح کے سارے گناہوں کو، ساری بدکرداریوں کو، جنسی

انحراف کو قانونی جواز فراہم کیا ہے۔اس کے بعد اللہ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا۔

مدین میں ان کے عظیم پیغمبر حضرت شعیب کو بھیجا گیا۔انہوں نے کہا:

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ

اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ○(سورۃ ھود: الآیۃ: 84)

اور ناپ تول میں کمی نہ کرو بیشک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

وہ لوگ معاشی زندگی میں بغاوت کرنے والے تھے اور وہ انحراف کا شکار تھے، وہ معاملات میں ڈنڈی مارنے کا مزاج رکھتے تھے، ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے، لوگوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔

یہ مکیال اور میزان اگرچہ دو پیمانے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کے پورے معاشی پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔کوئی بھی بے ایمانی، کوئی بھی فراڈ، کوئی بھی بد عہدی، کوئی بھی غلط ڈیلنگ، سب اس کے اندر آجاتی ہیں۔جب بھی کوئی قوم ایسا کرے گی تو وہ قوم شعیب ہی کی طرح ہوگی اور وہ اللہ کی نافرمان سمجھی جائے گی۔

ان تمام آیات کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ میرے محبوب سرورِ کائنات محمد رسول اللہ! آپ بھی انہی انبیائے کرام کی طرح سے ہیں جن انبیائے کرام کی قوموں پر عذاب آیا ہے۔اس لیے آپ یہ آیتیں پڑھ کر سنا دیجیے۔آپ نذیر ہیں، انہیں بتا دیجیے کہ جن لوگوں نے اللہ کے



احکامات نہیں مانے اور پیغمبروں سے بغاوت کی ان پر عذاب آیا اور وہ مٹا دیے گئے۔تاکہ یہ سنبھل جائیں اور اللہ کے احکامات کو تسلیم کریں۔

قرآن پاک کی یہ آیتیں آج بھی دنیا کی تمام اقوام کے لیے اور خاص طور پر اُمت مسلمہ کے لیے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے احکام نہیں مانیں گے، اپنے پیغمبر سے بغاوت کریں گے تو ممکن ہے کہ اس طرح کا عذاب نہ آئے جو انبیائے کرام کی قوموں میں پہلے آیا تھا۔حضور آخری نبی ہیں، ان کی نبوت کو ہمیشہ قائم رہنا ہے، مسلمان ہمیشہ رہیں گے، بحیثیت قوم یہ فنا تو نہیں ہوں گے۔مگر سزائیں مل سکتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں گناہوں سے بچائے، سرورِ کائنات کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ ہی کی بارگاہ میں سجدہ کریں اس کا سلیقہ عطا فرمائے اور ان تمام برائیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے جن کی بنیاد پر گزشتہ قوموں پر عذاب آچکا ہے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

## خطاب نمبر (۱۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ ۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

(سورۃ ابراھیم، ایۃ:1)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج سورۃ ابراھیم کی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگارِ عالم ہمیں اور آپ کو اپنی مقدس کتاب پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دل سے سماعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔



سورۃ ابراھیم بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں سات رکوع ہیں اور آٹھ سو اکتیس کلمات اور باون آیتیں ہیں ۔جس دور میں سورۃ ابراھیم نازل ہوئی وہ دور اسلام کی شدید مخالفت کا دور تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ پر جو ایمان لائے تھے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ ہر طرح کے تعلقات ختم کر دیے گئے تھے، سوشل بائیکاٹ کا زمانہ تھا اور اب یہ دھمکی دی جارہی تھی کہ ہم آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بالجبر نکال دیں گے ان حالات میں سورۃ ابراھیم نازل ہوئی جس میں کفار کو تنبیہ کی گئی کہ تم نے جو رویہ پیغمبرِ اسلام کے ساتھ اختیار کر رکھا ہے اس طرح کا رویہ سابقہ قوموں نے بھی اپنے انبیا کے ساتھ اختیار کیا تھا پھر وہ قومیں مُعَذَّب ہوئیں، ان پر عذاب نازل ہوا۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل ہو جیسا کہ گزشتہ قوموں پر ہوا تھا۔

اس کے ساتھ اس سورت میں جناب موسیٰ علیہ السلام کا بھی تذکرہ ہوا اور توریت کے نزول کا بھی۔ ان کا تذکرہ اس لیے ہوا کہ یہودیوں سے مکہ والوں کا رابطہ قائم ہو چکا تھا اور وہ اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہیں غلط معلومات فراہم کریں اور دشمنی کو مزید تیز کریں۔

جنابِ ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء ہیں، تین بڑے مذاہب جس میں اسلام، عیسائیت اور یہودیت تینوں کا تعلق جنابِ ابراھیم علیہ السلام ہی سے ہے اور یہ تینوں قومیں بار بار قرآن عظیم میں مخاطب کی گئی ہیں۔ مسلمانوں کو جو ایمان لا چکے تھے انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی ترغیب دی گئی، اور کفار کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ تم خود کو ابراھیمی کہتے ہو مگر تم نے ابراھیم علیہ السلام کی نبوت کے تمام تقاضوں کو چھوڑ دیا ہے، تم ان کے دین پر قائم نہیں رہ گئے ہو۔ وہ خالص موحد تھے اور تم شرک کی بدترین لعنت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ اس لیے

تم اپنے کو ابراہیمی کہنے کے لائق نہیں ہو۔

قرآنِ پاک میں مختلف مقامات پر جنابِ ابراھیم علیہ السلام کا تذکرہ اس لیے کیا گیا کہ مکہ کے لوگ اپنے کو جنابِ ابراھیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن وہ ان کے دین پر قائم نہیں رہ گئے تھے۔ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اس لیے ہوا کہ یہود جنابِ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے اور مختلف مقامات پر جنابِ موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ۔تا کہ یہود کو یہ احساس ہو سکے کہ جس مقدس کتاب میں اس قدر عظمت کے ساتھ ہمارے نبی کا تذکرہ ہے وہ کتاب حق ہے۔

مگر برا ہو عصبیت اور ضد کا کہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان کی زندگی کے اتنے واقعات قرآن پاک میں بیان کیے گئے ہیں مگر اس کے باوجود وہ پیغمبرِ اسلام کی نبوت کا انکار ہی کرتے رہے سوائے ان چند علمائے یہود کے جنھوں نے اسلام قبول کیا جیسے حضرتِ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے بہت سے،لیکن عام یہودیوں نے انکار ہی کیا تھا اس لیے جہاں جہاں جنابِ موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یہود اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر کے سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا جائزہ لیں اور اسلام قبول کرلیں۔

چنانچہ اس سورت میں جنابِ موسیٰ علیہ السلام کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اور نزولِ تورات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اور اخیر میں حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی،اس دعا کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کعبۂ مقدسہ کے متعلق کی گئی تھی اور جس کے نتیجے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوئی۔اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ"



(سورۃ ابراھیم" الآیۃ:1)

یہ وہ عظیم مقدس کتاب ہے جس کو اے محبوب! ہم نے آپ پر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے رشنی کی طرف لے آئیں۔

"الظُّلُمٰتِ" جمع ہے اور "النُّوْرِ" واحد ہے جمع اس لیے استعمال کیا گیا کہ تاریکیاں ہزاروں ہیں لیکن ہدایت کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ نور ہے جسے قرآن اور اسلام کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر ہدایت سے نوازیں۔تاریکیاں،کفر کی تاریکیاں،شرک کی تاریکیاں،گناہوں کی،بدکرداریوں کی اور سب سے بڑی جہالت کی تاریکی ان تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف لے آئیں قرآن کی طرف جو نور ہے اور اسلام جو نور ہے۔خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک بھی نور ہے اس لیے نور کی طرف لائیں،تاریکیوں سے نکال کر کے،روشنی کی طرف لائیں اور وہ اسلام کے دامن میں ہے۔

اسی طریقے سے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا:

"وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (سورۃ ابراھیم" الآیۃ:5)

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنی آیتوں کے ساتھ مبعوث کیا تھا اس حکم کے ساتھ کہ آپ اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی حکم دیا گیا اور ان کے توسط سے پوری امتِ مسلمہ کو۔

"وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○

(سورۃ ابراھیم" الآیۃ:5)

اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکر گزار کو۔

اللہ کے ایام یاد دلاؤ! اس کی تذکیر کرو! اس لیے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اللہ کے نیک بندوں کے لیے۔ یہاں "ایام اللہ" سے مراد وہ تمام مقدس دن ہیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں کو انبیائے کرام کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی، جو نعمتیں عطا فرمائیں، جو بزرگی عطا فرمائی۔ ان تمام دنوں کو منانے کا حکم دیا گیا ہے، انہیں یاد رکھو! انہیں فراموش مت کرو۔

"وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ" سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اہم دنوں کو منانے کا حکم دیتا ہے، یاد رکھنے کا حکم دیتا ہے تاکہ انسان تاریخ کے اہم ایام کو فراموش نہ کرنے پائے جو قوم اپنی تاریخ کے ان ایام کو فراموش کر جاتی ہے اس قوم کا تعلق اپنے ماضی سے اور اللہ کی نعمتوں سے ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کا مستقبل بھی اور اس کا حال بھی اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔

اللہ کی نعمتیں جتنی بھی ملی ہیں ان کو یاد رکھو! بڑے واقعات کو یاد رکھو، اللہ نے اپنے بندوں پر جو انعامات نازل فرمائے ہیں ان کو یاد رکھو! اور اس کے ساتھ ساتھ سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو یاد رکھو! سب سے بڑا انعام ہے، ان کی ہجرت کو یاد رکھو! معراج النبی کو یاد رکھو! فتح مکہ کو یاد رکھو! یہ سارے ایام اللہ ہیں۔

جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو! جب کہ اس نے تمہیں فرعون سے نجات دی، فرعون جو تمہیں دردناک عذاب دے رہا تھا،



تمہارے بچوں پر ظلم کر رہا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش تھی۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک مولود، ایک بچہ بڑا ہونے کے بعد میرے تاج و تخت کو چھین لے گا اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ بنو اسرائیل میں کوئی بچہ پیدا ہو اسے مار دیا جائے۔ اس زمانے میں کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا کہ پیدا ہونے ہی نہ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے بچوں کو ہمیشہ قتل کروایا مگر جنابِ موسیٰ علیہ السلام خود فرعون کے گھر میں پروان چڑھے اور وہی ہوا جو اللہ کی مرضی تھی، فرعون غرق آب ہوا اور جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرعون سے نجات دی۔

تو اللہ فرماتا ہے کہ اے موسیٰ انہیں یاد دلاؤ اللہ کی نعمتوں کو کہ جب آلِ فرعون تمہیں دردناک عذاب سے دوچار کر رہے تھے، تمہارے بچوں کو قتل کر رہے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھ رہے تھے اس میں تمہارے لیے بڑی آزمائش تھی لیکن اللہ نے تمہیں نجات دی اور صاحبِ اقتدار بنایا اور جب تمہارے رب نے حکم دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو ہم نعمتوں کو بڑھا دیں گے اور ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

ہم نے تمہیں انعامات سے نوازا، پستیوں سے نکال کر بلندیوں سے ہمکنار کیا، غلامی سے نکال کر آزادی کی زندگی عطا فرمائی اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہاری نعمتوں کو بڑھا دیں گے۔

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○

(سورۃ ابراھیم" الآیۃ:7)

اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے

اگرچہ یہ تخاطب حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہے مگر امتِ مسلمہ کو یاد دلایا جا رہا

ہے کہ اللہ نے جو نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں، ان نعمتوں کی قدر کرو گے اور میری بارگاہ میں شکر گزار رہو گے تو یہ نعمتیں بڑھائی جائیں گی اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھو! کہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے اور آپ نے دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالی نے امت مسلمہ کو بہت تھوڑے دنوں میں غلبہ عطا فرمایا اور دنیا کے تین بڑے اعظموں پر، ایشیا، یورپ اور افریقہ پر صرف ایک صدی کے اندر غالب کر دیا تھا اور یہ غلبہ کم وبیش ایک ہزار سال تک رہا لیکن جب مسلمانوں نے ناشکری کرنا شروع کر دی، اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی اور اللہ کے دیے ہوئے اقتدار اور غلبے سے ناجائز کام کرنے شروع کر دیے تو اللہ نے یہ اقتدار بھی ان سے سلب کر لیا اور آج دنیا کی انتہائی پسماندہ قوموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس قوم کو جو کل تک دنیا کی قیادت کر رہی تھی اگر تم نا فرمانی کرو گے، ناشکری کرو گے تو یاد رکھو! میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔ پروردگار عالم امت مسلمہ کو توفیق عطا فرمائے کہ جو نعمتیں موجود ہیں کم از کم ایمان ہی کی نعمت اس نعمت سے بڑی اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی ہے اس کا وہ شکر ادا کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں جھکتے رہیں اس کی نافرمانی نہ کریں۔

ایک اور مقام پر اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا "(سورۃ ابراھیم" الآیۃ:13)

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین پر واپس آجاؤ۔

وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہا ہے کہ اہل اسلام اور اہل ایمان سے یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ تم کفر کی دنیا میں لوٹ آؤ، بت پرستی کی دنیا میں لوٹ آؤ اور اسلام کو چھوڑ دو، آج بھی گھر واپسی کے



نام سے یہ مطالبہ مسلمانوں سے بعض جگہوں میں کیا جا رہا ہے یہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔

لیکن اس زمانے میں اسلام ایک غالب قوت میں تھا، مسلمانوں کا ایمان بہت مضبوط تھا اور وہ ایک لمحے کے لیے بھی باطل کے اس مطالبے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جس کے نتیجے میں اللہ نے ان انبیائے کرام کو جن کے وہ ماننے والے تھے، یہ وحی کی تھی۔

فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ (سورۃ ابراھیم" الآیۃ:13)

اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ ان ظالموں کو ہم ہلاک کر دیں گے۔

وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ (سورۃ ابراھیم" الآیۃ:14)

اور ضرور ہم تم کو ان کے بعد زمین میں بسائیں گے یہ اُس کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے جو عذاب کا حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔

اور ہم تمہیں ان کے بعد زمین پر غالب کر دیں گے یہ ان کے لیے ہوگا جو میری علوئیت اور میرے مقامِ بلند سے خوف زدہ بھی ہو اور وعید کی کہ جو میرے حکم سے ہٹے گا اس کو سزا دی جائے گی اس سے بھی واقف رہو اور جو ڈرے یقیناً اسے غلبہ بھی ملے گا اور طاقت بھی ملے گی۔ آج بھی امتِ مسلمہ اپنے خدا کی بارگاہ میں رجوع کرے تو یقینی طور پر دنیا کی ظالم قوموں کو وعدۂ خداوندی کے مطابق ناکامی ہوگی اور مسلمان اپنی پوری طاقت سے غالب ہوگا۔ خدا ے پاک قرآنِ پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب یہاں سے اخیر میں جنابِ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ ہو رہا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا تھا کہ تم اپنی بیوی جنابِ ہاجرہ اور اپنے بیٹے جو شیر خوار ہیں، دودھ پینے والے ہیں ان کو وادی غیر ذی ذرع میں مکہ کی زمین پر چھوڑ

آؤ! مصلحت یہ تھی کہ وہاں پھر آبادی ہوگی وہاں اللہ کے گھر کو دوبارہ تعمیر کیا جائے گا۔

چنانچہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے جب انہیں وہاں چھوڑا تو پھر ایک دعا بھی کی تھی جس کا تذکرہ اس سورت میں کیا گیا ہے۔

"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ (سورۃ ابراھیم" الآیۃ::35)

اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب اِس شہر کو امان والا کر دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

"اے اللہ! اس شہر کو امن کہ جگہ بنا دے (مکۂ مکرمہ کو) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ ابراھیم" الآیۃ::36)

بے شک ان بتوں نے بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا ہے تو جو میری اتباع کرے گا وہ میرا ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا تو اے اللہ تو غفور و رحیم ہے۔

جنابِ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوئی اور صدیوں تک مکہ مکرمہ بت پرستی سے پاک رہا لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہت پہلے مکہ مکرمہ میں دوبارہ بت پرستی ظاہر ہوئی جس کے نتیجے میں سرورِ کائنات کو اللہ نے بھیجا تاکہ دین ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور کعبہ کی عظمت دین ابراہیمی کے ذریعہ سے دوبارہ بحال کی جائے۔ جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔

"رَبَّنَا ط اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ



الْمُحَرَّمِ" (سورۃ ابراھیم" الآیۃ: 37)

اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک ایسی وادی میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس۔

اے اللہ! میں نے اپنی اولاد کو، بیوی اور بچے کو ایک ایسی وادی میں ٹھہرا دیا ہے جو غیر ذی زرع ہے، جہاں کوئی چیز پیدا بھی نہیں ہوتی ہے، جہاں سبزہ بھی نہیں ہے، جہاں پانی بھی نہیں ہے لیکن وہ تیرے مقدس گھر کی سرزمین ہے۔ حضرات! یہاں جنابِ آدم علیہ السلام نے اپنی عبادت کے لیے کعبہ کی بنیاد رکھی تھی اور پھر وہ بنیادیں جنابِ نوح کے سیلاب میں بہہ گئیں تھیں، آثار بھی مٹ گئے تھے، وہاں آبادی کا کوئی وجود بھی نہیں رہ گیا تھا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں بھیج کر کے اور جنابِ اسمعیل اور جنابِ ہاجرہ کو وہاں آباد کر کے کعبۂ مقدسہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اس لیے جنابِ ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں "اے اللہ! تیرے اس گھر کے قریب جو جنابِ آدم علیہ السلام کی تعمیر تھا، میں نے وادی غیر ذی ذرع میں اپنی اولاد کو ٹھہرا دیا ہے، میں تیرے حوالے کر کے جا رہا ہوں، اب تو ان کی حفاظت فرمانا، میں نے ان کو اس لئے ٹھہرایا ہے:

"رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

یعنی کعبۂ مقدسہ کی تعمیر ہو اور یہاں سے پھر عبادت کا ایک نظام قائم ہو جو پوری دنیا میں پھیل جائے۔

"فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ" تو اے اللہ! لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما دے۔

"وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ (سورۃ ابراھیم" الآیۃ:37)

اور انہیں پھلوں سے روزی عطا فرما تا کہ یہ شکر گزار رہیں۔

آپ نے دیکھا کہ یہ دعا جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے کم وبیش پانچ ہزار سال پہلے کی تھی بلکہ اس سے بھی پہلے لیکن اس کے بعد سے جب یہ شہر مکہ آباد ہوا تو نہ کبھی روزی کی کمی ہوئی، نہ کبھی پھلوں کی کمی ہوئی عالم یہ ہے کہ کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے مگر دنیا کی تمام نعمتیں، دنیا کے سارے پھل آج بھی وہاں موجود ہوتے ہیں یہ دعائے ابراہیمی کے وہ واضح مظاہر ہیں جسے دنیا محسوس کرسکتی ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی:

"رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ" وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (سورۃ ابراھیم، الآیۃ:38)

اے ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔

اس کے بعد وہ اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ (سورۃ ابراھیم، الآیۃ:39)

سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے بوڑھاپے میں اسماعیل و اسحٰق دیے، بے شک میرا رب دعا سننے والا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ انہیں اولاد نہیں تھی مگر یہ خیال ضرور تھا کہ اللہ مجھے کوئی اولاد عطا فرمائے تا کہ دین ابراہیمی آگے بڑھ سکے اور آنے والی نسلیں خدائے وحدہٗ قدوس کی عبادت کرسکیں۔ انبیائے کرام جب دعا کرتے ہیں تو ذاتی اغراض کے لیے نہیں، بلکہ دین کی اشاعت اور دین کی بقا کے لیے دعا کرتے ہیں۔ انہوں نے دعا کی کہ بے شک میرا رب دعا کو



سننے والا ہے اور انہوں نے یہ بھی دعا کی۔

"رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ"

(سورۃ ابراھیم، الآیۃ:40)

اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ

(سورۃ ابراھیم، الآیۃ:41)

اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

انبیائے کرام جب اپنی بخشش کی دعا کرتے ہیں تو اس کا بنیادی مقصد اُمت کی بخشش ہوتی ہے اور انہیں ترغیب دلائی ہوتی ہے کہ وہ بھی اپنے رب سے یہ دعا کریں کہ اے اللہ! مجھے بخش اور میرے والدین کو اور سارے مسلمانوں کو بخش دے اُس روز جب کہ قیامت قائم ہوگی۔ اس دعا کو آج بھی اتنی مقبولیت حاصل ہے کہ شاید ہی کوئی دین دار مسلمان ہو جو اس دعا کو اپنی نماز میں یا نماز کے باہر نہ پڑھتا ہو۔

پیغمبر گرامی وقار، جناب ابراھیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے دعا کی تھی کہ اے اللہ! انہیں نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ آپ اندازہ فرمائیں ایک باپ اپنے بچوں کے لیے بہت سی دعائیں کرسکتا ہے، انہیں روزی دے، انہیں کامیابی عطا فرما، انہیں صحت وسلامتی سے نواز یہ بھی دعا کرنا جائز ہے۔ مگر جنابِ ابراہیم نے اپنے بچوں کے لیے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! انہیں نمازی بنا دے، نماز قائم کرنے والا بنا دے اس لیے کہ وہ پیغمبر تھے وہ

جانتے تھے کہ جب میری اولاد، میری امت نماز قائم کرے گی تو اللہ اسے سب کچھ دے گا جس کی ضرورت اسے ہوگی۔

اس لیے یہ دعا اپنی نمازوں میں شامل کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ جب بھی موقع ملے تو ہم دعا کریں اپنے لیے بھی اور اپنے والدین کے لیے بھی اور سارے مسلمانوں کے لیے بھی۔

آپ اندازہ فرمائیں! کہ اللہ تبارک وتعالی نے جنابِ ابراہیم کی اس مقدس دعا کو اس لیے نازل فرمادیا ہے تاکہ امت مسلمہ اس دعا کے ذریعہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہمیشہ فائدہ حاصل کرتی رہے اللہ تبارک وتعالی اس دعا کے صدقہ میں ہم کو بھی اور ہماری اولاد کو بھی نماز قائم کرنے والا بنادے اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمادے اور ہمارے والدین کی بھی، ہمارے بچوں کی بھی مغفرت فرمادے۔ (آمین یارب العلمین)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!



## خطاب نمبر (۱۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا
صدق اللہ العلی العظیم
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ
وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ،
صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

سامعین کرام خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آج سورۂ بنی اسرائیل کی چند آیات مبارکہ پڑھنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اور کچھ کلمات ان آیات مبارکہ کے حوالے سے پیش کرنا چاہوں گا۔

اللہ تبارک وتعالی نے سورہ بنی اسرائیل میں کچھ ایسے احکام نازل فرمائے ہیں جن

سے ملتے جلتے احکام توریت میں بھی موجود ہیں۔ میں ان کا تذکرہ کروں گا جب کہ ان میں بعض کا ذکر ہو چکا ہے یہ بارہ احکام ہیں توریت میں دس موجود ہیں جو بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں توریت میں سفر استثنا کی آیت نمبر پانچ اور چھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب موسیٰ کی قوم کو جو احکام دیے تھے وہ احکام عشرہ دس احکام کے نام سے توریت میں محفوظ کیے گئے ہیں اور غالبا ہر پڑھا لکھا یہودی اور عیسائی ان سے واقف ہے۔ وہ احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

میرے علاوہ کسی اور کو خدا نہ بنانا یعنی شرک نہ کرنا، خدا کا نام لے کر جھوٹ نہ بولنا یعنی جھوٹی قسم نہ کھانا، ہفتہ کے دن کو یاد رکھنا جس کو یہ سبت کہتے ہیں اس دن ان پر روزہ فرض کیا گیا ہے تو اس کو یاد رکھنا۔ ماں باپ کی عزت کرنا، خون مت بہانا، زنا نہ کرنا، چوری نہ کرنا، ہمسایہ یعنی پڑوسی کی بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم نہ کرنا، ہمسایہ کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا، ہمسایہ کے کسی مال کی لالچ نہ کرنا۔

یہ دس احکامات ہیں جن کو

the ten commandments of space

کے نام سے توریت کے اندر محفوظ کیا گیا ہے اور سورہ بنی اسرائیل میں بارہ احکام عطا فرمائے گئے ہیں۔

قرآن عظیم میں موجود احکام یہ ہیں:

شرک نہ کرنا، ماں باپ کی عزت کرنا اور ان کی نافرمانی نہ کرنا، حق والوں کا حق ادا کرنا، اسراف اور بخل نہ کرنا، فضول خرچی نہ کرنا اور کنجوسی نہ کرنا دونوں سے بچے رہنا اور میانہ روی اختیار کرنا، اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا، زنا کے قریب نہ جانا، ناحق کسی کی جان نہ لینا، یتیم کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ایفائے عہد کرنا یعنی اپنے وعدے کو پورا کرنا اس بارے میں تم سے قیامت میں



سوال ہوگا، ناپ تول میں پیمانے اور ترازو کو برابر اور صحیح رکھنا، بے ایمانی مت کرنا، کسی نامعلوم بات کی پیروی مت کرنا، مغرور بن کے نہ چلنا۔

یہ بارہ احکامات ہیں جو ایک ہی مقام پر ہمیں عطا فرمائے گئے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ روایت ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ دو یہودی آپ کے قریب سے گزرے تو آپس میں انہوں نے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں تو دوسرے نے کہا چپ رہو ورنہ ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی یعنی وہ بہت خوش ہوں گے۔ خیر اس کے بعد وہ آئے اور سوال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو نو آیتیں کون سی دی گئی تھیں یہ جانتے ہوئے کہ یہ پیغمبر ہیں ورنہ یہ سوال نہ کرتے اور اہل اسلام کو بھی اس سے سبق ملتا ہے کہ غیر مسلم اور یہودی بھی جانتے تھے کہ جو نبی ہوگا اسے غیب کی خبر ہوگی۔ اگر وہ نبی نہ ہوتے تو ان سے یہ سوال نہ کرتے وہ آئے اور انہوں نے یہ کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں تو اللہ کے رسول نے ان کو بتایا کہ توریت میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، بے گناہ کو قتل نہ کرو، جادو نہ کرو کسی حاکم کے پاس کسی کی چغلی مت کھاؤ یعنی جھوٹی گواہی نہ دو کسی پاک دامن پہ تہمت نہ لگاؤ، میدان جہاد سے نہ بھاگو۔

یہ وہ احکامات ہیں جو آقائے دو جہاں نے بتائے تھے۔ توریت میں تمہارے لیے یہ حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے انہوں نے آقائے دو جہاں کے دست و پا کو بوسہ دیا اور چلے گئے یہ حیرت انگیز بات ہے کہ آقا نے توریت پڑھی نہیں مگر چونکہ وہ نبی ہیں اور نبی وہ سب کچھ جانتا ہے بفضل الٰہی بعطائے الٰہی جس کی خبر دوسروں کو نہیں ہوتی۔ یہودیوں نے ان کی سچائی کا اعتراف کیا کہ ہاں سبت کا تذکرہ آقا نے اس لیے نہیں فرمایا کہ یہ مسلمانوں پہ فرض نہیں تھا۔

اب آئیے! جو احکامات اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائے ہیں اور ان سے

ملتے جلتے احکامات توریت میں کتاب استثناء میں موجود ہیں وہ میں آپ کے سامنے تلاوت حاصل کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

(سورۃ الاسراء الآیۃ::23)

اور آپ کے رب نے (یعنی بہت سے احکام عطا فرماتے ہوئے بہت پیار سے اپنے محبوب کا تذکرہ اللہ نے کیا کہ اے محبوب! آپ کے رب نے) یہ حکم فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

قرآن پاک میں کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو اگرچہ لفظ احسان ان تمام خوبیوں کا جامع ہے جو انسان دوسرے انسان کے ساتھ کر سکتا ہے یا بچے اپنے والدین کے ساتھ کر سکتے ہیں۔

اس کی مزید تشریح اللہ نے یہ بیان فرمائی:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ (سورۃ الاسراء الآیۃ::23)

اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بوڑھے ہو جائیں اور تم ان کا بڑھاپا پالو تو خبردار! انہیں اف بھی نہ کہو یعنی کبھی کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالو جو اُف کے زمرے میں آتی ہو یعنی اف بھی نہ کرو کبھی بھی ان کی کسی بات پہ کسی ناپسندیدگی کا اظہار مت کرو۔

وَّلَا تَنْهَرْهُمَا اور خبردار انہیں جھڑکنا نہیں وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا اور جب ان کے ساتھ بات کرو تو بڑی نرمی کے ساتھ بڑے اخلاق کے ساتھ اور بڑے ادب کے ساتھ



بات کرو۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ اور ان کے سامنے اپنے بازوؤں کو مہربانی اور محبت سے جھکائے رکھو اور ان کے بارے میں دعا کرو وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اے اللہ ہمارے ماں باپ پر اس طرح رحم فرما جس طرح بچپنے میں انہوں نے ہماری پرورش کی۔ (سورۃ الاسراء الآیۃ::24)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (سورۃ الاسراء الآیۃ::25)

اللہ خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں کے اندر ہے اگر تم نیک ہو تو اللہ توبہ کرنے والوں کو بے پناہ بخشنے والا ہے۔

یہاں چند باتیں جن کی میں وضاحت کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ جب ماں باپ بوڑھے ہو جاتے ہیں تو یقینی طور پر ذہنی اعتبار سے اعضاء کے اعتبار سے وہ کمزور ہو جاتے ہیں، کبھی کبھی وہ غصہ بھی ہوتے ہیں اور کوئی ایسی بات بھی کہتے ہیں جو بظاہر خلاف عقل ہوتی ہے تو اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اگر ایسا کوئی مقام آئے تو ان کے ساتھ اف بھی نہ کہو چاہے وہ کچھ بھی کہیں، کیسے بھی کہیں تمہیں ہر حال میں برداشت کرنا ہوگا۔

کیوں؟ اس لیے کہ جب تم چھوٹے تھے اور بے وقوفی کی باتیں کرتے تھے تو تمہارے ماں باپ تمہیں ڈانٹتے نہیں تھے بلکہ مسکراتے تھے، اس پہ پیار کرتے تھے اور اس طرح انہوں نے تمہاری تربیت کی ہے۔ بڑھاپا بھی بچپنے کی ہی طرح ہے۔ ایک انسان جب ارذلِ عمر کو پہنچتا ہے تو اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے، اپنی توانائی کے اعتبار سے، اپنی ذہنی حالت کے اعتبار سے، اپنی گفتگو کے اعتبار سے، دوبارہ بچہ ہو جاتا ہے وہ اس لیے اگر کبھی وہ کوئی ایسی بات کریں تو اس پہ ناراض ہونے کے بجائے محبت سے اس کا جواب دو، ان سے اف

بھی نہ کہو، تم کو اپنا بچپنا یاد رکھنا چاہیے اور خبردار! انہیں کبھی جھڑکو نہیں اور جب بھی ان سے بات کرو تو ہمیشہ نرمی سے بات کرو، چاہے معاملہ کیسا بھی ہو، تخاطب کسی بھی بنیاد پر ہو مگر تمہارے اخلاق و کردار کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ ادب سے بات کرو۔ ''واخفض لهما جناح الذل من الرحمة'' اور ان کے سامنے مہربانی اور پیار سے بازو کو جھکائے رکھو، شانوں کو جھکائے، رکھو ان کے سامنے اکڑو نہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یورپ میں جب کوئی بیٹا اپنے باپ سے ناراض ہوتا ہے تو وہ شانوں کا کاندھوں کو جھٹک کے چلا جاتا ہے یا کہتا ہے میں پروا نہیں کرتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم پاک میں یہ بات ازل سے ہی تھی کہ اس طرح سلوک لوگ اپنے والدین سے کریں گے تو فرمایا کہ ان کے سامنے کاندھوں کو جھکائے رکھو، بازوؤں کو اور ان کے بارے میں اللہ سے عرض کرو ''رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا'' اے اللہ ہمارے ماں باپ پر اس طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپنے میں ہماری پرورش فرمائی۔ اللہ ماں باپ کے حوالے سے بیٹوں کو، بیٹیوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ ان کے بارے میں یہ دعا کرو کہ جیسے انہوں نے بچپنے میں ہماری پرورش کی ہے اے اللہ ایسے ہی تو ان پہ رحم فرما۔ ہم اپنے بچپنے کا حق ادا نہیں کر سکتے اور اگر نہیں ادا کر سکتے ہیں تو ہم تیری بارگاہ میں دعا کریں کہ اے اللہ تو ان پہ رحم فرما جب ہم چھوٹے تھے تو انہوں نے ہمارے ساتھ جو پرورش کا سلوک کیا ہے ہم کھا نہیں سکتے تھے انہوں نے کھانا کھلایا ہم چل نہیں سکتے تھے انہوں نے ہمیں پاؤں پاؤں چلنا سکھایا، ہم غلاظت کرتے تھے محبت سے انہوں نے صاف کیا اور کبھی انہوں نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا ان معاملات میں۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ بچوں کو یاد دلا رہا ہے کہ تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو جیسے بچپنے



میں انہوں نے تمہاری پرورش کی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جب وہ چلنے کے قابل نہ رہیں تو انہیں چلاؤ، اور جب کھانے کے قابل نہ ہوں تو انہیں کھلاؤ اور اگر کوئی ناپسندیدہ عمل ہو تو اسے نفرت سے مت دیکھو اور اگر یہ سب تم اخلاص سے کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کا حال جاننے والا ہے، اگر تم نیک ہو اور تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ کہیں کسی مرحلے میں ماں باپ کے ادب میں غلطی ہوگئی ہے تو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو، ماں باپ زندہ ہوں تو ان سے معافی مانگو۔ اگر تم صالح ہو نیک ہو اور صالحیت کی بنیاد پہ تم خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو گے ''فَاِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا غَفُوْرًا'' تو بیشک پروردگار عالم توبہ کرنے والوں کو یقینا بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک چونکہ پہلا مرحلہ جو ہے حقوق العباد میں اللہ کے حق کے بعد ماں باپ کا ہے اس لیے ان کا تذکرہ پہلے کیا گیا اور اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے: وات ذا القربی حقه اور رشتہ داروں کو ان کا حق دیتے رہو۔ رشتہ داروں میں بیٹیاں ہیں اور دوسرے افراد ہیں جو جتنا قریب ہے اس کا زیادہ حق ہے۔ اگر کوئی بیٹی بیوہ ہو جائے یا مطلقہ ہو جائے تو اس کو اپنے گھر لے آؤ اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور والمسکین اور غریبوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو وابن السبیل اور مسافروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیوں کی تمہارے مال میں، تمہاری دولت میں، تمہارے رشتہ داروں کا حق ہے اللہ نے تمہیں توفیق دی ہے تو مسکین کا حق اور مسافر کا حق ادا کرو۔ ولا تبذر تبذیرا اور خبردار فضول خرچی مت کرو یاد رکھیے حقوق کی ادائیگی میں جو خرچ ہوتا ہے وہ فضول خرچی نہیں ہے لیکن ناجائز طریقے سے کوئی دولت خرچ کی جاتی ہے تو اسے فضول خرچی کا نام دیا جاتا ہے۔

تفریحات اور شادی بیاہ میں دکھاوے کے لیے اگر کوئی دولت خرچ کی جائے جس سے اللہ کی رضا مقصود نہ ہو اور حقوق العباد کی ادائیگی مقصود نہ ہو تو یہ فضول خرچی ہے، اللہ فرماتا ہے

''اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ''بیشک فضول خرچی کرنے والے یہ شیطانوں کے بھائی ہیں۔آپ اندازہ فرمائیں کہ کتنا خطرناک ہے یہ مقام کہ مشیت فضول خرچوں کو اور ان لوگوں کو جو اپنی دولت کا ناجائز خرچ کرتے ہیں دکھاوے پہ تفریحات پر اور شادی بیاہ پر اتنا خرچ کرتے ہیں کہ اس سے کتنے خاندان کی پرورش کر سکتے ہیں۔تو فرمایا کہ شیطان کا کام ہے اور یہ شیطانوں کے بھائی ہیں وکان الشیطان لربہ کفورا بلاشبہہ شیطان اپنے رب کا بڑا نافرمان ہے بڑا ناشکرا تھا تو تم بھی اپنے رب کی دی ہوئی دولت اپنے رب کے بخشے ہوئے سرمایہ کو اگر تم اس کی مرضی کے خلاف خرچ کروگے تو تم شیطانی کام کروگے، یہ انسانی کام نہیں ہے، اس طرح اگر تم کروگے تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوگا۔

پھر فرمایا گیا کہ اگر ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں تم سے کوئی کوتاہی ہو جائے یا وہ تم سے کچھ طلب کر رہے ہوں اور تم ان کے جائز مطالبات کو پورا کرنے کا غربت کی وجہ سے تنگ دستی کی وجہ سے کوئی ذریعہ نہ پاؤ تو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور ان سے وعدہ کرو کہ اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی تو یقیناً ہم آپ کی خواہش کا احترام کریں گے۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا (سورۃالاسراء الآیۃ::28)

اگر رحمت الٰہی کی تلاش میں تم اس سے اعراض کرو جس کی تم امید رکھتے ہو اس سے نرمی سے بات کرو۔اور پیار سے کہو کہ ان شاء اللہ جب بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے گا ہم آپ کی خواہش پوری کر دیں گے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ۔

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے نہ باندھ لو یعنی اتنے کنجوس نہ ہو جاؤ کہ تمہارا ہاتھ کچھ



دینے کے لیے پھیلے ہی نہیں۔

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (سورۃالاسراء الآیۃ::29)

اور اسے بہت زیادہ پھیلا نہ دو تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ایک روز حسرت اور افسوس کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔

ابھی یہاں جو بات کی گئی ہے وہ درمیانہ رویہ کی بات کی گئی ناہی تم اس قدر ناجائز طریقے سے خرچ کرو کہ تمہیں بعد میں افسوس کرنا پڑے اور نہ ہی اتنے کنجوس بن جاؤ کہ تمہارا ہاتھ تمہاری گردن سے بندھا ہوا ہو فرمایا گیا ہے کہ بخیل بندوں سے دور ہوتا ہے، اللہ سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے اور سخی بندوں سے قریب ہوتا ہے، اللہ سے قریب ہوتا ہے اور جنت سے قریب ہوتا ہے۔

اس لیے سخاوت فضول خرچی نہیں ہے۔فضول خرچی وہ ہے جو ناجائز کاموں میں خرچ کیا جائے، دکھاوے کے لیے خرچ کیا جائے اور کنجوسی وہ ہے کہ استطاعت رکھتا ہے آدمی مگر اس کے باوجود بھی وہ خرچ نہیں کر رہا ہے حتیٰ کہ اپنے بچوں کے لئے خرچ نہیں کر رہا ہے یہ کنجوس ہے تو کنجوسی بھی پسندیدہ نہیں ہے اور فضول خرچی پسندیدہ نہیں ہے۔ہاں وہ سخاوت جو اللہ کے راستہ میں ہو وہ انتہائی پسندیدہ عمل ہے اور اس کی جزا اللہ کی بارگاہ میں یقینا ملے گی اللہ ارشاد فرماتا ہے دولت تمہارے پاس ہے اس کے خرچ کرنے میں اگر کنجوسی کروگے یا فضول خرچی کروگے تو دونوں کے بارے تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔

بے شک تمہارا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ اپنے بندوں سے خبردار بھی ہے اور اپنے بندوں کو دیکھنے والا بھی ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں! تم اگر فضول خرچی کروگے تو ہوسکتا ہے کہ مولیٰ تمہارے رزق کو روک دے اور اگر تم کنجوسی کروگے تو ہوسکتا ہے کہ تمہاری کنجوسی کی بنیاد پہ تمہارا رزق بند کر دیا جائے وہی دینے والا ہے، اس لئے جو بھی خرچ کرو اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (سورۃ الاسراء الآیۃ:31)

اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی ایک آیت کے ذیل میں بتایا تھا کہ عربوں کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی اولاد کو دو وجہ سے قتل کر دیا کرتے تھے کہ انہیں کھلانا پلانا پڑے گا یا پھر رسوائی ہوگی۔ خاص طور پر لڑکیوں کو قتل کرتے تھے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس کی تین بچیاں ہیں وہ ان کی پرورش کرے اور انہیں اچھے اخلاق سے نوازے تو وہ جنتی ہے۔

ہماری عظیم ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر کسی کی دو بچیاں ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اسے بھی ثواب ملے گا۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ بچیوں کی تعلیم و تربیت پر اور ان کے ساتھ حسن وسلوک پر جنت کا انعام دیا گیا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: انہیں قتل مت کرو۔

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ۔

ہم تو انہیں بھی روزی دینے والے ہیں اور تمہیں بھی۔

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (سورۃ الاسراء الآیۃ:31)



بیشک ان کا قتل بہت بڑا گناہ اور بہت بڑی خطا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى

اور خبردار زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (سورۃ الاسراء الآیۃ:32)

بلاشبہ زنا بہت بڑی برائی ہے اور بدترین راستہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا (سورۃ الاسراء الآیۃ:33)

اور بغیر حق کے کسی جان کو قتل مت کرو۔ اور جو ظلماً قتل کیا جائے ہم نے اس کے ولی کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بدلہ لے۔ (شریعت کے دائرے میں رہ کر)

لیکن اگر ایسا ہو تو قتل کرنے میں اسراف نہ کرو اور اگر وہ معاف کردے گا تو پروردگار عالم کی بارگاہ میں اسے بہترین جزاؤں سے نوازا جائے گا۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو بہتر طریقہ ہے، یہاں تک کی وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اللہ فرماتا ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (سورۃ الاسراء الآیۃ:35)

اور اپنے وعدوں کو پورا کرو بیشک وعدے کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔

ایسا مت کرو کہ وعدہ کرو اور بھول جاؤ وعدہ کرو اور پورا نہ کرو یہ انتہائی بڑا گناہ ہے اگر تم نے وعدہ کیا اور پورا نہیں کیا تو تم سے مؤاخذہ ہوگا۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (سورۃ الاسراء الآیۃ:35)

یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (سورۃ الاسراء الآیۃ:36)

اور خبردار جس کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ لگو ایسا کام نہ کرو جس کا تمہیں علم نہ ہو بیشک کان آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

کان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا سنا؟ آنکھوں کے بارے میں دریافت ہوگا کہ کیا دیکھا؟ دل کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کیا خواہشات تم نے پالی۔ ان سب کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا اس لئے آنکھ، کان، اور زبان ہر ایک کو اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی کوشش کرو۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (سورۃ الاسراء الآیۃ:37)

اور زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ (اکڑنا دو طرح کا ہوتا ہے گردن اکڑ کے بہت اونچی کر کے یا زمین میں پیر پٹخ کر کے۔ اللہ فرماتا ہے:) نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ تم پہاڑوں کی بلندی تک اپنے قد سے پہنچ سکتے ہو۔

تمہاری حد ہے اسی حد میں رہو۔ غرور مت کرو۔ کوئی ایسی بات نہ کرو جس کی بنیاد پر اللہ تعالی تم سے ناراض ہو جائے۔

میں ان احکام کی تھوڑی سی مزید وضاحت کرنا چاہوں گا ماں باپ کی خدمت اتنی اہم ہے کہ آقائے دو جہاں سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

جو شخص ماں باپ کی حق تلفی کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا جب کہ جنت



کی خوشبو ہزار سال کی مسافت سے محسوس کی جاتی ہے۔

(معجم الاوسط للطبرانی باب المیم من اسمہ: محمد الرقم:5664)

ایک صحابی ہیں جو جہاد میں جانا چاہتے ہیں، جہاد کتنا اہم فریضہ ہے اور کتنی ضرورت تھی اُس زمانہ میں مسلمانوں کی مگر اللہ کے رسول نے فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! فرمایا: ماں کی خدمت کرو تمہارے لئے یہی جہاد ہے۔

ایک صحابی ہیں جنہوں نے ماں کو پیٹھ پر بیٹھا کر حج کرایا، طواف کرایا، سعی کرائی سب کچھ کرایا بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ تو آپ نے فرمایا: ماں کا حق کوئی ادا نہیں کر سکتا ہے تمہاری پیدائش میں ماں نے جو جھٹکے برداشت کئے ہیں تم نے ایک جھٹکے کا بھی حق ادا نہیں کیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے خطبہ میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! جس کے ماں باپ بوڑھے ہوں ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرے تو وہ اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہو جائے۔ جناب جبریل نے دعا کی اور اللہ کے رسول نے آمین فرمائی۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ کس قدر شدت کے ساتھ تاکید کی گئی ہے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا گناہ ماں باپ کو لعنت کرنا ہے یا گالی دینا ہے۔ ایک صحابی نے سوال کیا کہ سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا کون مستحق ہے؟ تو آقا نے فرمایا: تمہاری ماں ہے۔

ایک نوجوان بیمار ہے، حضور ﷺ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور کلمہ پڑھانا چاہا تو اس کی زبان سے کلمہ ادا نہیں ہوا، صحابۂ کرام بہت پریشان ہیں کہ آقا اگر پتھر سے کہیں تو کلمہ پڑھتا ہے اور یہ انسان ہے کلمہ نہیں پڑھ پا رہا ہے تو آپ نے کہا اس کے اوپر کسی کا حق

ہے۔اور جب تک یہ حق ادا نہیں کرے گا اس وقت تک جاں کنی کہ اس درد کو جھیلتا رہے گا۔
لوگوں نے کہا یارسول اللہ! یہ تو بہت اچھے تھے، مگر ایک بوڑھا اٹھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں جانتا ہوں ان کی ماں فلاں مقام پر رہتی ہے، انہیں بلایا جائے۔اس قبیلہ سے ماں کو بلایا گیا اور ماں سے کہا گیا کہ اپنے بیٹے کو معاف کردو! ماں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کہیں تو معاف کردوں، آپ کا حکم ہے، لیکن میرے بیٹے نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے، جب یہ بچہ تھا تو اس کے باپ کا انتقال ہوگیا میں نے بڑی محنت اور مشقت سے پالا، جوان کیا اور جب اس کی شادی ہوئی تو اپنی بیوی کے کہنے سے مجھے الگ کردیا اور آج تک میں محنت ومشقت کرکے اپنا پیٹ پال رہی ہوں تو اللہ کے رسول خاموش ہوگئے اور فرمایا: لکڑیاں جمع کرو! لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں اور اس کے بعد فرمایا کہ آگ لگاؤ، آگ لگادی گئی، فرمایا: اس نوجوان کو اس میں ڈال دو۔ماں کی ممتا تڑپ اٹھی اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے بیٹے کو زندہ جلائیں گے؟ آپ نے فرمایا: جل کے مرنے میں جو تکلیف ہوتی ہے اس سے زیادہ جانکنی کے عالم میں تکلیف ہوتی ہے۔ماں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے معاف کیا، جیسے ہی ماں نے کہا میں نے معاف کیا ویسے ہی نوجوان کی زبان سے کلمہ شہادت جاری ہوگیا اور انتقال کرگیا۔ملخصا

(شعب الایمان، بر الوالدین حدیث جریج العابد فی فضل حفظ قلب الأم، الرقم: 7508)

اس کے بعد اللہ فرماتا ہے:

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا

(سورۃ الاسراء، الآیۃ: 26)

اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور فضول نہ اڑا۔

اس حوالے سے اللہ کے رسول نے فرمایا:



مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، أَوْ يُنْسَأَ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔

جسے یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ صلہ رحمی (یعنی رشتے داروں کے حقوق ادا) کرے"۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب صلة الرحم وتحریم قطیعتها، الرقم: 2557)

اس کے بعد بخیلی اور کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، أَنَّ النَّبِيَّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ، إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں جس میں لوگ صبح کریں مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں، ان میں ایک خرچ کرنے والے کے لئے کہتا ہے یا اللہ جزا دے اور دوسرا خرچ نہ کرنے والے کے لئے کہتا ہے کہ سارا مال تلف فرمادے۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی المنفق والممسك، الرقم: 1010)

حضرات! یہ وہ احکام ہیں جو باضابطہ ان آیات کریمہ میں عطا کردیے ہیں، خداوند قدوس ہمیں اور آپ کو قران پاک کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

کیا مطلب ہے اس کا؟ کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے زنا کی خواہش پیدا ہوتی ہو۔اس لیے ہر اس جگہ سے بچو جس کی بنیاد پر زنا کا ارتکاب انسان کرتا ہے۔ان دواعی سے بچو۔ان میں عریانیت ہے، چست لباس ہے، بے پردگی ہے، مرد وزن کا آپس میں اختلاط ہے، مخلوط

تعلیم ہے، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعہ پھیلنے والی تمام برائیوں سے بچنا ہے۔ اس لیے کہ یہ ساری برائیاں زنا کے قریب لے جانے والی ہیں۔

اسلام کو جلوہ گر ہوئے کچھ ہی زمانہ ہوا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص آیا اور عرض کی: السلام علیک یارسول اللہ! میں سارے نیک کام کروں گا مگر ایک خبیث عادت ہے کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم نے ڈانٹا نہ اپنے دربار سے الگ کیا۔ وہ رحمۃ للعالمین ہیں بلکہ فرمایا: کیا تم اپنی بہن سے یہ کام کرو گے۔ کہا: نہیں۔ فرمایا ماں سے؟ تو کہا نہیں۔ فرمایا بیٹی سے؟ تو کہا: نہیں۔ تو جس کے ساتھ تم زنا کرتے ہو وہ بھی کسی کی ماں، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن ہے۔ سوچو ذرا سا! اور اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ اس کے گناہ معاف کر دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔ اتنا کہنا تھا کہ اس کا دل بدل گیا اور اس نے گناہوں سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔

بہر کیف، زنا بدترین گناہ ہے۔ اس کی بنیاد پر نسب میں اختلاف ہوتا ہے، موذی بیماری پھیلتی ہے، تقدس پامال ہوتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں ایسا معاشرہ پیدا ہوتا ہے جو گناہوں کی بنیاد پر مزید گناہوں کے ارتکاب کی طرف جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کی مکمل کوشش کیجیے۔ یہ قرآن پاک کے احکامات ہیں تاکہ ایسا معاشرہ تشکیل پائے جس میں تمام برائیوں کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔ اللہ ہم سب پر اپنا فضل فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ الکریم



## خطاب نمبر (۱۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ○ (سورۃ الکھف، آیۃ:1)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (سورۃ الاحزاب، اٰیۃ:56)
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ
وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ، وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،
صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ کہف کی کچھ آیاتِ مبارکہ کی وضاحت کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اس

سورت میں چار واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ایک واقعہ اصحاب کہف کا ہے جنہوں نے اپنے دین، عقیدے اور ایمان کو بچانے کے لیے ایک غار میں پناہ لی تھی، دوسرا واقعہ ان دو ساتھیوں کا ہے یا بھائیوں کا ہے مختلف روایات ہیں اس سلسلے میں جن کو اللہ نے دولت دی مگر ایک نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا اور دوسرے نے دنیاداری کے لیے خرچ کیا اور دونوں کے مختلف انجام ہوئے، تیسرا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جنابِ خضر علیہ السلام کی ملاقات اور اُس سفر کا ہے جس میں حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی خواہش پر اپنے ساتھ رکھا تھا اور جناب موسیٰ علیہ السلام نے بہت سے مشاہدات فرمائے تھے اور چوتھا واقعہ ذوالقرنین کا ہے۔میں چاہوں گا کہ ان واقعات کے بارے میں اجمالی طور پر آپ کے سامنے کچھ باتیں عرض کروں۔

سورۂ کہف مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سورت میں ۱۱۰ آیات اور ۱۲ رکوع ہیں۔عام طور پر دین دار مسلمان اس سورت کو جمعہ کے روز تلاوت کرتے ہیں یا سماعت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔اس لیے کہ اس سورت کے بہت سے فضائل منقول ہیں۔جو شخص اس سورت کو جمعہ کے روز تلاوت کرے گا تو وہ دوسرے جمعہ تک ہر طرح کے خطرات سے محفوظ اور مامون رہے گا، ایمان کی روشنی میں اضافہ ہوگا، اس سورت کی تلاوت کرنے والے سے سستی اور کاہلی دور ہوگی اور نیک کاموں کا شوق پیدا ہوگا، جو اس سورت کی دس آیتیں یاد رکھے گا وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فضائل ہیں جس کی وجہ سے اس سورت کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہی ہے۔اس سورت میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ دنیا میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔دنیادار جو صرف دنیا کی زندگی میں اپنی وہ ساری خواہشات



پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کی طلب ہوتی ہے، جو ان کے ڈیزائرس ہوتے ہیں وہ اسی کو حقیقی زندگی تصور کرتے ہیں اور یہاں تک کہ مادی لذتوں کی خواہشات میں ڈوب کر آخرت کو فراموش کر دیتے ہیں اور بالآخر ان کا انجام " خَسِرَ الدُّنْيَا و الاٰخِرة" کے مطابق دنیا میں بھی وہ نقصان اٹھاتے ہیں اور آخرت میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے اور آخرت کی کامیابی کے لیے دنیا کی ناجائز خواہشوں اور لذائذ سے پرہیز کرتا ہے تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب رہتا ہے۔

اس سورت میں اصحابِ کہف کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ یہود نے جب یہ سنا کہ مکہ مکرمہ میں پیغمبر اعظم جلوہ گر ہوئے ہیں تو انہوں نے قریش مکہ سے یہ کہا کہ نبوت کے دعوے دار سے یہ سوال کرو! کہ ان نوجوانوں کا عجیب وغریب واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے ایک غار میں پناہ لی تھی۔؟

حضرات! چونکہ مدینہ طیبہ مکہ والوں کی گزرگاہ تھا اور جو لوگ شام اور یمن کی تجارتوں کے لیے جایا کرتے تھے وہ وہیں سے گزرتے تھے اس لیے یہودیوں سے ان کے رابطے بہت پرانے تھے اور یہودی اس طرح کے بہت سے سوالات کفار مکہ کے ذریعہ سے نبی کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے اور انہیں جواب ایسا ملتا کہ جن میں کوئی شک باقی نہیں رہتا مگر المیہ یہ ہے کہ ان حقائق کے ادراک کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لاتے تھے اور یہ بھی اندازِ سوال بتا رہا ہے کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ جو نبی ہوں گے انہیں غیب کا علم ہوگا اور ان واقعات اور حقائق کو بھی جانیں گے جن کا علم عام لوگوں کو نہیں ہے۔

واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد ان کے چند حواریوں نے دین کی دعوت اور تبلیغ کا آغاز کیا اور بہت سے لوگ ان کے دین میں داخل

ہونے لگے، اس زمانہ کا بادشاہ دقیانوس تھا۔ یہ نام اتنا شہرت یافتہ ہے کہ آج بھی قدامت پسندوں کو دقیانوسی کہتے ہیں۔ یہ دوسو اڑتالیس عیسوی میں حکمراں تھا۔ اس نے ان داعیانِ دین پر پابندیاں لگائیں، اس لیے کہ وہ بت پرست تھا اور ڈائنا دیوی کی پوجا کرتا تھا۔ اس دور میں اصحابِ کہف کا واقعہ پیش آیا جن کی تعداد کے سلسلے میں عیسائیوں کے مختلف گروپ میں اختلافات ہیں۔

جن کا تذکرہ خود قرآن نے کیا ہے کسی نے کہا اصحابِ کہف چار ہیں پانچواں ان کا کتا ہے، کسی نے کہا پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں اکثریت کی روایت سات کی ہے کہ وہ سات افراد تھے، سات نوجوان تھے جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ دین مسیح کے پیروکار ہیں تو اس نے انہیں طرح طرح کی سزاؤں سے دوچار کرنے کی کوشش کی، ان سے غلاموں جیسا سلوک کرتا، ان سے ذلیل ترین کام لینے کی کوشش کرتا۔ یہاں تک کہ اس نے یہ دھمکی دی کہ اگر تم نے یہ دین نہیں چھوڑا تو ہم تمہیں قتل کروادیں گے۔

چنانچہ انہوں نے اپنے دین اور عقیدہ کو بچانے کے لیے اس شہر کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا اور وہ خاموشی سے شہر سے نکل گئے۔ چلتے چلتے شام ہوگئی اور ایک رات گزارنے کے لیے ایک غار میں سو گئے تاکہ جب صبح ہوگی تو سفر کا آغاز کریں گے۔ مگر انہیں طویل نیند آگئی اور عالم یہ ہوا کہ چارسوسینتیس عیسوی تک مسلسل سوتے رہے اور انہیں محسوس نہ ہوا۔

جب وہ بیدار ہوئے تو انہیں محسوس ہوا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ زیادہ سوئے ہوں گے، بھوک کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کو کچھ سکے دیے اور کہا کہ بازار سے جاکر کے روٹیاں لاؤ اور خبردار! احتیاط کرنا کہ کوئی دیکھ نہ لے ورنہ ہم گرفتار کرلیے جائیں گے۔ جب وہ ساتھی بازار کے لیے نکلا تو اس نے دیکھا کہ شہر کا نقشہ



ہی بدلا ہوا ہے، آبادیاں بدلی ہوئیں ہیں، سڑکیں بدلی ہوئیں ہیں، راستہ بدلے ہوئے ہیں، لوگ بدلے ہوئے ہیں اور لوگوں کا انداز بالکل مختلف ہے ان کا یہ عالم ہے کہ وہ جناب عیسی کا نام لیتے ہیں ان کے نام کی قسم کھاتے ہیں اسے بڑی حیرت تھی۔

مگر وہ اپنی ضرورت کے لیے، نان بائی کے پاس گیا اور اس نے روٹی طلب کی اور جب سکہ اس نے دیا تو وہ اچھل گیا اور کہا کہ یہ کہاں سے لائے ہو؟ یہ تو تین سو سال پرانا سکہ ہے، ایک ظالم بادشاہ دقیانوس تھا اس کے زمانے کا سکہ ہے، یہ شاید تمہیں کوئی خزانہ مل گیا ہے؟ اس نے بادشاہ کو اطلاع کی اور بادشاہ نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا اب جو نیا بادشاہ تھا اس کا نام بیدروس تھا، غالباً یہی لکھا ہے بعض روایات کے مطابق وہ بادشاہ جنابِ عیسٰی علیہ السلام کے دین پر قائم تھا اور وہ اپنے دین کی تبلیغ اپنی قوم میں بھی کرتا تھا مگر قوم کے کچھ لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد کیا زندہ بھی ہوسکیں گے؟ اس لیے وہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا کہ اے اللہ! کوئی ایسی سبیل پیدا کردے کہ میں یہ ثابت کرسکوں کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی ہوگی۔

بہرکیف! اس کے پاس جب انہیں لایا گیا تو اس نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم یہاں سے نکلے تھے دقیانوس کے زمانے میں پھر ہم غار میں سو گئے اور آج ہم اٹھے ہیں دیکھا کہ یہاں نقشہ بدلا ہوا ہے، بادشاہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ غار میں گیا اور دوسرے ساتھیوں سے ملاقات کی، ان کا بڑا احترام کیا انہیں دربار میں لایا اور لوگوں کو دکھایا کہ دیکھو! یہ حیات بعد الموت کی واضح دلیل ہے۔ یہ تین سو سال پہلے سو گئے تھے گویا کہ انہیں موت طاری ہوئی اور اللہ نے انہیں دوبارہ زندہ کردیا یہ دیکھنے کے بعد پوری قوم ایمان لائی اور بعث بعد الموت پر انہیں یقین ہوگیا۔

بہر کیف اس نے ان لوگوں سے کہا کہ آپ آبادی میں قیام کریں آپ بڑے محترم لوگ ہیں تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہم واپس جائیں گے اور غار میں وہ واپس گئے تو انہیں پھر نیند آگئی اور ایسی نیند کہ ان پر موت طاری ہوگئی۔ جب وہ انتقال کر گئے تو بادشاہ نے ایک عمارت بنوائی اور اُس غار کو ڈھک دیا اور عبادت گاہ کے طور پر ایک مسجد بھی بنائی۔

حضرات! چونکہ اس واقعہ کے ذریعہ سے ایک پوری قوم ایمان لائی تھی، اس واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر قرآن عظیم نے اس واقعہ کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا ہے، اس واقعہ کو اس تفصیل کے ساتھ بیان کرنا خود سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور ان کی صداقت کی واضح دلیل ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پروردگارِ عالم قادرِ مطلق ہے وہ چاہے تو ایک دن کو سیکڑوں سال میں تبدیل کر دے۔ جیسے کہ اصحابِ کہف اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے، وہ چاہے تو ایک شب کو ہزاروں سالوں کے دامن میں پھیلا دے، جیسے کہ معراج النبی آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں پیش آیا وہ قادرِ مطلق ہے اور خالق زمان ومکان ہے۔

کائنات کی رفتار اس کے قبضۂ قدرت میں ہے جو کچھ ہوتا ہے اس کی مرضی سے ہوتا ہے سورۂ کہف کا آغاز جس آیتِ کریمہ سے ہوتا ہے، وہ یہ ہے

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ○ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا۔ (سورۃ الکھف الآیۃ: 1:)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے عبد خاص پر قرآن عظیم کو نازل فرمایا جس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ عدل قائم کرنے والی کتاب ہے اور اللہ کے عذاب سے



ڈرانے والی کتاب ہے اور اہل ایمان کو بشارت دینے والی کتاب ہے جو نیک اعمال کرنے والے ہیں ان کے لیے بہترین جزا ہے۔

آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کافروں کو دین کی دعوت دیتے اور وہ ایمان نہ لاتے تو آپ کو بے حد تکلیف ہوتی تھی اور پھر مزید کوشش کرتے تھے اللہ نے آپ کو تسلی دی۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا۔ (سورۃ الکھف الآیۃ: 6:)

اے پیغمبر! شاید آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے ان لوگوں کے پیچھے جو قرآن پر ایمان نہیں لاتے غم کی وجہ سے۔

اس لیے آپ غم نہ کریں بلکہ ایمان عطا فرمانا میرا کام ہے، آپ کا کام صرف دعوت دینا ہے۔ اس کے بعد اصحابِ کہف کے واقعہ کا آغاز ہوا اور چونکہ یہ واقعہ انتہائی عجیب وغریب تھا اور یہود نے مکہ کے لوگوں سے کہا کہ اس عجیب وغریب واقعہ کے بارے میں ان سے پوچھو! تو قرآن فرماتا ہے:

"اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ○

(سورۃ الکھف الآیۃ: 9:)

کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی غار اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے۔

کیا آپ یہ خیال فرماتے ہیں؟ کہ جنگل کے کنارے اور غار والوں کا واقعہ ہماری نشانیوں میں کوئی عجیب واقعہ ہے؟ نہیں، گویا یہ سوال کر کے مشیئت یہ جواب دے رہی ہے کہ ہماری قدرت کے اعتبار سے یہ کوئی عجیب واقعہ نہیں ہے۔ ہم قادرِ مطلق ہیں جس طرح سے

چاہیں زمانے کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ جب نوجوانوں نے ایک غار میں پناہ لے کر یہ دعا کی تھی۔

"فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ○

(سورۃ الکھف، الآیۃ::10)

تو بولے اے اللہ ہمیں رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے راہ یابی کا سامان پیدا فرما دے۔

اللہ فرماتا ہے یہ جوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور پھر ہم نے ان کے ایمان میں ان کی ہدایت میں زیادتی عطا فرمائی، ان کے دلوں کو مضبوط کیا اور جب وہ کھڑے ہوئے تو انہوں نے بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہا تھا کہ ہمارا "رب رب السمٰوٰتِ والارض ہے" جو زمین و آسمان کا رب ہے وہی ہمارا رب ہے، ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت اگر کریں تو یقیناً یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے اور یہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔

حضراتِ گرامی! اس آیت کریمہ میں اس واقعہ کے حوالے سے اللہ نے یہ فرمایا کہ وہ ایمان لانے والے تھے اور جب انہوں نے اپنے دین کو، اور اپنی جان کو خطرے میں محسوس کیا تو انہوں نے اپنا شہر چھوڑ دیا اور پھر ہم نے انہیں تین سو سال تک حالت خواب میں رکھا پھر ان کو نیند سے بیدار کیا تو ان کی قربانیوں کی یہ برکت ہوئی کہ جس شہر کو انہوں نے کفر کی حالت میں چھوڑا تھا، وہ شہر نہ صرف یہ کہ ایمان پر قائم ہوا بلکہ اس نے ایمان کی فضا پیدا کر دی۔ یقیناً ان کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہوگی۔ اس لیے یہ واقعہ بعث بعد الموت کے حوالے سے اور ایمان کے حوالے سے بہت اہم تھا اس لیے قرآن عظیم نے اس واقعہ کو نازل فرمایا۔

اس کے بعد وہ دوسرا واقعہ بھی قرآن پاک میں بیان کیا گیا کہ بنو اسرائیل کے دو



بھائی تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دو دوست تھے جن کو ان کے والدین کی طرف سے وراثت میں چار چار ہزار دینار ملے تھے۔ اس زمانے میں چار ہزار دینار بہت بڑی رقم ہوتی تھی ایک بھائی نے چار ہزار دینار سے عظیم الشان مکان بنوایا، دو شاندار باغ حاصل کیے جس میں انگور اور کھجوروں کے درخت تھے اور درمیانی زمینوں پر اس نے دوسری چیزیں بھی کاشت کر رکھی تھیں، بیچ میں نہر بھی جاری تھی۔ دوسرے بھائی نے یا دوسرے دوست نے سرمایہ کاری نہیں کی بلکہ اس نے اپنی دولت کو غریبوں میں خرچ کیا، کمزوروں پر خرچ کیا اور اس کے پاس صرف ایک باغ تھا جس کی پیداوار بہت کم تھی، دونوں بھائیوں کے باغات آس پاس تھے، اس کے دو باغ، اس کی نہر جس میں پانی جاری تھا۔ غریب بھائی کے پاس صرف تھوڑی زمین تھی، جہاں بمشکل اتنی پیداوار ہوتی پھلوں کی یا غلہ کی کہ جس سے وہ اپنی روزی چلا سکتا تھا۔

دولت مند بھائی اور یہ غریب بھائی یا دونوں دوست آپس میں جب بھی وہاں ملتے تھے تو دولت مند اکثر طعنہ دیا کرتا تھا کہ میں تم سے مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہوں۔ تم نے یہ کیا کیا؟ غریبوں پر خرچ کر کے تمہیں کیا میسر آیا؟ یہ غربت جو تم جھیل رہے ہو یہ نہ ہوتی اگر تم نے مال کو میری طرح کاروبار میں لگایا ہوتا حالانکہ وہ دنیادار بھائی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا۔

غریب بھائی نے کہا کہ تم جب اپنے باغ میں آتے ہو تو اللہ کو یاد کر لیا کرو، ماشاء اللہ کہہ لیا کرو، لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو! تاکہ تمہارا یہ سرمایہ باقی رہے، تم آخرت پر یقین لاؤ، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا ہے۔ اس نے یہ کہا کہ اول تو میں اس پر یقین نہیں رکھتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی ہونا ہے اور آخرت قائم بھی ہوگی لیکن اگر ایسا ہوا تو میں وہاں بھی تم سے بہتر رہوں گا مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

غریب بھائی یا غریب دوست سمجھاتا رہا لیکن وہ نہیں مانا۔ پھر اس نے طعنے دینے شروع کیے کہ تم مجھے کیوں نصیحت کر رہے ہو تم اپنے حالات تو دیکھو، اپنی غربت دیکھو، تم نے اپنا مال ضائع کر دیا، اپنی دولت ضائع کر دی۔ تو اس بھائی نے کہا کہ غرور مت کرو، اللہ کو یہ ناپسند ہے، آخرت پر یقین لاؤ۔ وہ جب چاہے مجھے تم سے بہتر دے سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ باغ تباہ ہو جائے اور تمہاری نہر کا پانی زمین کھینچ لے، زمین کے تہ میں چلا جائے اور تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہ جائے۔

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، البتہ ایک رات جب وہ سویا اور صبح کو اپنے باغ میں دیکھا کہ سارے درخت گرے ہوئے ہیں اور انگور کی بیلیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں، سوکھ گئی ہیں اور جل گئی ہیں اور پانی سوکھ گیا ہے تب وہ ہاتھ مل رہا تھا اور کہتا تھا کہ کاش میں نے اپنے غریب بھائی کی بات مان لی ہوتی میں اپنے خدا پر یقین کرتا، میں آخرت پر یقین کرتا اور میں اپنی دولت کے نشے میں آخرت کو بھول نہ گیا ہوتا۔ یہ واقعہ بھی نصیحت کے لیے بے پناہ ضروری تھا اس لیے قرآن عظیم نے اس واقعہ کو بھی نقل کیا ہے اور اسی سورۂ کہف کے اندر آپ مزید تلاوت کرنا چاہیں تو پڑھنے کی کوشش کریں۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی نے حضرت موسیٰ اور جناب خضر علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر کیا ہے، یہ واقعہ بھی نصیحتوں کے لیے بہت اہم ہے اور اس میں بہت سے حقائق پوشیدہ ہیں عالم غیب سے متعلق، ان حقائق میں یہ حقیقت بھی ہے کہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ کوئی صاحب علم ہو تو مجھے اس کے پاس پہنچا دے تا کہ میں اس سے کچھ علم حاصل کر سکوں ایک روایت یہ ہے اور دوسری روایت یہ بھی ہے کہ خطبے میں کسی نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا آپ سے بڑھ کر بھی کوئی علم والا



ہے؟ تو فرمایا کہ نہیں میں سب سے زیادہ علم والا ہوں، دونوں روایتیں ہیں۔

بہر کیف! اللہ تبارک وتعالی نے انہیں حکم دیا کہ اگر تم اپنے سے زیادہ علم والے کو جاننا چاہتے ہو تو تم اس مقام پر پہنچو جہاں دو سمندر آپس میں ملتے ہیں، اور اپنے ساتھ پکی ہوئی مچھلی لے کر کے جاؤ اور جہاں وہ مچھلی زندہ ہو جائے تو سمجھ جانا کہ یہیں ان سے ملاقات ہوگی جن سے ملنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھ حضرت یوشع بن نون کو لیا اور وہ اس راستہ پر روانہ ہوئے جس کی نشان دہی کی گئی تھی۔

مجمع البحرین کے قریب انہوں نے ایک پتھر پر اپنا توشہ رکھا اور پھر بھول کر کے وہاں سے آگے بڑھے اور پھر جب بھوک کا احساس ہوا تو کہا کہ ہم نے اپنا توشہ وہاں رکھا ہے چلو واپس چلیں! وہاں آئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ انتہائی نورانی شکل وصورت کے قیام فرما ہیں اور مچھلی ان کے سامنے زندہ ہو کر کے دریا میں چلی گئی ہے۔

انہوں نے سوچا کہ یہی وہ بزرگ تھے جن سے ملنے کا حکم دیا گیا تھا یہ جناب خضر تھے، آپ نے ان سے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں تا کہ آپ کچھ علم حاصل کر سکیں، ہمارے علم میں اضافہ ہو سکے، تو جناب خضر نے کہا کہ آپ اپنے ساتھ ہمیں برداشت نہ کر پائیں گے۔ ہاں اگر یہ وعدہ کریں کہ میں جو بھی کروں اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کریں گے تو آپ ہمارے ساتھ کچھ وقت گزار سکتے ہیں۔

جنابِ خضر کون تھے؟ ان کے بارے میں علما کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ ولی تھے لیکن دوسرے علمائے کرام کا یا محققین کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ خود بھی ایک نبی تھے اس لیے کہ ان کو جو علم دیا گیا تھا وہ علم لدنی تھا اور قطعی تھا، اولیائے کرام کو جو علم دیے جاتے ہیں وہ ظنی ہوتے ہیں ہوتے صحیح ہیں مگر ان کی بنیاد وحی کی قطعیت پر نہیں ہوتی اس لیے وہ بھی نبی تھے۔ اور دوسری

وجہ یہ ہے کہ غیر نبی نبی کو تعلیم نہیں دے سکتا، نبی ہی نبی کو تعلیم دے سکتا ہے جیسے کہ جنابِ موسیٰ کو حضرت شعیب نے تعلیم دی یا پھر جنابِ خضر سے انہوں نے کچھ استفادہ کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ کی ان کے بارے میں رائے کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ واضح فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی کہ میری حضرت خضر سے ملاقات ہو جائے تو میں نے ان سے ملاقات کی اور پھر ہم نے محسوس کیا کہ وہ نبی ہی ہیں۔

حضرت خضر اب تک زندہ کیوں ہیں؟ تو ایک روایت یہ ہے کہ انتقال ہی انہوں نے نہیں فرمایا لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ جنابِ الیاس اور ان کا انتقال ہوا اور پھر اللہ نے ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی یا جنابِ مجدد پاک رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق کہ انہوں نے خود کہا کہ ہماری روحوں کو اللہ نے ایسی قدرت عطا فرمائی ہے کہ جب ہم چاہتے ہیں مجسم ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے ہم لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور گمراہوں کی ہدایت کرتے ہیں۔ بہر کیف! طالبان حقیقت اس کو سمجھتے ہیں۔

اب اس واقعہ کی طرف میں آتا ہوں جو واقعہ پیش آیا تھا۔ جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے جب اس خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے اپنے ساتھ کر لیا اور اللہ فرماتا ہے:

"فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا○" (سورۃ الکھف الآیۃ:65)

تو ان دونوں نے (جنابِ یوشع بن نون اور جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم نے اپنی بارگاہ سے علم و حکمت سے نوازا تھا۔

جنابِ موسیٰ کی درخواست پر وہ ان کے ساتھ ہو گئے اور اس کے بعد ایک دریا تھا جس میں کشتیاں چل رہی تھیں اور انہیں دریا پار کرنا تھا وہ کشتی میں بیٹھے، کشتی والوں نے ان کی



نورانی شکل وصورت دیکھ کر کرایہ بھی لینے سے انکار کر دیا اور بڑے احترام کے ساتھ ان دونوں کو بیٹھایا۔ اور جب کشتی منجھدار میں پہنچی تو جنابِ خضر علیہ السلام نے اس کا ایک یا دو تختہ اکھاڑ دیا اور پانی آنے لگا حضرت موسیٰ کو بڑی حیرت ہوئی! کہا آپ نے یہ کیا کیا؟ ایک غریب کی کشتی جس پہ اس کی معیشت کا مدار ہے آپ نے اسے خراب کر دیا بڑی مشکل سے کشتی کنارہ پر پہنچی۔ تو جنابِ خضر نے کہا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ میں جو بھی کروں اس کے بارے میں آپ کوئی سوال نہیں کریں گے کہا: غلطی ہو گئی مجھ سے اب نہیں کروں گا۔ اس کے بعد اور آگے بڑھے تو بہت سے بچے کھیل رہے تھے، اُن میں ایک بچہ بہت خوبصورت تھا، اسے آپ نے موت سے ہمکنار کر دیا، مار دیا۔ جنابِ موسیٰ اللہ کے نبی تھے تڑپ اٹھے اور کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ اس ننھے بچے کو آپ نے موت سے ہمکنار کر دیا۔ تو کہا کہ موسیٰ میں نے کہا تھا نا کہ آپ کوئی اعتراض نہیں کروگے، کوئی بات مجھ سے پوچھوگے نہیں۔ تو کہا بس ایک موقع اور دیجئے اب میں کوئی سوال کروں تو یقیناً آپ مجھے اپنے سے الگ کر دیجئے گا۔

ایک آبادی سے گزرے یہ وہ زمانہ تھا کہ جب آبادی کے لوگ آنے والے مہمانوں کی میزبانی کرتے، انہیں بھوک بھی لگی ہوئی تھی اور بھوک نہ بھی لگتی تو یقیناً پیدا کر دی جاتی اس لیے کہ یہ واقعہ تو پیش آنے والا ہی تھا۔

انہوں نے آبادی والوں سے کہا کہ تم ہمیں اپنا مہمان بنا لو تو انہوں نے انکار کر دیا۔ آگے بڑھے ایک دیوار گر رہی تھی حضرت خضر نے اس دیوار کو اٹھا دیا، وہ سنبھل گئی، گرنے سے بچ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ چاہتے تو مزدوری طلب کر لیتے، جن ظالموں نے مہمان بھی نہیں بنایا آپ نے ان کی دیوار ٹھیک کر دی۔ تب جنابِ خضر نے کہا کہ یہ ہمارے اور تمہارے درمیان فراق اور جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں

نے ایسا کیوں کیا؟

سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ○

(سورۃ الکھف، الآیۃ:78)

میں اب ان واقعات کی وجہ بتاتا ہوں جن پر تم نے صبر نہیں کیا تھا۔ اور میں نے جو کچھ کیا تھا اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے مولیٰ کے حکم سے کیا تھا۔

میں نے کشتی میں سوراخ اس لیے کیا تھا کہ دریا کے اس طرف ایک بادشاہ کے کارندے موجود تھے جو نئی اور اچھی کشتیوں کو چھین لیتے تھے اور اس کشتی پر اس پورے خاندان کی روزی کا دارومدار تھا۔ میں نے اسے عیب دار کر دیا تا کہ وہ کشتی بچ جائے اور وہ محفوظ رہے۔

اور میں نے اس بچے کو موت سے اس لیے ہمکنار کیا کہ وہ بڑا ہونے کے بعد کافر ہو جاتا تو اپنے والدین کو بھی کفر کے راستہ پر لے جاتا۔ اس کے والدین بہت نیک تھے ،ایماندار تھے، ان کے ایمان کو بچانے کے لیے میں نے اسے موت سے ہمکنار کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں انہیں ایک درجن صحتمند، باوقار، اور ایماندار بچوں سے نوازے گا۔

اور میں نے دیوار اس لیے اٹھا دی کہ اس دیوار کا مالک ایک انتہائی ایماندار اور نیک انسان تھا جب وہ مرنے لگا تو اس دیوار کے اندر اس نے ایک خزانہ پوشیدہ کر دیا کہ میرے بچے جب بڑے ہوں گے تو اس خزانے کو نکالیں گے، اب اگر دیوار گر جاتی تو گاوں کے ظالم لوگ اسے لوٹ لیتے۔ اس لیے میں نے دیوار ٹھیک کر دی۔

یہ واقعہ اس لیے ضروری تھا کہ اللہ کے کاموں کو بندے اپنے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ مشیئت کے حوالے سے جاننے کی کوشش کریں، بہت سے کام جو بظاہر ہمیں نقصان دہ نظر آتے ہیں وہ ہمارے لیے باعثِ خیر ہوتے ہیں اور بہت سے کام جو ہمارے لیے خیر نظر آتے



ہیں ان میں ہمارے نقصانات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ ہمارے لیے کیا بہتر ہے؟ اور کیا بہتر نہیں ہے؟ ہمیں مشیئت کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے یہ حاصل ہے جنابِ خضر علیہ السلام اور جنابِ موسیٰ علیہ السلام اور جنابِ یوشع کے اس سفر کے ان واقعات اور مشاہدات کا۔

اس کے بعد آخری واقعہ ذوالقرنین کا ہے۔ ذوالقرنین کے بارے میں بہت ہی مشتبہ روایات ہیں ایک روایت یہ ہے کہ سکندر مقدومی (الیکزینڈرا) یہ ذوالقرنین تھے مگر یہ بالکل غلط ہے اور جن لوگوں نے اسے ذوالقرنین قرار دیا ہے انہوں نے مستشرقین کو موقع دیا ہے کہ وہ قرآن پاک پر تہمت لگا سکیں یہ ذوالقرنین جسے سکندر کا نام دیا گیا ہے یہ بہت ظالم انسان تھا، یہ حکمراں تھا، بہت سے ممالک فتح کیے اور مفتوحہ ممالک پر ستم توڑے، یہ کافر بھی تھا۔ اس لیے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ قرآن کا ذوالقرنین یہ شخص ہے یقیناً درست نہیں ہے۔

بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ قرآن پاک میں جس ذوالقرنین کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ سائرس بادشاہ تھا جس نے بیت المقدس کو فتح کیا تھا اور بنو اسرائیل کو آزاد کرایا تھا۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ بخت نصر اور ایرانیوں نے مکمل طور پر بیت المقدس کو تباہ کر دیا تھا اور انتہائی اہم نشانیوں کو اٹھا لے گئے تھے۔ کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

لیکن اس بادشاہ نے جسے سائرس کہتے ہیں یہ نیک تھا۔ اسے بنو اسرائیل سے اور ان کے انبیا سے عقیدت تھی اس نے بخت نصر کے لوٹے ہوئے خزانوں کو واپس کروا دیا اور سائرس کو فتح کرنے کے بعد بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس شخص کے بارے میں حضرت دانیال نبی اللہ نے یہ بشارت دی تھی کہ وہ ہمارا چرواہا ہوگا اور جب وہ آئے گا تو کمی پوری ہو جائے گی اور یروشلم کو دوبارہ تعمیر کرے گا اور ہیکل جس کو توڑ دیا گیا ہے اس کی دوبارہ بنیاد ڈالی جائے گی۔ اس کے مطابق یہ ذوالقرنیں جن کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے ان کے بارے میں

محتاط روایت یہی ہے کہ وہ سکندر اعظم نہیں تھا بلکہ سائرس تھا۔

بہر کیف اس میں یاجوج اور ماجوج کے متعلق جسے انجیل یا توریت میں گوک مگاک کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔انہوں نے طویل سفر کیا اور ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سورج ڈوب رہا تھا۔جب سورج ڈوبتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ سمندر میں ڈوب رہا ہو حالانکہ وہ صرف نگاہوں کا فریب ہوتا ہے سورج کبھی ڈوبتا نہیں ہے۔وہاں جب پہنچے تو وہاں ایک عجیب قوم تھی،عریاں رہتی تھی،ان کے اپنے مکانات نہیں تھے،انہوں نے آپ سے شکایت کی کہ ہماری مدد کیجئے۔پہاڑ کے پیچھے ایک قوم ہے یاجوج اور ماجوج جو ہم کو لوٹتی ہے،تباہ کرتی ہے، ہمارا سب کچھ چھین لے جاتی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ ہوسکتا ہے۔یہ جو وادی ہے اس کے پاس ایک راستہ ہے اس راستہ کو بند کرنے کے لیے تم ہماری مدد کرو اور آئرن جمع کرو،لوہے کی پلیٹیں بڑی تعداد میں جمع کرو،اور انہیں پگھلاؤ اور پھر دوسرے مٹیریل کے ذریعہ سے اس راستہ کو بند کردیا جائے اور دیوار تعمیر کردی جائے۔

چنانچہ وہ دیوار تعمیر ہوئی اور پھر وہ لوگ یاجوج و ماجوج کے مظالم سے محفوظ ہوگئے۔آپ نے کہا کہ ہم نے یہ دیوار تو تعمیر کردی ہے یہ دیوار تو کبھی توڑ نہیں پائیں گے مگر اللہ جب چاہے گا تو یہ ٹوٹ جائے گی۔چنانچہ بعض روایت میں آتا ہے کہ قیامت سے پہلے یہ طبقہ دوبارہ نکلے گا اور انتہائی فسادات برپا کرے گا،اللہ محفوظ رکھے۔

یہ چار واقعات ہیں جو سورۂ کہف میں ہیں جن کا تذکرہ میں نے سرسری طور پر کردیا ہے۔اللہ توفیق دے تو مزید مطالعہ کریں اور ان واقعات سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔

السلام علیکم و رحمة اللہ تعالیٰ و برکاته



## خطاب نمبر (۱۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ○ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ○ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ، وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ!

آج میں سورۂ مریم سے چند آیاتِ کریمہ کی تلاوت اور اس کے ذیل میں کچھ مضامین پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔پروردگارِ عالم ہمیں اور آپ کو قرآن پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت زکریا علیہ السلام بیت المقدس میں مسجدِ اقصیٰ کے متولی تھے اور صاحبِ اولاد

نہیں تھے ۔جنابِ مریم رضی اللہ تعالی عنہا جن کی والدہ نے یہ نذر مانی تھی کہ اے اللہ ! اگر تو مجھے کوئی اولاد عطا فرمائے گا تو میں اسے مسجدِ اقصیٰ کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی ۔جب جنابِ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ نے عرض کیا کہ اے اللہ! یہ تو لڑکی ہے اور یہ کیسے تیرے مقدس گھر کی خدمت کر سکے گی ۔اللہ نے بذریعۂ الہام ان سے فرمایا کہ مریم کو اللہ کے گھر کی خدمت کے لیے وقف کر دو ۔ہم نے انہیں اپنے گھر کی خدمت کے لیے قبول کر لیا۔

جنابِ زکریا علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور وہ جنابِ مریم کے خالو ہوتے تھے ۔ان کی والدہ نے حضرت زکریا سے عرض کیا کہ میری یہ مرضی ہے اور اللہ نے اسے قبول فرما لیا ہے کہ میں انہیں مسجدِ اقصیٰ کی خدمت کے لیے وقف کر دوں ۔جنابِ زکریا نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی کہ میں ان کی نگرانی کروں گا،ان کی پرورش میں حصہ لوں گا( کیونکہ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا)اور جب یہ سن شعور کو پہنچ جائیں گی تو میں انہیں مسجد کے ایک گوشے میں جگہ دوں گا جہاں یہ قیام کریں گی اور مسجد کی خدمت کر سکیں گی ۔پھر جنابِ زکریا علیہ السلام نے حسبِ وعدہ جنابِ مریم کے لیے مسجد کا ایک گوشہ مقرر کر دیا اور وہاں انہیں رہنے کا حکم دیا۔جب کبھی وہ ان کے پاس آتے تو دیکھتے تھے کہ ان کے پاس بغیر موسم کے تازہ پھل موجود ہیں انہیں بڑی حیرت ہوتی اور پوچھتے اے مریم! یہ کہاں سے آتے ہیں،یہ کیسے ممکن ہے آج کل ان پھلوں کا موسم بھی تو نہیں ہے ۔

وہ کہتی تھیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے ۔چونکہ انہیں اللہ کے گھر کی خدمت کے لیے نذر کیا گیا تھا اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے غیب سے ان کے لیے تازہ پھلوں کا انتظام فرمایا۔جنابِ زکریا صاحبِ اولاد نہیں تھے،بہت بوڑھے ہو چکے تھے،کمزور ہو گئے تھے،سر کے بال بالکل سفید تھے،بعض لوگوں نے کہا کہ ان کی عمر سو کے قریب تھی یا ایک سو بیس سال



تھی ۔واللہ اعلم بالصواب

ان کی شریکِ حیات بوڑھی تھیں اور وہ بانجھ بھی تھیں ۔حضرتِ زکریا کو یہ بار بار خیال آ رہا تھا کہ میرے بعد بیت المقدس کی خدمت کون انجام دے گا؟ اور اللہ کے گھر کی تولیت کے فرائض کون پورا کرے گا؟ میرے متعلقین،میرے رشتے داروں میں کوئی بھی اس قابل نہیں ہے کہ میں یہ ان کے ذمے سپرد کروں ۔

یہ بات انہیں پریشان رکھتی تھی،لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضرتِ مریم کے پاس بے موسم کے پھل موجود ہیں اور اللہ کے طرف سے یہ پھل فراہم کیے جاتے ہیں تو انہیں امید قائم ہوئی کہ جب اللہ جنابِ مریم کو بغیر موسم کے پھل عطا فرماتا ہے وہ قادرِ مطلق ہے ۔اگرچہ میری حیات کا وہ حصہ گزر چکا ہے جس میں صاحبِ اولاد ہوتا،مگر اللہ چاہے تو مجھے بے موسم کے اولاد کا پھل بھی عطا فرما دے اور پھر انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی ۔ان کی دعا کے حوالے سے اللہ ارشاد فرماتا ہے:

"كٓهٰيٰعٓصٓ○ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا○اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا○(سورۃ مریم"الآیۃ::1:2:3)

حروف مقطعات کے بعد اللہ تعالی اپنے نبی سرورِ کائنات کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اے محبوب ! یہ اُس رحمت کا ذکر ہے جو آپ کے رب نے اپنے بندۂ خاص زکریا پر فرمائی ہے ۔جب انہوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں آہستہ دعا کی تھی اور یہ کہا تھا۔

"قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ" اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں "وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا" اور میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل سفید ہو چکے ہیں ۔لیکن "وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِیًّا○ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں دعا

کر کے کبھی محروم نہیں رہا۔ (سورۃ مریم" الآیۃ::4)

"وَ اِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ" میں اپنے اہل رشتہ سے خوف میں ہوں جو میرے بعد ہوں گے کہ وہ شاید اللہ کے گھر کی خدمت نہ کر سکیں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے "فَهَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِیًّا ۙ○ (سورۃ مریم" الآیۃ::5)

تو اے اللہ! مجھے اپنی بارگاہ سے ایک وارث عطا فرما دے جو میرا وارث ہو اور آلِ یعقوب کا وارث ہو اور اے اللہ! انہیں پسندیدہ عادات والا بنا دے یا اپنی بارگاہ میں ان کو پسند فرما لے۔ یہ دعا انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں کی جس کے جواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے زکریا! میں نے تمہاری دعا سن لی ہے اور میں تمہیں اولاد عطا فرماؤں گا۔ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں۔

یٰزَکَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسۡمُهٗ یَحۡیٰی لَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ قَبۡلُ سَمِیًّا ۙ○ (سورۃ مریم" الآیۃ::7)

اے زکریا! ہم آپ کو بشارت دیتے ہیں ایک بیٹے کی جن کا نام یحیٰ ہوگا اور یہ نام ہم نے ان سے پہلے کسی کا نہیں رکھا ہے۔

اس بشارت کے بعد حضرت زکریا نے انتہائی خوشی کے عالم میں اپنے رب کی بارگاہ میں شکر ادا کیا اور پھر دوبارہ بطورِ تعجب اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے اللہ! میں بڑا ضعیف ہوں اور میری اہلیہ بانجھ ہیں اور تو بلاشبہہ کرم فرمانے والا ہے۔

تو اللہ نے فرمایا کہ زکریا تمہارا خود وجود اس بات کی شہادت دے گا کہ ہم نے تمہیں غیر موجود سے موجود کیا تم نہیں تھے ہم نے تمہیں پیدا کیا تو جو غیر موجود سے موجود کر سکتا ہے۔ وہ بڑھاپے میں تمہیں اولاد سے بھی نواز سکتا ہے۔



حضرتِ زکریا نے عرض کی کہ اے اللہ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے تو اللہ نے فرمایا کہ جب آپ بغیر کسی طبعی عذر کے تین روز تک کلام نہ کر سکیں تو سمجھ لیں کہ اب اللہ کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ چنانچہ فرمان خداوندی کے مطابق آپ کے یہاں حضرت یحیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی پھر آپ بہت جلد سن دعوت و تبلیغ کو بھی پہنچ گئے۔

تو اللہ نے ارشاد فرمایا کہ "یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّةٍ"

اے یحیٰ اللہ کے کلام کو، اس کے پیغامات کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔

"وَ اٰتَیۡنٰهُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ۙ○ (سورۃ مریم" الآیۃ:12)

اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو دانائی سے نوازا۔

وَّ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوةً ؕ وَ کَانَ تَقِیًّا ۙ (سورۃ مریم" الآیۃ:13)

اور اپنی طرف سے نرم دلی اور پاکیزگی دی اور وہ (اللہ سے) بہت زیادہ ڈرنے والا تھا۔

وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَیۡهِ وَ لَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا (سورۃ مریم" الآیۃ:14)

اور انہیں اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا بنایا اور وہ سرکش و نافرمان نہ تھے۔

حضرتِ یحیٰ علیہ السلام بچپن ہی سے دعوت و تبلیغ کے فرائض انجام دینے لگے اور انہوں نے بنو اسرائیل کو گناہوں سے توبہ کی ترغیب دی اور دنیا کے حرص اور لالچ سے ان کو نکالا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو درخت پھل نہیں دیتا اس کو کاٹ دیا جاتا ہے اور جلا دیا جاتا ہے اگر تم بے صبر ہوئے اور اللہ کی بندگی سے بے نیاز ہو گئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو بھی بے پھل درختوں کی طرح کاٹ دیا جائے اور جلا دیا جائے۔ یہ انداز تبلیغ ان کا تھا اور اس طرح سے انہوں نے پوری قوم کو اللہ کی بندگی اور عبادت کی طرف مائل کیا۔ مگر پھر اس کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس کی بنیاد پر انہیں شہادت سے دو چار ہونا پڑا۔

اس وقت کا بادشاہ فلپ تھا، وہ اپنے بھائی کی بیوی جس کا نام ہیروڈیس تھا کو ناجائز طریقہ سے اپنا رکھا تھا اور حضرتِ یحیٰ اس کو منع کرتے تھے کہ ایسا مت کر! یہ گناہِ عظیم ہے، مگر وہ باز نہ آیا، اور دوسری طرف اس کی ناجائز محبوبہ اسے آمادہ کرتی رہی کہ جنابِ یحیٰ کو شہید کر دے اس لیے کہ وہ ہمارے تعلقات کے راستہ میں رکاوٹ کھڑی کر رہے ہیں۔

چنانچہ فلپ نے اپنی معشوقہ کی خواہش پر حضرتِ یحیٰ کو شہید کر دیا اس طرح بنو اسرائیل یعنی یہود حضرتِ زکریا علیہ السلام سے بھی منحرف ہو گئے اور باغی ہو گئے اور جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ ان کی زندگی کو خطرہ ہے تو ایک جنگل میں چلے گئے اور وہاں ایک درخت میں پناہ لی۔ درخت شق ہو گیا اور اس کے اندر وہ چھپ گئے مگر شیطان نے یہودیوں کو خبر کر دی کہ اس درخت کے اندر جنابِ زکریا ہیں ان لوگوں نے آرے سے درخت کو چیرا اور جنابِ زکریا بھی شہید کر دیے گئے۔ ان دونوں شہادتوں کے بعد بنو اسرائیل پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور بخت نصر نے ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل کر کے بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دیا اور ہیکل سلیمان کو اپنے ساتھ اٹھا لے گیا اور جملہ مذہبی آثار کو مٹا دیا۔

آخر میں قرآنِ عظیم ارشاد فرماتا ہے:

"وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا○

(سورۃ مریم، الآیۃ:15)

جنابِ یحیٰ پر اللہ کا سلام ہو اس روز جس روز وہ پیدا ہوئے، جب وہ انتقال کریں گے اور جب وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔ قرآن عظیم نے جنابِ یحیٰ علیہ السلام کی یوم ولادت، موت اور یومِ بعثت پر سلام فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کی یومِ ولادت یا یومِ وفات پر سلام بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے۔



انسانی زندگی میں تین مراحل بڑے اہم ہوتے ہیں۔ پہلا مرحلہ ولادت کا ہوتا ہے جب وہ عالم ارواح سے عالم فانی میں آتا ہے، اس کے سامنے ایک نئی دنیا ہوتی ہے، ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اس کے بعد دوسرا مرحلہ موت کا ہوتا ہے وہ بھی حیات کا ایک نیا مرحلہ ہے اور اس کے بعد پھر دوبارہ اٹھایا جانا ہے وہ زندگی کی تیسری منزل ہے، اور ان تینوں مقام پر سلامتی کی دعا فرمائی ہے۔

پروردگارِ عالم نے گویا کہ اس طرح سے تلقین کی ہے، یہ حکم دیا ہے کہ ان تینوں مقام پر بندے کو پیدا ہونے کے بعد اور اس کے بعد موت کے وقت اور اٹھنے کے بعد اپنے رب سے سلامتی ہی طلب کرنی چاہیے۔ یہ انسانی زندگی کے بہت اہم مراحل ہوتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! اس سورت کا آغاز جن حروفِ سے ہوا ہے وہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں، اور ان کے باب میں مفسرین کی رائے یہی ہے اللہ و رسولہ اعلم۔ مگر اربابِ ذوق و اربابِ علم نے اس کی بہت سی تفاسیر بھی لکھی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ حروف اسمائے الٰہیہ پر دلالت کرتے ہیں اور "کاف" سے کافی "ہا" سے ہادی "یا سے" یا حکیم "عین" سے علیم اور "صاد" سے صادق مراد ہے۔ جس کے معنی ہوں گے "كَافٍ لِخَلْقِهٖ هَادٍ لِعِبَادِهٖ يَدُهٗ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ عَالِمٌ بِهِمْ صَادِقٌ فِيْ وَعْدِهٖ" اللہ اپنے بندوں اور مخلوق کے لیے کافی ہے، اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا ہے، اس کا دستِ قدرت اپنی مخلوق پر ہے اور وہ ان کو جاننے والا ہے اور اپنے وعدے کا سچا ہے۔

مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "كٓهٰيٰعٓصٓ" کو اسمائے الٰہیہ میں شمار کیا ہے اور ایک دفعہ انہوں نے یہ دعا کی تھی "يَا كٓهٰيٰعٓصٓ اِغْفِرْلِيْ" اس سے معلوم یہ ہوا کہ انہوں نے اس کو اسمائے الٰہیہ میں شمار کیا ہے اور ان اسما کے ذریعہ سے اپنی مغفرت

کے لیے دعا کی ہے۔ یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ بعض علما نے اس کو اسم اعظم بھی قرار دیا ہے۔ (یہ ساری تفصیلات آپ کو روح المعانی میں میسر آسکیں گی)

حضراتِ گرامی! جنابِ یحییٰ اور جنابِ زکریا کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنابِ مریم کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرتِ مریم کی والدہ نے نذر مانی تھی اور جب وہ پیدا ہوئیں تو انہیں اللہ کے گھر کی خدمت کے لیے وقف کر دیا گیا۔ پھر ایک ایسا مرحلہ بھی آیا کہ جب ان کے پاس ایک فرشتہ انسانی شکل میں حاضر ہوا وہ خوف سے لرز اٹھیں، محرابِ مسجد ہی میں اور کہا کہ "اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا" میں رحمٰن کی پناہ لیتی ہوں تم سے اگر تم پرہیزگار ہو۔ تم کون ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا نمائندہ ہوں میں اس لیے آیا ہوں تا کہ تمہیں ایک زکی بیٹا عطا کر دوں۔

حضرت جبریل علیہ السلام بشری شکل میں اس لیے آئے تھے کہ جناب مریم ان کو ملکوتی شکل میں دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔ "لِاَهَبَ" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ پیدا کرنے والا اللہ ہے مگر حضرت جبرئیل نے عطا کو اپنی طرف اس لیے منسوب کیا ہے کہ اللہ اگر کسی کو کسی بات کا حکم دے اور وہ اس بات کو انجام دے تو اس کو اپنی طرف منسوب کر سکتا ہے۔

حضرت مریم نے فرمایا کہ مجھے کس طرح لڑکا ہوگا!! مجھے کسی آدمی نے چھوا تک نہیں ہے، نہ میں بدکردار ہوں؟ جنابِ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ کے رب کا حکم ہے اور اس کے لیے یہ آسان ہے کہ بن باپ کے اولاد عطا فرمائے اور ان کی پیدائش لوگوں کے لیے نشانی ہوگی اور یہ پیدائش اللہ کی رحمت سے ہوگی اور یہ بغیر علت و معلول کے ہوگی۔ اور اس طرح سے دنیا پر اس بات کی وضاحت ہوگی کہ اللہ قادرِ مطلق ہے۔ جیسے کہ جناب آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا جنابِ حوا کی تخلیق کی اور ایسے ہی جنابِ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی بغیر باپ کے ہو سکتی ہے۔



جنابِ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا امید سے ہو گئیں اور جب ولادت کا وقت قریب آیا تو ایک کھجور کے درخت کے پاس کہنے لگیں: اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور فراموش شدہ ہو جاتی! یہاں ولادت کیسے ممکن ہوگی؟ ایک فرشتہ نے آواز دی اے مریم! غمزدہ نہ ہو اللہ پاک نے آپ کے قدموں کے نیچے ایک ندی جاری فرما دی ہے اور یہ خشک کھجوروں کا درخت ہے آپ اگر ہلائیں تو تازہ کھجوریں آپ کو ملیں گی اور آپ اسے کھائیں اور اپنے لختِ جگر کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ اور جب ان کی ولادت ہو جائے اور جب انہیں لے کر آپ آبادی میں جائیں اور جب لوگ آپ پر یہ اعتراض کریں تو آپ ان کو (اشاروں میں) کہہ دیں کہ میں نے روزہ رکھا ہے میں کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔

جب اپنے بچے کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے کہا کہ اے مریم تم نے یہ ناپسندیدہ عمل کیوں کیا؟ تم ایک عظیم خاندان کی بیٹی ہو نہ تمہارے والد ایسے تھے، نہ تمہاری والدہ ایسے کردار کی حامل تھیں۔ حسبِ ارشادِ خداوندی جنابِ مریم خاموش رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ گویا انہیں سے پوچھ لو! لوگوں نے حیرت سے کہا کہ یہ چھوٹا بچہ ہے ابھی پالنے میں رکھا ہوا ہے ہم ان سے کیسے سوال کر سکتے ہیں؟۔

ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ جنابِ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۙ○ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪○ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ○ (سورۃ مریم، الآیۃ: 30، 31، 32)

میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے، مجھے نبی بنایا ہے، مجھے مبارک بنایا ہے میں جہاں کہیں بھی رہوں اور مجھے وصیت فرمائی ہے نماز کی زکات کی جب

تک میں زندہ رہوں اور میں اپنی والدہ کے لیے نیکو کار رہوں ان کے ساتھ نیکی کروں، اللہ نے مجھے سخت طبیعت اور شقی و بد بخت نہیں بنایا ہے۔

اور سلامتی ہو اس وقت جب میں پیدا ہوا اور جب میں مروں گا اور جب میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا جنابِ عیسٰی ابن مریم کا فرمان حق تھا جس کے بارے میں تم شک کر رہے ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو اپنا بیٹا نہیں بناتا وہ اس سے پاک ہے جب وہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے "کن" اور وہ چیز ہو جاتی ہے اللہ تعالی قادرِ مطلق ہے۔

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں پہلی بات تو یہ ہے کہ جنابِ عیسٰی علیہ السلام نے گہوارے میں کلام فرمایا اور اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ ابھی وہ نبی نہیں ہیں، ابھی وہ پیدا ہوئے ہیں اور ابھی انہیں کتاب عطا نہیں کی گئی ہے، نماز اور زکات کا حکم ابھی نہیں دیا گیا ہے۔ مگر یہ ساری باتیں وہ پہلے فرما رہے ہیں جبکہ وہ نوزائدہ ہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس بات کو من جانب اللہ یقینی اور لازمی طور پر ہونا ہے اس کو صیغۂ ماضی یا حال کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ حقائق پیش آنے والے تھے۔ اس لیے انہوں نے گویا اس طرح بیان کی کہ مجھے اس وقت بھی کتاب عطا کی گئی ہے، اور مجھے پیغمبر بنایا گیا ہے یہ ساری باتیں جنابِ عیسٰی علیہ السلام نے گہوارے میں فرمائی۔

حضراتِ گرامی! ماضی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے بچپن ہی میں آپ کو ان خوبیوں سے سرفراز فرما دیا تھا۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو چیز علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہو اگرچہ وقوع پذیر نہ ہوئی ہو۔ پھر بھی اسے زمانۂ ماضی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے "وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا" مجھے بہت زیادہ نفع دینے والا بنایا ہے، میں بھلائی کا حکم دے کر اور برائیوں سے روک کر لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا ہوں اور لوگوں کی حاجت روائی کرنے والا ہوں۔



نماز اور زکات سے یا تو اصطلاحی نماز اور اصطلاحی زکات مراد ہے یا زکات سے مراد انتہائی پاکیزہ کردار کا مالک اور نماز سے مراد دعا بھی ہو سکتی ہے تزکیۂ نفس اور دعا دونوں شامل ہو سکتے ہیں۔ آپ کی والدۂ محترمہ پر جو الزام عائد کیا گیا تھا اس کے جواب کے لیے قرآن نے اتنا موثر اور دل پذیر انداز اختیار کیا ہے کہ جن کے شہزادے جن کے بیٹے اتنی خوبیوں کے حامل ہوں ان کی ماں اتنی گنہگار کیسے ہو سکتی ہیں؟ یہ انداز ان کی پاکیزگی اور ان کے کردار کی عظمت کے لیے کافی ہے۔

جنابِ عیسٰی علیہ السلام نے اپنے بچپن ہی میں حکم خداوندی اختیار فرمایا۔ ایک عورت نے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو اس کا ہاتھ سوکھ گیا، ایک مرد نے ان پر زنا کا الزام لگایا تو وہ گونگا ہو گیا، یورپ کے بعض مصنفین نے حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کے باب میں یہ کہا ہے کہ وہ بن باپ کے نہیں پیدا ہوئے تھے بلکہ یوسف نجار کے بیٹے تھے۔

بعض یورپی ذہن وفکر رکھنے والے مسلمانوں نے بھی یہ بات کہی ہے مگر یہ قرآن پاک کی آیات کی بے جا تعبیرات ہیں ایسا کہنے والے یا لکھنے والے نص قرآنی کے منکر ہیں اور اس طرح کی تعبیرات کے ذریعہ سے قرآن پاک میں معنوی تحریف کر رہے ہیں۔

حضراتِ گرامی! کیا کوئی شادی شدہ عورت اگر کسی بچے کو پیدا کرے تو اس کا اس طرح بیان ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے؟ ایسا استقبال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں کیا گیا ہے؟ یقیناً یہ معجزاتی طور پر جلوہ گر ہوئے تھے اور دنیا کے تمام انسانوں سے مختلف تھے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ کلام انہوں نے اس وقت کہا جب وہ دس برس کے ہو چکے تھے۔ یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ کہنا کہ "کَانَ" فعل ناقص اور ماضی ہے یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن ایسا نہیں ہے قرآن پاک میں 'کان' حال کے لیے بھی

استعمال کیا گیا ہے ''کان اللہ'' کے الفاظ بھی آئے ہیں ''کان اللہ غفورا رحیما'' بھی موجود ہے۔

امام النحو والادب کہتے ہیں کہ ''کان'' زائدہ بھی ہوتا ہے جو ہر زمانے پر دلالت کرتا ہے اور وہ ماضی حال اور دونوں پر دلالت کرسکتا ہے جیسے کہ ''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا○'' اس میں بھی کان کا لفظ ہے جبکہ یہ حال پر دلالت کر رہا ہے۔ حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کے باب میں عیسائیوں کے بہت سے اختلافات ہیں۔

ایک طبقہ حضرتِ عیسٰی کو خدا کہتا ہے، یعقوبیہ ایک گروہ ہے، نستوریہ ایک گروہ ہے وہ کہتا ہے کہ خدا کے بیٹے ہیں اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بشرِ محض ہیں مشاہدۂ خداوندی کے حامل ہیں اور قربِ خاص سے نوازے گئے ہیں اس لیے انہیں بیٹا کہا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نبی تھے، اللہ کے بندے تھے، بشر تھے، صاحبِ معجزات تھے، اللہ کا انتخاب تھے۔ وہ اللہ کے بیٹے نہیں تھے اور نہ خدا تھے یہ ساری باتیں غلط ہیں اور قرآن نے اس کی تردید مختلف مقامات پر کی ہے۔

وہ زندہ اٹھا لیے گئے ہیں اور دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور حکم الٰہی سے پوری دنیا کو اسلام کے دائرے میں داخل کریں گے اور پھر اپنی طبعی موت سے انتقال فرمائیں گے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ یہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے خدا ہم سب کو حق پر قائم رکھے اور ان ساری باطل قوتوں کو بالخصوص ان قادیانیوں کو جو جنابِ عیسٰی علیہ السلام کو نبی بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں ان کی ماں پر الزام بھی لگاتے ہیں اور خود اپنے کو مسیحِ موعود، غلام احمد کہتا ہوا نظر آتا ہے اللہ اس کے فتنے سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!



## خطاب نمبر (۲۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ○ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى○ (سورۃ طٰہٰ، اٰیۃ: 1،2)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِيْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج سورۂ طٰہٰ کی چند آیاتِ مبارکہ کو پڑھنے کا شرف حاصل کروں گا۔ سورۂ طٰہٰ بھی مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں آٹھ رکوع اور ایک سو پینتیس آیاتِ مبارکہ ہیں، اس سورت کا زمانۂ نزول اور پس منظر یہ ہے کہ مکۂ مکرمہ میں مسلمانوں پر سخت مظالم کا دور ہے، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کے بجائے دارِ ارقم میں خاموشی کے ساتھ تبلیغِ حق کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، تھوڑے سے صحابۂ کرام ایمان لا چکے ہیں، مگر مکہ کی غالب اکثریت کفر پر قائم

اور مسلمانوں کی دشمن ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قیام گاہ پر رات رات بھر عبادت کرتے ہیں اور قرآن عظیم کی تلاوت فرماتے ہیں یہاں تک کہ قدمِ مبارک میں ورم آجاتا ہے۔

دن کو دین کی تبلیغ کے لیے باہر نکلتے تو کافروں کے پتھروں سے زخمی ہو کر واپس ہوتے ہیں، لوگوں کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے وہ بہت غمزدہ رہتے ہیں اور اس غم کی صورت میں خدائے وحدہٗ قدوس کی بارگاہ میں دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ پوری پوری رات عبادت اور دعاؤں میں گزارتے ہیں۔

یہ حالت دیکھ قریش کے سردار بالخصوص ابو جہل اور نضر بن حارث وغیرہ نے یہ طعنہ دینا شروع کر دیا کہ بتوں کی مخالفت کے نتیجے میں انہیں اتنی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ نے ارشاد فرمایا:

طٰهٰ○ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى○

اے محبوب! ہم نے آپ کے اوپر قرآن پاک اس لیے نازل نہیں فرمایا ہے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ قرآن عظیم تو اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہے، یہ اس ذات کی طرف سے ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا، وہ بہت رحمت والا ہے، جو عرش پر جلوہ افروز ہے، جو اس کی شان کے لائق ہے۔

سورۂ طٰہٰ سے ایک عظیم الشان تاریخی واقعہ وابستہ ہے، کافروں نے عرب کے عظیم بہادر سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے ان کو جوش دلایا کہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معبودوں کے دشمن ہیں، ان کا وجود ہمارے لیے نا قابل برداشت ہے کاش انہیں کوئی قتل کر دیتا! یہ سن کر جنابِ عمر حضور کے قتل کے ارادے سے شدید غضبناک حالت میں گھر سے نکلے، ان کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی، ننگی تلوار لہلاتے ہوئے دارِ



ارقم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ راستہ میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے حضرت عمر کے غضب ناک تیور کو دیکھ کر پوچھا۔ عمر کہاں چلے؟ حضرت عمر نے جواب دیا: میں آج جھوٹے مدعیِ نبوت کا کام تمام کر کے واپس آوں گا، تو انہوں نے کہا ''اے عمر! کیا تمہیں اپنے گھر کی خبر ہے؟ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بھی ایمان لا چکے ہیں۔ حضرت عمر کو یہ سن کر بے پناہ غصہ آیا اور سیدھے وہ اپنی بہن فاطمہ کے گھر میں داخل ہوئے اور وہ اس وقت قرآنِ عظیم کی سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کر رہی تھیں۔ جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کان میں چند آیاتِ مبارکہ پڑیں مگر شدید غصہ کے عالم میں انہوں نے اپنی بہن کو مارنا شروع کیا اور ان کے شوہر جنابِ سعید روکنے آئے تو انہیں بھی زخمی کر دیا۔ لیکن جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو سورۂ طٰہٰ کی چند آیتیں جو ان کی سماعت کو نواز چکی تھیں اس کا قلب پر اثر ہوا اس کے انوار و تجلیات کا نزول ہوا اور انہیں اپنی اس زیادتی کا بہت افسوس ہوا اور اپنی بہن سے کہا جو تم پڑھ رہی تھیں وہ مجھے سناؤ، قرآن میرے ہاتھ میں دو! بہن نے ان سے غسل کے لیے کہا اور قرآن عظیم ان کے ہاتھ میں دے دیا انہوں نے اس مقدس سورت کی چند آیاتِ مبارکہ پڑھیں تو دنیائے دل میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ انہوں نے بہن اور بہنوئی سے معذرت کی اور دوبارہ دارِ ارقم کی طرف روانہ ہوئے مگر اب ارادہ مختلف تھا۔ اب قتل کا ارادہ نہیں تھا۔

آپ اندازہ فرمائیں! کہ بہن نے مار بھی کھائی، بہنوئی زخمی بھی ہوئے۔ لیکن جنابِ عمر کی تبدیلی کے بعد ان کی مسرتوں کا کیا عالم رہا ہوگا؟ اس کا اندازہ کوئی صاحبِ ایمان ہی کر سکتا ہے، بہر کیف! وہ اپنی بہن کے گھر سے اس مقدس گھر کی طرف روانہ ہوئے جسے دارِ ارقم کا نام دیا جاتا ہے یہ وہ گھر ہے جہاں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے تبلیغ فرمایا کرتے تھے اور ان کے سامنے ان کے جاں نثار حاضر رہا کرتے تھے۔ یہ گھر ۱۹۷۳ تک

موجود تھا اسی گھر میں علامہ ارشد القادری نے ورلڈ اسلامک مشن کی بنیاد رکھی۔

آپ روانہ ہوئے، صحابہ نے دارِ ارقم سے دیکھا کہ عمر آرہے ہیں، ان کے ہاتھ میں تلوار بھی ہے، ان کے ارادے اچھے نہیں ہیں، جنابِ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اگر عمر کسی اچھی نیت سے آرہے ہیں تو یہ خیر ہے اور اگر وہ کسی غلط ارادہ سے آرہے ہیں تو میں ان کی تلوار سے ان کا سر قلم کردوں گا۔ مگر لبِ مصطفیٰ پر ایک حقیقت افروز تبسم تھا، نگاہِ مصطفیٰ دیکھ رہی تھی کہ عمر کے دل میں ایمان گھر کر چکا ہے، اس دعا کی قبولیت کا وقت آگیا ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں کی تھی کہ اے اللہ! قریش میں سے ابو جہل یا عمر کو اسلام کی دولت دے دے۔

ابو جہل دشمن تھا اور شقیٔ القلب تھا، گستاخ تھا اور گستاخ کو ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ جنابِ عمر دشمن ضرور تھے مگر گستاخ نہیں تھے، انہوں نے قتل کا ارادہ کیا تھا مگر کبھی ان کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جس میں سرورِ کائنات کی گستاخی ظاہر ہو۔ دشمن مومن ہوئے ہیں، کافر ایمان لائے ہیں، لیکن گستاخ کی سزا یہ ہے کہ اسے ایمان سے دور رکھا جاتا ہے ابو جہل تو ایمان نہ لاسکا وہ شقیٔ ازلی تھا۔ مگر جنابِ عمر کے ایمان لانے کا وقت آگیا وہ بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ جنابِ عمر کے ایمان لانے کے بعد صحابۂ کرام نے ایک عظیم الشان نعرہ لگایا۔ اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی اور دور تک سنی گئی اور اس کے بعد جنابِ عمر نے کہا ہم کعبہ میں نماز ادا کریں گے۔

لوگوں نے کہا کہ کیا ہم کعبہ میں نماز ادا کرسکتے ہیں کہا: ہاں! آپ سب ہمارے ساتھ چلیے، جنابِ عمر عریاں تلوار ہی کے ساتھ آگے بڑھے اور یہ اعلان کیا کہ جو چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس کی موت پر روئے وہ میرے سامنے آئے، کسی کی جرأت نہیں ہوئی، اور آپ نے تمام



صحابۂ کرام کے ساتھ آقائے دو جہاں کی امامت میں کعبۂ مقدسہ میں اجتماعی نماز ادا کی۔

جنابِ عمر فاروق کے ذریعہ سے اسلام کو شوکت وغلبہ اور وقار میسر آیا یہ تاریخ کا وہ لمحہ تھا کہ جس کے بعد اسلام کے غالب ہونے کے آثار نمایاں ہوئے اور پھر اور بھی بہت سے لوگ ایمان لائے، جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کی وجہ سے، یہ وہی جنابِ عمر ہیں جو بے پناہ طاقتور تھے، مگر ان کی طاقت کا استعمال عرب کے قبیلے میں تھا یا قریش میں محسوس کیا جا سکتا تھا: مگر ایمان لانے کے بعد وہ فاتح قیصر وکسریٰ ہوئے، دنیا کی دو عظیم طاقتیں ان کے قدموں میں جھک گئیں اور ان کے دورِ خلافت میں روم بھی فتح ہوا اور ایران بھی فتح ہوا۔ یہ وہ ذات ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرًا

(سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی مناقب عمر الرقم:3686)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے مگر میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔ جنابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ پاک وہ ہے کہ جن کے دورِ حکومت میں ۳۵ لاکھ مربع میل کا علاقہ اسلام کے حلقۂ اشاعت میں آیا اور اسلامی حکومت قائم ہوئی۔

دنیا کے تین بڑے اعظموں میں جنابِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا پرچم بلند ہوا۔ آپ جانتے ہیں یہ سب کیوں ہوا؟ قرآن پاک کی چند آیات کو سننے کے بعد، قرآن پاک وہ کتاب ہے کہ جس کی اثر انگیزی نے ہزاروں افراد کو اسلام کی دولت سے آشنا فرمایا اور لاکھوں افراد کی زندگیاں پہلے بھی تبدیل ہوتی رہی ہیں اور آج بھی تبدیل ہو رہی ہیں۔

عزیزانِ ملتِ اسلامیہ! ڈاکٹر اقبال نے غالباً اپنی شاعری میں اسی منظر کو کھینچا ہے۔

تو می دانی کہ سوز قرأت تو
دگرگوں کرد تقدیر عمر را

ترجمہ: اے خاتونِ اسلام! (حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا) تُو جانتی ہے کہ تیری قرآت کے سوز و گداز نے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقدیر بدل ڈالی تھی!! (انہیں فاروقِ اعظم اور اسلام کا سب سے بڑا سپاہی بنا دیا۔)

امتِ مسلمہ کی خواتین سے مخاطب ہوں'' کہ کیا آپ کو اندازہ ہے؟ آپ کی تلاوت نے جنابِ عمر کی تقدیر بدل دی۔ وہ بھی ایک خاتون ہی تھیں جو جنابِ عمر کی بہن تھیں جنابِ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا اور ان کی تلاوتِ قرآن عظیم نے اتنا عظیم انقلاب برپا کیا کہ ان کے ذریعہ سے اسلام کی ایک نئی صبح طلوع ہوئی اور اسلام ایک غالب قوت کی حیثیت سے آگے بڑھا۔

حضراتِ گرامی! سورۂ طٰہٰ میں طٰہٰ بھی حروفِ مقطعات میں سے ہے مگر اس کے بھی بہت خوبصورت مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مفسرین کا قول ہے کہ بعض عرب قبائل میں طٰہٰ کا استعمال یا حبیبی کے طور پر ہوتا تھا گویا اللہ تبارک وتعالیٰ طٰہٰ کے ذریعہ سے اپنے محبوب کو یا حبیب کہہ کر مخاطب فرما رہا ہے۔ کتنا حسین اندازِ تخاطب ہے اور کتنا خوبصورت انداز ہے جو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا لقب ہے جو اللہ کی بارگاہ سے سرکار کو ملا ہے بعض مفسرین نے طٰہٰ کو بھی اسمائے حسنیٰ میں شمار کیا ہے۔

مگر حدیثِ پاک میں سرکارِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام طٰہٰ ہے۔ بعض مفسرین نے ''طا'' سے مراد طاہر اور ''ہا'' سے مراد ہادی لیا ہے اور یہ مفہوم متعین کیا ہے۔ ''یَا طَاهِرُ مِنَ



الذُّنُوْبِ وَ یَا هَادِیَ الْخَلْقِ اِلٰی عَلَّامِ الْغُیُوْبِ'' اے تمام گناہوں سے معصوم اور پاک اور اے علام الغیوب خدا کی طرف سے کائنات کو ہدایت دینے والے!۔ اس سورت میں آگے اللہ کی شان کے حوالے سے آیت ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ○ (سورۃ طٰہٰ الآیۃ:5)

بے پایاں رحم کرنے والا پروردگار رحمٰن اور کائنات پر بے پناہ رحم فرمانے والا رب اپنی فرما روائی کے تخت پر جلوہ فگن ہے۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے، یہ آیت دراصل آیاتِ متشابہات میں سے ہے اس کے بارے میں مفسرین کا قول یہ ہے ''اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَ كَيْفِيَّتُهٗ مَجْهُوْلٌ وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ'' استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

جس طرح بہت سی آیاتِ متشابہات پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگوں نے استوا کے معنی ''اِستَوَلّٰی اللہ'' کے کیے ہیں، بے کیف وکم کے یا بے کیف وجسم کے قید کے ساتھ۔ امام اہل سنت نے اس کا بہترین ترجمہ کیا ہے اور یقیناً یہ انہیں کی احتیاط ہو سکتی ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○

(سورۃ طٰہٰ الآیۃ:6)

اللہ ہی کے لیے ہے جو زمینوں اور آسمانوں میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور جو زمینوں کی تہ میں ہے۔

اے محبوب! اگر تم بلند آواز سے اپنے لوگوں کو پکارو یا خاموشی سے وہ کائنات کے چھپے ہوئے رازوں کو اچھی طرح جانتا ہے، سارے پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔ وہ اللہ ہے اس کے

علاوہ کوئی معبود نہیں اسی کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں اللہ کے ننانوے نام ہیں اور یہ فرمایا ہے آقائے دو جہاں نے فرمایا کہ جو ان ننانوے ناموں کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے باب میں واقعات عطا فرمائے ہیں۔ جب جنابِ موسیٰ علیہ السلام حضرتِ شعیب سے اجازت سے لے کر اپنی شریک حیات کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے طور پر تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کیا۔

سردیوں کی رات تھی، سخت رات، انہوں نے اپنی شریکِ زندگی سے کہا رکو! شاید وہاں آگ ہے میں وہاں سے آگ لے کر آؤں تا کہ ہم تاپ سکیں۔ آپ اسی ارادے سے کوہِ طور کی طرف بڑھے اور پھر اللہ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ فرعون کو دین کی دعوت دینے کے لیے روانہ ہو جاؤ! جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز کیا جائے تا کہ اس دعوت میں وہ میرے وزیر کی حیثیت سے میرے دست و بازو بنیں۔ اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور فرمایا:

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ○ (سورۃ طٰہٰ الآیۃ: 43)

تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ وہ باغی اور سرکش ہو گیا ہے۔

اس کے بعد فرعون کو دعوت دینے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کا مقابلہ جادوگروں سے ہوا جادوگر شکست کھا گئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا جس پر فرعون بہت ناراض ہوا اور اس نے کہا کہ میں تمہیں سخت سزا دوں گا، تمہیں درختوں پر صلیب دوں گا اور تمہارے دست و بازو کاٹ کے رکھ دوں گا۔



ان لوگوں نے کہا ہم ایمان لا چکے ہیں، ہم نے حق کو دیکھ لیا ہے تمہاری جو بھی مرضی ہو ہم اپنے دین سے واپس نہیں ہو سکتے۔ کیا عالم تھا! کلمہ پڑھتے ہی دل کی دنیا میں عظیم انقلاب برپا ہوا کہ وہ قتل گاہِ محبت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے، دست و بازو کٹتا ہوا دیکھتے رہے، سولی پر چڑھنے کے لیے تیار ہو گئے مگر ایمان کی حلاوت نے ان کو اس قدر سرشار کر رکھا تھا کہ وہ دین سے پلٹنے کے لیے کسی بھی حالت میں تیار نہیں ہوئے۔

حضرات! اسلام اور ایمان کی قوت ہی ایسی ہے کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت، دنیا کی کوئی بھی قوت جبر وظلم کے ذریعہ مسلمان کو صراطِ مستقیم سے ہٹا نہیں سکتی ہے۔ یہ نشہ ایسا ہے جسے تلخی حیات کبھی اتار نہیں سکتی ہے۔

حضرات! تاریخِ انسانی میں ایسے ہزاروں واقعات ہیں کہ لوگوں نے صلیب و دار کے سامنے کلمہ پڑھا ہے اور تلواروں کو بوسہ دے کر اپنے رب کا سجدہ کیا ہے۔ آج اسی ایمان کی ضرورت ہے۔ حالات آج اتنے خراب ہو رہے ہیں اور یقیناً ہماری بداعمالیوں کی بنیاد پر ایسا ہو رہا ہے۔ ممکن ہے ہمیں بھی صلیب و دار کی منزلوں سے گزرنا پڑے مگر ایمان کی وہ پختگی جو سابقین اہل ایمان کے اندر تھی وہ آج موجود نہیں ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔

اس کے بعد فرعون پر آنے والے عذاب کا بھی تذکرہ ہوا۔ اور اللہ نے جنابِ موسیٰ کو حکم دیا کہ تم اپنی قوم کو لے کر دریا سے باہر چلے جاؤ، جب آپ اپنی پوری قوم کے ساتھ دریا کے قریب پہنچے یقیناً دریائے نیل ہی رہا ہوگا کیوں کہ وہ واحد دریا ہے جو مصر اور فلسطین کے درمیان میں ہے۔ مگر جب آپ پہنچے تو دریا میں کوئی راستہ نہیں تھا، کوئی کشتی نہیں تھی اور پیچھے فرعون کی فوج آپ کے تعاقب میں آرہی تھی۔ بنی اسرائیل نے کہا ہم تو پکڑ لیے گئے۔ آپ

نے فرمایا غم نہ کرو! ہمارا محافظ اللہ ہے جس نے ہمیں حکم دیا ہے وہی ہمیں بچائے گا۔ پھر ندا آئی موسیٰ اپنے عصا کو دریا پر مارو، آپ نے اپنے عصا کو دریا پر مارا اور دریا میں راستہ پیدا ہوگیا دونوں طرف موجیں پہاڑوں کی طرح کھڑی ہوگئیں اور بیچ میں خشک راستہ تھا آپ اپنی پوری قوم کو لے کر دریا میں اتر گئے اور دریا کے اس پار پہنچ گئے۔

فرعون نے جب دیکھا تو اسے غلط فہمی ہوئی کہ شاید یہ راستہ ہی ہے اپنی پوری فوج کے ساتھ دریا میں اترا اور جب بیچ میں پہنچا تو موجیں مل گئیں۔ ایسے موقع پر اس نے گردن بلند کر کے کہا: "اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰی و هٰرُوْن" ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے مگر موت کے وقت یہ ایمان قابل قبول نہیں ہے اسے ڈبو دیا گیا مگر بعد میں دریا کی موجوں نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا تاکہ وہ لوگوں کے لیے عبرت بن سکے اور آج بھی کسی میوزیم برطانیہ کے میوزیم میں اس کی لاش بطورِ عبرت موجود ہے۔

بہرکیف واقعات کے ساتھ ساتھ ہدایت اور نصائح اس میں شامل کر دی گئی ہیں جیسا کہ قرآن پاک کا اسلوب بیان ہے کہ قرآن پاک صرف واقعہ ہی بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ توحیدِ الٰہی، آخرت کا عذاب اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب، اہل ایمان کے انعامات اور منکرین کے لیے سزاؤں کا ذکر بھی شامل ہوتا ہے۔

سورۂ طٰہٰ کے اخیر میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کہ اب اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور اس پر قائم رہو ہم تم سے کوئی رزق طلب نہیں کرتے، ہم تو رزاق ہیں، ہم تو خود کائنات کو رزق دیتے ہیں اور انجام کی کامیابی صرف اہل تقویٰ کے لیے ہے پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

حضراتِ گرامی! یہ سورۂ طٰہٰ کا مختصر مفہوم تھا۔ اب سورۂ انبیاء کی چند آیات کا مفہوم بھی



ملاحظہ فرمائیں تاکہ سورۂ انبیا کے مضامین بھی ہمارے سامنے ہوں۔

سورۂ انبیا کا آغاز ستر ہویں پارے میں ان آیات کے ساتھ ہوتا ہے۔

"اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ○

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::1)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے لیکن وہ اپنی غفلت میں ڈوبے ہوئے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور جب بھی ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ذکر نازل ہوتا ہے کوئی نئی آیت، کوئی نیا پیغام کوئی نیا ذکر اسے سنتے نہیں ہے بلکہ کھیلتے ہیں اور وہ خاموشی کے ساتھ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ جو ظالم لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے جیسے ہی بشر ہیں، کیا تم ایک جادوگر پر ایمان لاؤ گے؟ جب کہ تم دیکھ رہے ہو اس طرح کی بات سارے پیغمبروں کے بارے میں کافروں نے کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی لوگوں نے کی ہے۔

اس کے بعد بہت ساری آیاتِ مبارکہ کے بعد اللہ تعالیٰ بہت سارے انبیائے کرام کا ذکر فرما رہا ہے اور سب سے پہلے جنابِ موسیٰ کا ذکر کیا:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِیَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ○

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ:48)

ہم نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو فرقان عطا فرمایا (یعنی قرآن عظیم) روشنی عطا فرمائی اور اہل تقویٰ کے لیے تذکیر کا سامان فراہم کیا۔ یہ اہل تقویٰ کون ہیں۔

"اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ" (سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::49)

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے غیب کی منزل میں ڈرتے رہتے ہیں۔ یعنی انہوں نے اپنے رب کو دیکھا نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ

قیامت کے بارے میں ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں۔

"وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ"

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::50)

یہ مبارک ذکر ہے جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے تو کیا تم اس کا انکار کرو گے؟

اسی طرح سے ہم نے ابراہیم کو ہدایت کا راستہ عطا فرمایا اور یقیناً ہم اس سے پہلے بھی جاننے والے تھے جب جنابِ ابراھیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا۔ یہاں مجازًا "لِاَبِيْهِ" کہا گیا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جنابِ ابراھیم کے والد کا نام آزر نہیں بلکہ تارخ تھا اور بائبل میں بھی یہی لکھا ہے۔ چونکہ والد کا انتقال ہوگیا تھا اور وہ اپنے چچا کے زیرِ پرورش تھے اس لیے "ابیہ" کا لفظ مجازًا استعمال کیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سرورِ کائنات کے نسب پاک میں ان کی ذات سے لے کر جنابِ آدم تک نہ کوئی بت پرست تھا نہ کوئی مشرک تھا۔

بہرکیف جب انہوں نے اپنے چچا آزر اور ان کی قوم سے کہا:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ○

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::52)

یہ تصویریں اور یہ بت کیسے ہیں جن کے سامنے تم جھکے رہتے ہو۔

تو انہوں نے جواب دیا:

"وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ○(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::53)

ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::54)



بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا آپ ہم پر حق پیش کر رہے ہیں یا کھیل کر رہے ہیں؟ مذاق کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ تمہارا پروردگار جو آسمان اور زمین کا پروردگار ہے اور جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور بلاشبہ میں اس کی ذات پر شاہدین میں سے ہوں اور قسم خدا کی میں تمہارے بتوں کا برا حال کر دوں گا جب تم یہاں سے جاؤ گے۔

قرآن پاک ہمیشہ اختصار کے ساتھ بہت سارے مفاہیم کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک عید کا موقع تھا اور جنابِ ابراہیم علیہ السلام صبح سویرے گئے اور بت کدے کے سارے بتوں کو توڑ دیا اور ہتھوڑا بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا اور چلے آئے جب بادشاہ اور حواری پوجا کے لیے ہاتھوں میں نذرانوں اور مٹھائیوں کے طشت لے کر گئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹے ہوئے ہیں تو ان کے ہاتھوں سے طشت گر گئے اور بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ تو لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کے بارے میں سنا ہے جن کا نام ابراہیم ہے کہ وہ ہمیشہ ان بتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے ہیں۔

اس نے کہا انہیں میرے سامنے لاؤ! جب وہ لائے گئے تو بادشاہ نے پوچھا:

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ○ (سورۃ الأنبیاء، الآیۃ:62)

اے ابراہیم کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟

تو جنابِ ابراہیم نے بطورِ استدلال یہ کہا

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ "(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ:63)

یہ تو ان کے بڑے نے کیا ہے۔

قاتل بھی موجود ہے اور آلۂ قتل بھی موجود ہے۔ جس کے کاندھے پر تم ہتھوڑا دیکھ

رہے ہو اس سے پوچھو! اگر وہ بول سکے تو۔ تو انہوں نے گردنیں ڈال دیں اور آپس میں کہا کہ یقیناً تم ظالم ہو۔ پھر یہ کہا کہ تم جانتے ہو ابراہیم یہ بول نہیں سکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا تم اللہ کے علاوہ ایسے بتوں کی عبادت کرتے ہو جو بول بھی نہیں سکتے، تمہیں نفع بھی نہیں پہنچا سکتے، تمہیں نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے۔ افسوس ہے تمہارے اوپر تم اللہ کے علاوہ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟ کیا تمہیں شعور نہیں ہے؟۔

اب ظاہر ہے کہ جب دلائل سے انسان عاجز آجاتا ہے تو وہ ظلم کرتا ہے۔ دنیا میں باطل ہمیشہ دلائل کے مقابلے میں کبھی کھڑا نہیں ہوتا اور جب دلائل دینے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر ظلم کرنا شروع کر دیتا ہے انہوں نے کہا:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::68)

تم جنابِ ابراھیم کو جلا دو اور اپنے معبودانِ باطل کی مدد کرو اگر تم یہ کر سکتے ہو۔

اور پھر جب انہوں نے آتش کدہ تیار کر لیا اور جنابِ ابراھیم کو ڈالنے کی کوشش کی تو حضرتِ جبریل حاضر ہوئے اور کہا "هَلْ لَكَ حَاجَةٌ يَا اِبْرَاهِيْم" اے ابراہیم کیا تمہیں کوئی حاجت ہے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟ تو جنابِ ابراھیم نے انتہائی اطمینان سے کہا جبریل مجھے حاجت ہے اپنے پروردگار سے مگر تم سے نہیں، تم نے عشق کے مزاج کو سمجھا نہیں، محبت کرنے والا اپنے محبوب سے پھولوں کے سیج ہی نہیں بلکہ انگاروں کے بستر بھی قبول کر لیتا ہے۔

میرے مولیٰ کی جو مرضی ہے میں راضی ہوں۔ پھر انہیں آگ میں ڈالنے کی کوشش کی گئی اور پھر اللہ نے فرمایا:



يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::69)

اے آگ جنابِ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا "بَرْدًا وَّسَلٰمًا" ایسی ٹھنڈی نہ ہو جانا کہ انہیں تکلیف پہنچے ٹھنڈی بھی ہو جا اور سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا اور پھر آتش کدہ ٹھنڈا ہو گیا اور گلزار میں تبدیل ہو گیا۔

ان کے بعد جنابِ لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا کہ ہم نے انہیں بھی نجات عطا فرمائی اور پھر حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کا بھی تذکرہ کیا گیا کہ وہ سارے صالحین میں سے تھے اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو ہدایت دینے والا امام بنا کر بھیجا تھا اور ہم نے ان کے اوپر وحی کی تھی نیک کاموں کی، زکات دینے کی، نماز قائم کرنے کی اور یہ نیک لوگ تھے۔

پھر جنابِ لوط کا تذکرہ کیا گیا کہ ہم نے ان کو علم عطا فرمایا، احکامات بخشے اور ہم نے انہیں اس آبادی سے نجات دی جو برے کام کرتی تھی۔ بلاشبہہ اس آبادی کے لوگ بڑے ظالم تھے آپ جانتے ہیں کہ قومِ لوط مردوں کا مردوں سے جنسی رابطہ قائم کرانے کا مزاج رکھتی تھی۔

اور اللہ فرماتا ہے کہ پھر ہم نے لوط (علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں) کو اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ نیکوں میں تھے۔

پھر جنابِ نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہوا کہ جنابِ نوح مظالم اور مصائب کے ماحول میں تھے اور ان کی قوم نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو انہوں نے اپنے رب سے دعا کی تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے ایک کربِ عظیم سے نجات دی اور ہم نے ان کی مدد کی ان لوگوں کے مقابلے میں جنہوں نے ہمیں جھٹلایا تھا بلا شبہ برے لوگ تھے اس لیے انہیں غرق آب کر دیا گیا۔ پھر جنابِ داؤد کا تذکرہ ہوا، جناب سلیمان کا تذکرہ ہوا اس طرح سے دوسرے انبیائے کرام کا تذکرہ بھی اس سورت الانبیا میں کیا گیا۔ اللہ فرماتا ہے کہ ان

انبیائے کرام نے جب بھی ان پر کوئی مصیبت آئی تو انہوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں رجوع کیا اور ہم نے ان کی مشکلات دور کر دی۔

"وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ○

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ::83)

اور ایوب کو (یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بیشک مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ جنابِ ایوب کو امتحاناً مبتلائے مصیبت کیا گیا تھا اور عالم یہ تھا کہ ان کے بہت سے بچے، بہت سی بیٹیاں، بہت سے باغات یہ سب موجود تھے، بچوں کو موت آ گئی، خاندان ختم ہوگیا اور باغات اور پھل جل گئے اور پھر جسم کے اندر بیماری پیدا ہوئی یہاں تک کہ آبادی کے لوگوں نے نکال دیا اور اس طرح سے کئی سال تک رہے اور پھر انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی اور دعا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ قوم نے طعنہ دینا شروع کر دیا تھا کہ جنابِ ایوب سے کوئی غلطی ہوئی ہوگی جس کی بنیاد پر ان کو یہ سزا دی گئی ہے، انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی، اے اللہ! میں مصیبتیں تو برداشت کر سکتا ہوں مگر طعنہ نہیں۔

پھر اللہ نے جنابِ جبریل کو بھیجا انہوں نے زمین پر اپنا پیر مارا اُس سے چشمہ پھوٹا اس سے انہوں نے غسل کیا۔ صحت مند ہوئے اور آبادی میں آئے اور اللہ نے ان کو اس سے زیادہ دولت عطا فرمائی اور مال و دولت سے پھر نوازا اور اقتدارِ عام بخشا۔

اس کے بعد اللہ نے جنابِ اسمٰعیل، جنابِ ادریس اور جناب ذی الکفل علیہم السلام کا تذکرہ کیا یہ سب صالحین میں سے ہیں۔ ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔ اور جنابِ ذوالنون جنہیں جنابِ یونس بھی کہتے ہیں جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے اور پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا تب انہوں نے یہ دعا کی تھی:



لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ○

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ:88)

کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے، بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

(سورۃ الأنبیاء، الآیۃ 88)

تو ہم نے ان کی بھی دعا قبول کی اور ان کو غم سے نجات دی اور بلاشبہہ اسی طرح ہم مومنین کو غم سے نجات دیتے ہیں۔

یہ فرمان ہے اللہ کا کہ جب انبیائے کرام نے ہماری بارگاہ میں دعا کی اور ہم نے ان کو نجات دی تو ہم سارے مومنین کو جو قیامت تک ایمان لاتے رہیں گے جب ہمیں بلائیں گے، اور ہماری بارگاہ میں سجدہ کریں گے تو یقیناً ہم ان کی مدد کریں گے۔

اور جنابِ زکریا نے جب اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی اے اللہ! تو مجھے تنہا مت چھوڑ بے شک تو بہترین وارث عطا فرمانے والا ہے۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ہم نے انہیں جنابِ یحیٰ علیہ السلام سے نوازا اور یہ لوگ بلاشبہہ کثرت سے نیکیاں کرنے والے تھے اور ہماری بارگاہ میں خواہش اور خوف سے دعائیں کرنے والے تھے، بلاشبہہ ڈرنے والے تھے۔

اسی طریقے سے اور بھی انبیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس تذکرے کے بعد پروردگارِ عالم نے یہ ارشاد فرمایا:

"فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ○ (سورۃ الأنبیاء، الآیۃ94)

تو جو نیک اعمال کرے اور وہ ایمان والا ہو تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں

ہوگی اور ہم اسے لکھنے والے ہیں۔

پروردگارِ عالم ہمیں بھی نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں انبیائے کرام کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور مصیبتوں میں صرف اپنے رب سے دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا ربّ العٰلَمِیْن)

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!



## خطاب نمبر (۲۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ○

(سورۃ الحج، آیۃ 1)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْکِرَام اَجْمَعِیْنَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج سورۃ الحج اور سورۃ المومنین کی کچھ آیاتِ مبارکہ پڑھنے کا شرف حاصل کروں گا پروردگارِ عالم ہمیں اور آپ کو قرآنِ عظیم کی آیاتِ مبارکہ اور احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ سورۂ حج میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○

(سورۃ الحج، الآیۃ: 1)

اے لوگو! اپنے اللہ سے ڈرو! بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی شئی ہے، جس روز کہ تم دیکھو گے کہ غافل ہو جائے گی ہر ماں اپنے لختِ جگر سے جسے اس نے دودھ پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تم لوگوں کو نشہ کی حالت میں دیکھو گے جب کہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا۔

یہ قیامت کا ایک منظر کھینچا گیا ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی اور قیامت کا زلزلہ انسانوں پر طاری ہوگا تو کسی کو ایک دوسرے کی کوئی خبر نہیں ہوگی، ماں اپنے جگر گوشے کو ،اپنے بچوں کو بھول جائے گی، حاملہ عورتیں اپنے بچوں کو قبل از وقت گرا دیں گی اور لوگوں کی حالت یہ ہوگی کہ لگے گا کہ وہ نشے میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر وہ نشے میں نہیں ہوں گے، یہ اللہ کے عذاب کی بنیاد پر ہوگا۔ اس کے بعد بہت سے احکامات اللہ نے عطا فرمائے اور پھر حج پاک کا حکم دیا گیا۔ اللہ جنابِ ابراہیم سے ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○ (سورۃ الحج، الآیۃ: 27)

اے ابراہیم! لوگوں کو حج کے لیے اعلان کرو وہ آپ کے پاس پیدل یا اونٹنیوں پر سوار ہو کر کے آئیں گے، ہر طرف سے اور ہر دروازے سے،، دنیا کے مختلف گوشوں سے۔

حضراتِ گرامی! جب کعبۂ مقدسہ کی تعمیر حکم الٰہی کے مطابق ہوگئی تو اللہ نے جنابِ ابراہیم کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو حج کے لیے بلائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ مکۂ مکرمہ کی آبادی اس وقت تک بہت زیادہ نہیں تھی اور کعبۂ مقدسہ اسی مقام پر تعمیر کیا گیا تھا جس مقام پر حضرت آدم



علیہ السلام نے اللہ کے گھر کی تعمیر کی تھی اور عبادت کی تھی۔

طوفانِ نوح میں کعبہ کی دیواریں منہدم ہوگئیں تھیں، آثار بھی مٹ گئے تھے۔ پھر اللہ نے حضرت جبریل کو حکم دیا کہ حضرتِ ابراہیم کو کعبہ کی زمین کی اطلاع دو اور انہیں حکم دو کہ انہیں بنیادوں پر کعبہ مقدسہ کو تعمیر کرو جو بنیادیں جنابِ آدم علیہ السلام نے رکھی تھیں۔ حضرات! آج جہاں کعبہ ہے ٹھیک اسی کے اوپر فرشتوں کا بھی کعبہ ہے جسے بیت المعمور کہتے ہیں ۔جہاں فرشتے طواف کرتے رہتے ہیں اور اس کے اوپر عرشِ عظیم ہے یہ نورانی سلسلہ ہے جو کعبۂ مقدسہ سے شروع ہوتا ہے اور عرشِ عظیم تک پہنچتا ہے۔

جنابِ ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہاں انسانوں کو حج کی دعوت دوں، حج کے لیے بلاؤں حالانکہ میں جہاں ہوں وہاں سے میری آواز تمام انسانوں تک تو نہیں پہنچے گی مگر پھر انہیں ندا دی گئی کہ ابراھیم آواز دینا تمہارا کام ہے اور تمام بندوں تک پہنچانا میرے ذمۂ قدرت میں ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو حج کے لیے بلایا جو زندہ تھے، موجود تھے، دنیا میں کہیں بھی ہوں انہوں نے آپ کی آواز کو سنا اور لبیک کہا، اور جو لوگ موجود نہیں تھے انہوں نے عالم ارواح میں سنا اور لبیک کہا۔ اب آپ دیکھیں کہ جب حج کے لیے جاتے ہیں اور احرام پوش ہوتے ہیں تو اس کے بعد سے مسلسل کہتے ہیں۔

" لبیك اللھم لبیك لبیك لا شریك لك لبیك اِنّ الحمد و النعمة لك و الملك لا شریك لك"

کبھی آپ نے سوچا کہ لبیک اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب کسی نے بلایا ہو۔ آپ نے احرام پہن لیا اور پھر آپ نے لبیک کہنا شروع کر دیا۔ کس نے آپ کو بلایا ہے؟ لبیک کا معنی ہوتا ہے ہم حاضر ہیں، یہ حاضری کا اعلان آپ کر رہے ہیں جب کہ کوئی بلانے والا بظاہر نظر نہیں آتا

ہے ایک عام مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو توفیق حج عطا فرمائی کیوں کہ اللہ کی رحمت نے آپ کو بلایا ہے اور آپ اس کی رحمت پر لبیک کہہ رہے ہیں کہ اللہ ہم حاضر ہیں۔ تیرے کرم نے موقع عطا فرمایا کہ ہم تیرے گھر کی زیارت کرسکیں، طواف کرسکیں اور سعی کرسکیں اور ارکانِ حج یا عمرہ ادا کرسکیں۔ ہم حاضر ہیں۔

اس آیت کے تحت دوسرا مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے بلایا تو دنیا کے تمام انسان جو موجود تھے اپنی جسمانی حیات کے ساتھ انہوں نے سنا اور جو موجود نہیں تھے قیامت تک آنے والے تھے، جن کے مقدر میں حج تھا ان کی روحوں نے سماعت کیا اور لبیک کہا تو جنہوں نے بھی اس وقت لبیک کہا ہوگا انہیں زندگی میں حج ضرور نصیب ہوگا، اور پھر اسی لبیک کا وہ احرام پوش ہونے کے بعد اعادہ کریں گے۔ ابراھیم علیہ السلام آپ نے بلایا تھا اور ہم اللہ کے گھر کے طواف کے لیے حاضر ہیں۔

حضراتِ گرامی! اس کے بعد جہاد کی اجازت دی گئی ان حالات میں کہ جب مسلمانوں پر بے پناہ ظلم ہو رہا تھا اور انہیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا تھا صرف اس جرم پر کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے، قتال کی اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا۔ صرف اس لیے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ مدد فرمانے والا ہے جو لوگ غلبہ حاصل کرتے ہیں اور اللہ جنہیں زمین پر غلبہ عطا فرماتا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ وہ زمین پر اللہ کی عبادت کے لیے نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکات دیتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور اللہ ہی سارے کام کو انجام دینے والا ہے، اسی کی طرف سے کامیابیاں میسر آنے والی ہیں۔



اس کے بعد اور بہت سی آیاتِ مبارکہ اور احکامات نازل فرمائے گئے۔

اب سورۂ مومنون کی چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ سماعت فرمائیں۔

حضراتِ گرامی! سورۂ مومنون میں اہل ایمان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں، ان کا کردار کیا ہوتا ہے؟ ان کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اور ان کی خصوصیات کیا ہیں؟ ہم سب اپنے کو مومن کہتے ہیں لیکن ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن پاک کے مومن بنیں۔ جس روز ہم قرآن پاک کے مومن بن گئے، جو قرآن پاک میں مومن کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں ان کے مطابق اس روز اللہ ہمیں غلبہ بھی عطا فرمائے گا اور ہمیں کامیابیوں سے ہمکنار بھی فرمائے گا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورۃ المؤمنون، الآیۃ:1)

بلاشبہہ اہل ایمان نے کامیابی حاصل کرلی، فلاح پاگئے۔

یہ خشوع کیا چیز ہے؟ مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، خشوع کے معنی ہوتے ہیں۔ خشیت الٰہی کی بنیاد پر ساکت اور منجمد ہو جانا، اللہ کے خوف سے شرمندہ ہو جانا اور مکمل پرسکون ہو جانا، اللہ کی طرف اپنے دل سے مائل ہو جانا۔ قرآن عظیم میں زمین کے بارے میں کہا گیا ہے۔

تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

(سورۃ فصلت، الآیۃ:39)

آپ زمین کو پرسکون حالت میں دیکھتے ہیں، لیکن جب ہم ان پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ لہلہا اٹھتی ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس کا دل اللہ کی یاد میں پرسکون ہوگا اور خشیت رکھے گا، جب اللہ کی رحمت کی بارش ہوگی تو ایمان کی کھیتی لہلہا اٹھے گی۔

قرآن عظیم نے خشوع کا تعلق وجود سے بھی، نگاہوں سے بھی اور دل سے بھی قرار دیا ہے۔ایک انسان کا وجود بھی خاشع ہوتا ہے، آواز میں بھی خشوع اور خضوع ہوتا ہے اور اس کا دل بھی اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والا ہوتا ہے۔ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ (سورۃ الحدید، الآیۃ:16)

کیا وقت نہیں آ گیا ہے اہل ایمان کے لیے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے خشوع کی حالت میں ہو جائیں، جھک جائیں۔اب اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ انسان جب ایمان کی حالت میں خشوع اختیار کرے گا تو یہ ایک مومن کی صفت ہے اور جب خشوع اختیار کرے گا تو ہر طرح کے لغو کاموں سے پرہیز کرے گا جس کے دل میں اللہ کی یاد ہوتی ہے، آخرت کا خوف ہوتا ہے وہ اللہ کی یاد سے مطمئن اور پرسکون ہوتا ہے یا لرزیدہ ہوتا ہے تو پھر وہ کسی گناہ کی طرف مائل نہیں ہوتا کوئی غلطی نہیں کرتا۔اللہ فرماتا ہے۔

"الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ (سورۃ المؤمنون، الآیۃ:2)

اہل ایمان وہ ہیں جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع اختیار کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں روتے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ (سورۃ المؤمنون، الآیۃ:3)

یہی وہ لوگ ہیں جو ہر طرح کی برائیوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

جب ان کا دل اللہ کی طرف مائل ہوتا ہے، یاد الٰہی سے معمور اور پرسکون ہوتا ہے تو پھر وہ گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ایک غافل دل جس میں یادِ الٰہی نہ ہو یقیناً وہ گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔لیکن یاد الٰہی سے معمور دل کبھی گناہوں کی طرف مائل نہیں ہوتا اور پھر یہ وہ لوگ ہیں جو زکات ادا کرنے والے ہیں۔



وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ (سورۃ المؤمنون، الآیۃ:4)

وہ زکات ادا کرنے والے ہیں۔

اس آیت کا ایک اور مفہوم یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دلوں کو پاک وصاف کرنے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں پر یا ان کے لیے جن سے رشتہ قائم کرنے کی اللہ نے اجازت دی ہے پھر انہیں کوئی ملامت نہیں ہے۔

لیکن جو لوگ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ تلاش کرتے ہیں تو یہ سرکشی کرنے والے اور باغی لوگ ہیں، مومن وہ ہے جو امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اپنے عہد کی مکمل رعایت کرنے والے ہیں۔جب انہیں کوئی امانت دی جائے تو اس کا مکمل خیال رکھتے ہیں اور جس نے دی ہے اس کو وہ بغیر کسی نقص اور کمی کے واپس کر دیتے ہیں اور اپنے قلب کے اندر کوئی اضطراب محسوس نہیں کرتے۔

حضرات! ایک مفہوم تو یہ ہے اور دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ہماری زندگی اللہ کی امانت ہے اور اگر ہم اپنی حیات کو اللہ کی امانت سمجھ کر کے اس کی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے تو اللہ کو ہم راضی کریں گے۔اسی طریقے سے جو عہد کرتے ہیں اس کی مکمل رعایت کرتے ہیں۔عہد دنیا سے بھی ہوتا ہے اور بندے نے اپنے اللہ سے بھی عہد کر رکھا ہے کہ تو ہمارا رب، پروردگار ہے ہم تیری عبادت کریں گے۔

دراصل ایمان ایک عہد ہی کا نام ہے تو مومن اپنے رب کی بارگاہ میں عہد کرنے والا ہوتا ہے اس لیے چاہے وہ دنیا کا عہد ہو یا کسی انسان سے وعدہ کیا ہو یا کسی نے اپنے رب سے کیا ہو، مومن ان وعدوں کی پوری پابندی کرتا ہے۔

"وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۘ (سورۃ المؤمنون، الآیۃ:9)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی مکمل حفاظت کرتے ہیں۔

یہ نہیں کہ وقت آیا تو پڑھ لیا، خیال آیا تو پڑھ لیا، نہیں، یہ اہم ترین فریضہ ہے۔ ایسا فریضہ ہے کہ جو کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے۔ آپ صحت مند ہیں تو بھی پڑھیے، قیام کر کے پڑھ سکتے ہیں پڑھیے! بیٹھ کر کے پڑھ سکتے ہیں پڑھیے! بیمار ہیں تو لیٹ کر کے پڑھیے اشارے سے پڑھیے لیکن نماز پڑھیے۔ نماز کسی حالت میں معاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ اپنے اللہ کی بندگی کا حق ادا کر رہے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا ہے، آپ کو روزی دی ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر کے جانا ہے۔

''روزِ محشر کہ جاں گداز بود''

''اولین پرسش نماز بود''

قیامت کے دن جبکہ جان پگھل رہی ہوگی تو سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس لیے اہل ایمان ہمیشہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان خصوصیات کے حاملین جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا یعنی جو اپنی نماز میں اللہ سے ڈرتے ہیں، لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں، زکات ادا کرتے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی امانتوں کو ادا کرتے ہیں، اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں، پھر فرمایا گیا نماز کی حفاظت کرتے ہیں، خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے بھی ہیں اور اپنی نماز کو اس کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔ اس کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ انعام کے طور پر فرماتا ہے:

''أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ○ (سورۃ المؤمنون الآیۃ:10)

یہی لوگ وارث ہیں۔



جو جنت کی وراثت حاصل کریں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ جو ان خصوصیات کے مالک ہیں وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اس سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ لیکن جو ایمان کے دعوے کے باوجود بھی یہ خصوصیات اپنے اندر پیدا نہیں کرتے یقیناً وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔

اس کے بعد کے رکوع میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا تذکرہ کیا ہے۔ ہم نے انسان کو منتخب مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے پانی کی بوند سے یعنی نطفہ سے شکم مادر میں قرار بخشا اور پھر نطفہ کو خونِ بستہ میں تبدیل کر دیا اور پھر خونِ بستہ کو گوشت کے ٹکڑوں میں تقسیم کیا پھر ہم نے ہڈیاں پیدا کیں اور ان ہڈیوں پر ہم نے گوشت چڑھایا، گوشت کا لباس پہنایا اس کے بعد ہم نے تمام مراحل سے گزارنے کے بعد ہم نے انسان کی تخلیق فرمائی ہے، مکمل انسان کی شکل میں اسے کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد جب ہم نے انسان کی مکمل تخلیق کر دی تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم کیا ہی بہترین تخلیق فرمانے والے ہیں۔

حضراتِ گرامی! نطفہ سے انسان کامل بننے تک زندگی کا ایک دور تھا اس کے بعد موت تک دوسرا دور ہے اور حشر کے بعد زندگی کا تیسرا دور شروع ہوگا، اور اس کے بعد جنت میں زندگی کا آخری دور ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا، کبھی تبدیل نہیں ہوگا۔ خدائے تبارک وتعالیٰ ہمیں آنے والے تمام ادوار میں کامیابیوں سے ہمکنار فرمائے۔

اس کے بعد اللہ نے آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے آسمان سے پانی بقدرِ ضرورت اتارا اور انہیں زمین میں ہم نے ٹھہرا دیا، اگر ہم چاہتے تو ہم اسے زمین کی تہہ میں لے جاتے، پھر ہم نے تمہارے لیے کھجور، انگور اور دوسرے بہت سے پھل پیدا کیے، باغات پیدا کئے تاکہ تم انہیں کھاؤ اور وہ درخت جو طورِ سینا سے، اگتا ہے جو کھانے والوں

کے لیے تیل اور سالن کا کام کرتا ہے یعنی غالباً اس میں جو تذکرہ کیا گیا ہے تو روغن زیتون کا ہے۔ جو بے پناہ مفید اور انتہائی غیر نقصان دہ ہے، انتہائی مفید ہے۔ جس کے بارے میں سرکار نے فرمایا کہ یہ سالن بھی ہے اور استعمال کے لیے بہترین تیل بھی ہے۔

فرمایا تمہارے جانور تمہارے لیے غنا حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں ہم ان کے پیٹ سے تمہیں دودھ کے ذریعہ سیراب کرتے ہیں، تمہارے لیے اس میں بہت سے فوائد ہیں، اور بعض جانوروں کو تم بطورِ غذا استعمال کرتے ہو، اور بعض جانوروں کو تم سواریوں کے لیے استعمال کرتے ہو۔

پھر جنابِ نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہوا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا اور جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو! تمہارے لیے اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے، تم خدا سے کیوں نہیں ڈرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ شخص تو ہمارے جیسا بشر ہے، اس کی خواہش یہ ہے کہ وہ ہمارے اوپر حکومت کرے اور برتری حاصل کرے۔

اگر اللہ چاہتا تو کسی فرشتے کو نازل فرما دیتا اس شخص کو جنون ہے پاگل پن ہے، چند روز صبر کرو، انہیں ہوش آجائے گا، معاذ اللہ! اس طرح کی باتیں وہ حضرت نوح سے کرتے رہے۔ تو جنابِ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے جواب کو سن کر اپنے خدا کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے میرے رب! میری مدد فرما! پھر ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے حکم سے، میری نگاہوں کے سامنے کشتی تیار کرو اور جب ہمارا حکم آجائے گا۔ تو تنور سے پانی ابل پڑے گا اور اس کشتی میں ہر چیز کے جوڑے رکھ دو اور اپنے اہل خاندان اور ان لوگوں کو بٹھاؤ جو ایمان لا چکے ہیں یہ مشیئت کا فیصلہ ہے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے دعامت کرنا بلاشبہ وہ ڈوبنے



والے ہیں۔

پس جب آپ اور آپ کی قوم کشتی میں سوار ہو جائیں تو اللہ کی حمد بیان کرو کہ اس نے تمہیں ظالموں سے نجات عطا فرمائی یہ طوفانِ نوح کے حوالے سے آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ اس نے برکت کے ساتھ ہمیں اتارا اور بلاشبہہ وہ بہترین اتارنے والا ہے۔ یہ دعا کرو!

اس کے بعد قوم عاد، قوم ثمود، قوم صالح وغیرہ کا تذکرہ ہوا اور تیسرے رکوع میں اللہ ارشاد فرماتا ہے" کہ قوم کے لوگوں نے اور ان کے سرداروں نے جو کفر کرنے والے ہیں یہ کہا اور اللہ کی وحدانیت کا انکار کرنے والے ہیں، قیامت کا انکار کرنے والے ہیں، میدانِ قیامت میں مجھ سے ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔ ہم انہیں کچھ دنوں کے لیے دنیا کی زندگی میں نوازتے ہیں لیکن اس کے بعد ان پر عذاب نازل ہوگا وہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ یہ پیغمبر کیا ہیں؟ ہم جیسے بشر ہی ہیں، وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو، وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو، اگر تم اپنے ہی جیسے بشر کی اتباع کرو گے تو بہت خسارے میں رہو گے کیا۔ وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جاؤ گے اور پھر دوبارہ اس سے زندہ ہو کر نکلو گے؟ یہ ممکن نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

ہماری یہی دنیاوی زندگی ہے، ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے، پیغمبر نے اللہ سے مدد طلب کی اور اللہ نے فرمایا تھوڑا صبر کریں! عنقریب وہ ایسی صبح کریں گے جس میں پچھتاوا ہوگا پھر ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا، ایک چنگھاڑ کے ذریعہ سے انہیں بھس میں تبدیل کر دیا گیا اور کوڑے کی شکل میں وہ پڑے رہے اور ان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔

یہ ان قوموں کا تذکرہ ہے جن پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور جو لوگ اللہ کی وحدانیت کا انکار کرنے والے تھے اور انحراف کرنے والے تھے۔ پھر فرمایا گیا مومن وہ لوگ ہیں جو

اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اپنے رب کی آیات پر مکمل یقین رکھتے ہیں، اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، وہ لوگوں کو اپنے مال دیتے ہیں جبکہ ان کے دل میں اللہ کا ڈر ہے، یقین ہے کہ انہیں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے، وہ نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کاموں میں وہ سب سے آگے ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے!

وہی پروردگارِ عالم ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل پیدا کیے مگر تم شکر ادا نہیں کرتے، اس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا، اسی کی طرف تمہیں اٹھایا جائے گا اور وہی ہے جو تمہیں زندگی اور موت دیتا ہے اور تمہیں ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا ہے، اس کے حکم سے ہونا ہے کیا تم اس بات کا شعور نہیں رکھتے ہو؟

کفار ان نشانیوں کے بعد بھی انکار کرتے رہے اور وہ یہ کہتے رہے کہ ہم موت کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے جب کہ ہم مٹی ہو چکے ہوں گے۔

پروردگارِ عالم ہمیں اس سورت کے معیار کے مطابق ایمان سے نوازے اور ہمیں مومن بنائے، زندہ رہیں تو مومن بن کر رہیں اور موت آئے تو ایمان کی حالت میں آئے۔ آمین

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!



## خطاب نمبر (۲۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَا اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (سورۃ النور، اٰیۃ: 1)

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِكَمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

صَلٰوةً وَّ سَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج میں سورۂ نور کا مختصر سا تعارف پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت ہماری معاشرتی زندگی سے متعلق ہے۔ جس میں وہ سارے قوانین عطا فرمائے گئے ہیں جو ایک پاکیزہ اور باوقار معاشرے کے لیے ضروری ہیں۔ انسان اللہ کی ایک انتہائی عظیم مخلوق ہے، اس کے سر پر تاجِ کرامت رکھا گیا ہے۔ انسان کی عزت و آبرو جنس بازار نہیں ہے بلکہ

اس کی حفاظت قرآن پاک کی روشنی میں انسانوں کی ذمہ داری ہے، شریعت کے احکامات نے انسانوں کو پابند کیا ہے کہ وہ معاشرے کو ان تمام برائیوں سے پاک کر دیں جن برائیوں کی بنیاد پر معاشرہ، وحشت اور جنسی آوارگی کا نمونہ بن جاتا ہے۔

آج معاشرتی زندگی میں گھروں کی اکائیاں ٹوٹ رہی ہیں اور لوگ بکھر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ سارے قوانین جن کا تعلق انسان کی گھریلو اور معاشرتی زندگی سے ہے وہ بھی ٹوٹ رہے ہیں۔ نتیجے کے طور پر انسان ایک ایسی راہ پر چل پڑا ہے جو انسانیت کا نہیں بلکہ وحشت اور بربریت کا راستہ ہے۔ ایک بہتر معاشرے کے لیے گھروں کی خوشحالی اور پرسکون ماحول فراہم کرنا ضروری ہے۔

قرآن عظیم نے ان تمام اوامر اور نواہی احکامات کو نازل فرمایا ہے جن کے ذریعہ سے گھروں کا وقار محفوظ رہ سکے، گھروں میں سکون ہو، گھروں میں انتشار نہ ہو اسی لیے اس سورت کا بیشتر حصہ گھریلو زندگی سے متعلق ہے۔ ہر مومن مرد عورت کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ گناہوں سے بچے اور گناہوں سے بچنے کے لیے ان تمام اسباب کی وضاحت کی گئی ہے جس سے انسان گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور ان تمام راستوں کا سد باب کیا گیا ہے جو گناہوں کی طرف لے جانے والے ہیں اور ان محرکات سے روکا گیا ہے جو گناہوں کی دعوت دینے والے ہیں۔ اس سورت میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ لوگ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں، آنکھوں میں اگر شرم وحیا ہوگی تو انسانوں کے دل برے خیالات سے پاک ہوں گے، نگاہیں جب آوارہ ہوتی ہیں اور جب آنکھوں میں حیا کا پانی مرجاتا ہے تو انسان گناہوں کی طرف مائل ہوتا ہے اور غلط کار بن جاتا ہے۔

اس سورت میں پردے کے احکامات نازل کیے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ



حجاب ضروری ہے، عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے بھی اور نسوانی وقار کے لیے بھی، اس سورت میں زنا کی سزا متعین کی گئی ہے بایں طور کہ زنا سے بچنے کے لیے معاشرے میں ان سزاؤں کا نافذ کرنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ مرد اور عورت جس قدر جلد ممکن ہو شادی کر لیں تا کہ زنا سے بچ سکیں، گناہوں کا ارتکاب نہ کریں، اس سورت میں گھر کی چار دیواری کے اہتمام کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ بغیر اطلاع اور بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں قدم رکھنا ناجائز ہے اور ہر طرح کی تانک اور جھانک کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ اگر وہ کسی کے گھر جائیں اور صاحبِ خانہ سے اجازت طلب کریں اور وہ اجازت نہ دیں تو اپنے دل پر کوئی بوجھ محسوس کیے بغیر خاموشی سے واپس آجائیں نہ معلوم صاحبِ خانہ کس حالت میں ہے اور اجازت اس نے کیوں نہیں دی ہے۔

اسلام کی ترقی کو دیکھ کر کفار اور منافقین آتش زیر پا (بے قابو) تھے، ان تمام جنگوں میں جن جنگوں میں دشمنوں نے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی اس میں انہیں ناکامی ہوئی، خندق کا محاذ بڑا مشکل محاذ تھا اور کافروں کو یقین تھا کہ اس میں ہم مدینے کو تباہ کر دیں گے اور اس نئی ابھرتی ہوئی سلطنت کا خاتمہ کر دیں گے مگر انہیں ناکامی ہوئی، اللہ نے آندھیوں کے ذریعہ سے ان کے خیموں، ان کی طاقتوں کو منتشر کر دیا اور وہ واپس جانے کے لیے مجبور ہو گئے۔ اس لیے وہ کوئی ایسا موقع نہیں چھوڑنا چاہتے تھے جس کی بنیاد پر اسلام کو نقصان پہنچا سکیں۔

منافقین مکمل طور پر مدینے کے اندر سے ان کا تعاون کر رہے تھے اور اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ پیغمبر اسلام کو شدید نقصان پہنچے اور مسلمان یا تو ختم ہو جائیں یا کمزور کر دیے جائیں۔ انہیں حالات میں ہماری عظیم ماں حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک کڑوا الزام عائد کیا گیا۔ منافقین نے ایک سازش کے پیشِ نظر ایک واقعہ کو بنیاد بنا کر باتیں

کرنی شروع کر دی تھیں ، کچھ کمزور طبیعت کے مسلمان بھی ان کی سازش میں آ گئے اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی تکلیف پہنچانے کی کوشش کی گئی۔

اس وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت تکلیف کے عالم میں تھے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ام المومنین کی برأت کے لیے قرآن پاک کی آیت نازل فرمائی جس کا تذکرہ اس سورت کے اندر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے قوانین عطا فرمائے کہ کوئی بھی انسان کسی پاکیزہ خاتون پر کوئی الزام نہ عائد کر سکے، اس کے لیے سزائیں مقرر کی گئیں، جس طرح زنا کی سزا مقرر کی گئی اسی طریقہ سے الزام تراشی کی بھی سزا مقرر کی گئی کہ کوئی کسی پر جھوٹا الزام نہ لگانے پائے۔ جس زمانہ میں یہ الزام پھیلایا گیا تھا اس زمانہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جنابِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملتے تو پوچھتے تھے کہ آپ کیسی ہیں؟، آپ جواب دیتی تھیں، مگر آپ نے برملا کھڑے ہو کر ان کی پاکیزگی کا اعلان نہیں کیا، اس الزام کی تردید نہ فرمائی۔ جب کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے اپنی اہل میں کوئی خرابی نہیں دیکھی وہ ہمیشہ خیر پر قائم رہیں۔

لیکن دشمنوں کو یہ بات کافی نہیں نظر آئی اور اللہ کے رسول کی خاموشی کو انہوں نے اس پر محمول کیا کہ معاذ اللہ! وہ بھی اپنی شریک زندگی کے بارے میں شک کا شکار ہیں، یہاں تک کہ صحابۂ کرام نے ان کی پاکیزگی کا اظہار فرمایا۔ جنابِ علی نے کہا کہ جو اللہ یہ پسند نہیں فرماتا کہ آپ کے دامن پر، جسم پر کوئی مکھی بیٹھ سکے اس کی رحمت یہ کیسے گوارا کرے گی کہ آپ کی شریک زندگی کے او پر کوئی الزام عائد کیا جائے، ایسے ہی او رصحابۂ کرام نے بھی کہا لیکن منافقین نے اپنی سازشیں جاری رکھیں یہاں تک کہ قرآن پاک کی آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اور احکامات سورۂ نور میں بیان فرمائے گئے۔ بعض لوگ جو اپنے کو کلمہ گو کہتے ہیں آج بھی یہ



کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول علم غیب جانتے تو فوراً ہی اس الزام کی تردید کر دیتے۔

حضرات! کس قدر المیہ ہے یہ کہ اللہ کے نبی کے علم غیب کے انکار کے سلسلے میں آج اپنی ماں کی آبرو کو اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں گویا کہ اللہ کے رسول کو شک تھا ان کے بارے میں۔ حضرات! میرے آقا نے فوراً تردید اس لیے نہیں فرمائی کہ منافقین جو الزام لگانے والے تھے وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ جب دوسروں کا معاملہ ہوتا ہے تو سزا دیتے ہیں اور جب اپنی بات آئی ہے تو تردید فرما رہے ہیں۔ منافقین اس کو غلط استعمال کر سکتے تھے۔

اگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول ان کی طہارت اور پاکیزگی بیان کرتے تو حدیث بنتی لیکن جب قرآن نے بیان فرمایا تو یہ قرآن ہے۔ حدیث پر دشمن ضعف کا الزام بھی لگا سکتے تھے لیکن قرآن پاک کی محکم آیت کے سلسلہ میں کوئی بھی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا میرے آقا منتظر تھے کہ اللہ خود میری عظیم پاک دامن شریک زندگی کے الزام کو دور فرمائے گا اور ان کی طہارت کے بارے میں آیتیں نازل ہوں گی اور یہ پہلی بار نہیں ہوا بلکہ جب بھی آقائے دو جہاں کو کچھ کہا گیا تو حضور خاموش رہے اور جواب اللہ نے دیا ہے۔ جب انہیں مجنوں کہا گیا تو قرآن نے جواب دیا، جب انہیں شاعر کہا گیا تو قرآن نے جواب دیا۔ جب سنت الٰہیہ یہ ہے کہ نبی پر جب بھی الزام لگایا جائے گا تو جواب اللہ دے گا۔ یہاں بھی آقا انتظار کر رہے تھے کہ جواب اللہ عطا فرمائے گا۔ اس لیے کہ قرآن پاک کا آپ مطالعہ کریں تو جہاں خدا کے بارے میں دشمن نے کچھ کہا تو نبی نے جواب دیا اور جہاں نبی کے بارے میں دشمن نے کچھ کہا تو خدا نے جواب دیا ہے۔

حضرات! اس میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ آقائے دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام غیب جانتے تھے انہیں معلوم تھا کہ یہ الزام غلط ہے مگر وہ لوگ جو نبی کے غیب

کے منکر ہیں وہ آج اس واقعہ کو بطورِ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ پیغمبر نے فوراً ہی تردید کیوں نہیں کر دی، وحی الٰہی کا انتظار کیوں کیا؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتظار اس لیے کیا کہ اگر خود جواب دیتے تو منافقین تسلیم نہ کرتے۔ اور گر خود جواب دیتے تو حدیث بنتی لیکن جب قرآن نے ام المؤمنین کی عفت و پاکیزگی بیان کی تو ان کی عظمت میں بے پناہ اضافہ ہوا پھر قرآن کا یہ اسلوب رہا ہے کہ جب بھی پیغمبر اعظم پر الزام لگایا گیا تو قران نے جواب دیا۔ البتہ حدیث پاک میں یہ آیا ہے کہ جب آپ کو اس الزام کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ واللہ! میں عائشہ کے بارے میں صرف خیر ہی جانتا ہوں۔

حضرات! اگر کسی کی ماں پر جھوٹا الزام لگائے تو بیٹا اپنی ماں پر لگائے گئے الزام کو پھیلانے کی کوشش نہیں کرتا۔ مگر کس قدر شرم کی بات ہے یہ کیسے مجرم لوگ ہیں کہ کائنات کی عظیم ماں جن کے سامنے کائنات کی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں اور قیامت تک جھکی رہیں گی ان کے باب میں منافقین نے الزام لگایا تھا اور یہ نبی کے علم غیب کی نفی میں اس الزام کو دہراتے ہیں، شرم نہیں آتی انہیں، بہر کیف اللہ تبارک وتعالیٰ نے الزام لگانے والوں کے لیے سزا مقرر کی اور اس کے بعد ایک قانون مقرر فرمایا کہ جب تک زنا کی بات میں چار گواہ اپنی آنکھوں سے اس حالت کو دیکھنے کی گواہی نہ دیں اس وقت تک اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

ثبوتِ زنا کے لیے صرف دو راستے ہیں یا تو مجرم خود اقرار کر لے یا چار گواہ خاص حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی گواہی دے دیں اور اگر ایسا نہ کر سکے تو جھوٹا الزام لگانے والوں کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔ یہ سزا جھوٹے گواہوں کے لیے اسی کوڑے کا قانون قرآن نے دیا ہے کہ کوئی کسی کی جھوٹی گواہی دے تو اسے سزا دی جائے، جھوٹی گواہی



ثابت ہو جاتی ہے کیس کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن جھوٹی گواہی دینے والے کو سزا نہیں دی جاتی کہ تو نے یہ گواہی کیوں دی؟ اس سورت میں ایک قانون بنا دیا گیا ہے کوئی بھی گواہی ہو، جب جھوٹی ثابت ہو جائے تو اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے کیوں؟ اس لیے کہ جھوٹی گواہی کی بنیاد پر اگر جھوٹ ثابت نہ ہو تو جو قاتل نہیں ہے وہ قاتل بن جائے گا اور جو مجرم ہے وہ چھوٹ جائے گا۔

اسلام کا نظام عدل جھوٹی گواہی اور الزام لگانے والے کو بھی سزا کا فیصلہ دیتا ہے۔ اسی طریقے سے اگر زنا کرنے والا شادی شدہ ہے تو اسے سنگسار کر دیا جائے گا اور اگر شادی شدہ نہیں ہے غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس کی زندگی چاہے بچ جائے یا وہ موت سے ہمکنار ہو جائے۔ آج کے دور میں اسے بڑے ہی سخت سزا کا نام دیا جاتا ہے بلکہ بعض ظالم تو کلمہ گو ہو کر کے یہ بدبختی کرتے ہیں کہ اسے وحشیانہ سزا کا نام دیتے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج زنا جو اس قدر پھیل چکا ہے، اتنی برائیاں پھیل چکی ہیں، آج مغربی معاشرے میں کنواری ماؤں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، ساٹھ ستر فیصد پیدا ہونے والے بچے اپنے باپ کا نام نہیں بتا سکتے ہیں۔

ویتنام کی جنگ میں امریکی فوجیوں نے کئی لاکھ حرامی بچے چھوڑے جو آج تک اپنے باپ سے نا آشنا ہیں۔ یہ سب کیوں ہوا ہے؟ اس لیے کہ اس معاشرے میں زنا کی سزا سخت نہیں ہے اگر زنا کی سزا سخت ہوتی تو کسی کو ہمت نہ ہوتی کہ وہ کسی کی آبرو پر ہاتھ ڈالے اسلام نے زنا کی سزا کو سخت رکھا ہے۔ مگر جھوٹی گواہی کی سزا بھی اتنی ہی سخت ہے کسی بھی جرم کے لیے دو گواہ کافی ہیں لیکن زنا کے لیے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا تو وہ انسان خود اقرار کرے یا پھر الزام لگانے والا چار گواہوں کو فراہم کرے، اگر فراہم نہیں کر پاتا ہے تو اسے اسی

کوڑے لگائے جائیں گے۔

اسلام کا بنیادی مقصد معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنا ہے اس لیے مجرم کو سخت سزا دینے کا قانون نازل فرمایا گیا تا کہ جرائم کا ارتکاب نہ کر سکے۔ایسے ہی چور کی سزا قاتل کی سزا یہ ساری سزائیں اس لیے سخت ہیں کہ آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ مجرم کو کم سزا دے کر کے اس کو آزاد کرتے ہیں اور جو شریف ہیں اسے گھر میں بند کر دیتے ہیں، اسے مجبور کر دیتے ہیں۔آج شرفا اپنی آبرو کے لیے لرزہ بر اندام ہیں اور مجرم تھوڑی بہت سزا پانے کے بعد کھلے گھوم رہے ہیں۔پھر جرم کرتے ہیں جیل میں جانے کے بڑے مجرم بن کر کے نکلتے ہیں۔

یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ آج کے ماحول میں سزائیں ہلکی کر دی گئی ہیں اور اس کے نتیجے میں زنا بڑھتا جا رہا ہے، چوریاں بڑھتی جا رہی ہیں، برائیاں بڑھتی جا رہی ہیں، لوگ اپنے گھروں میں مقفل ہیں اور مجرم گھوم رہے ہیں اور جب چاہتے ہیں کسی کی آبرو پر ہاتھ ڈالتے نظر آتے ہیں۔

حضرات! اسلام نہ صرف قانون کے ذریعہ جرائم کا خاتمہ فرما رہا ہے بلکہ جہاں قانون کا ہاتھ نہ پہنچ سکے وہاں بھی جرائم کے خاتمے کے لیے اللہ کو شہید و بصیر کہا گیا ہے کہ کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو، قانون وہاں تک پہنچ سکے یا نہ پہنچ سکے مگر تمہارے جرائم کو تمہارا خدا دیکھ رہا ہے ،پروردگارِ عالم دیکھ رہا ہے۔تمہیں مرنا ہے اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اس لیے دین فطرت ہونے کی بنیاد پر اس نے حکم دیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ○

(سورۃ الاسراء، الآیۃ:32)

خبردار زنا کے قریب بھی نہ جاؤ! یہ بدترین گناہ ہے اور برا راستہ ہے اگر زنا عام ہو



جائے تو معاشرے میں اپنی بیوی، اپنی بیٹی، اپنی بہن کی عزت و ناموس کا بچانا ناممکن ہو جاتا ہے۔جیسا کہ یورپ میں ہو رہا ہے۔

اگر انسان کی فطرت مسخ نہ ہوگئی ہو تو وہ یقیناً زنا کو بدترین گناہ قرار دے گا۔زنا کے نقصانات کی بنیاد پر ناجائز بچوں کی کثرت ہو رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ کنواری ماؤں کی کثرت ہو رہی ہے، طلاقوں کی کثرت ہو رہی ہے، گھر کا سکون غارت ہو رہا ہے، میاں بیوی کا اعتماد ٹوٹ رہا ہے، ایک دوسرے کے لیے قربانی کا جذبہ ختم ہو رہا ہے، شادی ایک جنسی تجارت بن کر رہ گئی ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اگر آپ کا ذہن مغرب کی غلامی میں مبتلا نہیں ہے تو یقیناً اسلامی سزاؤں کو آپ معاشرے کے لیے رحمت تصور کریں گے۔

آپ اندازہ فرمائیں! آئے دن کوئی بچہ زنا کی بنیاد پر کہیں پایا جاتا ہے، کسی ڈسٹ بن (کوڑے دان) میں پایا جاتا ہے، کسی اور مقام پر پایا جاتا ہے۔کیا جرم کیا ہے اس بچے نے کہ آج وہ اپنے باپ کا نام بھی نہیں بتا سکتا ہے۔اسلامی معاشرے میں باپ کی ذمہ داریاں ہیں، بچوں کی پرورش ہے، ان کی تعلیم ہے، ان کی تربیت ہے اور جوانی کے مرحلے تک ان کو ہر طرح کی آفت سے بچانا ہے لیکن ناجائز بچے کے لیے یہ سارے مواقع فراہم نہیں ہوتے۔حکومت پر بوجھ بن جاتے ہیں لیکن جہاں حکومتیں ان کا بوجھ نہیں اٹھائیں وہاں انہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ موت سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے اس لیے شادی کا نظام بے پناہ ضروری ہے اور زنا سے بچانا بے پناہ ضروری ہے۔

حضراتِ گرامی! شادی کے نظام کے سلسلے میں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ شادی کے فوائد کیا ہیں۔دراصل نکاح قلب و روح اور جسم کے اجتماع کا نام ہے جب نکاح ہوتا ہے تو

میاں بیوی کے دل بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور جسمانی اجتماع بھی ہوتا ہے، ان کی زندگی مشترک ہوتی ہیں، ان کی امیدیں مشترک ہوتی ہیں، ان کے آلام مشترک ہوتے ہیں، ان کی خوشیاں مشترک ہوتی ہیں، ان کا حال و مستقبل مشترک ہوتا ہے اور نئی نسل کی تربیت ایک ساتھ کرتے ہیں ۔والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے ان کی حفاظت کریں اور کبھی جدا نہ ہوں یہ نکاح کا بنیادی مقصد ہے۔

نکاح کے ذریعہ جذبات کو کنٹرول کیا جاتا ہے اور انسان کو حیوانیت سے بچا کر کے انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا جاتا ہے زنا سے نسلیں محفوظ نہیں رہتیں ،گھر تباہ ہو جاتے ہیں، معاشرتی نظام برباد ہو جاتا ہے اور اس سے بھی زیادہ دردناک کیفیتیں پیش آتی ہیں۔ زانی کسی بھی حالت میں رحم وکرم کا مستحق نہیں اس لیے کہ وہ انسانی قدروں کو پامال کر رہا ہے، اسلامی قانون کی بنیاد عقوبت پر نہیں بلکہ وقایت پر ہے، اسلام سزا اس لیے نہیں دینا چاہتا کہ وہ سزا دینا چاہتا ہے بلکہ وہ معاشرے کو جرائم سے بچانا چاہتا ہے، ضمیر کو پاک کرنا چاہتا ہے اس کے بعد انسان خود ہی جرائم کی دنیا سے باہر آجاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قوانین عطا فرمائے ہیں وہ آج کے دور کے لیے بے پناہ ضروری ہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ سورۂ نور کو ہر بچے کے نصابِ تعلیم میں شامل کیا جائے اس سے پہلے کہ وہ گناہوں کی دنیا میں قدم رکھے یہ سورت اسے گناہوں سے روک دے۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!



## خطاب نمبر (۲۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (سورۃ الفرقان، اٰیۃ:63)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِکَمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّ سَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج کے درس میں سورۂ فرقان اور سورۂ شعراء کی چند آیاتِ مبارکہ کی تلاوت اور ان کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ یہ آیاتِ مبارکہ اللہ کے ان نیک بندوں کی صفات کے بارے میں ہیں جن کے لیے اللہ کے انعامات کا اعلان قرآن عظیم میں کیا گیا ہے ۔ان بندوں کو اللہ نے اپنی صفتِ رحمت کے ساتھ منسوب کیا ہے۔

وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ الَّذِیۡنَ یَمۡشُوۡنَ عَلَی الۡاَرۡضِ هَوۡنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا○(سورۃ الفرقان، الآیۃ:63)

رحمٰن کے بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر انتہائی نرم رفتاری کے ساتھ چلتے ہیں اور جب انہیں جاہل مخاطب کرتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔اس میں چند باتیں قابل غور ہیں آگے جو صفات آرہی ہیں ان صفات سے متصف بندوں کو اللہ نے رحمٰن کا بندہ کہا ہے "وَ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ بندے اللہ کی رحمتِ بے پایاں کے مستحق ہیں اور اللہ ان پر ضرور رحم فرمائے گا جن کے اندر یہ صفات ہوں گی۔

پہلی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے، غرور کے ساتھ نہیں چلتے۔بلکہ زمین پر ہمیشہ عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، نرم رفتاری کے ساتھ چلتے ہیں، ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں صرف وہ لوگ قابل عزت ہیں جو لوگ انکسار، تواضع اور عاجزی کی صفت کے حامل ہیں، جو لوگ غرور کرتے ہیں اپنے اقتدار یا دولت کے نشے میں زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں، جن کی گردنیں تنی ہوئی رہتی ہیں، جو زمین پر مغروروں کی طرح چلتے ہیں وہ اللہ کی رحمت سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔اللہ کے نیک بندے زمین پر وقار کے ساتھ، تواضع کے ساتھ، انکساری کے ساتھ، عاجزی کے ساتھ جھک کر کے چلتے ہیں۔انہیں معلوم ہے کہ انسانی زندگی کے لیے زمین بہت اہم ہے۔اللہ ارشاد فرماتا ہے:

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِیۡهَا نُعِیۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی○

(سورۃ طٰہٰ، الآیۃ:55)

ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے، زمین ہی میں لوٹائیں گے اور زمین ہی سے دوبارہ اٹھائیں گے۔زمین انسانی تخلیق کے لیے بہت اہم ہے انسان پیدا ہی ہوا ہے زمین



ہی کی بنیاد پر۔جس قطرۂ ناچیز سے اس کا وجود ہوتا ہے وہ زمین ہی کی بنیاد پر ہے۔زمین ہی کی غذا کھا کر انسان اس قابل ہوتا ہے کہ وہ کسی کا باپ بن سکے یا کوئی خاتون کسی کی ماں بن سکے۔انسان کی پیدائش زمین ہی کی بنیاد پر ہے۔

انسان زمین پر چلتا ہے، زمین پر مکان بناتا ہے، زمین پر رہتا ہے لیکن جب وہ زمین پر مغرور ہو کر چلتا ہے تو یہ زمین اس سے پناہ مانگتی ہے۔بعض روایات میں آیا ہے کہ جو گنہگار مجرم ہیں، مغرور ہیں جب وہ قبر میں جائیں گے تو قبر انہیں شدت سے دبائے گی اور قبر کہے گی تم ہمارے سینے پر اکڑ کر چلتے تھے، گناہ کرتے تھے آج تم ہمارے اندر ہو اس لیے ہم تمہیں سزا دیں گے۔اس کے ساتھ ساتھ زمین کی ایک اور حیثیت ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے زمین سجدہ گاہ بنادی گئی ہے۔تو زمین سجدہ کرنے کے لیے ہے، اس پر اللہ کی عبادت کی جائے، زمین کو سجدوں سے آباد کیا جائے اور سجدے میں جھکاؤ ہوتا ہے، سجدے میں اکڑنا نہیں ہوتا۔

اس لیے زمین پر ہر معاملہ میں انتہائی تواضع اور انتہائی انکسار کے ساتھ چلنے والا اللہ کے نیک بندوں میں شمار ہوگا۔اور غرور کرنے والا، اکڑ کر چلنے والا، تکبر کے ساتھ چلنے والا احساسِ برتری کے ساتھ چلنے والا، زمین کے دوسرے انسانوں کو کمزور سمجھنے والا، ذلیل سمجھنے والا یقیناً وہ عباد الرحمٰن میں سے نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کی رحمتوں سے ہمیشہ دور رکھا جائے گا۔

ان کی دوسری صفت کیا ہے۔

وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا○(سورۃ الفرقان، الآیۃ:63)

اور جب انہیں جاہل لوگ مخاطب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام

اور گزر جاتے ہیں ان کی جہالت کا جواب جہالت سے نہیں دیتے بلکہ اپنے

وقار اور انسانی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ انہیں ignor کرتے ہیں، درگزر کرتے ہیں، ان کے لیے بھی لفظ سلام استعمال کرتے ہیں۔لیکن ان کی سطح پر اتر کر کے وہ ویسے ہی جواب نہیں دیتے۔جس طرح کا کام جاہل لوگ کرتے ہیں۔

بڑی مشہور روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں صحابہ بھی موجود ہیں، جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہیں جو "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ" رسولِ پاک کے نائبِ اعظم ہیں، ایک شخص آتا ہے، یہودی ہے اور وہ جنابِ صدیق اکبر کے بارے میں انتہائی ناپسندیدہ کلمات مسلسل کہہ رہا ہے، آپ برداشت کر رہے ہیں، جواب نہیں دے رہے ہیں اور جب اس کی بات ناقابل برداشت ہوگئی تو آپ نے جواب دیا تو آقائے دو جہاں محفل سے اٹھے اور اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔جنابِ صدیق کو احساس ہوا کہ شاید آقا ناراض ہو گئے۔تو پیچھے گئے اور یہ کہا کہ یارسول اللہ اتنی دیر تک وہ مجھے برا بھلا کہتا رہا اور میں برداشت کرتا رہا، میں نے ایک مرتبہ جواب دیا تو آپ ناراض ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تم خاموش رہے تو تمہاری طرف سے حضرتِ جبریل جواب دے رہے تھے۔لیکن جب تم نے جواب دیا تو وہ بھی چلے گئے اسی لیے میں بھی چلا گیا۔

اس سے اندازہ ہوا کہ کسی جاہل، گنوار کا جواب دینا کسی شریف اور باوقار انسان کے لیے مناسب نہیں ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ سلام کہہ کر وہاں سے گزر جائے۔

اس کے بعد تیسری صفت بیان فرماتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ○ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:64)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی راتیں کبھی سجدوں میں گزارتے ہیں کبھی حالتِ قیام میں۔ وہ رات کو غفلت سے سوتے نہیں ہیں، اتنی ہی نیند لیتے ہیں جتنی کی ان کی فطرت



کے لیے ضروری ہے۔رات کی تنہائیوں میں وہ اپنے رب کی بارگاہ میں سر بسجود ہوتے ہیں، کبھی حالتِ قیام میں ہوتے ہیں، اور کبھی حالتِ سجدہ میں ہوتے ہیں، اگر اس کیفیت کو دیکھنا ہے تو صحابۂ کرام کی مقدس زندگی دیکھئے اور خود سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس حیاتِ طیبہ کی پوری پوری رات ایک ایک سجدے میں گزار دیتے، دن بھر تبلیغ کی زحمتیں اور مشقتیں برداشت کرتے اور رات بھر اپنے رب کی عبادت کرتے اور اگر تبلیغ کے نتیجے میں لوگ آپ کی بات نہیں سنتے تو ان کے لیے دعائیں کرتے کہ اے اللہ ان کے دلوں کو مائل کر دے اور یہ قبول حق کے لیے اپنے دل کو صاف پائیں۔

یہ سب اس لیے ہوتا تھا کہ آقائے دو جہاں کو داعیِ اعظم بنا کر بھیجا گیا تھا، انسانوں کی اصلاح کے لیے مگر دن بھر کی مشقتوں اور تکلیفوں کے بعد بھی پوری پوری رات سجدوں میں گزارتے تھے۔جنابِ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عالم یہ تھا کہ جنابِ فاطمہ عشاء کی نماز کے بعد سجدہ میں سر رکھتیں تو کبھی کبھی صبح ہو جاتی اور جب نمازِ فجر کا وقت آتا تو سر اٹھاتیں اور کہتیں کہ اے اللہ! اپنی بندی فاطمہ کو ایک ایسی رات دے دے کہ تیرا جی بھر کے سجدہ کر لے، سجدے پیشانی میں تشنہ رہ جاتے ہیں اور رات پوری ہو جاتی ہے۔

یہ عجیب عالم تھا ان لوگوں کا جنہیں اللہ کا قرب حاصل تھا اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ سجدہ میں اللہ کے جلووں کا مشاہدہ ہوتا ہے اور جو اللہ کے جلووں کے مشاہدہ میں ڈوب جائے اسے پھر دنیا کی خبر نہیں ہوتی ہے۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے مچل رہے میری جبین نیاز میں

حضراتِ گرامی! حقیقت منتظر کا لباسِ مجاز میں آنا تو ناممکن ہے مگر سجدوں کی تڑپ

یقیناً اہل ایمان کے دلوں میں موجود رہتی ہے۔صحابۂ کرام کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ "هُمْ بِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ وَ بِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ "یہ لوگ دن کے گھڑ سوار ہیں ،مجاہد ہیں، گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے ہیں اور رات بھر اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں یہ حال ہے ان لوگوں کا جو اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا○(سورۃ الفرقان، الآیۃ:65)

اور اتنی عبادت اور بندگی، اس قدر نرم رفتاری اور صبر و برداشت کے باوجود اپنے رب کی بارگاہ میں ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں اے اللہ ہم سے جہنم کا عذاب ٹال دے، بے شک جہنم کا عذاب بہت ہی تباہ کن ہے۔

اندازہ کیجیے! ایک طرف اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، شوقِ عبادت میں پوری پوری رات گزارتے ہیں، عبادت کی لذت اور کیفیتِ سرمدی سے نوازے جاتے ہیں تو دوسری طرف جہنم کا خوف بھی ہے انہیں معلوم ہے کہ جہنم کا عذاب انتہائی تکلیف دہ اور تباہ کن ہے جو ناقابل برداشت ہے۔انہیں اپنی عبادت پر غرور نہیں ہوتا، اپنے سجدوں پر اتنا اعتماد نہیں ہوتا کہ سمجھ جائیں کہ ہم جہنم سے بچا لیے گئے بلکہ وہ جانتے ہیں کہ جہنم سے بچنا صرف اللہ کی رحمت سے ممکن ہے، ہماری عبادتیں اور ہماری اطاعتیں تو صرف اظہارِ بندگی ہیں، مگر جہنم سے کوئی بچائے گا تو صرف وہ پروردگارِ عالم ہے اس لیے اس کی بارگاہ میں جہنم سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا○(سورۃ الفرقان، الآیۃ:66)



اور بلاشبہہ جہنم بڑا ہی بدترین ٹھکانہ ہے اور بہت ہی بری جگہ ہے۔اللہ سب کو محفوظ رکھے ہمیں اور سامعین کرام کو!

اس کے بعد اب تک عبادت اور بندگی کا تذکرہ تھا، اخلاق کے حوالے سے انسان کے طرزِ عمل کا تذکرہ تھا۔اب انسان کی معاشی زندگی کے بارے میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

وَ الَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا○(سورۃ الفرقان، الآیۃ:67)

وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں اپنی دولت کو جو اللہ کی دی ہوئی ہے تو اس میں اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل کرتے ہیں بلکہ وہ درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں، اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

اسراف کیا ہے اور بخل کیا ہے؟ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اسراف کہتے ہیں کسی بھی ایسے کام میں دولت کو خرچ کرنا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے، دکھاوے کے لیے، دولت کے اظہار کے لیے، ناجائز کاموں میں جہاں ضرورت نہیں ہے وہاں بھی خرچ کرنا یہ اسراف ہے اور جہاں ضرورت ہے وہاں خرچ نہ کرنا یہ بخل اور کنجوسی ہے۔اسلام نہ اسراف کو پسند کرتا ہے اور نہ بخیلی کو پسند کرتا ہے۔اسراف کے بارے میں قرآن عظیم میں فرمایا گیا ہے۔

"اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ"(سورۃ الاسراء، الآیۃ:27)

بے شک یہ فضول خرچ لوگ جو دولت کو بے جا خرچ کرتے ہیں، ناجائز مقام پر خرچ کرتے ہیں، یہ شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اِسراف انتہائی بدترین عمل ہے اور اللہ کی دی ہوئی دولت کا انتہائی غلط استعمال ہے اور یہی حال بخل کا بھی ہے، حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ بخیل بندوں سے بھی دور ہوتا ہے،

اللہ سے بھی دور ہوتا ہے، جنت سے بھی دور ہوتا ہے اور سخی جو صحیح راستہ پر دولت کو خرچ کرتا ہے ،دین کی راستہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے وہ بندوں سے بھی قریب ہوتا ہے، جنت سے بھی قریب ہوتا ہے اور اللہ سے بھی قریب ہوتا ہے۔

اس لیے اسراف سے بھی منع کیا گیا اور بخل سے بھی منع کیا گیا اور درمیانی راستہ جو اللہ کی رضا کے لیے دولت خرچ کرنا ہے اس کا حکم دیا گیا۔ اللہ فرماتا ہے۔

"وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ" (سورۃ الفرقان، الآیۃ:68)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہیں بناتے، کسی اور کی عبادت نہیں کرتے ،صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، صرف اللہ کی بارگاہ میں جھکتے ہیں اور یہ کسی کو قتل نہیں کرتے جن کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے سوائے حق کے۔

قتل نفس بہت بڑا گناہ ہے، قاتل جہنم میں جائے گا اس لیے کہ وہ کسی کی جان لے کر صرف اس کا نقصان نہیں کرتا بلکہ اس کے متعلقین کے لیے بھی زندگی تلخ کر دیتا ہے۔ قتل گناہِ عظیم ہے۔ بار بار قرآن عظیم میں قتل سے اور زنا سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے اسلام کے قبل عربوں کے معاشرے کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

عربوں کے معاشرے میں اسلام سے پہلے قتل انسانی کو فخر کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، کوئی کسی کو قتل کر دے تو اسے بڑا طاقتور سمجھا جاتا تھا اور اس قاتل کی، ظالم کی بڑی عزت ہوتی تھی معاشرے میں، ظلم کی بنیاد پر لوگ اس کا احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں قبائلی جنگیں صدیوں کے دامن میں پھیلی ہوئی تھیں بعض جنگیں تو وہ ہیں جن کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو سال کے بعد صلح کرائی ہے۔

اسی طریقہ سے زنا بھی ان کے لیے کوئی بہت معیوب چیز نہیں تھی۔ زنا کار عورتیں



باضابطہ اپنا بازار سجائے رہتی تھیں اور اپنے گھروں پر جھنڈے لہرائے رہتی تھیں، تاکہ لوگ وہاں جائیں نہ زنا کرنا برا تھا اور نہ وہاں لوگوں کو جانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

آپ اندازہ فرمائیں! کتنا برا معاشرہ تھا لیکن معاف کیجئے یہ معاشرہ آج بھی ہے پہلے افراد قتل کرتے تھے اب تو حکومتیں قتل کر رہی ہیں اور آج بھی متمدن شہروں میں زنا کے اڈے موجود ہیں اور زنا کی دعوت دینے والے اور دعوت دینے والیاں بھی موجود ہیں انہیں لائسنس حاصل ہیں قانوناً انہیں اجازت مل گئی ہے۔ تو آج بھی اسلامی تعلیمات کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ آج سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی خاتون سے اسلام کی بیعت لیتے تو یہ عہد لیتے کہ وہ زنا نہیں کریں گی، نیک اعمال کے ساتھ ساتھ یہ عہد اس لیے تھا کہ اس زمانے میں زنا معاشرے میں عام طور پر پھیلا ہوا تھا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۙ○ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:68)

اور جو یہ گناہ کرے گا یقیناً وہ اس کی سزا سے ہمکنار ہوگا۔

یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ○

(سورۃ الفرقان، الآیۃ:69)

عذاب کو بڑھا دیا جائے گا کئی گنا کر دیا جائے گا قیامت کے دن اور جہنم میں وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا۔ دنیا میں قتل کر کے عزت والا بنتا ہے، زنا کو معاشرے میں بطورِ فخر استعمال کیا جاتا ہے لیکن جہنم میں وَ یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا اللہ کے عذاب میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا۔

لیکن کیا یہ ہر گناہ گار کے لیے ہے؟ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس زمانے میں جب وہ اسلام لاتے تو انہیں اس بات کا احساس ہوتا کہ ہم نے بڑے گناہ کیے ہیں تو ان کے لیے قرآنِ پاک کی یہ آیاتِ مبارکہ نازل کی گئیں۔

"اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا"

لیکن جو گناہ کے بعد سچی توبہ کر لے ایسی نہیں کہ گناہ کرے پھر توبہ کرے اور پھر گناہ کے بعد پھر توبہ کرے نہیں! ایسی توبہ کہ اس کے بعد گناہ کی طرف نہ لوٹ کر جائے اور پھر ایمان بھی لائے یعنی گناہ گار گویا ایک طرف سے ایمان سے محروم ہو جاتا ہے اگر مسلمان ہے تو ایمان کی قدروں سے نا آشنا ہے توبہ بھی کرے اور پھر ایمان بھی لائے یا پھر کافروں کے لے یہ کہا گیا ہے جو عہدِ جاہلیت میں تھے کہ وہ توبہ کریں اور ایمان لائیں "وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا" اور پھر ہمیشہ نیک کام کریں۔

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ

تو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ○ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:70)

اور بے شک اللہ بے پناہ بخشنے والا اور بے پناہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرات! ایک حدیثِ پاک سماعت فرمائیں! اللہ کے رسول نے بیان کیا کہ میدانِ قیامت میں ایک شخص خدا کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اس کے نامۂ اعمال میں بہت سے گناہ ہوں گے، کچھ صغیرہ گناہ ہوں گے اور کچھ کبیرہ بھی گناہ ہوں گے۔ اللہ فرمائے گا کہ اس کے صغیرہ گناہوں کو پیش کیا جائے، جب چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے اور وہ توبہ کر چکا ہوگا، دنیا سے تائب ہونے کے بعد وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچا ہوگا تو توبہ کے نتیجے میں جو گناہ پیش کیے جائیں گے اللہ فرمائے گا ان کی جگہ پر نیکیاں لکھ دو، نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ لیکن بڑے گناہ چھپا دیے جائیں گے تو وہ شخص جب یہ دیکھے گا کہ گناہوں کے بدلے میں نیکیاں مل رہی ہیں تو وہ کہے گا میں نے کچھ اور بھی گناہ کیے ہیں جو یہاں نظر نہیں آ رہے



ہیں تو آقائے دو جہاں نے یہ کہہ کر تبسم فرمایا، ان کے دندانِ مبارک ظاہر ہو گئے کہ اللہ ایسا رحیم و کریم ہے کہ انسان اگر توبہ کر لے تو پھر اس کے گناہوں کے بدلے میں نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

یہ ہے اللہ کے رحم و کرم کا حال! مگر ان کے لیے جو گناہوں پر اصرار نہیں کرتے بلکہ توبہ کرتے ہیں، ایمان لاتے ہیں اور ہمیشہ نیک عمل کرتے ہیں۔ پس جو توبہ کرے گا اور نیک عمل کرے گا تو پھر بلاشبہہ وہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ والوں میں شمار کیا جائے گا۔ بے شک اس نے اللہ کی طرف حقیقتاً صحیح رجوع کیا ہے جیسا کہ رجوع کرنے کا حق تھا۔

وَ الَّذِيۡنَ لَا يَشۡهَدُوۡنَ الزُّوۡرَ"

اور یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

ایک مفہوم یہ ہے اور "لَا يَشۡهَدُوۡنَ" حاضر نہیں ہوتے یعنی ایسے مقام پر حاضر نہیں ہوتے جہاں جھوٹی گواہی دی جا رہی ہو، یا جس کا تعلق جھوٹ سے ہو، وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، جھوٹی گواہی دینے والا مجرم کو آزاد کرا دیتا ہے اور معصوم و بے قصور کو سزا دلوا دیتا ہے اور یہ آج کے معاشرے میں دیکھا جا رہا ہے اس لیے جھوٹی گواہی کو اسلام میں قتل اور زنا جیسا جرم قرار دیا گیا ہے اور اسی کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے جیسے کہ قاتل مجرم ہے، زانی مجرم ہے، ویسے ہی جھوٹی گواہی دینے والا بھی مجرم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی کورٹ میں جھوٹے گواہ کو سزا نہیں ملتی، اس کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو مقدمے کی حیثیت بدل جاتی ہے مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ تم نے جھوٹی گواہی کیوں دی؟ تم کو سزا ملے گی، اسلام میں جھوٹی گواہی کی سزا ہے، اگر کوئی جھوٹی گواہی دے تو پھر اسے اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور پھر موت تک اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جب تک وہ مر نہ جائے اسے جھوٹا ہی سمجھا جائے گا۔

یہ سزا اسلام میں اس انسان کی ہے جو ایک بار جھوٹی گواہی دے اور اس کی گواہی ثابت ہو جائے، آج کے کورٹس اور کچہریوں میں چونکہ جھوٹی گواہی پر کوئی سزا نہیں ہے اس لیے باضابطہ پیشہ ور جھوٹے گواہ ملتے ہیں، ہمارے ملک میں بہت عام ہے، جج بھی جانتا ہے یہ ہر جگہ گواہی دینے آتا ہے وکیل بھی جانتا ہے پھر بھی گواہی دینے کے لیے پیسے کی بنیاد پر لوگ اسے لے جاتے ہیں اسلام میں ایسا نہیں ہے۔

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:72)

اور جب رحمٰن کے بندے کسی بری بات یا برے ماحول سے یا لغویات سے گزرتے ہیں تو (DIGNITY) اور وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ○

(سورۃ الفرقان، الآیۃ:73)

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کی آیات پیش کی جاتی ہیں تو اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے بلکہ غور و فکر کرتے ہیں، سمجھنے اور عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔

بیوی اور اولاد نیک ہوں تو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، دل جلتا نہیں ہے، دل جلتا ہے تو آنکھیں بھی جلتی ہیں، بچے نیک ہوں تو آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اس لیے نیک لوگ ہمیشہ صرف اپنے لیے نیکی نہیں چاہتے بلکہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے لیے بھی ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری بیویوں کو اور ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا



دے وہ نیک ہوں، وہ صالح ہوں، کامیاب ہوں، ان کو دیکھ کر کے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں اس لیے دنیا ہی میں وہ ہمارے ساتھ نہیں بلکہ جنت میں بھی ہمارے ساتھ ہوں۔

بیوی اور بچے اگر دنیادار ہیں تو وہ دنیا میں تمہارے ساتھ ہیں، آخرت میں وہ جدا کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر بیویاں اور بچے نیک ہیں، ماں باپ بھی نیک ہیں، شوہر بھی نیک ہے تو کل جنت میں دوبارہ جمع کر دیے جائیں گے۔

وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ○ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:74)

اور اے اللہ! ہمیں ایسا متقی بنا کہ ہم امامت کے منصب پر فائز ہو سکیں یعنی آنے والی نسلیں ہماری اتباع کر سکیں اور ہماری پیروی کر سکیں۔

"اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ

یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں

"بِمَا صَبَرُوْا"

اس لیے کہ انہوں نے دنیا میں صبر کیا۔ نیک کام کرنے کے لیے، گناہوں سے بچنے کے لیے، اللہ کی عبادت کرنے کے لیے صبر کرنا پڑتا ہے۔

وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ○ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:75)

اور وہاں میدانِ قیامت میں جب جنت میں جانا ہوگا تو وہ تحیت اور سلامتی سے ملیں گے یعنی ان کو سلام پیش کیا جائے گا۔ ان کو تحیت پیش کی جائیں گی جنت میں ان کا استقبال کیا جائے گا۔

"خٰلِدِيْنَ فِيْهَا" وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ○ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:76)

اور یہ کیا ہی شاندار اور کیا ہی عظیم مقام ہے! کیا ہی حسین مقام ہے! جو نیکو کاروں کو اور عباد الرحمٰن کو عطا کیا جائے گا۔

حضراتِ گرامی! پروردگارِ عالم سے دعا کیجئے کہ پروردگارِ عالم ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہمیں عباد الرحمٰن میں شامل فرمالے، ان کے صدقہ میں ہمیں بھی جنت کی نعمتوں سے ہمکنار فرمائے۔ اب تک میں نے جن آیاتِ مبارکہ کو پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے وہ سورۂ فرقان سے متعلق تھیں

## سورۃ الشعراء

اب چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ آپ سورۂ شعراء سے سماعت فرمالیں۔

جنابِ ابراھیم علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں اپنے معروضات پیش کیے ہیں اس کے باوجود کہ اتنے بلند مقام پر تھے، تمام انبیائے کرام ان کے بعد جو ہوئے ہیں، ان کے لیے وہ ابوالانبیاء ہیں لیکن اپنے رب کی بارگاہ میں وہ کس طرح سے اپنی نذرِ بندگی پیش کر رہے ہیں۔ سماعت فرمائیے عرض کرتے ہیں: میرا معبود رب العٰلمین ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ○(سورۃ الشعراء، الآیۃ:78)

جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے اور پھر اس نے مجھے ہدایت دی ہے۔

وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ○(سورۃ الشعراء، الآیۃ:79)

اور میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ○(سورۃ الشعراء، الآیۃ:80)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا عطا فرمادیتا ہے۔

وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ○(سورۃ الشعراء، الآیۃ:81)



اور وہی پروردگارِ عالم ہے جو مجھے موت عطا فرمائے گا اور پھر مجھے حیات بخشے گا۔

وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ○

(سورۃ الشعراء، الآیۃ:82)

اور وہی میرا پروردگار ہے کہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

آپ اندازہ فرمائیں! جلیل القدر پیغمبر ہیں، خلیل اللہ ہیں مگر اپنے رب کی بارگاہ میں کس قدر انکساری پیش کر رہے ہیں، اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ ان سے خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ تمام انبیائے کرام خطاؤں سے معصوم ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنے رب کی بارگاہ میں انکساری اور تضرع ہی پیش کرتے ہیں اور پھر وہ دعا کرتے ہیں:

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ○(سورۃ الشعراء، الآیۃ:83)

اے اللہ! مجھے علم اور دانائی کے اعتبار سے اس قابل بنا کہ میں ان لوگوں میں تیرے نظام کی تبلیغ کر سکوں اور اے اللہ مجھے صالحین میں شامل فرمادے:

وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ○(سورۃ الشعراء، الآیۃ:84)

اور میرے لیے لوگوں کی زبان کو تعریف کرنے والی بنادے جو میرے بعد آنے والے ہیں۔

آپ اندازہ فرمائیں! یہ دعا انہوں نے کی تھی اور پھر انہیں کی نسل پاک میں سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ گر کیا گیا۔ آج تک اور قیامت تک امت محمدیہ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں رطب اللسان رہے گی اور ان کی تعریف کرتی رہے گی۔

وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ○(سورۃ الشعراء، الآیۃ:85)

اور اے اللہ! ہمیں جنتِ نعیم کے وارثوں میں بنادے۔

وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ۝ (سورۃ الشعراء، الآیۃ:86)

اور میرے باپ کو معاف کر دے وہ گمراہوں میں سے تھا۔

یاد رکھیئے! کہ اگر کوئی کافر ہے تو اس کے حق میں مومن کی دعا قبول نہیں ہوتی مگر چونکہ جنابِ ابراھیم نے وعدہ کیا تھا اس لیے یہ دعا انہوں نے کی ہے مگر چونکہ وہ کافر تھا اس لیے یہ دعا مقبول نہیں ہوئی۔

وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۝ (سورۃ الشعراء، الآیۃ:87)

اور مجھے رسوا نہ فرما قیامت کے دن۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ۝ (سورۃ الشعراء، الآیۃ:88)

اس روز نہ کوئی مال فائدہ پہنچائے گا نہ اولاد۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۝ (سورۃ الشعراء، الآیۃ:89)

مگر صرف وہ لوگ فائدے میں رہیں گے جو قلبِ سلیم کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے۔

صحتمند دل کے ساتھ، سلامتی والے دل کے ساتھ، ایمان والے دل کے ساتھ اور ایک روایت کے اعتبار سے بے عیب دل کے ساتھ یا لرزہ اور ترساں دل کے ساتھ۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۝ (سورۃ ق، الآیۃ:13)

اُس وقت جنت کو متقیوں سے قریب کر دیا جائے گا اور گمراہوں کے لیے جہنم کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جنابِ ابراہیم کی اس دعا کے صدقے میں ہم سب کو متقیوں میں شامل فرمادے اور جہنم سے نجات عطا فرمائے۔

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته!



## خطاب نمبر (۲۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ۝

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۝ (سورۃ النمل، اٰیۃ:4)

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَ الْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِلْمِ وَ الْحِكَمِ، وَ اٰلِهٖ وَ بَارِكْ وَ سَلِّمْ، صَلٰوةً وَّ سَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج سورۂ نمل کی چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، پروردگارِ عالم ہم سب کو قرآن عظیم کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۂ نمل کا آغاز اُن آیاتِ مبارکہ سے ہوتا ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات بیان کی ہیں، اہلِ ایمان وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکات ادا کرتے ہیں، آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں

رکھتے ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے اور اسی میں وہ سرگردہ رہتے ہیں ،ان کے لیے بدترین عذاب ہے اور آخرت میں وہ شدید خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ ہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ○

(سورۃ النمل، الآیۃ: 4،5)

بے شک وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے آخرت پر، ہم نے ان کے دنیاوی اعمال کو آراستہ کر دیا ہے جس میں وہ بھٹکتے رہتے ہیں، گم رہتے ہیں، غافل رہتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے انتہائی برا عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں شدید نقصان اٹھانے والے لوگ ہوں گے۔

پھر اس سورت میں دو مثالوں کے ذریعہ سے آخرت پر ایمان لانے والوں اور انکار کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے دنیاوی اقتدار اور دولت کے نشے میں ڈوب کر لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور پھر انہیں آخرت کے عذاب سے دو چار کیا جائے گا لیکن دنیا میں چونکہ وہ آخرت کو نہیں مانتے اس لیے وہ مظالم کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اپنی طاقت اور قوت کے نشے میں وہ انسانوں پر بے تحاشا ظلم کرتے ہیں اور ان کے حقوق کو سلب کرتے ہیں، انہیں ستاتے ہیں، انہیں جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں۔

یہ سب اس لیے کرتے ہیں کہ ان کو آخرت پر یقین نہیں ہے اگر وہ مومن ہوتے اور ان کو آخرت پر یقین ہوتا تو یقیناً وہ اللہ کے بندوں پر کبھی ظلم نہ کرتے اور اپنے اقتدار کو امانت سمجھ کر اللہ کے بندوں کی بھلائی کے لیے اسے استعمال کرتے، چنانچہ اس سورت میں فرعون کا



تذکرہ کیا گیا ہے اور دوسرے ارباب اقتدار اور ارباب ثروت کا اور اس کے بعد جنابِ داؤد اور جنابِ سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرعون بھی ایک بادشاہ تھا مگر آخرت پر یقین نہیں رکھتا تھا اس لیے اس نے مظالم کی انتہا کر دی تھی وہ خود اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا، اپنے کو "اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی" کہہ کر کے لوگوں کو سجدے کا حکم دیتا تھا اور جو لوگ اسے خدا نہیں مانتے تھے ان پر بے پناہ ظلم کرتا تھا، ان کے بچوں کو قتل کرتا تھا، ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا اور انتہائی بدترین غلامی کے دور سے انہیں گزارتا تھا۔

اہرام مصر کی تعمیر فرعونوں کی ہے، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس تعمیر میں نامعلوم کتنے مزدوروں کا جو عام طور پر اسرائیلی تھے خون شامل ہوگا، کتنی لاشیں شامل ہوں گی۔ اللہ پر یقین نہ رکھنے والا بادشاہ اور طاقتور انسانوں کی لاش پر اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کرتا ہے اور اللہ اور آخرت پر یقین رکھنے والا بادشاہ ہو یا صاحبِ ثروت ہو وہ اپنے اقتدار کو ،اپنی دولت کو، اپنے اختیارات کو اللہ کی عطا سمجھتا ہے اور بندوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کرتا ہے۔ فرعون سے کہیں زیادہ بڑی حکومت، جنابِ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو عطا کی گئیں۔ جن کی حکومت صرف انسانوں پر نہیں تھی، ہواؤں پر تھی، پرندوں پر تھی، جنوں پر تھی۔ اللہ کی یہ مخلوق ان کی پابندِ قانون تھی، اتنی بڑی حکومت کے بعد بھی وہ ہمیشہ اللہ کی بارگاہ میں جھکے رہتے تھے اور اللہ کی بندگی ان کا شعارِ زندگی تھا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ وَ قَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّنۡ عِبَادِہِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ○ وَ وَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ وَ اُوۡتِیۡنَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِیۡنُ○

(سورۃ النمل، الآیۃ: 15،16)

ہم نے جنابِ داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا، اقتدار بخشا تو ان دونوں نے ہمیشہ یہ کہا کہ تمام تعریف اُس اللہ کے لیے جس نے ہم کو اپنے مومن بندوں میں بہت سے لوگوں پر برتری عطا فرمائی اور جنابِ داؤد کے بعد سلیمان ان کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں سب کچھ عطا کیا گیا بلاشبہہ یہ اللہ کا واضح فضل ہے ہمارے اوپر۔ یہاں یہ لوگ اقتدار اور دولت کو اللہ کی عطا سمجھ کر کے اس کی بارگاہ میں جھکتے ہیں اور اپنے اقتدار کو نظام عدل قائم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ دنیا والوں پر ظلم کرتے ہیں۔

قرآنِ عظیم نے اس سورت کی ابتدائی آیات میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ

(سورۃ النمل، الآیۃ:4)

بے شک وہ لوگ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال کو ان کے لیے آراستہ کر دیا اور وہ اسی میں ڈوبے رہتے ہیں بھٹکتے رہتے ہیں کھوئے رہتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ ہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ

(سورۃ النمل، الآیۃ:5)

یہی وہ لوگ ہیں جن کو دردناک اور بدترین عذاب سے ہمکنار کیا جائے گا اور یہی لوگ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

یہ دو مثالیں قرآنِ عظیم نے اس لیے پیش فرمائیں تاکہ لوگ یہ جان سکیں کہ جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لیتا ہے، اللہ کے بندوں کے ساتھ محبت کا سلوک کرتا ہے اور خود اللہ کی بارگاہ میں جھکا رہتا ہے، اس کے اندر غرور نہیں ہوتا، تکبر نہیں ہوتا،



ہواؤں اور فضاؤں پر کنٹرول کرنے کے باوجود وہ اللہ کی بارگاہ میں ایک بندے کی طرح سے انکسار اور تضرع پیش کرتا ہے۔

اس کے بعد کچھ اور اقوام کا تذکرہ کیا گیا جس میں قومِ ثمود ہے اور قومِ صالح ہے یہ لوگ اپنے گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے، خدا پر یقین نہ رکھنے کی وجہ سے، آخرت کو نہ ماننے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ عام انسانوں پر ظلم کرتے تھے بلکہ اللہ کے پیغمبروں کو بھی قتل کے منصوبے بناتے تھے۔ جنابِ صالح علیہ السلام کی قوم کے نو افراد نے یہ طے کیا کہ آج رات کو ہم شب خون مار کر انہیں شہید کر دیں گے اور یہ بھی قسم کھائی کہ ہم میں سے کسی سے پوچھا جائے تو ہم انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو اس وقت یہاں موجود ہی نہیں تھے اور جب رات کو اپنی تلواریں سونتتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر کی طرف بڑھے تو فرشتوں نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی، انہیں پتھروں کی برسات تو نظر آتی تھی مگر مارنے والے نظر نہیں آرہے تھے، چنانچہ ان سب کو ہلاک کر دیا گیا لیکن اسی آبادی میں جو صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے مومن تھے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

اسی طریقے سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے جب جنسی انارکی اختیار کی اور ہم جنسوں کے ساتھ انہوں نے اپنے روابط قائم کیے اور جب جنابِ لوط علیہ السلام نے سمجھایا کہ یہ انتہائی غیر انسانی عمل ہے، یہ کام تو جانور بھی نہیں کرتے ہیں، وہ ہمیشہ جنس مخالف سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ تم باز آجاؤ اس بے حیائی سے یہ غیر فطری عمل ہے جس کا ارتکاب کر رہے ہو، اپنی جنسی خواہشات کے لیے تم فطرت کے عین مطابق اپنی جنس مخالف سے رابطہ قائم کرو۔ تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نکالو اس آبادی سے یہ تو پاکیزہ لوگ ہیں۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ پاکیزگی ان کے نزدیک بہت بڑا جرم تھی پھر یہی

ہوا کہ ان ظالموں پر پتھروں کی بارش کر دی گئی اور وہ فنا کر دیے گئے۔

اور اس سورت میں بیسویں پارے کے آغاز میں اللہ رب العزت نے اپنی تخلیق کے حسن، اس کی عظمتوں کے ساتھ ساتھ ان احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے انسانوں پر فرمائے ہیں۔ بایں طور کہ جملہ کائنات انسانوں کے لیے تخلیق کی گئی ہے اور خالق صرف اللہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، آیاتِ آفاق وانفس کے ذریعہ سے عقیدۂ توحید کو ثابت فرمایا گیا کہ کائنات کی تخلیق میں اللہ کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے، اللہ احسن الخالقین ہے، تخلیق زمین وآسمان سے اس نے دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ اس عظیم کائنات کا خالق اللہ ہے اور صرف اللہ ہے وہ آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے اور اس کے ذریعہ سے انتہائی خوش منظر باغات زمین کو عطا کرتا ہے۔

اللہ نے پانی کے لیے زمین کو اس کا منبع بنایا ہے، اس نے دریاؤں کو پیدا کیا پھر پہاڑوں کی افادیت اور دو دریاؤں کے درمیان اللہ نے جو آڑ رکھی ہے اس کا بھی اللہ نے تذکرہ فرمایا اور ہر نعمت کے تذکرہ کے ساتھ اللہ ارشاد فرماتا ہے: کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہے؟ جس نے کائنات کی نعمتیں بخشی ہیں، ان آیات کا ترجمہ سماعت فرمائیے۔

آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد اپنے دوسرے انعامات کا تذکرہ فرمارہا ہے وہ کون ہے جو کسی مضطر کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور اس کی مصیبتوں کو دور فرماتا ہے؟ وہ کون ہے جو تمہیں خلافتِ ارضی کا مستحق بناتا ہے؟ وہ کون ہے جو تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں ہدایت دیتا ہے؟ وہ کون ہے جو ہواؤں کو بارانِ رحمت کی بشارت کے طور پر بھیجتا ہے اور بارش کو نازل فرماتا ہے؟ وہ کون ہے جس نے مخلوق کو عدم سے وجود بخشا اور پھر دوبارہ انہیں پیدا فرمائے گا وہ کون ہے جو تمہارے لیے آسمانوں اور زمینوں سے رزق فراہم کرتا ہے؟ کیا اللہ



کے علاوہ کوئی اور ہے؟ اے پیغمبر! فرما دیجئے کہ تم اپنے دعوے کی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو! اے پیغمبر! فرما دیجئے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی زمین و آسمان کے غیب جانتا ہے، خدا کے علاوہ کوئی اور غیب کا ذاتی جاننے والا نہیں ہے۔

انسانوں کو یہ معلوم نہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنی تخلیق اور اپنی صفات کے تذکرہ کے بعد ارشاد فرمایا: بلاشبہہ یہ قرآن بنو اسرائیل کے واقعات کو یہاں بیان فرماتا ہے اور ان واقعات کی حقیقت میں جس کے بارے میں وہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اس کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ یہ قرآن عظیم ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے۔ اللہ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ قیامت میں جو لوگ اختلافات کرتے ہیں ان کے اختلافات کا حقیقی فیصلہ کرے گا اور بلاشبہہ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

قرآنِ عظیم کی عظمت بیان فرمانے کے بعد اللہ رب العزت نے اپنے عظیم پیغمبر کو تسلی دی کہ اے محبوب! اگر یہ ایمان نہیں لاتے اور آپ کی شدید مخالفت کرتے ہیں تو آپ غمزدہ نہ ہوں، اس میں آپ کی ہدایت یا قرآن کی اثر آفرینی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر نابینا سورج کی روشنی سے استفادہ نہ کر سکے تو اس میں سورج کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ آفتابِ ہدایت ہیں، آپ کی روشنی ساری کائنات کے لیے ہے لیکن اندھا اگر آپ کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ اللہ پر کامل بھروسہ رکھیں بلاشبہہ آپ واضح اور روشن حق پر ہیں، بلاشبہہ آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے اور نہ ہی بہروں کو اپنی دعوت سے آگاہ کر سکتے ہیں جو لوگ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں انہیں آپ نہیں سنا سکتے۔

آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے جو پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں اس آیتِ کریمہ کو کچھ

لوگ اپنے باطل عقیدے کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جو لوگ انتقال کر گئے ہیں وہ یا اولیا ہوں یا انبیا ہوں ان کو سنایا نہیں جا سکتا۔ حالانکہ یہاں کہا جا رہا ہے "اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ○" جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں تو اس سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو انتقال کر گئے ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے دل مردہ ہیں اور حق قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

حضراتِ گرامی! ان آیات کی مختصر وضاحت کے بعد آج میں ایک خاص بات آپ سے عرض کرنا چاہوں گا۔ غور اور توجہ سے سماعت فرمائیں! عید الفطر کی نماز کے لیے کوشش کی جا رہی ہے کہ گورنمینٹ کی طرف سے اجازت مل جائے اور ہم تمام احتیاطوں کے ساتھ مسجد یا پارک میں نماز ادا کر سکیں لیکن اندازہ ہو رہا ہے کہ شاید یہ اجازت نہ ملے تو پھر ہمیں کیا کرنا ہے؟ یقیناً مسجد میں نہ آنا انتہائی تکلیف دہ ہے ہر مسلمان کے لیے، مسجد سے قلبی تعلق رکھنے والا انسان جس کرب سے گزر رہا ہے اس کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جن کا دل مسجد سے لگا ہوا نہیں ہے۔ آقائے دو جہاں نے فرمایا تھا:

"اَلْمُؤْمِنُ فِي الْمَسْجِدِ كَالسَّمَكِ فِي الْمَاءِ"

(کتاب کشف الخفاء، المجلد الثانی، حرف المیم الرقم::2689)

مومن مسجد میں اس طرح رہتا ہے جیسے مچھلی پانی کے اندر، مچھلی کو پانی سے نکال دیا جائے تو وہ تڑپتی ہے، پانی میں ڈال دی جائے تو پرسکون رہتی ہے، مومن مسجد کے باہر مضطرب رہتا ہے اور مسجد کے اندر اسے سکونِ کامل میسر آجاتا ہے۔

لیکن آج پوری امتِ مسلمہ دنیا میں مسجد میں داخلے سے محروم کر دی گئی ہے، آئیے خدا سے دعا کریں کہ پروردگارِ عالم ہمیں جلد اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے اور مسجدوں کے دروازے تمام مسلمانوں پر کھل جائیں اور ہم اپنی جمعہ، پنج وقتہ نمازیں اور عیدین مسجد میں ادا



کر سکیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے حالات کی بنیاد پر، کورونا وائرس کی بنیاد پر، حکومت کے لاک ڈاؤن کے قوانین کی بنیاد پر، تو کیا ہم ثواب سے محروم رہیں گے؟

حضرات! تو آئیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں سناؤں جس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ جس کام کا دل سے ارادہ کرتا ہے، نیت کر لیتا ہے۔

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ"

(صحیح البخاری، بدء الوحی، کَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الرقم::1)

اور پھر وہ کام کسی مجبوری سے نہیں کر سکتا تو اسے پورا پورا ثواب دیا جاتا ہے مثلاً اگر کسی نے حج کرنے کا ارادہ سچے دل سے کیا کہ جب بھی مجھے طاقت میسر آئی تو میں حج ضرور کروں گا اسی احساس میں وہ تڑپتا رہا اور وہ حج نہ کر سکا تو اسے حج مبرور کا ثواب ملے گا۔

جو حج کر رہے ہیں ان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ حج مبرور کریں لیکن جو حج کے ارادے سے انتقال کر جائے۔ اسے حج مبرور یعنی مقبول حج کا ثواب ملے گا اسی طریقے سے دوسرے اعمال بھی ہیں تو آپ یقیناً نماز جمعہ کے لیے، نمازِ عید کے لیے مسجد میں آنا چاہتے ہوں گے ایک خواہش ہوگی ایک تڑپ ہوگی۔ لیکن اگر آپ نہ آسکیں تو یہ مت سمجھئے کہ ہماری عید رائیگاں گئی یا ہمیں ثواب سے محروم کر دیا گیا۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ مسجد میں اخلاص سے آنے کی تمنا رکھتے ہیں تو حدیثِ پاک کی روشنی میں ہر جمعہ کا ثواب آپ کو مل رہا ہے۔

ایسے ہی عید الفطر کا ثواب آپ کو میسر آئے گا، عید الفطر یوم الجائزہ ہے، انعام کا دن ہے، پورے ماہ روزہ رکھنے کے بعد اللہ اپنے انعامات سے بندوں کو نوازتا ہے، اب اگر آپ نہیں آپا رہے ہیں تو آپ کو عید کی نماز پڑھنے کا ثواب ملے گا ہاں! جشن کی کیفیت نہیں ہوگی اس سے یقیناً محروم کیے جائیں گے مگر ثواب سے محروم نہیں ہوں گے اور آپ عید کی نماز نہ پڑھ سکیں تو آپ

کو اپنے گھر میں کیا کرنا ہے؟ میں اس کے لیے بہت واضح رہنمائی کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرات! عید کے دن نمازِ عید کا جب ٹائم ختم ہوتا ہے یعنی کچھ دس بجے کے قریب جب عام طور پر مسجدوں میں نماز ہو جاتی ہے، تو آپ اس وقت اپنے گھر میں چار رکعت نمازِ نفل پڑھیں یا دو رکعت، چار رکعت پڑھیں تو بہت اچھا ہے دو رکعت کم از کم پڑھیں اور اس خیال سے پڑھیں کہ یہ نماز شکر ہے کہ اس نے آپ کو رمضانِ پاک کا روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور عید کا دن اس نے عطا فرمایا، اس شکریے کے لیے آپ دو یا چار رکعت نمازِ نفل پڑھیں اور اس کے بعد چونتیس بار اللہ اکبر بلند آواز سے پڑھیں کہ اللہ مسجد میں آپ کی عدم حاضری کو معاف کر دے اور گھر میں عید کی نماز کا مکمل ثواب عطا فرمائے اور یہ مصیبت ہمارے سروں سے جلد ٹل جائے تا کہ ہم آزادی کے ساتھ اللہ کے گھر میں حاضر ہو سکیں۔

اسی قرآن پاک میں آیا ہے کہ عید کے دن اس کی کبریائی بیان کرو! اس کی بڑائی بیان کرو! تکبیر کہو! تو اس حکم کی پابندی کے لیے آپ کہیں اللہ اکبر اللہ اکبر چونتیس مرتبہ اور پھر اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں اور امید کی جائے کہ اللہ کی رحمتِ بے پایاں ہے، وہ ہماری مجبوریوں اور پریشانیوں کو دیکھ رہا ہے تو ہمیں عید کی نماز کا ثواب بھی ملے گا اور یوم الجائزہ کے وہ انعامات بھی ہمیں میسر آئیں گے جو اللہ نے عید کے دن اپنے نیک بندوں کے لیے مقرر فرما رکھے ہیں اللہ آپ کو ہمیں اور سب کو عید کی خوشیوں سے نوازے، انعامات سے نوازے اور بہت جلد ایسا وقت آئے کہ ہم دوبارہ اللہ کے گھر میں اجتماعی طور پر حاضر ہو سکیں۔

ہاں ایک بات یاد رکھیے گا! کہ نفل کا تنہا تنہا پڑھنا یہ زیادہ باعثِ ثواب ہے لیکن اگر کوئی چاہتا ہے کہ نفل کے لیے چار رکعت کے لیے جماعت کریں تو گھر میں جو صاحب امام بن سکتے ہوں وہ امام بن کر کے چار رکعت نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں اور اس میں طریقہ یہ



ہوگا کہ امام صاحب آگے ہوں گے اور گھر کے مرد اس کے بعد ہوں گے پھر ان کے پیچھے بچے اور عورتیں بھی کھڑی ہو سکتی ہیں۔ بہر کیف اگر آپ مسجد میں نہ آسکیں تو خدارا اپنے گھر میں یہ چار رکعت نماز نہ بھولیں اور اپنے اس خادم قمر الزماں اعظمی کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته

## خطاب نمبر (۲۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ○ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ○ (سورۃ طٰہٰ، اٰیۃ: 28-25)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آیئے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّ سَلَامً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

حضراتِ گرامی! آج میں سورۂ قصص کی چند آیاتِ مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، اس سورت میں نو رکوع اور اٹھاسی آیات ہیں یہ سورت بھی مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورت میں اربابِ اقتدار اور حکمرانوں کی اقتدار پسندی اور ظالمانہ اندازِ حکمرانی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔



حکمرانوں کا طبقہ ہر دور میں اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے لوگوں کو اپنی عوام کو فرقوں، گروہوں اور مختلف طبقات میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے اور انہیں آپس میں لڑانے اور ان میں جنگ وجدال کی فضا قائم کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے تاکہ کوئی طبقہ ان کے ظالمانہ اندازِ حکمرانی کو چیلنج نہ کر سکے اور لوگ آپس ہی میں دست وگریبان رہیں خواہ مختلف طبقات یا قومیں آپس میں جنگ کر کے تباہ ہو جائیں مگر حکمراں کا اقتدار سلامت رہے۔ مثال کے طور پر قرآن عظیم نے فرعونوں کا تذکرہ کیا ہے مگر آج کے اربابِ اقتدار بھی فرعونوں ہی کی طرح سے اختلافات پیدا کر کے، جنگ کی فضا قائم کر کے، قوموں کو لڑا کر کے اپنے اقتدار کی مسند ان کی لاشوں پر بچھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آج پوری دنیا میں تقریباً یہی حال ہے۔

قرآن پاک کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی شانِ نزول کسی مخصوص واقعے سے متعلق ہوتی ہے مگر قرآن عظیم صرف واقعہ بیان نہیں کرتا بلکہ واقعے کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ان اسباب کی وضاحت بھی کرتا ہے جن کی بنیاد پر وہ واقعہ پیش آیا اور یہ تاثر قائم کرتا ہے کہ جن اسباب کی بنیاد پر یہ واقعات پیش آئے ہیں اور جو اس کے نتائج ہوئے ہیں قیامت تک جب بھی کسی قوم کا طرزِ عمل ان واقعات کے مشابہ ہوگا تو ان کے نتائج بھی وہی ہوں گے۔

قرآن عظیم نے وضاحت کے ساتھ بہت سے اربابِ اقتدار اور ان کی تباہی کا تذکرہ کرنے کے بعد اور ان کے اندازِ حکمرانی کا ذکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ پیش فرمایا ہے کہ دنیا میں کبھی بھی امن قائم نہیں ہوگا جب تک کہ اسلام کے نظامِ عدل کو اختیار نہ کیا جائے دنیا یونہی ظلم و بربریت کی آگ میں جھلستی رہے گی۔

حضرات! اس سورت کا آغاز ان آیاتِ مبارکہ سے ہوتا ہے:

طٰسٓمٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ (سورۃ القصص، الآیۃ: 2:1)

یہ آیات ہیں اس روشن کتاب کی جو پیغمبرِ اعظم پر نازل کی گئیں۔ آیت نمبر ا سے ۶ تک قرآن عظیم نے، اللہ کی مقدس کتاب نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے بلاشبہہ لوگوں میں اختلاف پیدا کرتے ہیں فرعون کو بطورِ نمونہ پیش کیا ہے قرآن نے، فرعون کا اندازِ حکمرانی اور ظالمانہ طرزِ حکومت کے تذکرہ کے بعد قرآن عظیم نے اس کے اقتدار کو چیلنج کرنے اور اس کو فنا کرنے اور زمین پر نظامِ عدل قائم کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت، ان کی پرورش، ان کی ہجرت اور فرعون سے مقابلہ اور پھر فرعون کی غرقابی اور بنو اسرائیل کی کامیابی کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔

چونکہ یہ تذکرہ مختلف مقامات پر کیا جا چکا ہے اس لیے میں تفصیل میں نہیں جانا چاہوں گا صرف یہ بتانا چاہوں گا کہ فرعون کو اس کے نجومیوں نے یہ بتایا تھا کہ بنو اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو بڑے ہونے کے بعد تمہارے اقتدار کو چیلنج کرے گا اور تمہارا اقتدار سلب کر لے گا، فرعون نے یہ فیصلہ کر لیا کہ بنو اسرائیل میں کوئی بچہ پیدا ہونے کے بعد زندہ نہ رکھا جائے۔ چنانچہ اس نے ایسی عورتیں مقرر کیں جو بنو اسرائیل کے گھروں میں جا کر کے ان عورتوں کا جائزہ لیتیں اور جو امید سے ہوتیں اور جب بچہ پیدا ہوتا تو اسے فوراً مار دیا جاتا۔

اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے ہزاروں بچوں کو اس نے قتل کروایا جب جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت آیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی والدۂ محترمہ جو امید سے تھیں ان کے اوپر ایسے اثرات مرتب نہیں ہونے دیے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ امید سے ہیں عورتیں آتی رہیں اور جاتی رہیں لیکن جب جنابِ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی ماں بہت خوف زدہ ہوئیں کہ اب تو میرے اس بچے کو قتل کر دیا جائے گا تو اللہ نے



غیب سے ندا دی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو کہ انہیں ٹوکری میں رکھ کر کے دریائے نیل میں ڈال دو اب یہ میری حفاظت میں ہوں گے اور تم خوف نہ کرو! اس سلسلے میں انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ ٹوکری بہتے بہتے فرعون کے محل کے قریب پہنچی۔ فرعون اپنی بیوی کے ساتھ دریا کا نظارہ کر رہا تھا اس نے دیکھا کہ کوئی چیز بہتی ہوئی آ رہی ہے اس کے نوکروں نے نکالا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت پھول اس ٹوکری کے اندر کھلا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے، انتہائی خوبصورت تھے، فرعون کی بیوی نے کہا کہ لاؤ ہم اسے پال لیں ہمارے پاس کوئی اولاد نہیں ہے، اس کی پرورش ہم کریں تو فرعون نے کہا کہ کہیں یہ بچہ وہ تو نہیں ہے جو میرے اقتدار کو چیلنج کرے گا اور ختم کرے گا تو اس کی بیوی نے کہا یہ کیسے ممکن ہے تم تو بنو اسرائیل کے تمام بچوں کو قتل کروا رہے ہو، یہ بنو اسرائیل کا بچہ تو نہیں ہو سکتا یہ تو کہیں اور سے آ رہا ہے اور شاید اللہ نے ہماری بے بسی پر رحم کیا اور ہماری گود کو بھر دیا ہے۔

بہر کیف! جنابِ موسیٰ فرعون کے گھر میں پلتے رہے، اس ان کی بیوی ماں کے فرائض انجام دیتی رہیں مگر وہ کسی کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی بہن جو اس ٹوکری کی نگرانی کر رہی تھی جس میں وہ بہتے ہوئے جا رہے تھے۔ وہ گھر میں پہنچی اور کہا کہ میں ایک ایسی عورت کے بارے میں بتا سکتی ہوں جو شاید یہ خدمت انجام دے سکے وہ اپنی ماں کو لائیں اور آپ نے ان کا دودھ قبول فرما لیا۔ روزانہ ایک اشرفی کے بدلے میں وہ آ کے دودھ پلاتی رہیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتی رہیں۔

اس طرح وہ پروان چڑھے، جب ذرا بڑے ہوئے تو ایک دن فرعون نے گود میں پکڑ رکھا تھا تو انہوں نے اس کی داڑھی پکڑ کر ایک طمانچہ مارا۔ فرعون چونک اٹھا اور کہا کہ یہ

وہی بچہ تو نہیں ہے اس نے مجھے طمانچہ مارا ہے، ان کی بیوی نے پھر کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تم نے سارے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروادیا بچے تو ایسے ہوتے ہی ہیں اس طرح کی ننھی منی شرارتیں ان کے مزاج میں داخل ہیں۔

ابھی یہ امتحان ہوا جاتا ہے، اس کے بعد فرعون کی بیوی نے ایک طشت میں انگارے اور ایک طشت میں جواہرات رکھ کر جنابِ موسٰی کے سامنے پیش کیا۔ جنابِ موسٰی جواہرات کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے تھے لیکن جنابِ جبریل نے ان کا ہاتھ انگارے کی طرف بڑھا دیا انہوں نے انگارہ اٹھایا اور زبان پر رکھ لیا زبان جل گئی تو کہا دیکھو! اگر اس بچے نے شعوری طور پر کوئی حرکت کی ہوتی تو یہ آگ اپنے منہ میں نہ رکھتا۔

بہرکیف یہ بچے ہیں یہ ایسی حرکت کرتے ہیں ان کی زبان جل گئی تھی اور اس کی وجہ سے ان کی زبان میں ہلکی لکنت پیدا ہوگئی تھی جس کے لیے بعد میں انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی تھی جب اعلانِ نبوت کا وقت آیا تھا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ۝ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝ (سورۃ طٰہٰ الآیۃ:25،26،27،28)

اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے! معاملات کو آسان کر دے، میری زبان کی لکنت کو دور کر دے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔

حضرات! آج بھی یہ آیتِ کریمہ ان لوگوں کے لیے جو لکنت رکھتے ہیں اگر اس کا ورد کریں تو ان شاء اللہ انہیں شفا ملے گی۔ بہرکیف! جب ذرا اور بڑے ہوئے اور جوانی کے مرحلے میں پہنچے تو ایک روز وہ باہر نکلے انہوں نے دیکھا کہ ایک قبطی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے (اور یہ عام طور سے ہوا کرتا تھا کہ وہ مظلوم تھے اور یہ حکمراں طبقے کا نمائندہ ہوتا تھا تو قبطی



جہاں بھی پاتے تھے وہ اس مظلوم طبقے کو مارتے اور سزا دیتے تھے جیسے کہ آج بھی دنیا میں مظلوموں کے ساتھ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ آج کا فرعون بھی اور اس کے ماننے والے مظلوموں کے ساتھ یہی سلوک کر رہے ہیں) اسرائیلی نوجوان نے انہیں مدد کے لیے آواز دی جنابِ موسٰی نے گھونسا مارا یہ قتل کے ارادہ سے نہیں مارا تھا مگر بہت طاقتور تھے، وہ مر گیا اور اس کے بعد یہ خوف محسوس ہوا کہ کہیں مجھے پکڑ نہ لیا جائے اور سزا نہ دی جائے۔ تو آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ایک معاہدے کے تحت آپ نے دس سال وہاں گزارا اور ان کی بیٹی سے شادی کی اور ان کو لے کر کے واپس آرہے تھے تو کوہِ طور پر انہوں نے آگ دیکھی جو کہ آگ نہیں تھی بلکہ اللہ کی قدرت کے جلوے تھے وہ وہاں گئے اور ان کو شرف کلام کے ساتھ مشرف فرمایا اور پھر فرعون کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔ یہ تفصیلی واقعات مختلف مقامات پر قرآنِ عظیم کے اندر موجود ہیں۔

بہرکیف اربابِ اقتدار کے اندازِ حکمرانی کے تذکرے کے بعد ایک سرمائے دار کا تذکرہ بھی قرآن عظیم کر رہا ہے۔ یاد رکھیئے! یہی دو طبقہ ہوتے ہیں جو ظلم کرتے ہیں یا تو حکمراں طبقہ ہوتا ہے یا دولت مند طبقہ ہوتا ہے۔ جنابِ موسٰی کے دور میں ایک شخص تھا جس کا نام قارون تھا آپ نے یہ نام بارہا سنا ہوگا، قارون بہت دولت مند تھا اتنا دولت مند تھا کہ اس کے خزانے کی چابیاں اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔

اس سورت میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ سرمائے دار کا طرزِ زندگی بھی حکمراں کی طرح سے فساد فی الارض کا سبب ہوتا ہے۔ ایک سرمائے دار اپنے سرمائے کو بڑھانے کے لیے، غریبوں، محتاجوں، بے کسوں اور مجبوروں پر ہر طرح کا ظلم روا رکھتا ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے بجائے زیادتی کرتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ غریبوں کا سب کچھ

سلب کرلے، سب کچھ لے لے اور اس سلسلے میں اگر اسے اپنے دین اور مذہب سے بغاوت کرنی پڑے یا اپنی قوم کی غیرت اور آبرو کو فروخت کرنا پڑے تو وہ کرتا ہے۔ سرمائے دار عام طور سے حکمرانوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے سرمائے کے زور پر حکمرانوں کی مرضی کے مطابق فساد فی الارض سے کام لیتا ہے اور وہ اپنی دولت کو اللہ کی بخشش کے بجائے اپنی عقلِ فتنہ سامان کا حاصل تصور کرتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ دراصل میری اپنی محنت کا، میری اپنی کوشش کا، میری اپنی تجارت کا، میری اپنی عقل کا کارنامہ ہے اس میں اگر کوئی پیغمبر اگر کسی دولت مند کی اصلاح کرنا چاہے تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

تاریخِ انسانی میں ایسے بہت سے سرمائے داروں کے واقعات آپ کو ملیں گے لیکن چونکہ یہاں جنابِ موسیٰ اور فرعون کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لیے فرعون کے اقتدار کے ساتھ ساتھ اسی زمانے کے ایک سرمائے دار قارون کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ اگر دولت میسر آئے تو قارون بننے کے بجائے اللہ کی بارگاہ میں شکریہ ادا کر کے اللہ کے بندوں پر خرچ کرنے کا مزاج پیدا کیا جائے۔

ہوتا یہی ہے کہ صاحبِ اقتدار سرمایہ دار اپنی دولت کے نشہ میں ظلم کرتا ہے یا ظلم کا ساتھ دیتا ہے لیکن پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ فنا ہو جاتا ہے اپنی دولت کے ساتھ۔ قارون نہ صرف یہ کہ وہ ایک اسرائیلی تھا بلکہ وہ اسرائیلیوں کا نمائندہ تھا، حضرتِ موسیٰ کی قوم سے تھا اور بعض روایات کے اعتبار سے جنابِ موسیٰ کا رشتہ دار بھی تھا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے توریت کو حفظ بھی کیا تھا مگر ہدایت علم اور عقل کے ذریعہ نہیں حاصل ہوتی بلکہ فضل الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ علم بھی رکھتا تھا، عقل بھی رکھتا تھا، اپنی دولت کے غلط استعمال کے باعث فضل الٰہی سے محروم تھا اور دولت کی بھرم پر دوسروں پر ظلم کیا کرتا تھا اس نے اتنی



دولت آسانی سے تو نہیں جمع کی ہوگی، غریبوں کا حق مارا ہوگا، کمزوروں کو اس نے ستایا ہوگا۔

چونکہ اس نے ناجائز طریقہ سے کافی دولت اکٹھا کر رکھی تھی اس لئے وہ اپنے سرمایہ کو فرعون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا رہا کہ اس کے سرمائے پر، دولت پر کوئی حرف نہ آنے پائے اس کی دولت بڑھتی جائے اور اسے فرعون کی خوشنودی حاصل ہو۔

جنابِ موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں اپنی قوم بنو اسرائیل کا ساتھ دینے کے بجائے وہ فرعون کا ساتھ دیتا رہا، اسرائیلی ہونے کے باوجود اور یہ دیکھنے کے باوجود کہ فرعون اور فراعنہ صدیوں سے اسرائیلیوں پر بے پناہ ظلم کر رہے ہیں وہ مظلوموں کا ساتھ دینے کے بجائے اپنی دولت کے نشے میں فرعون کا ساتھ دیتا رہا اس کا خیال تھا کہ میں نے اسرائیلیوں کے مظلوموں کا ساتھ دیا تو فرعون مجھ سے یہ دولت چھین لے گا اور میرا معاشی اقتدار زائل ہو جائے گا اس لیے وہ اپنی قوم کے بجائے بادشاہ کا ساتھ دیتا رہا، مظلوموں کے بجائے ظالم کا ساتھ دیتا رہا۔ آج بھی دنیا کے سرمایہ داروں کا مزاج یہی ہے آپ چاہیں تو اربابِ اقتدار کو دیکھ سکتے ہیں اور سرمائے داروں کو بھی۔ اس دور کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس نے بغاوت کی اور ان پر الزامات عائد کیے محض اس لئے کہ جنابِ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تمہیں اللہ نے اتنی دولت عطا فرمائی تم اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔

اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (سورۃ القصص، الآیۃ:77)

لوگوں کے ساتھ ویسے ہی بھلائی کرو! جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔

اللہ دولت دے کر بھی آزماتا ہے اس لیے آزمائش کے مرحلے میں تم ایک مومن کا رول ادا کرو! زکات نکالو! اس نے پوچھا کہ زکات کتنی ہوتی ہے تو آپ نے زکات کا قانون بتایا تو اس نے سوچا کہ یہ تو میری دولت کا بہت بڑا حصہ نکل جائے گا۔

اس نے کہا یہ دولت میں نے اپنی محنت اور کوشش سے کمائی ہے، اس میں کوئی شریک نہیں ہے مگر یہ بھی خیال تھا کہ وہ بنو اسرائیل کا ایک فرد ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ بنو اسرائیل مل کر اسے مجبور کریں کہ وہ زکات نکالے یا غریبوں پر خرچ کرے تو اس نے ایک انتہائی بدترین فیصلہ لیا۔ اس نے ایک بدکردار عورت کو جو امید سے تھی اسے آمادہ کیا کہ وہ جنابِ موسیٰ پر الزام لگا دے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

اس کو لے کر کے وہ جناب موسیٰ کے دربار میں پہنچا اور پوچھا: اے موسیٰ اگر کوئی شخص زنا کرے تو اس کی سزا کیا ہے؟ جنابِ موسیٰ نے توریت کا فیصلہ سنا دیا کہ اسے سنگ سار کر دیا جائے گا۔ ظاہر سی بات ہے کہ توریت ان پر نازل ہوئی تھی وہ بہت خوش ہوا اور اس نے عورت کو اشارہ کیا، وہ کھڑی ہوئی جنابِ موسیٰ کا پر جلال اور پیغمبرانہ چہرہ دیکھا اور بیٹھ گئی۔ اس نے پھر اشارہ کیا وہ پھر کھڑی ہوئی اور پھر بیٹھ گئی اور تیسری بار کھڑی ہوئی تو اب خوفزدہ نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر یقین کی روشنی تھی اس نے کہا کہ قارون رات بھر مجھے سمجھاتا رہا ہے کہ میں پیغمبر پر الزام عائد کروں لیکن ان کے روئے زیبا کو دیکھ کر کے مجھے اپنی عاقبت کا انجام یاد آ رہا ہے جنابِ موسیٰ نے یہ سنا اور غضبناک ہو کر کے زمین کو حکم دیا کہا ے زمین اسے پکڑ لے وہ دھنسنے لگا۔

دیکھیے! عجیب بات ہے دولت کی محبت کتنی خطرناک اور لرزہ خیز ہوتی ہے، جب وہ گردن تک دھنس گیا اور صرف سر باقی رہ گیا تو اس نے سر بلند کر کے کہا موسیٰ! تم مجھے زمین میں دھنسا کر کے میری دولت پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ جنابِ موسیٰ نے حکم دیا کہ اس کی ساری دولت اس کے سر پر لاد دی جائے اور پھر خچروں پر دولت جمع کی جاتی رہی اور سر پر ڈھیر کی گئی اور قارون اپنی دولت کے ساتھ زمین میں دفن ہو گیا۔



یہ واقعہ بہت سی عبرتوں اور نصیحتوں کو ہمارے سامنے پیش کرتا نظر آتا ہے۔ دولت کی محبت، دین سے انحراف، سچائی سے انحراف، نبی سے بغاوت اور پھر آخر میں ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ دولت اللہ کی طرف سے ایک انعام ہوتی ہے۔ اگر کسی انسان کو دولت میسر آئے تو اسے چاہئے کہ اسے اللہ کی مرضی اور اللہ کے قانون کے مطابق خرچ کرے۔

## سورۃ العنکبوت

حضراتِ گرامی! اس کے بعد سورۂ عنکبوت کی چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ میں پیش کروں گا یہ بھی آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں نازل ہوئی ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفارِ مکہ کو خدائے واحد کی پرستش کا حکم دیا اور اصنام پرستی سے روکا تو ان ظلمت پرستوں نے توحید کی صداقت کو نہ صرف یہ کہ قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ عقیدۂ توحید کو قبول کرنے والوں پر مظالم کی انتہا کر دی۔

حضرات! یہ مکی زندگی ہے۔ کیا آج بھی مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ نہیں ہے؟ پوری دنیا کے ظالم آج مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو گئے ہیں۔ کیا ان کا قصور صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کو ایک مانتے ہیں؟ خدا کی بارگاہ میں سر جھکاتے ہیں اس لیے پہلے بھی ظلم کیا گیا ہے اور آج بھی ان پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ وہ طبقہ جو اسلام کو حق جانتا تھا اور کفار کے مظالم کو برداشت کرتا رہا ان مظالم کے باوجود وہ حق سے کنارہ کش نہیں رہا لیکن وہ لوگ جو دنیاوی فائدے کو ترجیح دیتے رہے ہیں انہوں نے قبولِ حق کو خسارے کا سودا سمجھا اور انکار کر دیا۔

لیکن جن کی فطرت حق شناش تھی اور اللہ نے ان کے اندر یہ صلاحیت رکھی تھی کہ وہ حق کو قبول کریں انہوں نے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر اسلام کو قبول کیا اور وہ سارے مظالم

برداشت کیے جو کفار نے ان پر توڑے وہ لوگ ابتلا اور آزمائش کے ہر مشکل مرحلے میں ثابت قدم رہے اور دنیا کی کوئی مصیبت ان کے پائے استقامت کو متزلزل نہ کر سکی۔

قرآن عظیم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ جو لوگ ایمان جیسی عظیم نعمت سے نوازے جائیں گے انہیں ابتلا اور آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑے گا اور ہم ہر صاحب ایمان کو ابتلا اور آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں تا کہ ہم مشاہدہ کر لیں کہ وہ اپنے ایمان کے دعوے میں کتنا مخلص اور کتنا سچا ہے۔

اس سورت کا آغاز اس آیتِ کریمہ سے ہوتا ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○

(سورۃ العنکبوت، الآیۃ:2)

کیا وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ انہیں آزمایا نہیں جائے گا جبکہ وہ ایمان کے دعوے دار ہیں بلاشبہہ ان کی آزمائش ہوگی اور ان کو مبتلائے فتنہ کیا جائے گا۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!



## خطاب نمبر (۲۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ○ (سورۃ العنکبوت، آیۃ:45)

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج میں سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم کی چند آیاتِ مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ حضرات! مکہ کے کافروں کو اپنی طاقت اور قوت پر بڑا ناز تھا ان کا خیال تھا کہ پورے عرب میں ان سے زیادہ طاقتور، دولت مند اور قابل احترام کوئی اور قوم نہیں ہے۔

کعبۂ مقدسہ کی تولیت کی وجہ سے انہیں پورا حجاز احترام وعزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ان کے احکامات کی پابندی کرتا تھا، انہیں یقین تھا کہ ان کی آواز پر پورا حجاز ان کی حمایت کے لیے شمشیر بکف حاضر ہو جائے گا، انہیں اس کا بھی غرور تھا کہ پیغمبرِ اسلام صرف ایک خدا کی طرف دعوت دے رہے ہیں جبکہ ہم سیکڑوں خداؤں کی پرستش کرتے ہیں، ان کے یہ مزعومہ خدا کہ بوقتِ ضرورت ان کا خیال کریں گے اور ان کے مقابلے میں معاذ اللہ

ایک خدا کیا کر سکے گا؟ ان کے ان خیالاتِ باطلہ کے جواب میں سورۂ عنکبوت نازل ہوئی۔

وہ آیاتِ کریمہ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے خیالی خوابوں کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بیتِ عنکبوت یعنی مکڑی کے گھر سے تشبیہ دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ

(سورۃ العنکبوت الآیۃ:41)

بلاشبہ کمزور گھروں میں سب سے کمزور گھر عنکبوت کا گھر ہے مکڑی کا جالا ہے۔

مکڑی کا گھر جو انتہائی کمزور ہوتا ہے یہ کس قدر نادانی اور بدترین جہالت ہے کہ اس قدر ناپائے دار گھروں میں بسنے والے خدائے قہار و جبار کو دعوت پیکار دے رہے ہیں۔

اس سورتِ طیبہ میں دلائل توحید اس قدر آسان اور مؤثر انداز میں بیان کیے گئے ہیں کہ عقل وفکر پر پردے نہ پڑے ہوں اور آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں نہ بندھی ہوں تو ان آیات کو پڑھنے کے بعد عقیدۂ توحید پر ایمان لانا یقینی ہو جائے گا۔

آغاز یہاں سے ہوتا ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ (سورۃ العنکبوت الآیۃ:61)

ان سے پوچھو! آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو مسخر کس نے کیا؟ تو اس بات کا اعتراف کریں گے کہ وہ خدا ہی ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے دلائل دیے گئے ہیں اس سورتِ طیبہ میں۔ اللہ رب العزت نے اپنے راستہ میں چلنے والے مسافروں اور جہاد کرنے والے مجاہدوں کو بشارت دی کہ وہ کبھی تشنۂ منزل نہیں رہیں گے بلکہ ہم انہیں ان کی منزل تک ضرور پہنچائیں گے۔



اس سورتِ طیبہ میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ صرف زبان سے اقرار کافی نہیں ہے بلکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تکالیف پر صبر کیا جائے اس لیے کہ کلمۂ شہادت کے بعد تکالیف اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

تکالیف اور مصائب سے گزرنے کے لیے انسان کو تیار رہنا چاہیے۔ من جانب اللہ یہ انسان کے اخلاصِ عقیدہ کا امتحان ہوتا ہے اور جب اللہ کی قدرت مشاہدہ کر لیتی ہے جس کا علم اس کو پہلے ہی سے ہے کہ یہ بندہ ایمان میں پختہ ہے، اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آ رہی ہے، یہ طوفان اور حوادث میں بھی کلمۂ حق کہنے سے گریز نہیں کرتا تو پھر اللہ کامیابیوں سے ضرور ہمکنار فرماتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرتِ لوط علیہ السلام، جنابِ شعیب علیہ السلام کی دعوت اور ان کے مصائب کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ساتھ قوم عاد، ثمود، قارون اور فرعون وھامان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ابتدائی دور میں انبیائے کرام نے تکالیف برداشت کیں، ابتلا اور آزمائش کے تمام مراحل سے گزرنا پڑا مگر ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی اور پھر ان آزمائشوں سے گزار کر اللہ نے انہیں غلبہ عطا فرمایا اور قومِ عاد، قومِ ثمود، قارون، فرعون اور ہامان جیسی طاقتور قوتوں کو شکست دیا۔

قرآن پاک جب واقعات بیان کرتا ہے تو مقصود صرف واقعہ بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انبیائے کرام اور ان کی قوموں کو سن کر، دیکھ کر، پڑھ کر امت مسلمہ انبیائے کرام اور صالحین کے نقشِ قدم پر چلے تو اسے یقیناً کامیابی ملے گی۔ اس سورت میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ○

(سورۃ العنکبوت الآیۃ:45)

اے پیغمبر! آپ تلاوت فرمایئے اس کتاب کی جو آپ پر وحی فرمائی گئی ہے اور نماز قائم کیجیے، بے شک نماز تمام بے حیائیوں اور گناہوں سے روک دیتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

حضراتِ گرامی! اس میں جو بات خاص طور پر کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نماز انسان کو تمام برائیوں اور بے شرمیوں سے روک دیتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے دور میں بے شرمیوں، گناہوں اور جرائم سے روکنے کے لیے ہزاروں طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ پولیس کا نظام ہے، جیل کا نظام ہے، سزاؤں کا قانون ہے اس کے ساتھ ساتھ کورٹس ہیں کچہریاں ہیں جنہیں عدالتیں کہا جاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہیں کہ معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کیا جائے لیکن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ جیسے جیسے قانون کی گرفت معاشرے پر کنٹرول کرنا چاہتی ہے مجرم مزید گنہگار اور جرم پیشہ بنتا چلا جاتا ہے یہ سب قوانین جرائم کو روکنے میں ناکام ہیں جتنے ممالک ترقی یافتہ ہیں وہاں جرائم کی شرح سب سے زیادہ ہے۔

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے! یہ قوانین ان کا اجرا اس کے ساتھ ساتھ پولیس کا محکمہ احتساب یہ تمام ذرائع کورٹ، کچہریاں اور جیلوں کی بلند دیواریں معاشرے میں جرم کو، گناہوں کو روکنے میں کیوں ناکام ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر قانون ہاتھ اور پیر میں زنجیر ڈالتا ہے مگر دنیا میں کوئی ایسا قانون نہیں جس سے دل کو بدلا جاسکے اور دل کو زنجیر پہنائی جاسکے۔



گناہ ہاتھ اور پیر نہیں کرتے حکمراں دل ہے۔ دل حکم دیتا ہے ہاتھ اور پیر اس کے غلام ہیں اس کی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اس لیے اصل جرم کا منبع اور مرکز انسان کا قلب ہے۔ آقائے دو جہاں سرورِ کائنات نے فرمایا:

اَلشَّیْطَانُ یَجْرِیْ فِی الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ

(صحیح البخاری، کِتَابُ بَدْءِ الْخَلْقِ بَابُ صِفَةِ إِبْلِیسَ وَجُنُودِهِ الرقم::3281)

شیطان جسمِ انسانی میں اس طرح دوڑتا ہے جس طرح خون دوڑتا ہے۔

دل دراصل مرکز حیاتِ جسمانی بھی ہے اور مرکز حیاتِ روحانی بھی ہے۔ خون پمپ کرتا ہے پورے وجود کو تو پھر انسان زندہ رہتا ہے دماغ کو خون پہنچاتا ہے تو دماغ کام کرتا ہے اسی طریقے سے جب انسان کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے اس پر شیطان کا کنٹرول ہو جائے تو جس طرح دل خون پمپ کرتا ہے ویسے ہی شیطانی خیالات کو بھی پمپ کرتا ہے اندر اس لیے اسلام نے دل کے تزکیہ کو بنیادی تعلیمات کا حصہ قرار دیا ہے۔

پیغمبرِ اعظم کی تشریف آوری کا بنیادی مقصد قرآنِ عظیم کی تلاوت اور تزکیۂ قلب تھا تاکہ دل جب پاک ہوگا تو پھر انسان گناہوں سے باز آجائے گا جرائم نہ کرسکے گا تو پوری دنیا ہاتھ اور پیر کو پابندِ قانون اور پابندِ سلاسل کرنا چاہتی ہے مگر اسلام دل کو بدلنا چاہتا ہے اور جب دل بدل جاتا ہے تو پھر انسان گناہوں سے نفرت کرتا ہے اور نیکیوں کی طرف آگے بڑھتا ہے اور نماز انسان کے دل کو بدل دیتی ہے۔ اسلام ایک دین فطرت ہے اور اس کا بنیادی رول یہ ہے کہ انسان کی فطرت کو پاکیزہ اور باوقار رکھے اور اس کو ایک اچھی زندگی بخشے۔ سورۂ عنکبوت کا خاتمہ اس آیتِ مبارکہ پر ہوتا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ

الْمُحْسِنِيْنَ۔ (سورۃ عنکبوت، الآیۃ:69)

اور جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کریں گے، جہاد کریں گے تو یقیناً ہم انہیں منزل تک پہنچا دیں گے، انہیں راستہ کی ہدایت دیں گے اور بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے، اللہ کی رحمت، اللہ کی قدرت، اللہ کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں۔

یہاں جہاد سے مراد اللہ کے راستہ میں جہاد بالسیف بھی ہے اور یہاں جہاد سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے جہاد ہیں، باطن کا جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس امارہ کی سرکشیوں کے خلاف کوشش کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ سے واپس آرہے تھے، غالباً حنین کی جنگ ہے جو آخری جنگ تھی اور وہ مکہ مکرمہ سے متعلق آخری جنگ تھی، اس کے بعد بھی جنگیں ہوئی ہیں مگر مکہ مکرمہ یا اس کے قرب وجوار سے متعلق نہیں تھیں، اس آخری جنگ سے جب واپس آرہے تھے تو صحابۂ کرام بڑے خوش تھے کہ ہم نے جزیرۃ العرب کو فتح کر لیا ہے۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ

(رواہ البیہقی فی الزھد الکبیر عن جابر رضی اللہ عنہ۔ والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجہ، الامام الغزالی فی إحیاء علوم الدین۔۔۔)

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔

صحابۂ کرام کو بڑی حیرت ہوئی کی اب تو کوئی اور میدان نظر نہیں آرہا ہے۔ آقا کس جہاد کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں؟ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تم



نے جہاد ان ظاہر اور کھلے دشمنوں سے کیا ہے جو تمہارے مدمقابل آئے لیکن اب نفس سے جہاد کرنا ہے یہ تمہارے اندر پوشیدہ ہے، شیطانی قوتوں سے جہاد کرنا ہے اور یہ جہاد ختم نہیں ہوتا مسلسل جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ بندے کو قلبِ مطمئن عطا فرمادے۔

نماز براہِ راست قلوب پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس بنیاد پر انسان جہاد بالنفس کے قابل ہو پاتا ہے اور شیطانی خیالات اور وسوسوں سے خود کو پاک کر سکتا ہے۔

## سورۃ الروم

حضرات سورۂ روم کا مختصر سا بیان کرنا چاہوں گا، سورۂ روم مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یہ وہ دور تھا جب اسلام بہت مغلوب تھا، مسلمان ستائے جارہے تھے اور کہیں سے بھی امداد کی بظاہر کوئی توقع نہیں تھی، اسی زمانے میں دنیا کی دو سوپر پاورس روم اور ایران میں جنگ ہوئی، روم جو صدیوں سے غالب قوت رہا اتفاق سے ایران سے شکست کھا گیا اور ہرقل اپنے مرکز سے دور کہیں جا کر چھپ گیا اور اس کی پوری فوج منتشر ہوگئی۔

کافروں نے مسلمانوں کو طعنہ دینا شروع کر دیا کہ رومی اہلِ کتاب تھے، عیسائی تھے اور تم بھی اہلِ کتاب ہو اور ایرانی مشرک تھے، بت پرست تھے اور ہم بھی مشرک ہیں تو جس طرح سے ایرانیوں نے اہلِ کتاب کو شکست دی ہے ویسے ہی ہم تم کو بھی فنا کر دیں گے۔ جنابِ صدیق اکبر نے حضور کی بارگاہ میں کافروں کا یہ طعنہ آکر بیان کیا تو سورۂ روم نازل ہوئی جس میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ رومی چند سالوں کے لیے کامیاب ہوئے ہیں اور پھر وہ اپنی مغلوبیت کے بعد غالب ہو جائیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ فتح ان کی عارضی ہے۔

اب آپ ذرا سوچیے! روم بکھر چکا ہے، بادشاہ غائب ہوگیا ہے، فوجیں منتشر ہوگئی ہیں

اور ایران ایک بھر پور طاقت کی حیثیت سے ابھرا ہے بظاہر مادی اسباب ، مادی ذرائع ،ظاہری حقیقت اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ رومی کبھی غالب نہیں آئیں گے لیکن ایسے ماحول میں جب حالات رومیوں کے بالکل خلاف ہیں یہ قرآن پاک کی صداقت ہے اور پیغمبرِ اعظم کی سچائی ہے کہ قرآن پاک رومیوں کے غالب ہونے کی خبر دے رہا ہے۔

حضرات! دنیا اسباب کو دیکھ کر، ابھرتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر فیصلہ کرتی ہے مگر اللہ کے نبی لوحِ محفوظ کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، ان کا علم علمِ غیب ہوتا ہے جس کی بنیاد پر آنے والے واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں ورنہ کون کہہ سکتا تھا کہ ان حالات میں قرآن یہ کہے گا کہ رومی پھر غالب آجائیں گے۔ دنیا میں پیشین گوئیاں کرنے والے بہت سے لوگ ہیں۔

ہٹلر نے اپنی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھا تو اس نے کہا بہت جلد ہم روس پر غالب آ جائیں گے اور دنیا ہمارے کنٹرول میں ہوگی لیکن جب جنگ کا غبار چھٹا تو ہٹلر کا پتہ نہیں تھا اور ایسے ہی دوسرے افراد بھی اپنا دعویٰ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ وہ طاقت اور اپنی ابھرتی ہوئی قوت کو دیکھ کر اعلان کرتے ہیں مگر قرآن اللہ کے فیصلے کے مطابق اللہ کے احکامات کے تحت دنیا کو یہ بتاتا ہے کہ دنیا کا عروج وزوال سب کچھ قدرتِ الٰہی کا پابند ہے۔ کوئی چیز اس کی طاقت اور قوت سے باہر نہیں ہے۔ مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ رومی اہل کتاب تھے وہ شکست کھا گئے اور بت پرست کامیاب ہوئے۔ تم لوگ بھی اہل کتاب ہو اس لئے بہت جلد ہم بھی تم کو شکست دیں گے۔

اگر مکہ والوں نے یہ طعنہ دیا ہے تو اللہ ارشاد فرماتا ہے چند سالوں کے لیے ایرانی غالب ہوئے ہیں وہ پھر مغلوب ہو جائیں گے۔ اے مسلمانو! اس روز تم کو بھی خوشی میسر آئے گی۔ کامیابی سے تم بھی ہمکنار ہوگے۔ مکہ کی پرآشوب زندگی میں قرآنِ عظیم کا یہ کہنا کہ تم بھی



کامیاب ہوگے، روم کے شکست کھا جانے کے بعد یہ اعلان کرنا کہ چند سالوں کے بعد وہ پھر کامیاب ہو جائیں گے یہ قرآن پاک کی صداقت اور سرورِ کائنات کی نبوت کا کھلا ہوا ثبوت ہے جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صدیق ہیں جب انہوں نے یہ سنا تو مکہ کے کافروں کے پاس گئے اور انہوں نے ان سے کہا کہ یہ تمہاری چند روزہ خوشی ہے، تم بہت جلد ناکام ہو جاؤ گے اس لیے کہ روم پھر غالب ہو جائے گا۔

حضراتِ گرامی! سرورِ کائنات کی تشریف آوری سے پہلے عالم عرب کو جزیرۃ العرب کو رومیوں اور ایرانیوں نے بانٹ رکھا تھا۔ مصر، شام، فلسطین، اُردن ان تمام علاقوں پر رومیوں کا قبضہ تھا اور ایران سے متصل عراق اور اس کے ساتھ ساتھ جو ممالک تھے ان پر ایران کا قبضہ تھا اور یہ مدتوں آپس میں جنگ کرتے رہے اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے، عرب کی سرزمین پر خون بہتا رہا اور اقتدار کا تاج کبھی روم کے سر پر سجتا رہا اور کبھی ایران کے سر پر سجتا رہا۔

ٹھیک وہی حالت آج بھی امت مسلمہ کی ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین خون میں نہائی ہے اور اربابِ اقتدار مسلمانوں کی لاشوں پر اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔ جس طرح سے عرب اس وقت دو حصوں میں بٹا ہوا تھا آج بھی بٹا ہوا ہے۔ جب تک روس ایک غالب قوت تھا تو عرب روس اور امریکہ میں تقسیم ہو کر موجود تھا اور یہ تقسیم آج بھی موجود ہے۔ جب تک مسلمان خود متحد نہیں ہوگا اور قرآن پاک کی ہدایت پر عمل کر کے ملتِ واحدہ نہیں بنے گا اس وقت تک اس کا حال یہی رہے گا۔

بہر کیف میں یہ کہہ رہا تھا کہ آقائے دو جہاں نے قرآن پاک کی اس آیتِ کریمہ کو پڑھا اور کہا کہ یہ غلبہ چند دنوں کے لیے ہے، چند سالوں کے لیے ہے۔ تو جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور انھوں نے کافروں سے کہا کہ یہ تین سال میں دوبارہ کامیاب ہو

جائیں گے۔ یہ جنابِ صدیق کا اپنا اجتہاد تھا ''بضع'' کا تعلق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے تو انہوں نے ایک شرط رکھی۔ کافروں نے کہا کہ اگر تین سال میں ایرانی کامیاب ہو گئے تو تم دس اونٹ ہمیں دو گے اور اگر رومی کامیاب ہو گئے تو ہم دیں گے۔

آپ نے یہ شرط تسلیم کر لی اور پھر سرکار کی بارگاہ میں آئے اور آپ نے فرمایا کہ ''بِضْعِ سِنِیْنَ'' کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے۔ آپ دوبارہ جائیے کہ نو سال میں رومی غالب آئیں گے اور تعداد بڑھا دیجئے اور دس کی بجائے سو اونٹ رکھ دیجئے کہ سو اونٹ دیں گے ہم اگر ایرانی غالب آگئے اور اگر رومی غالب آگئے سو اونٹ تم دو گے۔

اس پر وہ راضی ہو گئے انہیں یقین تھا کہ ان کے کامیاب ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے لیکن جب نو سال کے اندر اندر ہی کسریٰ کی طاقت بکھر گئی تو اس کے کماندار نے بغاوت کی اور انتشار پیدا ہوا اور رومیوں نے حملہ کیا اور خسرو پرویز کی طاقت فنا ہو گئی اور روم پھر کامیاب ہو گیا۔ جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ دیکھو! قرآن کے فیصلے کے مطابق رومی کامیاب ہو گئے ہیں اس لیے تم سو اونٹ دو۔

اب ذرا سوچیے! کہ وہ کافر بھی تھے لیکن معاہدے کے اتنے پابند کہ انہوں نے سو اونٹ دیے وہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر آئے اور کہا کہ حضور یہ اونٹ میں نے جیت لیے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ شرطِ بد نے کو اب حرام قرار دے دیا گیا ہے جب شرط لگائی گئی تھی تب فیصلہ نازل نہیں ہوا تھا مگر اب شرط جائز نہیں ہے اس لیے یہ اونٹ غریبوں میں تقسیم کر دو۔

حضراتِ گرامی! سورۂ روم دراصل قرآن پاک کی صداقت اور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مطلقہ کا بہت واضح ثبوت ہے۔ اس سے بڑھ کر کے تاریخ اور حقائق



پر مشتمل ثبوت دنیا کو کیا چاہیے؟۔

حضراتِ گرامی! ان آیاتِ مبارکہ کے نزول کے بعد بے شمار لوگ مسلمان ہوئے جنابِ صدیق نے جس سے شرط لگائی تھی اس کا نام ابی ابن خلف تھا لیکن جب رومی غالب ہوئے تو اس کا انتقال ہو گیا تھا تو اس کے لڑکوں نے یہ شرط پوری کی اور سو اونٹ پیش کیے۔

حضرات! اس کے بعد اللہ رب العزت اس سورت میں بہت سے احکام بندوں کو عطا فرما رہا ہے اللہ ارشاد فرماتا ہے ''کیا وہ لوگ اپنے دل میں یہ نہیں سوچتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، ایک مقرر مدت کے لیے لیکن اکثر لوگ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں۔

کیا یہ لوگ زمین میں سفر نہیں کرتے کہ دیکھ سکیں کہ ان سے پہلے جو لوگ تھے ان کا انجام کیا ہوا اور وہ لوگ قوت میں ان سے زیادہ زور آور تھے جنہوں نے زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا اور زمینوں کو آباد کیا لیکن جب انہوں نے گناہ کیے، غلطیاں کیں اور اللہ کی نافرمانیاں کیں تو ان کے اقتدار کو سلب کر لیا گیا۔ پھر فرمایا گیا کہ ہمارے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں اس لیے ان روشن نشانیوں کو دیکھ کر کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اللہ کے احکامات کو مانو!

حضرات! یہ مختصر سا تعارف تھا سورۂ روم کا، یہ تعارف اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ سامعین کے اندر یہ شوق پیدا ہو کہ قرآنِ عظیم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

## خطاب نمبر (۲۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (سورۃ التحریم، اٰیۃ:6)

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَولَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِکَمِ

وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّ سَلَامً عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سورۂ لقمان کی چند آیاتِ شریفہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تعالی ہم کو اور آپ کو اور جملہ مسلمانوں کو قرآن عظیم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

سورۂ لقمان بھی مکی سورت ہے، اس میں چار رکوع اور چونتیس آیتیں ہیں، اس سورت میں اللہ تبارک وتعالی نے حضرتِ لقمان علیہ السلام کا تذکرہ بایں طور فرمایا کہ جنابِ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے، اپنے فرزند کو کچھ نصیحتیں فرمائی تھیں، وہ نصیحتیں ایسی ہیں کہ جس پر عمل کر کے دنیا کے تمام انسان کامیاب ہو سکتے ہیں۔ بیٹے کو نصیحت کرنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ



لوگ اس بات کو روایت بنالیں کہ ہر باپ اپنے بیٹے کو اچھی باتوں کی نصیحت کرے، باپ ہونا بہت بڑی ذمہ داری ہے اور یہ بہت بڑا انعام بھی ہے اللہ کی طرف سے۔

باپ نہ بننے کا درد وہ لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو بے اولاد ہیں، اگر اللہ نے یہ انعام عطا فرمایا کہ آپ کو صاحبِ اولاد بنایا ہے تو ضروری ہے کہ بچوں کی صحیح تربیت کریں، انہیں صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کریں۔ قرآنِ عظیم نے یہ ذمہ داری باپ کے سر بھی اور سربراہ کنبہ اور خاندان کے سر بھی ڈالی ہے۔ اللہ تعالی ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ (سورۃ التحریم، الآیۃ:6)

اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے اہل کو (جس میں اولاد بھی شامل ہیں) جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے بچاؤ جس کے ایندھن انسان بھی ہیں اور پتھر بھی ہیں۔

یہ ذمہ داری اتنی اہم ہے کہ کل میدانِ قیامت میں ایک بیٹا جو گناہوں میں ڈوبا ہوگا، دنیا میں جس نے نماز نہ پڑھی ہوگی اور قرآن پاک پر عمل نہ کیا ہوگا، حرام وحلال کا اس کے اندر امتیاز نہیں رہا ہوگا، اللہ اس سے پوچھے گا کہ تم نے یہ نیک کام کیوں نہیں کیے؟ یہ برائیاں کیوں کی؟ تو وہ یہ جواب دے سکتا ہے کہ مولیٰ قصور ہمارا نہیں ہے۔ قصور ہمارے ماں باپ کا ہے اگر وہ خود نماز پڑھتے، تو ہم بھی پڑھتے اگر وہ خود اچھے کام کرتے تو ہم بھی کرتے، اگر وہ ہمیں صحیح راستہ پر ڈالتے تو ہم صحیح راستہ پر چلتے، انہوں نے ہمیں دنیا کی تعلیم دی، سرمایہ اکٹھا کرنے کا شعور دیا، دنیا میں لگائے رکھا اور ہم کو آخرت کی فکر نہیں ہوئی، اس لیے ہم سے نہ پوچھ ہمارے والدین سے پوچھ لے۔

کل میدانِ قیامت میں ہمارے گناہوں کے بوجھ سے ہماری کمر ٹوٹ رہی ہوگی،

تب ہم اپنے بچوں کا بوجھ کہاں سے برداشت کرسکیں گے، اسی لیے جنابِ لقمان جو ایک بہت مشہور حکیم تھے، جن کی دانائی اور حکمت شہرۂ آفاق ہے وہ اپنے بیٹے کو کچھ نصیحتیں کر رہے ہیں اور وہ نصیحتیں ایسی ہیں کہ خالقِ عالم نے انہیں قرآن کا حصہ بنا دیا ہے۔

جنابِ لقمان نے جو نصیحت اپنے بیٹے کو کی ہے ان نصیحتوں کے تذکرہ سے پہلے اس سورت کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالی نے کتابِ حکیم قرآن عظیم کو نیکو کاروں کے لیے ہدایت اور رحمت فرمایا ہے اور پھر ان صالحین کے اخلاق وصفات کا تذکرہ کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکات دیتے ہیں اور آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ آخرت پر کامل یقین کا مطلب یہ ہے کہ وہ کوئی قدم ایسا نہیں اٹھاتے جس سے ان کی آخرت کو نقصان پہنچے۔

اللہ فرماتا ہے: یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں یہاں تذکرہ ان کا کیا گیا جو ہدایت یافتہ اور فلاح پانے والے لوگ ہیں جو قرآن عظیم کی ہدایت پر عمل کرکے زندگی کی شاہ راہوں کو طے کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جو لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں، خود بھی عمل نہیں کرتے اور لوگوں کو بھی روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اپنے انجامِ بد سے بے خبر ہیں۔

دو ہی طریقے ہیں یا تو انسان لوگوں کو اچھے راستہ کی ہدایت کرے، اچھے راستہ کی تلقین کرے یا پھر وہ برے راستہ پر لے جانے کی کوشش کرے یہ دونوں گروہ ہمیشہ سے دنیا میں ہیں، کچھ لوگ اچھائیوں کی تعلیم دیتے ہیں، تبلیغ کرتے ہیں اور کچھ لوگ برائیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ برائیوں کی طرف لے جانے والے خود بھی برے ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی برائیوں کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

اس لیے اللہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہی



دنیا ہے۔ یہیں جو کچھ فوائد حاصل کرنا ہے کر لیں گے۔ اس کے علاوہ کوئی اور زندگی نہیں۔ اپنے انجام سے بے خبر ہونے کی بنیاد پر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ وہ برائیوں کی طرف لوگوں کو لے جانا چاہتے ہیں بلکہ وہ صراطِ مستقیم کا مذاق اڑاتے ہیں۔ نماز پڑھنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ نیکیوں پر چلنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حرام خوری سے بچنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ بڑے بے وقوف لوگ ہیں۔ ہم کو دیکھو ہم رات و رات دولت مند ہو گئے۔ ہم نے حلال وحرام کی پرواہ نہیں کی اور ہم آج دولت اور سرمائے میں کھیل رہے ہیں۔ اور یہ غریب لوگ بس نماز ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس سرمایہ نہیں، ان کے پاس دولت نہیں، ان کی پسماندگی کی وجہ ان کا مذہب ہے یہ بات عام طور پر ذہنوں میں ڈالی جاتی ہے اور لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ دنیا میں یہ اپنے چہرے کو، اپنی صورت کو لوگوں کی نگاہ میں خوبصورت بناتے ہیں۔ دولت اور سرمائے کی بنیاد پر، آزادی فکر کی بنیاد پر، ماڈرن ہونے کی بنیاد پر، سیکولر ہونے کی بنیاد پر، خدا کا انکار کرنے کی بنیاد اپنے آپ کو ترقی یافتہ کہتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں ہے کہ زندگی اور بھی ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے اور وہ دائمی اور حقیقی زندگی ہے۔

ہماری یہ زندگی جس میں ہم سانس لے رہے ہیں، ٹائم کے نقشے پر اس کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔ کروڑوں اربوں سال کے دامن میں پھیلا ہوا یہ ٹائم اس میں ہماری یہ ساٹھ ستر سال زندگی کا نقطہ کیسے آپ تلاش کریں گے؟ ''ہستی اپنی حباب کی سی ہے'' ''یہ نمائش شراب کی سی ہے'' حباب تو پھر بھی نظر آتا ہے مگر زندگی کا نقطہ ٹائم کے نقشے پر نظر نہیں آسکتا ہے۔ یہ ہے

ہماری مختصر سی زندگی، لیکن مرنے کے بعد مجرموں کے لیے جہنم اور اہل اللہ کے لیے جنت پھر وہ زندگی سو، پچاس سال کی نہیں، لاکھوں اور کھربوں سال کی نہیں دائمی زندگی ہوگی۔

یہاں دنیا میں یہ حال ہے کہ ایک ڈاکٹر کامیاب ہونے کے لیے محنت کرتا ہے۔ وہ کم از کم پچیس سال تک شب و روز لگا رہتا ہے تب جا کر وہ ڈاکٹر بنتا ہے۔ اگر اللہ نے اسے پچھتر سال کی زندگی دی ہے تو پچیس سال وہ اگلے پچاس سال کو کامیاب کرنے کے لیے خرچ کرتا ہے تب جا کر وہ کامیاب ہوتا ہے لیکن وہ زندگی جو دائمی ہے جسے سال اور ٹائم سے ناپا نہیں جا سکتا اس زندگی کے لیے وہ تھوڑا سا بھی وقت دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اس لیے تیار نہیں ہے کہ انہیں عاقبت کی خبر نہیں ہے یا ہے تو فکر نہیں ہے یا ہے تو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

تو اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ لوگ بلاشبہہ رسوا کرنے والے عذاب سے دو چار ہوں گے میدانِ قیامت میں ان کی بڑی رسوائی ہوگی جب انہیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا اور اہل اللہ جنت کا راستہ اختیار کریں گے۔ اس کے بعد ان آیتوں کا ذکر ہے جس میں جنابِ لقمان نے اپنے لختِ جگر کو، اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی وہ فرماتے ہیں اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

(سورۃ لقمان، الآیۃ:13)

بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

سب سے بڑا گناہ ہے اور گناہ تو نیکیوں کے ذریعہ بھی معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک ایسا گناہ ہے کہ بغیر سچی توبہ کیے اور تجدیدِ ایمان کے معاف نہیں ہوتا۔ اس لیے اس گناہِ عظیم کو جو اکبر الکبائر ہے جنابِ لقمان نے سب سے پہلے اس سے روکنے کی کوشش کی شرک کئی



طرح کے ہوتے ہیں بتوں کی پرستش، اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود ماننا، یا اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ماننا، یہ شرک کی مختلف اقسام ہیں۔

جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ بڑے گنہگار ہیں۔ جب حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تو سب سے پہلے یہ کہا کہ وہ شرک نہ کرے۔ اللہ نے بطورِ انعام سورۂ لقمان میں ایسی آیتیں نازل فرمائیں جن میں نیک، شرک نہ کرنے والے اور اپنے ماں باپ کے فرماں بردار بیٹوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے اور ہم نے انسان کو بتاکید حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔ اس کی ماں نے باوجود کمزوری اور ضعف کے اسے اپنے شکم میں رکھا، بھول جاتے ہیں لوگ کہ ہماری ماں نے کس طرح ہمیں پالا ہے، کس طرح پروان چڑھایا ہے، ایک ماں ایک بوجھ کو اپنے پیٹ میں نو مہینے تک اٹھائے ہوئے چلتی ہے اور پھر پیدائش کے وقت جو جھٹکے برداشت کرتی ہے وہ ناقابل برداشت ہے۔ وہ ماں ہی برداشت کر سکتی ہے اور پھر بچوں کو دودھ پلانے کی مدت سے لے کر جوانی کے مرحلے تک وہ اپنی راتیں، وہ اپنا دن سب کچھ قربان کرتی ہے، اپنا خونِ جگر پلاتی ہے دودھ کی شکل میں اسے پروان چڑھاتی ہے اور پالتی ہے بچہ ذرا سا تکلیف میں مبتلا ہو تو ماں تڑپ جاتی ہے۔ کسی نے کہا تھا۔

ایک مدت سے میری ماں نہیں سوئی صاحب
ایک دن میں نے کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ مجھے ڈر لگتا ہے تو میری ماں سونا بھول گئی تاکہ مجھے ڈر نہ محسوس ہو، کیا یہ کیفیت ہر ماں کی ہوتی ہے؟ اس لیے قرآن یاد دلا رہا ہے کہ اس کی ماں نے باوجود کمزوری اور ضعف کے اپنے شکم میں رکھا اور رضاعت میں دو سال لگے، نو مہینے دودھ

پلانے کے اور پھر نو مہینے پیٹ میں رکھنے کے، پیدائش کے بعد دودھ بھی پلانے کے کم از کم دو سال اور ڈھائی سال لگتے ہیں کبھی کبھی کہ تم میرا شکر ادا کرو۔ آج تو ڈبے کا دودھ مل جاتا ہے لیکن پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا پہلے تو ماں ہی کا دودھ ہوتا تھا۔

آج میڈیکل سائنس بھی اس بات پر متفق ہے کہ ماں کا دودھ ہی بچے کے لیے بہترین غذا ہے۔ اس میں وہ سارے وٹامن موجود ہوتے ہیں جو بچے کے لیے ضروری ہیں اور اب تو ڈاکٹر اس بات کی تبلیغ کرتے ہیں کہ مائیں اپنے بچوں کو اپنا دودھ خود پلائیں اس لیے کہ اس میں بے انتہاء فائدے ہوتے ہیں۔ بچے کی نشو ونما میں ماں کا دودھ عظیم رول ادا کرتا ہے جو بیرونی دودھ نہیں کرسکتا۔

دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ جب ماں کا دودھ پیے گا تو وہ ماں کی محبت کو اپنے وجود کے اندر داخل کرے گا، ماں کے پیار کو اپنے خون میں محسوس کرے گا اس لیے کہ ماں کے دودھ سے اس کا وجود بنا ہے وہ پروان چڑھا ہے یہ فائدہ بچے کو پہنچے گا اور ماں بھی بہت سی بیماریوں سے بچ جائے گی۔ آج جو پستان اور چھاتی کے کینسر وغیرہ امراض ہوتے ہیں، اس کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ماؤں نے اپنا دودھ پلانا چھوڑ دیا ہے اور دودھ پلانے کی مدت میں وہ دودھ پستانوں میں جم کر کے بیماریوں کا سبب بن جاتا ہے۔

بہر کیف! اللہ فرماتا ہے کہ تم میرا شکر ادا کرو اور شکر کا ایک طریقہ یہ ہے کہ میری ذات میں کسی کو شریک نہ کرو اور اپنے ماں باپ اور والدین کا بھی شکر ادا کرو، بالآخر تمہیں میری طرف لوٹنا ہے مجھ سے غافل ہو کر جاؤ گے کہاں؟ میری بارگاہ میں کل تمہیں آنا ہے۔

ہاں! ایک مرحلہ ایسا ہوسکتا ہے کہ جہاں تم ماں باپ کی بات نہ مانو مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ جب وہ تمہیں اس بات پر آمادہ کریں کہ تم شرک کرو، کافر



ہو جاؤ، دین سے پلٹ جاؤ، اسلام کو چھوڑ دو جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو خبردار! تم اس میں ان کی اطاعت مت کرو مگر دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کے ساتھ گزارا کرو اور ان کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کرنے والے ہیں یعنی اللہ کے نیک بندوں کی اطاعت کرو، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، انہیں اپنا دوست بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، چاہے وہ کفر کی دعوت دینے والے ہی کیوں نہ ہو۔

حضرات! اس سلسلے میں میں رأس المنافقین عبد اللہ ابن ابی کا تذکرہ کرنا چاہوں گا کہ جس نے بے نیاہ سرورِ کائنات کی مخالفت کی اوپر سے کلمہ پڑھتا تھا اور اندر سے مخالفت کرتا تھا اور جب غزوۂ تبوک میں آقائے دو جہاں بمشکل تیس ہزار فوج لے کر کے تین لاکھ رومیوں کے مقابلے میں روانہ ہوئے تو عبد اللہ ابن ابی کو یقین ہوگیا کہ اب یہ بچ کر نہیں آئیں گے تو اس نے ایک بڑی ہی تلخ بات کہی کہ اب اگر وہ آگئے تو عزت والے ذلت والوں کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے یا نکال دیں گے۔ یہ بات اس کے بیٹے نے سنی جو مومن تھے وہ تڑپ گئے اور جب سرکار جنگ میں کامیابی کے بعد واپس آئے تو بارگاہِ رسول میں حاضر ہو کر کہا: یا رسول اللہ! اگر کسی اور نے میرے باپ کو قتل کیا تو مجھے بڑی تکلیف ہوگی آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں تو اللہ کے رسول نے فرمایا نہیں! وہ تمہارا باپ ہے، اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو! یہ حضور کی شان کا عالم ہے لیکن پھر انہوں نے یہ کیا کہ مدینہ سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب ان کا منافق باپ مدینہ میں داخل ہونا چاہ رہا تھا تو کہا کہ رک جاؤ آج جب تک عزت والے رسول تم جیسے ذلت والے کو اجازت نہیں دیں گے تو تم مدینہ میں نہیں داخل ہو سکتے ہو پھر آقا نے اجازت دی کہ اسے جانے دو۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلہ میں حضور سید عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کا طرزِ عمل کیا تھا؟

حضرات! اس کے بعد حضرتِ لقمان کی مزید نصیحتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو خواہ وہ کسی چٹان میں ہو یا زمین کے کسی پوشیدہ حصہ میں ہو تو بھی اللہ اسے لے آئے گا اس لیے کہ اللہ باریکیوں کو جاننے والا ہے۔

یعنی یہ مت سمجھو کہ تم کوئی نیکی کرو یا برائی کرو تو نگاہِ قدرت سے چھپی ہوگی، نہیں کوئی نیکی ہو یا برائی ہو ہر عمل میدان قیامت میں کرنے والے کے سامنے رکھا جائے گا وہ لے آئے گا، وہ قادرِ مطلق ہے۔ اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو یعنی خشوع اور خضوع کے ساتھ پڑھو، بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔

یہ بھی ہر انسان کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو برائی کرتے ہوئے دیکھیں تو روکیں آقائے دو جہاں نے فرمایا کہ جب تم کسی برائی کو دیکھو تو ہاتھ سے روک دو اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتے تو زبان سے روکو اور اگر زبان سے نہیں روک سکتے تو دل سے برا جانو، مگر صرف دل سے برا جاننا یہ اضعف الایمان یعنی ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ہر آدمی اگر ہاتھ سے روکنا چاہے تو جھگڑا ہوگا اس لیے شارحین حدیث نے کہا کہ ہاتھ سے روکنے کی ذمہ داری خلفا کی ہے، سلاطین وقت کی ہے۔ طاقت استعمال کریں برائی کو روکنے کے لیے، زبان سے روکنے کی ذمہ داری علما کی ہے، صالحین کی ہے، نیکو کاروں کی ہے اور اگر کوئی یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا جانے اور بروں سے تعلق نہ رکھے۔

پھر انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کرو، بلا شبہ یہ بہت عزیمت کا کام ہے، صبر آسان نہیں ہوتا لیکن جب صبر کرو گے تو تمہیں اللہ کا قرب حاصل ہوگا قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ○ (سورۃ البقرۃ الآیۃ:153)



بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

شکر بھی بہت بڑا عمل ہے۔ شکر کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" (سورۃ ابراھیم، الآیۃ:7)

اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہاری نعمتوں کو ضرور بڑھا دیں گے۔

جس نعمت کے ملنے پر شکر کرو گے اس میں ہم بہت زیادہ برکت پیدا کر دیں گے اضافہ کر دیں گے۔ لیکن صبر کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ○ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ صبر ایک اہم اخلاقی قوت ہے جو بہت کم انسانوں کو میسر آتی ہے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے پھر انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا: "کہ لوگوں کے سامنے اپنے چہرے کو غرور سے کج نہ کرو!

آپ نے دیکھا ہوگا کہ سرمایہ دار جب کسی سے ملتا ہے تو اس کے چہرے پر تناؤ سا ہوتا ہے، ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جیسے کہ وہ کسی انسان کو برداشت کر رہا ہو یا پھر وہ اپنے اقتدار کے نشے میں دوسرے کو ذلیل تصور کرتا ہے۔ یہ کیفیت انتہائی خطرناک ہے۔ میرے ایک دوست نے بتایا کہ میں نے اسلام آباد میں مکان لیا اور میں وہاں اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے رہتا تھا ایک صاحب جو روزانہ صبح کو ٹہلنے نکلتے میں بھی نکلتا تھا تو میں انہیں ہر روز سلام کرتا تھا اور بہت ہی مدہم لہجے میں جواب دیتے رہے۔ ایک روز میں نے کہا کہ بندہ پرور! کبھی آپ بھی سلام کر لیا کیجیے۔ تو کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں بائی گریڈ کا آدمی ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے بھی سلام کرنا چھوڑ دیا۔ اس لیے کہ متکبرین سے تکبر کرنا یہ بھی اخلاقی قوت ہوتی ہے۔

تو آپ اندازہ کریں کہ یہ صورتِ حال ہوتی ہے آج کے ماحول میں جنہیں اقتدار

مل جائے یا دولت مل جائے۔ اللہ فرماتا ہے کہ جنابِ لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ زمین پر اکڑ کر مت چلو، متکبرانہ انداز سے غرور نہ کرو! اللہ فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اپنی رفتار کو متوازن رکھو، اپنے چلنے پھرنے میں بیلنس رکھو، اپنی آواز کو پست رکھو! بے شک سب سے قابل نفرت آواز گدھے کی ہے جو بہت تیز چیختا ہے اور چلاتا ہے۔ تم اپنی آواز کو پست رکھو اور غرور نہ کرو، یہاں جنابِ لقمان کی نصیحت ختم ہوئی۔ اس کے بعد چند آیات کے بعد اللہ تعالی اپنے لامتناہی اور لا محدود علم اور صفات کی وسعت کا ذکر فرما رہا ہے۔

کہ اگر زمین کے تمام درختوں کے قلم بنا دیے جائیں اور تمام سمند دسیاہی بن جائیں اور مزید سمندر بھی شامل ہو جائیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ رب العزت غالب اور حکمت والا ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالی نے دن اور رات کی تخلیق، چاند اور سورج کے وقت مقررہ پر طلوع وغروب کا ذکر فرمایا ہے اللہ نے کتنا حسین اور حیرت انگیز انتظام کیا ہے کہ آج کی تاریخ میں اور آج سے ایک لاکھ سال پہلے جب سورج طلوع ہوا تھا تو آج بھی اسی ٹائم پر طلوع ہوگا اور جس وقت غروب ہوا تھا آج بھی اسی وقت غروب ہوگا۔ یہ بیلنس اور یہ توازن قادرِ مطلق کی وہ حکمت ہے، وہ تدبیر ہے جس کی بنیاد پر نظامِ کائنات چل رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی نے دن اور رات کی تخلیق اور چاند اور سورج کی اپنے مقررہ وقت پر ہونے والی گردش میں اللہ کی نشانیاں ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ چاند اور سورج ٹھہرنے والے نہیں یہ اپنے دائرہ میں تیر رہے ہیں، قرآن فرماتا ہے کہ سیارے اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کا فاصلہ برقرار رہتا ہے اور اگر فاصلہ برقرار نہ رہے تو تمام سیارے لاکھوں کی تعداد میں ہیں، آپس میں ٹکرا جائیں تو ایک روز بھی



دنیا کا وجود باقی نہیں رہ جائے گا۔

یہ فاصلے جو رکھے گئے ہیں یہ کشش اور ثقل کا جو نظام ہے گریوٹی کا اس میں جو تدبیر اور توازن ہے یہ اللہ تبارک وتعالی کی قدرت کاملہ اور خالق مطلق کی تقدیر کا عظیم ترین نمونہ ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں! چاند ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اگر چاند ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے کے بجائے ہٹ کر پچاس ہزار میل کے فاصلے پر آجائے تو سمندروں میں اتنا بڑا سیلاب آئے گا کہ زمینیں منظر سے غائب ہو جائیں گی، ان کا وجود باقی نہیں رہے گا اس لیے کہ جب ڈھائی لاکھ میل کے فاصلے سے اپنی شبنمی نگاہ چاند ڈالتا ہے تو پھر لاکھوں ٹن پانی سمندر سے باضابطہ باہر آجاتے ہیں جسے جوار بھاٹا یا مدّ وجزر کہتے ہیں۔

جب وہ اتنے قریب آجائے تو دنیا کا کیا عالم ہوگا لیکن قیامت میں ایسا ہوگا۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (سورۃ الأنبیاء الآیۃ :104)

جس روز ہم ان سیاروں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کہ طومار مارا ہوا کاغذ ہوتا ہے۔ (اس وقت قیامت آجائے گی جب یہ سیارے اتنے قریب ہوں گے)

حضراتِ گرامی! اللہ تبارک وتعالی انسانوں کو شعورِ فکر دے رہا ہے کہ کہیں تم ذرارات اور دن کی گردش کا جائزہ لو، سورج اور چاند کے طلوع اور غروب کا جائزہ لو اور پھر سمندروں میں کشتیوں کا چلنا یہ بھی اللہ کی طرف سے بڑی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، یہ اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہے، کبھی کبھی مسافروں کو پہاڑوں جیسی موجیں گھیر لیتی ہیں، موجیں اس طرح اٹھتی ہیں جیسے کہ پہاڑ کھڑے ہو گئے ہوں تو اللہ سے مکمل اخلاص کے ساتھ دعا کرتے رہیں کہ اللہ ان موجوں کو ختم کر دے، ہماری کشتی کو پار لگا دے پھر اللہ جب انہیں نجات عطا کر دیتا ہے تو کچھ لوگ حق پر رہتے ہیں اور کچھ لوگ منحرف ہو جاتے ہیں، انکار کر دیتے ہیں۔

آپ اندازہ کریں کہ یہ سچائی اور حقیقت ہے کہ انسان مصیبت میں اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو بھول جاتا ہے بلکہ ہر وہ کام کرتا ہے جس سے اس کا رب ناراض ہو جائے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے یورپ کا ایک آدمی جس نے چودہ سال تک سمندروں میں جہاز چلائے تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ شدید موجیں اٹھیں، طاور کی لائٹیں بجھ گئیں، ہاتھ کو ہاتھ نہیں دکھائی دے رہا تھا، موجوں پر موجیں تہہ بتہہ اٹھ رہیں تھیں اور جہاز ڈوبنے کے قریب ہوا تو اچانک اس کے ذہن میں قرآن پاک کی ایک آیتِ کریمہ جو اس نے اپنے کسی دوست سے سنی تھی یاد آگئی جس میں اللہ نے مثال دی ہے ان کافروں کی جو ایمان نہیں لاتے۔ جیسے کہ وہ سمندری سفر پر ہوں اور اچانک اندھیرا چھا جائے، اُوپر شدید بدلی ہو اور اندھیرا ہو، اور موجوں پر موجیں تہہ بتہ اٹھ رہی ہوں تو سوچ لو جو اس کا عالم ہوگا یہی حال ایک کافر کا ہوتا ہے جب اس نے اس آیت کریمہ کے مضمون پر غور کیا تو اس نے سوچا کہ پیغمبرِ اسلام نے کبھی سمندر میں سفر نہیں کیا تھا اور اتنی سچی حقیقت کی میں چودہ سال سے جہاز چلا رہا ہوں جب تک خود میرے سامنے یہ منظر نہیں آیا میں یہ منظر کشی نہیں کرسکتا تھا یقیناً قرآن اللہ کا کلام ہے اور محمد عربی اللہ کے رسول ہیں۔ یہ خیال آیا اور اس نے فوراً دعا کی اے اللہ! اے محمد کے خدا تو مجھے اس طوفان سے نجات دے، میں تجھ پر ایمان لاؤں گا اس نے یہ دعا کی ہوائیں ٹھہر گئیں، موجیں پرسکون ہوگئیں، پاور لائٹس روشن ہوگئی اور پھر جب وہ ساحل پر اترا تو سب سے پہلے اس نے خدائے محمد کو سجدہ کیا اور ایمان لایا اس نے اپنے ایمان لانے کی وجہ یہ بتائی۔

حضرات! قرآن پاک جو مثالیں دیتا ہے اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان ان مثالوں کے ذریعہ اپنے خدا کی قدرت پر یقین کرے اور اپنی زندگی کو احکام الٰہی کا پابند



کرلے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، ڈرتے رہو اپنے رب سے، اس دن سے ڈرو جس روز کوئی باپ اپنے بیٹے کا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ دے سکے گا۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تم دنیاوی زندگی میں مبتلا ہو کر زندگی کا فریب نہ کھاؤ اور اللہ کے احکام کی پیروی کرو۔

سورۂ لقمان کا یہ مختصر سا مفہوم تھا اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں قرآنی احکام پر عمل کرنے کی مکمل توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

## خطاب نمبر (۲۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ السجدۃ،اٰیۃ:2)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّ سَلَامً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج سورۂ سجدہ کے کچھ مضامین کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں قرآنِ عظیم کی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس سورۂ طیبہ میں خدا کی توحید، قرآن پاک کی صداقت اور بعث بعد الموت کے مضامین ہیں جب کہ کفارِ قریش ان کا انکار کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب انکار شدید ہو تو پھر مضامین بھی اسی اعتبار سے اللہ نے نازل فرمائے ہیں۔ ان کے انکار کا یہ عالم ہے کہ ایک کافر



کسی قبرستان سے مردے کی ہڈی اٹھالایا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا کر کہا کہ کیا اللہ اسے بھی زندہ کردے گا یہ تو ناقابل قبول بات ہے۔

بہت سے ناپسندیدہ امور سامنے آتے رہتے تھے۔ اللہ نے بار بار دلائل قاہرہ سے اپنی کتابِ مقدس میں لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دی ہے۔ یہ اس لیے خبر دی ہے کہ اگر انسان آخرت پر یقین نہ رکھے اور یہ جان لے کہ یہی دنیا سب کچھ ہے تو پھر وہ بہت بڑا فرعون اور نمرود بن جاتا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ مرنے کے بعد ہماری کوئی اور زندگی نہیں ہے، ہم جتنا لوٹ سکیں، تباہ کرسکیں، ظلم کرسکیں، قتل کرسکیں، سب کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایک طاقتور انسان کا مؤاخذہ بعض وقت دنیا میں نہیں ہو پاتا ہے، ایک مظلوم مظلوم ہی رہتا ہے، اگر ایک مظلوم کو آخرت کا یقین نہ ہو تو اس کا کلیجہ دنیائے مظالم کی بنیاد پر پھٹ جائے گا لیکن صرف ایک یقین ہے کہ ظالم تا لے جتنا ستانا ہے۔ کل میدانِ قیامت میں تجھے اپنے مظالم کا حساب دینا پڑے گا اس یقین کی بنیاد پر انسان ظلم برداشت کرتا ہے اور آخرت کا انتظار کرتا ہے۔

اگر قیامت نہ آئے تو انسان کو اس کے مظالم کی سزا کبھی نہیں مل سکتی، بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ لاکھوں افراد کے قاتل کو عمر قید دے دی گئی، تو کیا یہ سزا اس کے لیے کافی ہے جس نے ہزاروں افراد کو قتل کیا ہے، عمر قید کی سزا یہ کافی نہیں ہے جتنے افراد کو ایک آدمی نے قتل کیا ہے ہر ایک کے لیے الگ سزا قیامت میں دی جائے گی جو ہزاروں سال پر مشتمل ہوگی، جہنم کی سزا! اس لیے بار بار اس کو دہرایا گیا ہے کہ قیامت برپا ہوگی، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہوگا اور تمہیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

اسی سورت میں مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ اہلِ ایمان کن خصوصیات کے

حامل ہوتے ہیں۔ جب کافر یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن تو پیغمبر نے گڑھ لیا ہے، یہ ان کی شاعری ہے، کچھ پرانے لوگوں کے واقعات ہیں، اس طرح کے الزامات کے جوابات قرآن پاک نے بہت سے مقامات پر دیے ہیں اور سب سے بڑا جواب جو آج بھی ہے وہ یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ پیغمبر نے خود بنا لیا ہے؟ یا لکھ لیا ہے؟ یا کسی نے املا کر دیا ہے؟ تو تم بھی تو صاحبِ زبان ہو، اپنی فصاحت پر تمہیں ناز ہے، تم بھی ایسا کلام بنا کر دکھا دو۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے ''کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے قرآن گڑھ لیا ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ یہ آپ کے رب کی جانب سے حق ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں جن کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

یہ مکی سورت ہے اور مکہ مکرمہ میں جو لوگ بستے تھے جنابِ ابراہیم علیہ السلام کو گزرے ہوئے کم وبیش چھ سات ہزار سال ہو چکے تھے اور اس درمیانی وقفے میں ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا کہ انہیں ڈراتا، انہیں آخرت کا یقین دلاتا، عذابِ الٰہی کی خبر دیتا۔ اس لیے سرورِ کائنات پر نازل ہونے والے قرآنِ عظیم میں ڈرایا بھی گیا اور سرورِ کائنات کی صفت بشیر اور نذیر قرار دی گئی، کہ آپ جنت کی بشارت بھی دینے والے ہیں اور جہنم کے عذاب سے ڈرانے والے بھی ہیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ ہی ہے غیب اور شہادت کا جاننے والا، زبردست غالب اور انتہائی رحم کرنے والا، اللہ جس نے ہر شئی کو خوبتر بنایا ہے، جس نے انسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے فرمایا اور پھر اس نے اس کی نسل کو ایک بے وقعت پانی کے جوہر سے پیدا فرمایا اور اس کو متوازن قد وقامت والا اللہ نے بنایا اور اس میں اپنی روح پھونک دی، پھر اس نے تمہارے لیے کان، آنکھ اور دل بنا دیے، مگر تم بہت کم شکر بجالاتے ہو۔



اس میں انسان کی حقیقت بیان کی گئی کہ جنابِ آدم جو پہلے انسان تھے انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا لیکن اس کے بعد اس نطفے سے جتنے انسان اس دنیا میں پیدا ہوئے جو مٹی ہی کا ایک جوہر ہے پانی کی شکل میں، آپ ذرا سوچیے! اس قطرۂ ناچیز سے ایسا انسان جو سمیع وبصیر ہو، قدِ رعنا کا حامل اور وجودِ زیبا رکھتا ہو کیا یہ ممکن تھا؟ یہ صرف اللہ کی قدرت ہے۔

انسانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے:

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي (سورۃ ص، الآیۃ:72)

روح سے مراد کیا ہے؟ روح سے مراد نورِ الٰہی ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے تو کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم کا نام ہے۔ ایک خاص چیز ہے انسان کے جسم میں جو من جانب اللہ ہے، جو کسی اور مخلوق کے اندر نہیں ہے۔

کبھی آپ نے سوچا؟ کہ جو اعضا اور جوارح انسان کو دیے گئے ہیں دوسری مخلوقات کے پاس بھی ہیں، مگر یہ سوچنے کی صلاحیت، یہ جذباتِ محبت، کیفیاتِ نفرت، یہ علم، یہ نطق، یہ گویائی، یہ فہم وذکا، یہ حالات کا جائزہ، معلومات کو ترتیب دے کر مجہولات کو حاصل کرنا، تحقیق اور ریسرچ کی دنیا میں قدم رکھنا، خلاؤں میں پرواز کرنا، زمین کو لہلہاتے ہوئے باغوں میں تبدیل کر دینا یہ کسی اور مخلوق کے بس کی بات تو نہیں ہے؟ یہ وہ روح ہے جو اللہ نے وجودِ انسانی کے اندر پھونک دی ہے، یہ وہ امرِ الٰہی ہے کہ جس کے ذریعہ سے انسان دنیا کی دوسری مخلوقات سے بے نیاز ہے۔

آپ کائنات کا جائزہ لیجئے! جس زمین پر ہم رہتے ہیں اُس زمین کو عالم جمادات کہا جاتا ہے، یہ جامد دنیا ہے، غیر نامی دنیا ہے، غیر متحرک دنیا ہے، اس کے اندر بڑھنے کی صلاحیت

نہیں ہے، نمو کی صلاحیت نہیں ہے، منتقل ہونے کی صلاحیت نہیں ہے لیکن اس کے اوپر پھر آپ پودوں کو دیکھئے، درختوں کو دیکھئے، عالم نباتات کو دیکھئے، تو آپ دیکھیں گے کہ زمین کے مقابلے میں انہیں خاص خصوصیت دی گئی ہے ان میں حیات ہے، ان میں نمو ہے، بڑھنے کی استطاعت ہے اس لیے وہ زمین سے افضل ہیں۔

زمین کے مقابلہ میں پودے افضل ہیں اور ان کے مقابلہ میں جانور ہیں، جانوروں کو کچھ اور صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ پودے بڑھ سکتے ہیں لیکن آگے نہیں بڑھ سکتے، چل نہیں سکتے، انتقالِ مکانی کی ان کے اندر صلاحیت نہیں ہے مگر جانور بڑھتے بھی ہیں اور منتقل بھی ہوتے ہیں، ایک مقام سے دوسرے مقام تک جاتے ہیں۔

اب یہاں ترتیبِ کائنات یہ ہے کہ زمین چونکہ کوئی صلاحیت نہیں رکھتی ہے مگر غذا دینے کی صلاحیت اس میں ہے، اس لیے ہر مخلوق خاص طور پر پودے زمین سے غذا حاصل کرتے ہیں اور پھر پودوں سے افضل جانور ہیں اس لیے کہ جانوروں کی غذا پودے ہو جاتے ہیں، مفضول افضل کی غذا بن جاتا ہے۔ پھر جانوروں کے مقابلے میں انسانوں کی دنیا ہے، جانوروں کو چلنے کی صلاحیت دی گئی ہے کم از کم اتنا شعور دیا گیا ہے زندہ رہنے کے لیے کہ وہ اپنی گھاس کو پہچانتا ہے اسے لہلہاتے ہوئے باغ میں ڈال دیجئے تو وہ صرف اس پودے کو کھائے گا جو اس کی غذا ہوگی یہ شعور فطری طور پر زندہ رہنے کے لیے اللہ نے دیا ہے مگر اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

وہ نفس ناطقہ نہیں رکھتا ہے، وہ بولنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے، وہ عقل سے محروم ہے یہ ساری صلاحیتیں انسان کو دی گئیں ہیں، انسان کو حواسِ خمسہ دیے گئے ہیں، چھونے کی، چکھنے کی، سننے کی، سونگھنے کی توانائیاں دی گئیں ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ علوم کو حاصل کرتا ہے جانوروں



کو محدود حواس دیے گئے ہیں مگر انہیں نتائج اور ریسرچ کی صلاحیت نہیں دی گئی ہے۔

زمین غذا بنائی گئی ہے پودوں کی، پودے غذا بنائے گئے ہیں جانوروں کی اور جانور انسان کی غذا بنائے گئے ہیں اس لیے کہ وہ افضل ہیں۔ لیکن انسان کے اندر یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ اپنی زندگی کا راستہ خود طے کر سکے اس لیے کہ عقلیں مختلف ہوتی ہیں، ماحول مختلف ہوتا ہے وہ جو قانون بنائے گا وہ حال کو دیکھ کر بنائے گا، مستقبل اس کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہوگا، اس لیے ایک کا بنایا ہوا قانون دوسرے کے لیے مفید نہیں ہوتا، لوگ ملکوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے مطالبات الگ ہیں، ان کے داعیات الگ ہیں۔ اس لیے انسان تمام انسانوں کے لیے قانون نہیں بنا سکتا۔

انسان جن حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے علم حاصل کرتا ہے قانون بناتا ہے یہ سارے حواس غلطی بھی کرتے ہیں، چھونا بھی غلطی کرتا ہے، آپ نے کسی چیز کو بند کر کے ہمیں دیا اور کہا کہ بتائیے یہ کیا ہے؟ پودے کو چھو کر کے بتایا مگر ضروری نہیں ہے کہ صحیح ہو، آنکھیں بھی غلطی کرتی ہیں آسمان میں بادل چل رہے ہیں اور آپ نے چاند اور سورج کو چلتے ہوئے دیکھا ہے آئے دن یہ آپ کی نگاہوں کو سامنے ہے، دور سے آنے والا زید نظر آتا ہے قریب آیا تو عمر معلوم ہوا، قرب اور بعد کی بنیاد پر آنکھیں بھی غلطی کرتی ہیں، سماعت بھی غلطی کرتی ہے، سماعت غلطی نہ کرے تو ہزاروں اختلافات غلط سننے کی بنیاد پر پیدا نہ ہوں، ایسے ہی قوت شامہ سونگھنے کی قوت تو بہت ہی اندھی قوت ہے۔ ان تمام قوتوں سے غلطی ہوتی ہے اس لیے ان غلطیوں کے اوپر ایک ایسا علم ہونا چاہیے جو ہر غلطی سے پاک ہے، وہ وحی الٰہی ہے۔

اللہ نے انبیائے کرام کو انسانوں میں پیدا کیا مگر وحی پاک دے کر کے انہیں سارے انسانوں سے ممتاز بنایا "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ" میں تم جیسا چہرے

کے اعتبار سے ایک انسان ہوں ،مگر سنو مجھ پر وحی کی جاتی ہے جس طرح زمین ترقی کر کے درخت نہیں بن سکتی ، درخت ترقی کر کے جانور نہیں بن سکتا، جانور ترقی کر کے انسان نہیں بن سکتا، ایسے ہی انسان ترقی کر کے نبی نہیں بن سکتا۔

نبی بہت ہی ممتاز اور عظیم مخلوق ہے، کائنات کی یہ ترتیب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے، کائنات کی یہ ترتیب اُس خالق کائنات کی عظمت کی گواہ ہے جو ہمارا معبود ہے، جو ہمارا پروردگار ہے، اللہ فرماتا ہے پھر ہم نے انہیں کان دیے، آنکھیں دیں، بے پناہ صلاحیتیں دیں اور مختلف توانائیوں سے تمہیں نوازا اور پھر بھی تم ناشکرے ہو پھر بھی تم شکریہ ادا نہیں کر رہے ہو۔

شکر دو طرح کا ہوتا ہے، ایک تو زبان سے کہنا کہ اللہ تیرا شکر ہے اور ایک عمل کے ذریعہ نماز پڑھنا، روزہ رکھنا ، نیک کام کرنا، یہ بھی اپنے وجود کے شکریے کا بہترین طریقہ ہے۔اب لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ از سرِ نو پیدا کیے جائیں گے۔کافروں کی بات اللہ نقل فرماتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں اے پیغمبر فرمادیں! کہ فرشتۂ موت تمہاری روح قبض کرے گا جس کو مقرر کیا گیا ہے اور پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔جب لوٹائے جاؤ گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم دنیا میں گناہ کر رہے تھے، غلطیاں کر رہے تھے، ہم نے آخرت کو فراموش کر کے، اپنی زندگی تباہ کر لی۔قیامت کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

اے محبوب! آپ دیکھیں گے! کہ جب وہ سر جھکائے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اپنی آنکھوں سے، اور سن لیا اپنے کان سے ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے تا کہ ہم نیک اعمال کریں اب ہم یقین کرنے والے ہیں۔



حضرات یاد رکھیے! کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر دیکھے ہوئے ایمان لانا، پیغمبر کی بات پر ایمان لانا، قرآنِ پاک کے فیصلے پر ایمان لانا اور دیکھ کر کوئی ایمان لائے تو یہ ایمان نہیں ہے بلکہ اپنی آنکھ پر ایمان لایا ہو، اپنی عقل وشعور پر ایمان لانا ہوا، آج جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی ہم نہیں مانتے ، جب عقل میں آجائے گی تو وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا بلکہ اپنی عقل کو پوجتا ہے یہ عقلائے روزگار کا بہت بڑا فریب ہے۔

حضرات! بے شمار حقیقتیں ایسی ہیں جو عقلِ انسانی میں آ ہی نہیں سکتی، کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ مرنے کے بعد زندگی عقل میں آئے گی، قبر کی زندگی حشر کی زندگی۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے انسان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ اس کا علم حاصل کرے، حقیقت یہ ہے کہ جہاں سے علم وفکر کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں وہاں سے مذہبی شعور کا آغاز ہوتا ہے اس لیے مومن وہی ہے جو غیب پر ایمان رکھتا ہے بغیر غیب پر ایمان لائے ہوئے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔

میں ایک واقعہ آپ کو بتاؤں کہ ہارون رشید اور ان کی بیگم زبیدہ بڑی عظیم خاتون تھیں، عراق سے مکہ مکرمہ تک پانی کی نہر بنوائی تھی اور اس کے آثار اب بھی موجود ہیں، کتنا بڑا کام انہوں نے کیا تھا، زبیدہ اور ہارون باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرتِ بہلولِ دانا جو اوپر سے مجنون لگتے تھے، وہ زمین پر کچھ بنا رہے ہیں، مٹی کا گھروندہ ہارون نے پوچھا: جو اُن کا بڑا ادب کرتے تھے کہ بہلول کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے کہا: جنت میں گھر بنا رہا ہوں، کہا کہ بیچیں گے؟ آپ نے کہا کہ بیچوں گا۔کیا قیمت ہے؟ کہا چار دینار۔کہا بڑی مہنگی ہے۔ یہ کہہ کر مسکرا کر بادشاہ آگے بڑھ گیا۔زبیدہ آگے گئیں اور واپس آئیں ۔ چار دینار انہیں دیا اور کہا یہ جنت مجھے بیچ دیجئے۔ بات ختم ہوئی، رات ہوئی، ہارون نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں ایک محل ہے جس میں زبیدہ کا نام لکھا ہوا ہے، وہاں دربان کھڑا ہے، میں نے سوچا کہ یہ میری بیوی کا محل ہے میں

داخل ہونا چاہتا تھا، مگر ڈانٹ کر ہٹا دیا گیا، کہ یہ تمہارے لیے نہیں بلکہ تمہاری بیوی کے لیے ہے، میں گھبرا کر اٹھا۔ ہارون کہتے ہیں: میں نے بیوی کو جگایا اور کہا چلو صبح کو میں بھی جنت خریدوں گا لیکن صبح دوبارہ گئے تو وہ گھروندہ بنا رہے تھے حضرت! پوچھا کیا آپ بیچیں گے ؟انہوں نے کہا: ہارون! اب تم نہیں خرید پاؤ گے اس لیے کہ زبیدہ نے غیب پر ایمان لا کر خریدا تھا اب تم پوری کائنات بھی دے دو اپنی تو بھی جنت تم کو نہیں ملے گی۔ تم نے غیب پر ایمان نہیں رکھا ہے تو یہ ایمان بالغیب کی حقیقت ہے۔

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں وہ بن دیکھے جنت اور جہنم اور اللہ کی نعمتوں کو اللہ کے عذاب کو مانتے ہیں، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو مانتے ہیں لیکن جب قیامت میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے اللہ! ہمیں دوبارہ بھیج دے، مگر انہیں بھیجا نہیں جائے گا۔ لوگوں کی حسرتِ ناتمام گلے میں اٹک کر رہ جائے گی۔

اللہ فرماتا ہے: ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن یہ بات میری طرف سے طے شدہ ہے کہ ہم جہنم کو بھی ضرور بھر دیں گے ان لوگوں سے جو سرکش ہیں، نافرمان ہیں، انسانوں سے بھی اور جنوں سے بھی اور پھر ان سے کہا جائے گا چکھو! اس لیے کہ اس دن کی ملاقات کو تم نے بھلا دیا تھا آج ہم نے تم کو محروم کر دیا ہے۔ اب چکھو عذاب اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم دنیا میں کرتے تھے، مجرمین اور منکرین کی آخرت کا ذکر فرمانے کے بعد اہلِ ایمان کی خصوصیات بھی بیان کی گئیں۔

بلاشبہہ ہماری آیتوں پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیات کے ذریعہ سے ان کو نصیحت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ بے ساختہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے، ان کے پہلو اپنے بستروں سے جدا رہتے



ہیں، رات کو وہ اٹھ کر کے خدا کی بارگاہ میں عبادت کرتے ہیں، وہ اپنے رب کو امید و بیم کی حالت میں پکارتے ہیں۔ امید یہ ہے کہ اللہ جنت عطا فرمائے گا اور خوف یہ ہے کہ کہیں ہم کو سزا نہ مل جائے، اسی کیفیت میں رہتے ہیں۔

"اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ"

ایمان امید اور بیم کے درمیان میں ہے اگر یقین دلا دیا جائے جنت ہی ملے گی تو پھر انسان برائیاں کرے گا اور اگر کہہ دیا جائے کہ جہنم ہی ملے گی تو بھی برائی کرے گا کہ جب آخرت میں لذت نہیں ہے تو دنیا کی لذت کیوں حاصل نہ کروں یعنی جب لذتِ فردا کی امید نہیں تو لذت، امروز سے کیوں محروم رہا جائے اس لیے ہر انسان کو اس کیفیت میں رکھا گیا ہے کہ اللہ چاہے تو معاف کر دے اور اللہ چاہے تو گرفت فرمالے۔

یہ صحیح ہے کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ ہر بندۂ مومن کو یہ یقین کرنا چاہیے کہ اللہ ضرور معاف کرے گا مگر یہ بھی خیال ہو کہ کہیں پکڑ نہ لیے جائیں میں آپ کو بتاؤں آقائے دو جہاں تشریف لے جا رہے ہیں، ایک باغ سے گزرے تو باغ کے مالک نے تازہ کھجوروں کے خوشے بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خوشے صحابہ میں تقسیم کر دیے اور جب انہوں نے کھانا شروع کیا تو آقا نے فرمایا ہے کہ ان تازہ کھجوروں کا بھی خدا کی بارگاہ میں حساب دینا پڑے گا۔

جنابِ صدیق کے ہاتھ کانپ اُٹھے اور خوشہ گر گیا، کہا: یارسول اللہ! اس کا بھی؟ فرمایا کہ ہاں اس کا بھی حساب دینا پڑے گا۔ آپ اندازہ فرمائیے کہ آخرت کا خوف اتنا شدید ہے کہ یارِ غارِ رسول اور آج یارِ مزارِ رسول ہیں پھر بھی آخرت کے خوف سے لرز جاتے ہیں۔ اگر آخرت کا خوف نہ ہو تو انسان کبھی نیکی نہیں کرے گا اس لیے آخرت کا خوف بھی ضروری ہے اور اللہ کی

رحمت پر یقین بھی کرنا چاہیے کہ اللہ معاف کر دے گا۔

حضرات! اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو نعمتیں ہم نے انہیں دی ہیں اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں پس کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ ان کے لیے کتنی نعمتیں پوشیدہ رکھی گئیں ہیں، جو نعمتیں ہم نے انہیں دی ہیں اس سے وہ خرچ کرتے ہیں، جو مال دیا ہے، جو سرمایہ دیا ہے وہ انہیں معلوم ہے، لیکن اور کتنی نعمتیں اللہ نے پوشیدہ رکھیں ہیں یہ کوئی نہیں جانتا ہے۔

حضرات! وہ نعمتیں انہیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں، نیکیوں کی بنیاد پر اور آخرت میں بھی مل سکتی ہیں، جب وہ اپنی نعمتوں کو دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ کیا کوئی فاسق مومن کی طرح ہوسکتا ہے؟ نہیں! دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو عمل صالح کرتے ہیں ان کا ٹھکانہ وہ باغات ہیں جہاں مہمانوں کی طرح انہیں ضیافت سے نوازا جائے گا یعنی جنت میں۔ اللہ تعالی ہمیں بھی مومنین کے ساتھ جنت میں جگہ عطا فرمائے۔

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته!



## خطاب نمبر (۲۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آیئے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِكَمِ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّ سَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

حضرات! آج سورۂ احزاب کی چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ اور غزوۂ احزاب یا غزوۂ

خندق کی قدرے تفصیل پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا، یہ بھی مدنی سورت ہے، اس میں ۹ رکوع ہیں اور ۷۳ آیات ہیں۔

اس سورت میں اللہ رب العزت نے غزوۂ احزاب کے بارے میں آیات نازل فرمائی ہیں جس کی تفصیلات آگے عرض کروں گا۔ اس سے پہلے اس سورت کے دوسرے مضامین کا سرسری تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

اس سورت میں دورِ جاہلیت کی بعض غلط رسموں کی اصلاح کی گئی ہے اور متبنّٰی کی حدود متعین کی گئی ہیں، بیوی کو ماں یا ماں کی طرح کہنے سے روکا گیا ہے اور ایسا کہنے والے کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی وعدہ خلافیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ دونوں یہودی قبیلے تھے جنہوں نے اللہ کے رسول سے معاہدہ کر رکھا تھا لیکن غزوۂ احزاب میں ان قبیلوں نے غداری کی تھی، اِس کا بھی تذکرہ ہے۔

اس کے بعد آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، ان کے مقامِ بلند اور ان کی صفاتِ مبارکہ کا تذکرہ ہے اور اپنی امت پر ان کا جو اختیارِ کامل ہے اس کا بھی ذکر ہے اور دوسرے بہت سے مناصب جلیلہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس میں انبیائے کرام سے اللہ نے جو عہد لیا ہے اس کا بھی تذکرہ ہے۔ اللہ رب العزت نے سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو حکم دیا ہے وہ ان کی امت کے لیے بھی اتنا ہی واجب العمل ہے جتنا کہ خود پیغمبر کو، وہ بہت عظیم تھے، عظیم تر تھے، مگر بہر کیف وہ اللہ کے بندے تھے اور اللہ کے احکام کے پابند تھے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے نبی معظم اللہ سے ڈرتے رہیے، اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے، بے شک اللہ علیم وحکیم ہے۔ آپ کے رب کی جانب سے جو وحی آپ پر کی جاتی ہے اسی کی اتباع کیجئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ اللہ بہترین کارساز ہے۔



پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کی باتیں مانیں۔ یہ اس لیے کہ کافر کبھی بھی اسلام کے سلسلہ میں مخلص نہیں ہوسکتا اور منافقین ان سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ اللہ علیم وحکیم ہے، علم والا ہے اور حکمت والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آپ کے لیے کیا بہتر ہے؟ اور کیا بہتر نہیں ہے؟ آپ کے لیے آپ کا رب کافی ہے، اس کی جانب سے جو وحی کی جاتی ہے آپ اسی کی اتباع کیجئے اور صرف اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ اللہ بہترین کارساز ہے۔

حضرات! جب پیغمبر کو یہ حکم دیا گیا تو ان کے امتیوں کو عمل کرنا اور زیادہ ضروری ہوگا، قرآن پاک پر عمل کرنا، کافر اور منافقین کے فریب میں نہ آنا اور اللہ پر مکمل بھروسہ کرنا ایک مومن کی زندگی کے بنیادی امور ہیں جس کا حکم اس سورت کے اندر دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ تمہارے منھ بولے بیٹے تمہاری صلبی فرزند کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں یہ تمہارا اپنا قول ہے اللہ حق ارشاد فرماتا ہے اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے تم ان کو ان کے آباء کی نسبت سے بلایا کرو اور اگر تم ان کے آباء سے واقف نہیں ہو تو تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، اگر اس سلسلے میں ماضی میں تم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اللہ اسے معاف فرمائے گا صرف وہ غلطی قابل مؤاخذہ ہے جو قصداً کی جائے، اللہ غفور ورحیم ہے۔

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے اپنے حبیب تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہ نبی محترم مومنین کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب اور افضل ہیں اور ان کی ازواج اہلِ ایمان کی مائیں ہیں۔

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ

(سورۃ الأحزاب الآیۃ:6)

اللہ نے تمام انبیائے کرام سے وعدہ لیا کہ انہیں دین کی جو ذمہ داری دی گئی ہے

اس کو بحسن وخوبی انجام دیں اور سرِ مو انحراف نہ کریں۔اس کا تذکرہ بھی اس سورت میں کیا گیا ہے۔اس کے بعد غزوۂ خندق کا یا غزوۂ احزاب کا ذکر تفصیل سے اس سورت میں آیا ہے اسی لیے اس سورت کا نام غزوۂ احزاب رکھا گیا ہے۔احزاب کہتے ہیں مختلف گروہوں کو۔

یہ جنگ دراصل ایک بہت ہی مشکل جنگ تھی اور بہت دشوار گزار بھی تھی، غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی تھی اور کامیابی کے بعد جو دشواریاں انہیں پیش آئیں اس سے مکہ کے کافروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ اب ایک آخری ایسی جنگ ہوگی جس میں اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔اس کے لیے انہوں نے تمام عرب قبائل کو متحد کر کے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا پہلے صرف مکہ کے لوگ حملہ آور ہوتے تھے یا ان کے جو معاہد قبیلے ہوتے تھے، مگر غزوۂ احزاب میں انہوں نے بنو قریظہ اور بنو نضیر (یہ دونوں مسلمانوں کے حلیف تھے پیغمبرِ اعظم سے معاہدہ کیا تھا یہودی قبائل تھے مگر ان) کو بھی انہوں نے اپنے ساتھ ملا لیا، ان کو یقین تھا کہ جب پورا حجاز مل کر حملہ آور ہوگا تو پیغمبرِ اعظم دفاع نہ کر سکیں گے۔

جب اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی کہ اس بار تمام قبائل، تمام احزاب، تمام گروہ اور خود جو مسلمانوں سے معاہدہ کرنے والے طبقے ہیں وہ بھی کافروں کے ساتھ مل کر حملہ آور ہونے والے ہیں۔تو اللہ کے رسول نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ بذریعۂ وحی اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے خود اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

(سورۃ النجم، الآیۃ:3،4)

پیغمبر اپنی جانب سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں فرمانِ الٰہی ہوتا ہے۔



اس کے باوجود پورے عالم اسلام کو ایک قانون دینے کے لیے آنے والی نسلوں کو، آنے والی حکومتوں کو، آنے والے افراد کو، آنے والے مسلم معاشرے کو ایک نظام دینے کے لئے پیغمبر سے کہا گیا:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" (سورۃ ال عمران الآیۃ:159)

آپ مسلمانوں سے، اپنے صحابہ سے مشورہ کر لیا کیجئے تاکہ شورائی نظام کی بنیاد ڈالی جا سکے اور آئندہ اس نظام کی بنیاد پر کامیابی حاصل ہو سکے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کیا اور کہا کہ اس بار کفر کی متحدہ طاقتیں مدینے پر حملہ آور ہونے والی ہیں، تمہارا کیا خیال ہے، صحابہ کرام تو ہمیشہ سر تا پا اطاعت تھے، انہوں نے کہا حضور جو حکم ہوگا ہم اس کی پابندی کریں گے گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور ہماری جانیں، ہماری زندگی، ہمارا سب کچھ آپ کے قدموں پر نچھاور ہونے کے لیے تیار ہے، آپ جو فرمائیں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔

جنابِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فارس کے رہنے والے تھے انہوں نے ایک مشورہ پیش کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے علاقوں میں جب کوئی شہر پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو خندق کھود دی جاتی ہے، اس علاقے میں جہاں سے دشمن حملہ آور ہو سکیں ہم اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ باہر نکل کر جنگ کر سکیں۔اس لیے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ ہم مدینے کے اطراف میں خندق کھود دیں، آقائے دو جہاں نے یہ تجویز پسند فرمائی اور تمام صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ وہ خندق کھودنے میں لگ جائیں۔ہر ایک کو کچھ گز زمین دی گئی۔آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم بھی خندق کھودنے میں صحابۂ کرام کے ساتھ تھے۔عالم یہ تھا کہ غربت کا زمانہ تھا، فاقے ہو رہے تھے، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے شکمِ ناز پر بھی تین تین پتھر بھوک کی شدت کی بنیاد پر بندھے ہوئے تھے، تاکہ بھوک کی شدت کو کم کیا جا سکے، مگر پھر بھی آپ نے

اسلام کی بقا کی خاطر خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔

(تاریخ الطبری، الجزء الثانی القول فی السیرۃ النبویۃ السنہ الخامسہ من الھجرہ ذکر الخبر عن غزوہ الخندق)

اسی دور کا وہ واقعہ ہے جو جنابِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ آقا بھوکے ہیں تو انہوں نے آپ سے کہا کہ حضور! گھر تشریف لائیں، ہم خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ آقا نے فرمایا: تمام لوگ چلو جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر، وہ گھبرائے ہوئے گھر گئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ میں نے تو صرف ان کو دعوت دی تھی، انہوں نے خندق کے تمام سیکڑوں افراد کو دعوت دی ہے۔ اب کیا کریں گے ہم؟ تو بیوی نے کہا کہ آپ نے نبی کو دعوت دی ہے آپ ان کے ذمہ دار ہیں، جن کو انہوں نے دعوت دی ہے وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں، چند صاع آٹا تھا ایک بکری تھی اس کو ذبح کیا اور کھانا تیار ہوگیا۔ تمامی صحابہ کرام جو خندق میں شریک تھے وہ سب آگئے، ان کی تعداد تین سو کے قریب تھی، آقا نے فرمایا کہ پتیلی کے اوپر کپڑا ڈال دو اور روٹی کے آٹے پر بھی اور لوگوں کو کھلاتے چلے جاؤ۔ سیکڑوں آدمی آسودہ ہوگئے اور کھانا ویسے ہی موجود تھا جتنا کہ پہلے تھا یہ اعجازِ نبوت تھا۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، بَابُ غَزْوَةِ الخَنْدَقِ وَهِيَ الأَحْزَابُ، الرقم: 4101)

لیکن اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ خندق جو لوگ کھود رہے تھے وہ کس قدر بھوک اور اضطراب کے عالم میں جنگ کی تیاری کر رہے تھے، خندق مکمل ہوگئی اور ادھر کافروں کی فوج بھی مدینے پر حملہ کرنے کے لیے آگئی لیکن اندر نہ جاسکی، اس لیے کہ خندق تھی تو خندق کے باہر پوری فوج نے ڈیرا ڈالا، ہزاروں اونٹ، بہت سے گھوڑے، رسد کئی مہینے کے لیے غلہ اور سامان سب کچھ وہ لے کر کے آئے تھے تاکہ ہم طویل اور آخری جنگ کریں گے اور پھر



ایک مہینے تک یہ محاصرہ رہا، وہ خندق کے اس پار نہیں آسکتے تھے اور مسلمان باہر نہیں جاسکتے تھے، بھوک تو پہلے ہی سے تھی، اور اب بھوک اور بڑھ گئی کہیں سے کچھ آنے کے امکانات بھی نہیں تھے۔ ایسے موقع پر عمرو بن عبدود ان کا ایک بہت بہادر آدمی تھا، وہ خندق پار کر کے آگیا، مولائے کائنات سے مقابلہ ہوا اور آپ نے اپنی شمشیر سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

اس کی ناکامی کے بعد ان پر ایک وحشت طاری ہوگئی پھر دوبارہ کوئی اندر آنے کی ہمت نہ کرسکا لیکن جو اصل پریشانی تھی وہ یہ تھی کہ یونہی خندق کے باہر ڈیرا ڈالے رہے، اندازہ کریں کہ اندر رہنے والوں کا حال کیا ہوگا، اسی درمیان میں ایک یہودی شخص نے جو مدینے کے اندر دشمن تھا اس نے عورتوں کے خیمے پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو ایک عظیم خاتون حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خیمے کی چوب سے اسے مارا اور وہ مرگیا۔ اور پھر اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا یہودیوں نے سمجھا شاید اندر فوج موجود ہے دوبارہ حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

حضرات! ان حالات میں جب کہ مسلمان انتہائی کرب میں مبتلا تھے، خوف سے کلیجے حلقوم کو آرہے تھے، قرآن پاک نے بھی جس کا تذکرہ کیا ہے اللہ نے آندھی بھیجی اور وہ اتنی شدید تھی کہ ان کے گھوڑے بکھر گئے، ان کے اونٹ بکھر گئے، ان کے سامان اڑ گئے اور مجبوراً انہوں نے محاصرہ اٹھالیا اور واپس چلے گئے، یہ غزوۂ احزاب کی مختصر سی تاریخ ہے۔ اس غزوہ میں سب سے نقصان دہ رول ادا کیا ہے منافقین نے اور یہودیوں نے کہ انھوں نے اسلام کو ختم کرنے کے لیے معاہدے کے بعد بھی دشمنوں کا ساتھ دیا۔

حضرات! آقائے دو جہاں نے بعد میں انہیں مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا جس کو آج تک یہ کہا جاتا ہے کہ گویا آقا نے ظلم کیا ہے۔ یہ ایک معاہدہ کی بات نہیں ہے! بار بار انہوں نے مخالفت کی ہے، بار بار دشمنوں سے مل کر اسلام کو اور پیغمبر اسلام کو ختم کرنے کی

کوشش کی ہے۔ظاہر ہے اس کے بعد جو انجام ہونا تھا وہ ہوا۔

حضرات! یہ غزوۂ احزاب تھا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ خندق کے اس پار تو شدید آندھی اور طوفان آیا ہوا تھا اور خندق کے اس پار مدینہ میں اس طوفان کا کوئی اثر نہ تھا آپ اندازہ کریں ایسا ہوا کہ گویا وہ خندق نہ صرف یہ کہ دشمنوں کو آنے سے روکی بلکہ وہ خندق آقائے دو جہاں اور آپ کے ساتھیوں کے لئے حصار بن گئی اور وہ ان طوفانوں کے آنے سے روکنے کا سبب بنی جن طوفانوں اور جن آندھیوں نے کفر کا شیرازہ منتشر کر دیا۔

قرآنِ عظیم میں اس سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان کا مختصر سا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔اللہ ارشاد فرماتا ہے: اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی، اس نعمت کو جس سے اس نے تم کو سرفراز کیا، جب کفار کے لشکر تم پر حملہ آور ہوئے تو ہم نے ان پر آندھی اور ایسی افواج بھیجیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے، پھر جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا، جب کفار بلندی سے اور پستی سے، نشیب و فراز کے ہر طرف سے تم پر چڑھ چکے تھے اور جب شدید دہشت کا عالم تھا، آنکھیں گویا پتھرا گئی تھیں اور خوف سے دل منھ کو آنے لگے تھے اور تم دین کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے یہی وہ مقام تھا جہاں مسلمانوں کا امتحان لیا گیا تھا اور شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا تھا، منافق جن کے دلوں میں مرض تھا انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ معاذ اللہ! اللہ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض فریب تھا۔

یہ عجیب کیفیت تھی، غزوۂ خندق کے موقع پر منافقین نے لوگوں کو دھوکہ دیا اور خود بھی طرح طرح کے بہانوں اور حیلوں سے رک گئے اور دوسروں کو جنگ سے روکتے رہے، کیوں جا رہے ہو؟ اب مسلمانوں کی کامیابی کے امکانات سب ختم کر دیے گئے ہیں۔قرآنِ کریم نے ان کی فریب کاریوں کا بھی پردہ چاک کیا اور قرآن نے منافقین کے خوفزدہ ہونے



کی جو منظر کشی کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں!

اللہ فرماتا ہے: چونکہ وہ اپنے کو مسلمان ظاہر کر رہے تھے اور غزوۂ خندق نے ان کی منافقت کو برہنہ کر دیا۔اللہ فرماتا ہے کہ جب ڈر کا وقت آئے تو تم انہیں دیکھو گے کہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے ان کی آنکھیں ان کے حلقۂ چشم میں گھوم رہی ہوں، یا ان پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو، یہ ان کے نفاق کے نتیجے میں تھا۔

لیکن ایک طرف تو منافقین کا طرزِ عمل یہ تھا اور دوسری طرف اہل ایمان کا معاملہ کیا تھا اہلِ ایمان کا معاملہ یہ تھا کہ وہ یہ کہہ رہے تھے کہ جب اہلِ ایمان نے لشکر کو دیکھا تو کہا کہ یہ تو وہی ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور رسول نے کیا ہے، یہ تو ہونا ہی تھا اور اس واقعے نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور تسلیم و رضا میں اضافہ کر دیا، جو اہلِ ایمان تھے ان کا معاملہ یہ تھا کہ اتنی بڑی قوت اور طاقت کو دیکھ کر بھی ان کے پیروں میں لغزش نہیں آئی بلکہ وہ تو کہہ رہے تھے کہ یہ تو اللہ کے وعدے کے عین مطابق ہے، اور بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اس واقعہ نے ان کے ایمان میں تسلیم و رضا میں اور اضافہ کر دیا۔

مسلمانوں میں وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کیے ہوئے وعدے کو سچ کر دکھایا ان میں کسی نے اپنی منت پوری کر دی اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ لوگ بالکل نہیں بدلے ایمان کی قوت یہ ہے کہ انسان بدترین حالات میں بھی اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے اور کامیابیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔

ان احکامات کے بعد اللہ رب العزت نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر فرمایا کہ اب قیامت تک اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔آیتِ مبارکہ یہ ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ

النَّبِيّٖنَ(سورۃ الأحزاب الآیۃ:)

محمد(عربی) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے آخر میں تشریف لانے والے ہیں۔

یہ قرآنِ پاک کی وہ آیتِ کریمہ ہے جس نے نبوت کا دروازہ سرورِ کائنات کے بعد ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے، اب اگر کوئی بھی نبوت کا دعوٰی کرے گا مسیلمہ کذاب کی طرح سے تو یقیناً وہ جھوٹا ہوگا اور اسلام کا غدار ہوگا۔ سرورِ کائنات کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ کسی طرح کوئی بھی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی ظلی آئے گا، نہ مجتہد آئے گا، نہ مقلد آئے گا، نہ متبع آئے گا، کوئی نبی نہیں، وہ آخری نبی ہیں اور اس کے بعد آقائے دو جہاں کی ایسی صفات بیان کیا کہ انبیائے کرام کی تاریخ میں کسی کو اتنے مناقب اور اتنے مناصب سے نوازا نہیں گیا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝(سورۃ الأحزاب الآیۃ:46.45)

اے نبی! بیشک ہم نے تمہیں گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا آفتاب بنا کر بھیجا۔

اے غیب کی خبر دینے والے پیغمبر! اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا شاہد کے معنی گواہ کے ہیں اور حاضر بھی اور یقیناً گواہ اور حاضر میں کوئی منافات نہیں ہے جو گواہ ہوگا وہ حاضر ہوگا۔ شاہد کے معنی مشاہد کے ہوں گے جو مشاہدہ کرنے والا ہوگا وہ حاضر ہوگا تو سرورِ کائنات گواہ بھی ہیں اور حاضر بھی ہیں۔

آپ دیکھیے! کہ جب آپ جنازے کی دعا پڑھتے ہیں تو اس میں کیا کہتے ہیں۔



"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَآئِبِنَا"

اے اللہ! ہمارے زندوں کو بخش دے، ہمارے مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر کو بخش دے اور ہمارے غائب کو یہاں شاہد بمعنی گواہ نہیں بلکہ شاہد بمعنی حاضر ہی ہے تو اور اس آیتِ کریمہ میں سرورِ کائنات کو حاضر بایں طور کہا گیا ہے کہ وہ حاضر بھی ہیں اور اسی حاضری کی بنیاد پر وہ گواہ بھی ہیں۔

پھر فرمایا گیا کہ آپ کو مبشر بنا کر بھیجا گیا، آپ جنت کی بشارت دینے والے ہیں، حیاتِ ابدی کی بشارت دینے والے ہیں، انعاماتِ الٰہی کی بشارت دینے والے ہیں، اللہ کے کرم بے پایاں کی بشارت دینے والے ہیں، ان تمام انعامات کی خبر دینے والے ہیں جو اللہ تبارک وتعالٰی نے اپنے نیک بندوں کے لیے مخصوص کر رکھے ہیں اور پھر آپ کو نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے آپ کا منصب یہ ہے کہ جہاں ایک طرف آپ اللہ کے نیک بندوں کو اللہ کے انعامات اور جنت کی بشارت دیں وہیں ان کو اللہ کے عذاب سے بھی ڈرائیں، آپ کو داعی الی اللہ بنا کر بھیجا گیا ہے اللہ کی طرف بلانے والا پوری کائنات کو اللہ کی طرف بلانے کے لیے آپ کو ساری کائنات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور انبیائے کرام کسی مخصوص طبقے، گروہ اور زمانے کے لیے مگر آپ پوری انسانیت کے لیے انس وجن کے لیے آپ کو داعی اعظم بنا کر بھیجا گیا ہے، دعوت کا یہ عظیم منصب قیامت تک کے لیے آپ کی ذات کے لیے ہی خاص ہے آپ کی دعوت کسی خاص دور اور کسی خاص زمانے کے لیے نہیں ہے اور آپ کو روشن آفتاب بنا کر بھیجا گیا ہے، سراج کے معنی آفتاب کے بھی ہوتے ہیں اور سراج کے معنی چراغ کے بھی ہوتے ہیں، سورج کائنات کے در و دیوار کو روشن کرتا ہے مگر گھر کی تنہائیوں میں یا اندھیروں میں نہیں پہنچتا مگر چراغ گھر کی تنہائیوں میں بھی جلتا ہے۔ سرورِ کائنات روشن چراغ بھی ہیں، روشن آفتاب بھی

ہیں، یعنی آپ کائنات کو بھی روشن کر رہے ہیں، اور گھروں کی تاریکیوں کو بھی منور کر رہے ہیں، دلوں کی تاریکیوں کو بھی منور کر رہے ہیں۔ یہ مختصر سا مفہوم ہے اس آیتِ کریمہ کا جس میں اللہ کے رسول کو ان صفات سے یاد کیا گیا ہے کہ آپ شاہد، مبشر ہیں، نذیر ہے، داعی الی اللہ ہیں اور سراج منیر ہیں۔

حضراتِ گرامی! اس کے بعد بندوں کو حکم دیا گیا کہ تم اللہ اور رسول کے فرمانبردار ہو اور اس پر قائم رہو، خاص طور پر اُمہات المومنین کے ذریعہ سے تمام دنیا کی عورتوں کو فرمایا گیا کہ تم اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو اور اس پر قائم رہو، اچھے کام کرتے رہو ہم تمہیں دونا اجر عطا فرمائیں گے اور باوقار روزی سے نوازیں گے۔

فرمایا گیا کہ اے نبی کی ازواجِ مطہرات تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ازواجِ مطہرات عام عورتوں کی طرح سے نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں تو ظاہر ہے کہ جب آقائے دو عالم کے عقدِ پاک میں آنے والی خواتین دنیا کی اور عورتوں کی طرح نہیں ہو سکتی ہیں تو پھر سرورِ کائنات کسی کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد ایک تفصیلی آیتِ کریمہ ہے جس میں مومن مرد اور عورتوں کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عبادت کے لیے اللہ کے حضور میں عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی پارسائی کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں اللہ نے ان سب



کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا، ان میں وہ تمام خوبیاں آجاتی ہے جو ایک مومن مرد اور مومن عورت میں ہونی چاہیے۔

پھر اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ کسی مومن مرد یا عورت کو اللہ اور رسول کے حکم کے بعد اپنے معاملے کا کوئی اختیار نہیں رہ جاتا ہے، جو اللہ اور رسول فرمادیں اس کے بعد یہ کہنا کہ میری رائے یہ نہیں ہے یا میری پسند نہیں ہے، میرے اختیار کو سلب کر لیا گیا ہے یہ کفر ہے، جو قانون اللہ نے دے دیا ہے جو فرمان سرکار نے کر دیا ہے اس پر ہر مومن مرد اور مومن عورت کو مکمل عمل کرنا ضروری ہے، یہی ایمان ہے اور جب آپ کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں تو ایک طرح سے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ اور رسول جو بھی فرمائیں گے ہم اس پر مکمل عمل کریں گے۔

پھر اللہ فرماتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ شدید اور صریح گمراہی میں جا پڑے گا، پروردگارِ عالم ہمیں قرآن شریف کی تمام سورتوں بالخصوص سورۂ احزاب کی آیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

## خطاب نمبر (۳۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ، وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ○(سورۃ سبا،ایۃ:1)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم، تاجدارِ مدینہ، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات گرامی! آج سورۂ سبا کی ابتدائی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مختصر سی تشریح پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ کو قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس سورت میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ لَہُ الْحَمْدُ فِی



الْاٰخِرَۃِ وَ ھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ○ (سورۃ سبا الایۃ:1)

سب خوبیاں اللہ کو کہ اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں کہ زمین وآسمان کی تمام چیزیں اسی کی ملکیت ہیں اور اسی کے لئے ہر طرح کی حمد ہے آخرت میں بھی، اور وہ انتہائی حکمت والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ حضرات اس آیت شریفہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ''الحمد'' میں الف لام استغراق کا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں جتنی بھی ممکنہ تعریفیں ہیں، وہ سب اللہ ہی کے لئے ہیں، کوئی اور ایسی تعریف کا سزاوار نہیں ہے جو اللہ کے شایانِ شان ہے۔

ہم قرآن پاک کی بہت سی آیات مبارکہ میں حتی کہ آغازِ قرآن میں سورۂ فاتحہ میں بھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کی تلاوت کرتے ہیں ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں'' ہم یہ تو کہتے ہیں کہ ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں'' مگر ہمارا یہ عالم ہے کہ اللہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ ہم کائنات کی ہر خوبی کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں، کبھی آسمانوں کی تعریف کرتے ہیں، کبھی زمین کی تعریف کرتے ہیں، کبھی شفق کی تعریف کرتے ہیں، کبھی افق کی تعریف کرتے ہیں، کبھی سیارگان فلک کی تعریف کرتے ہیں، کبھی کہکشاں کی تعریف کرتے ہیں، کبھی زمین پہ بچھے ہوئے سبزے کی چادر کی تعریف کرتے ہیں، کبھی دریاوں کی روانی کی تعریف کرتے ہیں، کبھی کامیاب انسانوں کی تعریف کرتے ہیں، کبھی موسم کی تعریف کرتے ہیں، پھولوں کی تعریف کرتے ہیں، نکہتوں کی تعریف کرتے ہیں، جو بھی حسن یا کمال ہمارے سامنے آتا ہے ہم ہر ایک کی تعریف کرتے ہیں۔

دعویٰ ہمارا یہ ہے کہ ”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں“۔ تو کیا اللہ کے علاوہ کسی اور کی تعریف کرنا اللہ کی ذات یا صفات میں شریک کرنا تو نہیں ہے؟ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف ہوتی ہے۔ جو بنی ہوئی چیز ہے، جسے بنایا گیا ہے اگر کوئی اس کی تعریف کرے، تو بنانے والے کی تعریف خود بخود ہو جائے گی۔ یہ ایک قاعدۂ کلیہ ہے۔ تو کائنات میں جتنی چیزیں ہیں، جتنی خوبیاں ہیں، جتنے کمالات ہیں یہ سب اللہ کی تخلیق ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے ہیں، اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو جب بھی آپ اللہ کی حسین و باکمال مخلوق کی تعریف کریں گے تو خود بخود اللہ کی تعریف ہو جائے گی۔ اس لئے یقیناً تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے کیوں ہیں؟ اس لیے کہ کلمۂ جلالت ”اللہ“ یہ ہمارے معبود برحق کا ذاتی نام ہے اور اس کی تعریف یہ ہے۔

”اَلْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِيَةِ“

اللہ وہ ہے جو کمال کی تمام صفتوں کا جامع ہو۔ تو جو کمال کی تمام صفتوں کا جامع ہو اور کوئی کمال اس کی ذات سے باہر نہ ہو اور کوئی نقص اس کی ذات یا صفات میں نہ ہو تو یقیناً تمام تعریفیں اسی کے لئے ہوں گی۔ اس کے بہت سے صفاتی نام ہیں۔ وہ رحمٰن بھی ہے، وہ رحیم بھی ہے، وہ کریم بھی ہے، وہ ستار بھی ہے، وہ غفار بھی ہے، وہ رؤوف بھی ہے۔ یہ سارے اسمائے مبارکہ اس کے ہیں۔ لیکن یہ سارے اسما صفاتی نام ہیں۔ اللہ کی ذات کا جو نام ہے وہ ”اللہ“ ہے۔ اس لئے ”تمام تعریف“ کا لفظ اللہ ہی پر صادق آئے گا۔ اور اللہ کی تعریف کیوں ہے؟ اس حوالہ سے خود فرماتا ہے: ”اَلَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ“ اس لئے کہ اسی کے لئے وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں ہیں۔



قرآن پاک میں سماوات اور ارض کا تذکرہ مختلف مقامات پر آیا ہے ”سمٰوٰت، سماءٌ“ کی جمع ہے، لیکن ارض واحد ہے۔ تو جب سماوات جمع ہے تو ارض واحد کیوں لایا گیا؟ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب قدیم مفسرین نے یہ دیا ہے کہ ”ارض“ کی جمع ”ارضین“ یہ جمع ضعیف ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں استعمال نہیں کی گئی، مگر آج کی تحقیق کا جائزہ لیں تو طبقاتِ سماوات سات ہیں، لیکن زمین ایک ہی ہے، ایک ہی سیارہ ہے جسے زمین کا نام دیتے ہیں۔ آسمان بہت ہیں اس لئے سماوات کا تذکرہ ہوا اور زمین ایک ہے تو اس کو واحد استعمال کیا گیا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے۔ ”لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ“ یہاں ”لہ“ میں ”لام“ ملکیت کے لئے ہے۔ جس کی ملک تمام آسمان ہیں اور اس کے اندر جو کچھ ہے اور زمین اس کے اندر یا اس کے اوپر جو کچھ بھی ہے، سب چیزیں اس کی ملکیت ہیں ”وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ“ آخرت میں بھی صرف اسی کے لئے تعریفیں ہیں۔ یہ نہیں کہ صرف دنیا میں اس کی تعریف ہے یا پھر جب تک ظاہری کائنات موجود ہے اس وقت تک تعریف ہے، نہیں۔ اس وقت بھی تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں اور اس کے بعد جو نیا دور آئے گا (آخرت کے بعد) اس میں بھی تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس لئے کہ وہ آخرت کا بھی مالک ہے اور دنیا کا بھی مالک ہے۔

اللہ اپنی صفت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: ”وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○“ اور بلاشبہہ اللہ حکمت و دانائی والا ہے اور اللہ بے پناہ خبردار ہے۔ اللہ کی نگاہِ قدرت سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، ہر چیز کو جانتا ہے اور صرف خبر ہی نہیں رکھتا بلکہ وہ بہت دانا ہے۔ کائنات میں اس کی دانائی کا مقابلہ کوئی مخلوق نہیں کر سکتی ہے۔ علم ہو دانائی

نا ہو اور دانائی ہو علم نا ہو، دونوں حیثیتیں بیکار ہیں۔لیکن اگر علم بھی ہے اور دانائی بھی ہے، تو پھر اپنے علم کو اللہ تبارک وتعالیٰ قدیر ہونے کی حیثیت سے کائنات کے نظام کو چلانے کے لئے، کائنات کے نظام کو باقی رکھنے کے لئے بہتر طریقے سے استعمال فرماتا ہے۔اسی لئے وہ علیم بھی ہے، حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔

''یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا ''اللہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو زمین سے نکلتی ہے۔آپ دیکھیں! زمین میں داخل ہونے والی ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ایک ننھا سا دانا آپ زمین میں داخل کرتے ہیں اور پھر وہ ایک تن آور درخت بن جاتا ہے۔لیکن اس ننھے سے دانے کی پرورش اللہ رب العزت کا نظام ربوبیت ہی کرتا ہے۔زمین جو بڑے بڑے اربابِ اقتدار کی ہڈیاں سرمہ بنا دیتی ہے، سب کو نگل جاتی ہے، وہ ایک ننھے سے دانے کی پرورش کرتی ہے، پھر اس سے کونپل نمودار ہوتی ہے جو اس سے باہر آتی ہے اور پھر ایک تن آور درخت بن جاتا ہے۔اور پھر دنیا اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔اس کے سائے میں لوگ بیٹھتے ہیں، اس کا پھل کھاتے ہیں یا پھر پودے غلہ دیتے ہیں جو انسانوں کی خوراک بنتے ہیں۔

یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت' تدبیر اور اس کی ربوبیت کائنات پر غالب ہے۔جو زمین سے نکلتا ہے اللہ اسے بھی جانتا ہے''وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ'' اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے خواہ وہ بارش ہو، اللہ کا رزق ہو یا اللہ کی نعمتیں ہوں اللہ اسے بھی جانتا ہے۔''وَمَا یَعْرُجُ''اور جو آسمانوں تک جاتا ہے، رجوع کرتا ہے، عروج کرتا ہے، اللہ اسے بھی جانتا ہے۔ان میں اعمال صالحہ بھی ہیں۔جب انسان کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسے اللہ کی بارگاہ تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس کا عمل خدا کے حضور میں پیش کیا



جاتا ہے۔اس عروج سے بھی اللہ واقف ہے کہ بندہ عمل کر رہا ہے، اس کا بھی علم اسے ہے اور جو بندہ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہو رہا ہے، اس کا بھی علم اسے ہے۔کوئی بھی چیز اس کی نگاہ قدرت سے پوشیدہ نہیں ہو سکتی''وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ○''بلاشبہہ وہ بے پناہ رحم کرنے والا اور بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

حضرات! اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کرنے والے، اللہ کے فیضانِ بے پایاں سے فائدہ حاصل کرنے والے، اللہ کی ربوبیت کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والے اللہ کی نافرمانی بھی کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود کہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ ایک طویل مدت تک انہیں ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کر لیں، تاکہ وہ بخشش طلب کر لیں، تاکہ وہ رجوع الی اللہ کے ذریعہ سے اپنی زندگی میں انقلاب برپا کر لیں۔لیکن دنیائے کفر کا یہ عالم ہے کہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کے باوجود، اللہ کی ربوبیت سے فیض یاب ہونے کے باوجود اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اللہ ایک طویل زمانہ تک مہلت دیتا ہے اس کو قانونِ اِمہال کہتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں سے باز آجائیں اور خدا کی بارگاہ میں توبہ کر لیں۔لیکن اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر بھی اگر انسان توبہ نہیں کرتا، تو پھر دنیا میں بھی اس کا مؤاخذہ ہوگا یا پھر قیامت میں یقیناً اس کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔

بہت سے لوگ اس مہلت سے غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں کہ ہم اتنے گناہ کرتے ہیں، اتنی غلطیاں کرتے ہیں، اتنی حرام خوری کرتے ہیں، اتنا ظلم کرتے ہیں پھر بھی ہم پر عذاب نازل نہیں ہوتا، ہماری گرفت نہیں ہوتی ہے۔وہ اس غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ آخرت موجود نہیں ہے یہ ساری باتیں بس یوں ہی بنا دی گئی ہیں۔اگر ایسا ہوتا تو ہم پر عذاب آجاتا حالانکہ ہم غلطیاں کرتے ہیں، گناہ کرتے ہیں، بدکرداریوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔افراد کا معاملہ بھی یہی ہے

اور قوموں کا معاملہ بھی یہی ہے۔اس لیے وہ اللہ کی پکڑ سے بے نیاز ہو کر کے قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں،''بعث بعد الموت'' کا بھی انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ان کا تذکرہ فرما رہا ہے:

''وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَۃُ''(سورۃ سبا،ایۃ :3)

جو لوگ کافر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ قیامت ہم پر کبھی نہیں آئے گی۔

قیامت کا وجود نہیں ہے''قُلۡ بَلٰی وَرَبِّیۡ'' اب یہاں خدائے ذو الجلال والاکرام اپنے پر جلال اسلوب سے جواب دے رہا ہے اپنے نبی کی زبان سے کہ اے نبی کہہ دیجیے''بلی'' بلا شبہ، یقینا، کیوں نہیں''وَرَبِّیۡ'' مجھے میرے پروردگار کی قسم ہے''لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ'' قیامت یقیناً اور بلا شبہ تم پر نافذ کی جائے گی، تمہارے پاس آئے گی''لَتَاۡتِیَنَّکُمۡ'' تاکید کا صیغہ ہے، بَلٰی وَرَبِّیۡ''وَرَبِّیۡ'' یہ قسم کا صیغہ ہے۔اے محبوب اپنے پروردگار کی قسم کھا کر بالتاکید فرما دیجیے کہ قیامت آئے گی اور بلا شبہ آئے گی اور دنیا کی کوئی طاقت قیامت کو روک نہیں سکتی ہے۔

اللہ عالم الغیب ہے، غیب کا جاننے والا ہے۔جو انسانوں کے حواس خمسہ سے پوشیدہ ہے، جو اس کے ادراک سے پوشیدہ ہے، جو ماوراے ادراک حقیقتیں ہیں، ان سب سے اللہ واقف ہے۔وہ جانتا ہے قیامت آئے گی اور وہی قیامت کو نازل کرنے والا ہے۔جب قیامت آئے گی تو یہ مت سوچو کہ تمہارے اعمال کا تم سے حساب نہ لیا جائے گا، کیا یہ''علیم وخبیر'' پروردگارِ عالم تمہارے اعمال سے واقف نہیں؟ اللہ فرماتا ہے:

لَا یَعۡزُبُ عَنۡہُ مِثۡقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِکَ وَ لَاۤ اَکۡبَرُ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ۙ○ (سورۃ سبا،الآیۃ:3)

اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک صاف بتانے والی کتاب میں ہے۔



یعنی: پوشیدہ نہیں ہے اس کی ذات سے ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو، یا زمین میں ہو۔زمین کی تہوں میں ہو یا آسمانوں کی بلندیوں میں ہو۔اگر کوئی بھی شئ ایک ذرے کے برابر بھی ہے، رائی کے دانے کے برابر بھی ہے، یا رائی کے ذرے کے برابر بھی ہے، تو وہ نگاہِ قدرت سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اس لئے یہ نہ سمجھو کہ تم جو اعمال کر رہے ہو، تمہارا پروردگار اس سے بے خبر ہے۔بلکہ تمہیں ڈھیل دی گئی ہے، تمہیں مہلت دی گئی ہے۔تاکہ تم توبہ کرلو، زندگی کے کسی دور میں تم واپس آجاؤ، تو اللہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ قیامت برپا نہیں ہوگی اور یہ سب اساطیر الاولین ہیں تو یقیناً وہ تمہارے اوپر آئے گی اور اس عالم الغیب رب کی طرف سے آئے گی جس کی نگاہ قدرت سے ذرہ بھی پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ذرے سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ۔''وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰلِکَ وَلَاۤ اَکۡبَرَ'' ذرے سے کوئی چھوٹی چیز نہ بڑی چیز۔

یہ چھوٹی یا بڑی چیز کیا ہے؟ کیوں فرمایا گیا؟ اس لئے کہ کبھی لوگ صرف ذرے ہی کو دیکھتے تھے۔لیکن ذرہ اب تقسیم در تقسیم کے عمل سے ایٹم بن چکا تھا،''جُزۡءٍ لَا یَتَجَزّٰی ''،مکمل منقسم ہو چکا ہے۔تو ظاہر ہے یہ ذرے سے کروڑوں گنا چھوٹا ہے۔ایٹم ایک ایسا ذرہ ہے جسے سوئی کی نوک پر لاکھوں کی تعداد میں رکھا جا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ نظر نہیں آسکتا ہے۔ ذرے سے بھی زیادہ اگر کوئی چیز اصغر ہے چاہے وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نا ہو، اللہ کی نگاہِ قدرت اسے دیکھ رہی ہے۔اور اگر بڑی ہے تو اسے بھی دیکھ رہی ہے''اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ''اور صرف یہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے، وہ علیم وخبیر بھی ہے، بلکہ یہ ساری معلومات بحکم الٰہی لوحِ محفوظ میں لکھ دی گئی ہیں اور محفوظ ہیں ۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہِ قدرت

میں ہر ذرۂ کائنات کیوں موجود ہے وہ؟ کیوں دیکھ رہا ہے؟ ہر عمل خواہ وہ ذرے سے کمتر ہو یا زیادہ، اس کی نگاہ میں کیوں ہے؟ اس نے کیوں لوحِ محفوظ میں لکھا ہے؟

''لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' (سورۃ سبا الآیۃ:4)

تا کہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے ہیں اور جو عمل صالح کر رہے ہیں۔

اگر اس کی نگاہ میں ہر عمل نا ہو، تو اہل ایمان کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور انہیں پورا بدلہ نہیں ملے گا۔ لیکن چونکہ وہ ہر عمل کو دیکھ رہا ہے، وہ عمل جو زمین میں ہے اور جو آسمانوں میں چل رہے ہیں۔ اس لئے یقینی طور پر وہ ہر عمل کا پورا بدلہ دے گا۔ کن لوگوں کو؟ ''اَلَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیا ہے۔ قرآن عظیم میں درجنوں مقامات پر یہ فرمایا گیا ہے کہ ''اَلَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا۔

ایمان کو ہمیشہ مقدم رکھا گیا ہے۔ اسلوب قرآنی میں کیوں ایسا کیا گیا ہے؟ اس لئے کہ ایمان عمل پر مقدم ہے۔ اگر ایمان نہیں ہے تو عمل کی حیثیت ''هَبَاءً مَّنْثُوْرًا'' جیسی ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جب ایمان ہوگا تو بارگاہِ الٰہی میں ہر عمل قبول ہوگا۔ اس لئے ایمان کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اللہ پہ ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، اللہ کے فرشتوں پر ایمان، قیامت کے دن پر ایمان، موت کے بعد اٹھنے پر ایمان اور تقدیر خیر و شر پر ایمان، یہ ایمان کے بنیادی عناصر ہیں۔ اور جو ان پر یقین کامل کے ساتھ ایمان لاتا ہے اور پھر وہ نیک عمل کرتا ہے، تو اللہ کی بارگاہ میں یقیناً مقبول ہوگا۔

لیکن کافر اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جو نیکیوں میں شمار ہوتا ہے، تو ممکن ہے دنیا میں اس کو کوئی فائدہ پہنچے، اس کی شہرت ہو جائے، اسے کوئی مقام میسر آجائے، اسے کوئی ایوارڈ



مل جائے، مگر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ وہ آخرت کا منکر رہا ہے۔ تو اللہ فرماتا ہے: یہ لوگ جو نیک عمل کرنے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ (سورۃ سبا الآیۃ:4)

ان کو اللہ کی طرف سے مغفرت بھی ملے گی اور بہت ہی مبارک رزق ملے گا۔

یہ مبارک رزق دنیا میں بھی ملے گا۔ رزق بہت سے لوگوں کو ملتا ہے، روزی بہت سے لوگوں کو ملتی ہے۔ لیکن کچھ لوگ دولت کماتے ہیں، ان کے پاس دولت کی بھرمار ہوتی ہے، مگر رزق کریم نہیں ہے۔ رزق کریم وہ ہے جو رزق بھی ہو، اللہ کی طرف سے بخشش بھی ہو اور پھر اس میں کرامت بھی ہو، اللہ کی بارگاہ میں جو مقبولیت کا مقام عطا فرمانے والا رزق ہے، اسے رزق کریم کہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں یہ طبقہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ○ (سورۃ سبا الآیۃ:5)

اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں ہرانے کی کوشش کی ان کے لیے سخت عذابِ دردناک میں سے عذاب ہے۔

یعنی وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو شکست دینے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ان کے لیے ناممکن ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر کے ہماری آیتوں کو شکست دے لیں گے، ہرا دیں گے، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ ''اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ'' یہی وہ لوگ ہیں جن کو بدترین قسم کا دردناک عذاب دیا جائے گا۔

''وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ'' اور جنہیں علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں (علم حقیقت دیا گیا ہے، حقیقت کا ادراک بخشا گیا ہے) ''الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ'' جو

آپ کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے" هُوَ الْحَقُّ "وہ حق ہے۔اور جو نازل کی گئی ہے وہ" وَيَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ "اور وہ کتاب رہنمائی کرتی ہے ہدایت دیتی ہے،خوبیوں والے اللہ کے مقدس اور عزت والے راستے کی طرف۔سیدھے راستے کی طرف جسے اللہ ہی دکھاتا ہے۔ (سورۃ سبا،الآیۃ:6)

" وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا "اور جو کافر ہیں انہوں نے یہ کہا" هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ "کہا ہم تمہیں خبر دیں ایک ایسے انسان کے بارے میں (معاذ اللہ!) جو تمہیں خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ کر دیے جاؤ گے،بکھیر دیے جاؤ گے تو تم کو ایک نئی زندگی سے آشنا کیا جائے گا" اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ "تمہیں از سرِ نو پیدا کیا جائے گا۔ (سورۃ سبا،الآیۃ:7)

اور وہ اپنی بدبختی سے کہتے ہیں" اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا "کہ یہ دعوے دار (معاذ اللہ!) جو نبی ہیں اللہ پہ جھوٹ باندھتے ہیں" اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ "یا پھر انہیں جنون ہے،معاذ اللہ! دیوانہ پن ہے۔اللہ فرماتا ہے:بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی میں ہیں۔ (سورۃ سبا،الآیۃ:8)

میرے حبیب نہ مفتری ہیں اور نہ دیوانہ ہیں بلکہ جو ایسا کہنے والے ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لئے عذاب ہے،وہ کھلی ہوئی بدترین گمراہی میں مبتلا ہیں جس سے پلٹ آنے کے امکانات نہیں ہیں۔جو پیغمبر اعظم کی کتاب اور ان کی دعوت کی صداقتِ ازلی پر یقین نہیں رکھتے وہ بدترین گمراہی سے دو چار ہیں اور وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے،اس کے لئے عذاب مقدر کر دیا گیا ہے۔



اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (سورۃ سبا،الآیۃ:9)

تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں،بے شک اس میں نشانی ہے ہر رجوع لانے والے بندے کے لیے۔

" اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ "کیا انہیں نظر نہیں آتا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے،یعنی اللہ کی قدرت نے انہیں ہر طرف سے دھنسا دیا ہے،زمین میں گھیر لیا گیا ہے اور آسمان میں گھیر رکھا گیا ہے "مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ "وہ نہ زمین کی حدود سے باہر جا سکتے ہیں اور نہ آسمان کے دائرے سے نکل سکتے ہیں،کتنے مجبور ہیں! "اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ "اگر ہم چاہیں تو انہیں زمینوں میں گھیر لیں یا" اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ "یا ہم ان کے اوپر آسمان کے چند ٹکڑے گرا دیں" اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ " بلاشبہہ اللہ کی قدرت کے اختیارات اور زمین و آسمان میں گھرے ہونے کی وجہ سے ہر اس بندے کے لیے کھلی ہوئی نشانی ہے جو عبد منیب ہے،اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

حضرات گرامی!ان چند آیتوں کا ترجمہ میں نے پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ان شاء اللہ! درسِ قرآن کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔آپ لوگ انتہائی اخلاص کے ساتھ،اس امید کے ساتھ کہ اللہ اس درس قرآن کے ذریعہ سے ہمارے ذہنوں کو کھول دے اور ہمارے دلوں کو منور کر دے گا،سماعت فرماتے رہیں،دعا کرتے رہیں:"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا تِلَاوَةَ

الْقُرْاٰنِ اٰنَآءَ اللَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ ''اے اللہ! ہمیں قرآنِ پاک کی تلاوت شام اور صبح عطا فرما۔''اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا بِنُوْرِ الْقُرْاٰنِ ''ہمارے قلوب کو قرآن پاک کے نور سے منور کر دے۔''وَ نَوِّرْ قُبُوْرَنَا بِنُوْرِ الْقُرْاٰنِ ''اور ہماری قبروں کو نور قرآن سے منور کر دے ۔''وَ نَوِّرْ صِرَاطَنَا بِنُوْرِ الْقُرْاٰنِ ''اور ہمارے راستوں کو خواہ دنیا میں چلنے والا راستہ ہو، یا پل صراط کا راستہ ہو، اس کو بھی قرآن پاک کے نور سے منور کر دے۔''وَاجْعَلْهُ لَنَا شَفِيْعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ '' اور اے اللہ قرآن کو ہمارے لئے شفاعت کرنے والا بنا دے۔

اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



## خطاب نمبر (۳۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمِ (سورۃ فاطر، اٰیۃ:1)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سامعین کرام! آیئے ہم اور آپ حضور سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ کرم میں درودِ پاک کا نذرانہ پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِكَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِيْنَ

حضرات گرامی، قابل احترام بزرگو، دوستو، مقدس ماؤ اور بہنو! آج سورہ فاطر کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگارِ عالم ہمیں اور آپ کو اللہ کی مقدس کتاب کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرات! سورۂ فاطر بھی دوسری سورتوں کی طرح سے مکہ مکرمہ میں ہی نازل ہوئی اور اس میں پینتالیس آیتیں ہیں۔ان بیشتر آیاتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کے ذریعہ،ان لوگوں کو خطاب فرمایا ہے،ان کی اصلاح کرنی چاہی ہے، جو لوگ کفر اور شرک کا ارتکاب کرنے والے تھے اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوب رہے تھے۔یہ وہ لوگ تھے کہ جن کی مثال اس انسان کی سی تھی کہ جس کو ایک زمانہ تک تاریکیوں میں رکھا گیا ہو اور اچانک اسے سورج کی تیز روشنی میں لایا جائے،تو اس کی آنکھیں اس کی تاب نہ لاسکیں اور وہ سورج کی روشنی کی مخالفت پر مجبور ہو جائے۔

یہی حال کفار مکہ کا تھا،کم وبیش پانچ ہزار سال تک جنابِ ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے لے کر جناب سرور کائنات ﷺ کی تشریف آوری تک حجاز مقدس میں کوئی نبی جلوہ گر نہیں ہوا،نہ کوئی ریفارمر (Reformer) آیا،نہ کوئی مصلح آیا،جو ان لوگوں کو،ان کے باشندوں کو کفر وشرک،فسق وفجور اور گناہوں کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آتا۔لیکن حضور سید عالم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی اچانک جلوہ گری اور ان کے بعد توحید کا پیغام اس آفتاب کی طرح ثابت ہوئے جو اندھیرے کی عادی آنکھوں کے سامنے اچانک طلوع ہو جائے اور وہ برداشت نہ کرسکیں۔کافروں نے آقائے دو جہاں سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے نور نبوت کو بجھانا چاہا،لیکن نور نبوت کی روشنی پھیلی،تو بے شمار لوگ اسلام کی روشنی میں داخل ہو گئے۔

آقا کی زندگی ایک ایسے سراج ہدایت کی سی تھی کہ جس کو کافروں نے پھونک مار کر بجھانا چاہا،اس کے ارد گرد بہت سے چراغ رکھے ہوئے تھے جن میں روشنی تو نہیں تھی،مگر روشنی قبول کرنے کی صلاحیت تھی۔کافروں نے خوب پھونک مارا کہ مصطفیٰ (ﷺ) کا چراغ بجھ جائے،لیکن جب لو جھپکی تو ارد گرد کے چراغ روشن ہوتے چلے گئے۔کوئی صدیق اکبر بن



کے چمکا،کوئی فاروق اعظم بن کے،کوئی عثمان غنی بن کے،کوئی علی المرتضیٰ بن کے چمکا۔یہ وہ چراغ تھے جن کے اندر روشن ہونے کی صلاحیت تھی۔دوسرے لفظوں میں ان کے قلب میں ایمان کا بیج موجود تھا۔بس اسے باضابطہ طور پر بارانِ رحمت کی ضرورت تھی۔اور جب رحمت عالم کے پیغام کی بارش برسی،تو یہ سینکڑوں افراد دامنِ رسالت سے وابستہ ہو گئے۔لیکن تاریکیوں میں پلنے والے کفار نے مخالفت میں بہت زیادہ تیزی کر دی۔

چنانچہ سورہ فاطر میں تین طرح کے لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ایک طبقہ وہ ہے جس کے اندر قبول کرنے کی صلاحیت تھی،تو انہیں نرمی سے،مواعظ حسنہ سے اور دل جوئی سے مخاطب کیا گیا ہے۔ایک طبقہ وہ تھا جس کے اندر قبول کرنے کی صلاحیت بالکل نہیں تھی،تو انہیں جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا اور انہیں ان کے انجامِ بد سے آگاہ کیا گیا۔اور تیسرا طبقہ درمیانی طبقہ تھا جو قبول کر بھی سکتا تھا اور نہیں بھی۔اس طبقہ کو زجر وتوبیخ کے ذریعہ اس بات پہ آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ حقائق کو قبول کریں اور صداقتوں کا انکار نہ کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس سورت میں عقیدۂ توحید کو ثابت کرنے کے لئے ان تمام ذرائع کو اختیار کیا گیا ہے،جن کی بنیاد پر انسان کے قلب کے اندر عقیدۂ توحید راسخ ہو سکے۔یہ بتایا گیا ہے کہ تمہیں روزی کون دیتا ہے،کائنات کا خالق کون ہے،تمہارا پروردگار کون ہے، زمین وآسمان کا مالک کون ہے،کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے،وہ کون ہے جس کی قدرت کے باہر تم نہیں جاسکتے،جس کی قدرت نے تمہیں گھیر رکھا ہے،اس لئے اسی کی بارگاہ میں سر جھکاؤ،شرک اور کفر کے عقیدے سے باز آجاؤ۔

آقائے دو جہاں سرور کائنات سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے رحمتِ تمام بنا کر بھیجا تھا،اس لئے اس سورت طیبہ میں ان کی رحمت کا تذکرہ بھی کیا گیا اور ہدایت کے راستہ

میں ان کی فکرمندی کا بھی تذکرہ ہوا، اور پیغمبر کا وہ سوز دروں، جو ہر گمراہ کو راہ راست پہ لانا چاہتا تھا اس کے حوالے سے بھی احکامات عطا فرمائے گئے۔ ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کی گئی جو صراط مستقیم کو چھوڑ کر کج روی اختیار کرنے والے تھے یا کر رہے تھے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے تمام نیک بندوں کو اس بات کا حکم دیا، اس بات کی تنبیہ کی کہ خبردار! تم اپنے ازلی دشمن شیطان سے بچنے کی کوشش کرو۔ شیطان تمہارا بھلا نہیں چاہتا۔ وہ تمہیں دنیا کی فریب کاریوں اور دنیا کی لذتوں میں مبتلا کر کے آخرت اور انجام سے بیزار کر کے تمہیں جہنم کے گڑھے میں لے جانا چاہتا ہے۔ اس لئے اس جہنم کے نمائندے سے بچنے کی کوشش کرو اور جنت میں جانے کی کوشش کرو۔ یہ سب باتیں ہیں جو اس سورت طیبہ میں مختلف انداز سے اقوام عالم کے سامنے نازل فرمائی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مختصر اور تھوڑے سے وقت میں پوری سورت کا احاطہ تو کیا سرسری تبصرہ بھی نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے میں مختلف مقامات سے چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ آغازِ سورت میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

(سورۃ الفاطر، الآیۃ:1)

سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، فرشتوں کو رسول کرنے والا، جن کے دو دو تین تین چار چار پر ہیں۔ بڑھاتا ہے آفرینش (پیدائش) میں جو چاہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تمام تعریفیں، تمام محامد ومحاسن اللہ ہی کے لئے ہیں جو زمین وآسمان کو عدم سے وجود



میں لانے والا ہے، پیدا کرنے والا ہے۔ لفظِ ”فاطر“ اس طور پہ استعمال کیا جاتا ہے کہ کسی ایسی چیز کو پیدا کرنا یا بنانا جس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہ ہو، غیر موجود کو موجود کرنا، پردۂ عدم سے وجود کی روشنی میں لانے والے رب کو ”فاطر“ کہا گیا ہے۔ تو اللہ ”فاطر السماوات والارض“ ہے۔ آسمان اور زمین پہلے سے موجود نہ تھے، نہ ان کی کوئی مثال موجود تھی جس کی نقالی کی جاتی۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے درمیان تمام چیزوں کو معدوم سے موجود فرمایا، پردۂ عدم سے عالم امکان میں جس ذات نے انہیں جلوہ گر فرمایا، وہ پروردگارِ عالم ہے، وہ اللہ رب العزت ہے، وہ فاطر السماوات والارض ہے۔

اس نے اپنے پیغام کو اپنے انبیا تک پہنچانے کے لئے ایک ایسی مخلوق کی تخلیق کی، جس کے اندر خطا کا کوئی امکان باقی نہ رہے، جو انتہائی طاقتور ہو، جس کی قوتِ پرواز ایسی ہو کہ عرش سے پیغام لے کر مکہ اور مدینہ کی سرزمین پر اپنے پرِ پرواز سے اڑ کر نبی کی بارگاہ میں حاضر ہوسکے۔ اور کہیں بھی خطا کا امکان نہ ہو۔

اگر نبی کی بارگاہ میں پیغام کو پہنچانے کے لئے کسی انسان کو منتخب کیا جاتا، تو خطا کا امکان تھا۔ تو لانے والا فرشتہ ہے، جو معصوم ہے۔ بھیجنے والا پروردگار ہے، جو سبحان وقدوس ہے اور جس ذات پر قرآن نازل ہو رہا ہے وہ ذات بھی معصوم عن الخطا ہے تاکہ قرآن پاک کا قانونِ زندگی اور دستورِ حیات اور نظامِ عقیدہ وعمل جب دنیا تک پہنچے، تو اس میں خطا کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ حقیقی طور پہ لاریب فیہ کا مقدس مظہر ہو۔ اس لئے اللہ ان رسولوں کا تذکرہ فرما رہا ہے جو فرشتوں کی شکل میں اللہ کی بارگاہ سے پیغام لانے والے ہیں۔ اللہ نے فرشتوں کو بنایا جو بازوؤں اور پروں والے ہیں۔ دو پر، تین اور چار۔ اور اللہ چاہے تو اپنی مخلوق میں یا اپنی تخلیق میں جتنا چاہے اضافہ فرمادے۔

چنانچہ آقائے دو جہاں سرور کائنات ﷺ نے ایک مقام پر فرمایا کہ میں نے جبرئیل کو اس حالت میں دیکھا وہ بہت سے پروں کے حامل تھے۔ حدیث پاک میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ حضرات گرامی! غالباً سرکار نے فرمایا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔ آقا کی نگاہ ہے، جبرئیل کو اصلی شکل میں انہوں نے دیکھا اور ان کے وجودِ ناز پر، ان کے بازوؤں اور پروں کے تعداد کو بھی آپ نے شمار فرمالیا۔ یہ روایت جناب عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے امت مسلمہ تک پہنچی ہے۔ اللہ فرماتا ہے وہ چاہے تو ان پروں میں اضافہ بھی فرمادے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (سورۃ الفاطر، الآیۃ:2)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے اس کا کوئی روکنے والا نہیں۔

جب اللہ اپنی رحمت کے دروازے کسی پر کھولنے کا فیصلہ کرلے یا کھول دے، تو اسے کوئی نہ بند کرسکے گا۔ اور اگر کسی پر اپنی رحمت کے دروازے بند کرنا چاہے تو اللہ کے بعد اسے کوئی کھولنے والا بھی نہیں ہے۔ بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے، وہ جانتا ہے کہ کون رحمت کا مستحق ہے اور کون رحمت کا مستحق نہیں ہے۔ جو مستحق رحمت ہیں اس پہ اپنی رحمت کے دروازے وہ کھول دے گا اور اسے کوئی بند نہ کرسکے گا۔ اور جو مستحق رحمت نہیں ہیں، اس کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے اپنی رحمت سے محروم رکھا جائے تو کوئی اسے کھول بھی نہیں سکتا ہے۔

اللہ کی قدرت کاملہ کا ذکر کرنے کے بعد اپنی ذات کے حوالے سے، اپنی تخلیق کے حوالے سے، اپنی عظمتوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (سورۃ الفاطر، الآیۃ:3)

اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو۔



تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہو۔ تمہارا پورا وجود، وجود کا ہر ہر لمحہ، تمہاری ہر ہر سانس، تمہارے اعضا اور جوارح، تمہارے قلب کی دھڑکنیں، تمہاری نگاہوں کی بصارت، تمہارے کانوں کی سماعت، تمہارے افکار و خیالات، تمہارے احساسات، تمہارا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا یہ سب اللہ کی تخلیق کے واضح ثبوت ہیں۔ تم اگر اپنے وجود کے اندر غور کرو کہ تم اللہ کی یاد ہر گوشۂ حیات سے کرنا چاہو گے۔ بار بار آیات آفاق و انفس کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں انسان کو اپنی ذات کے اندر غور کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ ؎

اپنی ہستی کا اگر حسن نمایاں ہوجائے
آدمی کثرت انوار سے حیراں ہوجائے

خود انسان کے اندر ایک عالم ہے جس کا مطالعہ کرنے کے لئے صدیاں چاہیے۔ کچھ رازہائے سربستہ ہیں جن کا انکشاف نہ سائنس کرسکتی ہے نہ خلق انسانی کرسکتی ہے۔ وہ جذبات و محسوسات، محبت کے جذبات، نفرت کے جذبات یہ اعضاء اور جوارح کا کام تو نہیں ہے۔ وہ احساس و خیالات جو پردۂ ذہن پر ابھرتے ہیں اور تحقیق اور ریسرچ (Research) کے لیے جو بنیادیں فراہم کرتے ہیں یہ کس کی تخلیق کا کمال ہے؟ اللہ فرماتا ہے:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (سورۃ الفاطر، الآیۃ:3)

کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔

''هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ'' کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے؟ ''يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ'' جو تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے روزی دیتا

ہے۔آسمان سے روزی نازل فرماتا ہے، یا آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے۔اور زمین کے سینہ پر تمہارے لیے رزقِ الٰہی کے پودے اگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔تمہارے رزق میں آسمان بھی شامل ہے اور زمین بھی شامل ہے، یہ کائنات ارض وسما تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم کو صرف اللہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔''لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ اللہ کے علاوہ کوئی مالک ومعبود نہیں جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہو اور روزی دینے والا ہو، پھر تم اللہ کی ذات سے منہ پھیر کر کہاں جارہے ہو؟

بار بار آقائے دو جہاں ﷺ اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں دلائل سے، نصیحتوں سے، انذار سے، آخرت کا خوف دلا کر، اللہ کی تخلیق پر غور کی دعوت دے کر، مگر جب قوم ایمان نہیں لاتی، اپنے ضد پر قائم ہے۔بلکہ طرح طرح کے الزام پیغمبر کی حیات طیبہ پر عائد کرتی ہے۔یہ مجنون ہیں، یہ دیوانے ہیں، معاذ اللہ! یہ تو شاعر ہیں، یہ جو کچھ کہتے ہیں یہ اساطیر الاولین ہیں، یہ حقائق پر مبنی نہیں ہیں، معاذ اللہ! اللہ کی ذات پر افترا ہے۔جب اس طرح کی باتیں کی جاتی ہیں اور لوگ ایمان نہیں لاتے تو کافروں کی تکذیب سے، ان کے جھٹلانے سے سرکار غمزدہ ہو جایا کرتے ہیں، تو اللہ انہیں تسکین دے رہا ہے:

'' وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ''

اے پیغمبر! کیا یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو یہ لوگ آپ سے پہلے بھی جو رسول گزرے ہیں ان کو بھی ایسے ہی جھٹلاتے رہے ہیں۔

یہ ان کا طریقہ کار رہا ہے، یہ ان کی ضد ہے، لیکن انہیں معلوم نہیں

''اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ○'' (سورۃ الفاطر، الآیۃ:4)

کہ سارے معاملات بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔



یہ مختصر سا ترجمہ ہے جو میں نے ابتدائی آیات کا کیا ہے۔اب آئیے! چند مضامین اور بھی آپ کے سامنے پیش کرنے کا شرف حاصل کروں۔عقیدۂ حشر کو اللہ تعالی نے انتہائی خوبصورت انداز سے انسانی ذہنوں میں اتارا ہے۔عالم غیب کی کیفیات کو عالم مشاہدہ میں مشاہدہ کرانے کے لئے اس طرح کی درجنوں مثالیں قرآن عظیم میں ملیں گی۔اللہ ارشاد فرماتا ہے: وہی اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ اٹھاتی ہیں بادلوں کو پھر ہم ان بادلوں کو مردہ شہروں اور ان کی زمینوں تک لے جاتے ہیں اور اس سے ہم زمین کو جب کہ وہ مر چکی ہوتی ہے دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں بالکل اسی طرح تمہیں بھی دوبارہ اٹھنا ہوگا۔

حضرات! موسم خزاں میں یا شدید گرمیوں میں آپ نے زمینوں کو دیکھا ہوگا۔زمین گرد وغبار سے بھر جاتی ہے۔سبزہ جل جاتا ہے، گھاس تک کا وجود نہیں ہوتا ہے، زمین چٹک جاتی ہے، جگہ جگہ سے پھٹ جاتی ہے گرمی کی شدت کی بنیاد پر، بارش نہ ہونے کی بنیاد پر اور موسم کی سختی اور صلابت کی بنیاد پر۔بظاہر تو زمین دیکھیں گے اور درختوں کو دیکھیں گے کہ ان کی پتیاں جھڑ چکی ہیں، شاخیں سوکھ چکی ہیں، تو کوئی یقین نہیں کرتا کہ یہ درخت دوبارہ بارآور ہوں گے، یہ پھل پھول جائیں گے۔یہ زمین پھر سبزوں سے لہلہا اٹھے گی۔

اس وقت یہ یقین نہیں ہوتا لیکن جیسے ہی اللہ کی رحمت کی بارش ہوئی تو زمین پہ سبزے اگتے ہیں، پھل وپھول نمودار ہوتے ہیں، گلستانوں میں کلیاں مسکراتی ہیں اور گلستانوں کا سینہ پھولوں سے بھر جاتا ہے، کھیتوں میں باضابطہ طور پر غلہ پیدا ہوتا ہے، ان کی بالیاں ہواؤں میں لہراتی ہیں۔اور درختوں پر نہ صرف یہ کہ پھول اور پتے آجاتے ہیں بلکہ اس کے بعد پھل بھی نمودار ہوتے ہیں۔یہ سب چند دنوں کے اندر ہوتا ہے۔اجڑی ہوئی زمین، سوکھی ہوئی زمین، چٹخی ہوئی زمین جب بارش سے زندگی کی نمود حاصل کرتی ہے تو ہر ذرہ عظمت

خداوندی کی گواہی دیتا ہے۔ ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لاشریک می گوید
برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہرورقے دفتریست معرفت کردگار

اللہ فرماتا ہے جس طرح اللہ اپنی بھیجی ہوئی بارش سے زمین کو زندگی دیتا ہے اور پودوں کو توانائی دیتا ہے اور درختوں کو حیات تازہ سے نوازتا ہے، گلستانوں کو پھولوں سے بھر دیتا ہے۔ اور پھر پرندوں کے چہچہے انسان کے لئے نغمہ بن جاتے ہیں اسی طرح سے مرنے کے بعد بھی تمہیں اللہ دوبارہ زندہ کرے گا۔ تمہارا وجود بکھر جائے کوئی پرواہ نہیں، مٹی بن جائے کوئی پرواہ نہیں وہ قادر مطلق ہے۔ جب اس نے تمہیں غیر موجود سے موجود کیا ہے تو تمہارے وجود کو دوبارہ بھی حیات بخشے گا۔

حضرات گرامی! پروردگار عالم نے قرآن عظیم میں اس طرح بہت سی مثالوں کے ذریعہ انسانی ذہن کو سمجھایا ہے۔ ظاہر ہے عالم غیب کا مشاہدہ تو عام انسانوں کو نہیں کرایا جاسکتا سوائے نبی کے، لیکن عام انسانوں کو عالم مشاہدہ کے ذریعہ ہی حقائق کا ادراک کرایا جائے گا۔

حضرات! اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ مؤمن اور کافر دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اے محبوب! بلاشبہ آپ کا ڈرانا انہیں لوگوں کے لئے مفید ہے جو اپنے رب کو بنا دیکھے ہی مانتے ہیں اور ڈرتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں اور اللہ کے راستہ میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ انہیں اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ نابینا اور بینا کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ کچھ لوگ وہ ہیں جن کے دل کی آنکھیں بینا ہیں، وہ اپنے اللہ کے جلوؤں اور قدرت کو دیکھ سکتی ہیں۔ اور کچھ اپنے



دل کے اعتبار سے اندھے ہیں۔

قرآن پاک میں عدم سماعت، عدم بصارت، عدم حیات اور موت وغیرہ کی اپنی اصطلاحات ہیں۔ انسان چلتا پھرتا ہے قرآن اسے مردہ کہتا ہے، انسان کا دل دھڑکتا ہے، قرآن نے اس دل کو مردہ کہا ہے۔ انسان سن رہا ہے، لیکن قرآن اس کی سماعت کو بہرا کہہ رہا ہے۔ انسان دیکھ رہا ہے، مگر اسے اندھا کہہ رہا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ کان حقیقت نہیں سنتے، آنکھیں سچائی نہیں دیکھتی، دل حقیقت کو (ایمان کو) قبول نہیں کرتا ہے۔ اور جسم جس کے اندر دل ہے وہ ایمان کی زندگی سے حیات نہیں پاتا، اس لئے جسم مردہ ہے، دل مردہ ہے، آنکھیں نابینا ہیں۔ اور حقائق کو نہ دیکھنے کی بنیاد پر انسان قوتِ سماعت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ قرآنی اصطلاحات ہیں۔ ان کو سمجھے بغیر قرآن پاک کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ تو جہاں جہاں قرآن پاک نے ان کافروں کو باوجود کہ وہ چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، دیکھتے ہیں، بہرا، اندھا یا مردہ کہا ہے اس سے یہ مراد بالکل نہیں ہے کہ وہ حقیقی مردے مراد ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے بعد بہت سے عقیدے کے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم سنانے والے نہیں ہو۔ یہ لوگ جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی قبر والوں ہی کی طرح سے ہیں تم انہیں نہیں سنا سکتے ہو۔ تم تو صرف ڈر سنانے والے ہو۔ ہم نے تم کو حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کے بھیجا ہے۔ اے محبوب کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔ اگر لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے بھی لوگ گزرے ہیں انہوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا، جبکہ ان کے پیغمبر معجزات، صحیفے اور، روشن کتابیں لے کر کے آئے تھے۔ پھر بھی ان کافروں نے جب انکار کیا، تو اللہ کے عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لے

لیا۔ یہ بھی اگر ایمان نہیں لائیں گے تو عذابِ الٰہی کی گرفت میں آئیں گے اور بچ نہیں پائیں گے۔

حضرات! پیغمبر اعظم کی ابتدائی دعوت کی زندگی دیکھیے، (مکی زندگی کو) اور مدنی زندگی کے محاربات کو دیکھیے۔ اور پھر یہ دیکھیے کہ جو لوگ صنادید قریش تھے، قریش کے لیڈر تھے، جو باضابطہ دیگر لوگوں کو بغاوت پہ آمادہ کر رہے تھے، جو یقینا اندھے اور بہرے تھے۔ انہیں یا تو بدر میں یا تو دوسرے مقام پہ مار دیا گیا، یہ عذاب تھا۔ بقیہ سب لوگ ایمان لائے۔ تو یہ تھا کہ ایمان لانے والے بچ جائیں گے، اور جو ایمان نہیں لانے والے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ ان سے مراد ابوجہل ہے، ابولہب ہے، عتبہ وشیبہ ہیں، ولید ہے۔ ان کی زندگیاں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

قریش تاجر پیشہ لوگ تھے۔ اور تجارت کی غرض سے یہ لمبے لمبے سفر کرتے تھے کبھی یمن کبھی شام پیدل اونٹوں پر۔ مال پہنچاتے تھے، وہاں سے مال لاتے تھے اور مکہ کی منڈیوں میں بیچتے تھے۔ اس لئے یہ عام لوگوں کی طرح اپنے گھر میں ہمیشہ موجود نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ باہر بھی سفر کرتے رہتے تھے۔ اس لئے بار بار ان کو اس بات پہ آمادہ کیا گیا کہ جب یہ ان وادیوں سے گزرتے ہیں جو عذاب الٰہی میں مبتلا کی گئیں، انہیں ختم کر دیا گیا، تو ذرا ان آبادیوں میں گزرتے ہوئے دیکھیں کہ یہ بھی کبھی آباد تھے، یہ بھی بڑے طاقتور تھے، ان کے بھی بڑے مکانات تھے، یہ بھی عظیم الشان محلات کے مالک تھے۔ یہ قوم ثمود، یہ قوم صالح، یہ قوم لوط، یہ قوم عاد، یہ فراعین مصر۔ ان کی زندگیاں ان کے نگاہوں کے سامنے ہوں کہ جنہوں نے انکار کیا تھا ان کا حشر کیا ہوا۔ اس لئے اگر تم انکار کرو گے تو تم ان سے زیادہ طاقتور تو نہیں ہو۔ تمہیں بھی اس عذاب سے دو چار کیا جائے گا۔



اللہ ارشاد فرماتا ہے: کفار قریش کو چاہیے کہ وہ ارض پر سفر کر کے ان قوموں کے زوال کی تاریخ کا مطالعہ کریں جو طاقت اور قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔ مگر ان کے انحراف نے انہیں تباہی سے دو چار کیا۔ چنانچہ اللہ ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے زمین کا سفر نہیں کیا، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے طاقت و قوت میں زیادہ سخت تھے۔ لیکن اللہ رب العزت کے قبضہ قدرت سے زمین و آسمان کی کوئی شے باہر نہیں ہے بلاشبہہ وہ علم اور قدرت والا ہے اور بلاشبہہ وہ لوگوں کے ان بداعمالیوں پہ مواخذہ فرمائے گا۔ زمین پہ چلنے والی کوئی بھی مخلوق اس کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ اللہ ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دیتا ہے۔

اسے قرآن کی زبان میں قانونِ امہال کہتے ہیں۔ ''فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝'' (سورۃ الطارق، الآیۃ: 17) قانون امہال کے پیشِ نظر ہر قوم کو ایک موقع دیا جاتا ہے کہ وہ توبہ کرے، گناہوں سے باز آجائے، نیک ہو جائے، ایمان لے آئے۔ لیکن جب وہ قوم اپنے ظلم اور اپنے گناہوں سے باز نہیں آتی ہے اور میعاد پوری ہو جاتی ہے تو اللہ کے عذاب سے وہ قوم دو چار کر دی جاتی ہے۔

حضرات گرامی! اس سورت طیبہ کا یہ مختصر سا مفہوم تھا، سورۂ فاطر کا، اس کو سورہ ملائکہ بھی کہتے ہیں۔ اور تفصیلات کے لئے میں آپ سے یہ التجا کروں گا کہ براہِ کرم آپ قرآن عظیم کا مطالعہ جاری رکھیں۔ میں تو صرف اس لئے یہ پیغام آپ تک پہنچا رہا ہوں تاکہ آپ کو قرآن پاک سے ایک وابستگی ہو جائے اور اللہ کے کلام کو پڑھنے اور سمجھنے کا شعور آسکے اور اسے آپ اپنی عادت بھی بنالیں۔ مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ

## خطاب نمبر (۳۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ○ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

معزز حضرات، عزیزانِ گرامی، قابل احترام سامعین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آیئے! ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کریں!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِکَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

حضرات گرامی! آج میں سورۂ ''یٰسین شریف'' کی متعدد آیت مبارکہ اور ان سے متعلق واقعات کا ذکر کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ آیئے! ہم اللہ سے دعا کریں گے پروردگار عالم ''یٰسین'' اور ''صاحب یٰسین'' کے صدقے میں ہمارے دلوں کو قرآن کے نور سے معمور کردے اور ذہنوں کو قرآن فہمی کے لیے کشادہ فرمادے۔ آمین

سورۂ ''یٰسین'' قرآن عظیم کی وہ مشہور سورت ہے جس سے شاید ہی کوئی مسلمان



ناواقف ہو۔ کثرت سے تلاوت کی جانے والی یہ سورتِ طیبہ اور اس کے بیشتر مضامین اور آیات مبارکہ دین دار مسلمانوں کے ذہنوں اور قلوب میں محفوظ ہیں۔ یہ مکی سورت ہے، اس میں تراسی آیات ہیں اور پانچ رکوع ہیں۔ احادیث مبارکہ میں اس سورت کے بہت سے فوائد کا ذکر ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سورت کو قرآن پاک کا دل کہا گیا ہے۔ یہ سورت ہر مشکل کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔ اور جب بھی کسی مشکل کے حوالے سے یہ پڑھی جائے، تو اللہ اس سورت کی برکتوں سے مشکلات کو آسان فرمادیتا ہے۔

صبح وشام سورت کی تلاوت سے انسان بلاؤں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ اور اگر جس شام یا صبح کو اس کی تلاوت کی جائے اور پھر وہ سفرِ آخرت کرے، تو اللہ اس سورت کی برکت سے اس کی مغفرت بھی فرمادیتا ہے۔ یہ سورت سفرِ آخرت میں بھی آسانی پیدا کرتی ہے۔ اور انسان جب جاں کنی کے حالات میں مبتلا ہو اور یہ سورت پڑھی جائے، تو اللہ اس کی مشکلیں آسان فرمادیتا ہے۔ اور سفرِ روح کے لئے راہیں کشادہ فرمادیتا ہے۔

آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا (سبحان اللہ!) کہ میری خواہش ہے کہ میرے ہر امتی کے سینہ میں سورۂ ''یٰسین'' موجود ہو۔ آپ اندازہ فرمائیں! اگر آپ اپنے باپ سے محبت کرتے ہیں اور وہ ایک بات کہہ دے کہ میری خواہش ہے کہ تم یہ کرو۔ تو آپ اگر وفادار بیٹے ہیں، تو آپ ضرور کریں گے۔ سرورِ کائنات جن کے قدمانِ ناز پر ہمارے لاکھوں ماں باپ قربان ہوں! صحابہ کرام کا تکیہ کلام تھا ''فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! '' اے اللہ کے رسول! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہیں۔ جب وہ فرمادیں کہ میری خواہش ہے کہ ہر مومن کے دل میں سورۂ ''یٰسین'' ہو تو ہر مومن کو یاد کرلینا چاہیے۔ کیونکہ یہ قرآن کا قلب ہے۔ اور جب آپ کے قلب میں سورۂ ''یٰسین'' محفوظ ہوگی، تو قرآن پاک کے انوار و برکات بھی آپ کے

سینہ میں جلوہ گر ہوں گے۔ حضرات! اس سورت کا آغاز ان کلمات مبارکہ سے ہوتا ہے۔

یٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○

لفظ ''یٰسین'' کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ''یٰسین'' اللہ کے اسماے مبارکہ میں سے ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ''یٰسین'' حضور کا لقب ہے۔ جیسے بہت سے القابات ہیں، ویسے یس بھی ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ''یٰسین'' کے معنیٰ ''یا سید'' کے ہیں۔ سرور کائنات سید الکائنات ہیں، اس لئے اللہ نے انہیں ''یٰسین'' سے مخاطب فرمایا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''یٰسین'' قرآن کا دل ہے اور سرور کائنات، کائنات کا دل ہیں۔ اس لیے یہ حضور ہی کا لقب ہے جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔

اس سورت میں بہت سے مضامین ہیں، جن کا مکمل تذکرہ کرنا ناممکن ہے۔ لیکن کچھ مضامین ایسے ہیں جن کا تعلق ہماری اور آپ کی زندگی سے ہے اور نصیحتوں سے ہے۔ اس لیے میں ان مضامین کا تذکرہ آپ سے کروں گا۔ اس سورت میں سب سے پہلے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآن کا اسلوبِ بیان یہ ہے کہ موقع اور محل تو مخصوص ہوتا ہے، شانِ نزول بھی مخصوص ہوتی ہے، لیکن اس کا حکم عام ہوتا ہے۔ اس کے فوائد سارے کائنات کے لئے ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی انہی واقعات میں سے ہے۔

ابو جہل اور اس کے دو ساتھیوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اگر ہم نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کو حرم کعبہ میں سجدہ کرتا ہوا دیکھا تو ہم انہیں شہید کر دیں گے، قتل کر دیں گے۔ اس نیت سے یہ تین افراد حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور عجیب اتفاق ہے کہ سرکار دو عالم حالت سجدہ میں تھے۔ ابو جہل غصہ سے بھرا ہوا ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر آقاے دو جہاں پہ حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا لیکن جب اس نے پتھر اوپر اٹھایا تو پتھر اور ہاتھ دونوں اس



کے گلے سے چپٹ گئے۔ اب نہ وہ اپنی گردن مزید اوپر کر سکتا تھا اور نہ نیچے کر سکتا تھا۔

عجیب سی کیفیت تھی، عجیب بے کسی کی کیفیت تھی۔ گویا کہ طوق تھا ایک، سنگین طوق، آہنی نہیں، پتھر کا طوق جو اس کے گلے اور تھوڑی کے درمیان میں کس دیا گیا تھا۔ اور اس کے لئے اس کا ہاتھ ہی زنجیر بن گیا تھا۔ تو اس نے اندازہ کر لیا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔ مجھے واپس جانا چاہیے۔ جب واپس گیا تو واپس ہوتے وقت پتھر بھی گر گیا اور ہاتھ بھی آزاد ہو گیا۔ ناکام ہو کر جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اس نے اس احساس سے کہ میرا مذاق اڑایا جائے گا یا پیغمبر کی صداقت پہ یقین ہو جائے گا، ان سے کچھ نہیں کہا، کہا بس یونہی واپس آ گیا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے اس کو بزدلی کا طعنہ دیا اور ان میں سے ایک دوسرا ساتھی آگے بڑھا، پتھر اٹھا کر آگے بڑھا تو ایسا لگا کہ جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔ سامنے دیوار ہو، پیچھے دیوار ہو، اوپر چھت ہو، تو اسے سرکار ﷺ نظر نہیں آئے۔ وہ بھی مایوس ہو گیا، واپس آ گیا، لیکن اس نے بتایا کہ مجھے وہ نظر نہیں آئے۔ حالانکہ میں نے حرم کعبہ میں انہیں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ جا رہا تھا تو بھی پڑھ رہے تھے۔ لیکن مجھے کہیں نظر نہیں آئے، ایک اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ تیسرے نے اس پر بھی بزدلی کا طعنہ دیا اور پھر وہ بھی ایک پتھر لے کر آگے بڑھا لیکن وہ بھی گھبرا کر چیختا ہوا بھاگ آیا۔ اور اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے اور پیغمبر کے درمیان ایک سانڈ ہے، ایک بھینسا ہے، جو مجھ پہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اگر میں چند قدم بھی آگے بڑھتا، وہ مجھ پہ حملہ آور ہو جاتا، چنانچہ میں ناکام واپس آ گیا۔ اور یہ لوگ ناکام واپس آئے۔

(حاشیۃ محیی الدین شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی سورۃ یٰس الآیۃ: 9)

اسی مفہوم کی ایک حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

ابو جہل نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو نماز پڑھنے سے منع کیا اور لوگوں سے کہا تھا کہ اگر میں اُنہیں ایسا کرتا دیکھوں گا تو میں ان کی گردن پاؤں سے کچل ڈالوں گا اور چہرہ خاک میں ملا دوں گا۔ ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو جہل اسی فاسد ارادے سے آیا اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے قریب پہنچ کر الٹے پاؤں ہاتھ آگے بڑھائے ہوئے پیچھے بھاگا۔ لوگوں نے اس سے کہا: تجھے کیا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگا: میرے اور محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ایک خندق ہے جس میں آگ بھری ہوئی ہے اور دہشت ناک پرندے بازو پھیلائے ہوئے ہیں۔ سرکارِ دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا عضو عضو جدا کر ڈالتے۔

(صحیح مسلم کتاب صِفَةِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ،

بَابُ قَوْلِهِ: {إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَى أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَى} [العلق: 7] رقم الحدیث 2797)

اتنے کھلے ہوئے معجزات کو دیکھنے کے بعد بھی یہ سرور کائنات کی صداقت پر یقین نہیں لائے۔ بس بات دراصل یہ ہے کہ حقائق اور معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی جب تک توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو اس وقت تک کوئی ایمان نہیں لا سکتا، ایمان صرف توفیق الٰہی کا کام ہے۔

اب میں قرآن پاک کی ان آیتوں کا تذکرہ کروں گا جس میں یہ واقعہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''یٰسٓ'' اے سید، اے سرور کائنات! قسم ہے حکمت والے قرآن کی بے شک میرے محبوب تم سیدھی راہ پر بھیجے جانے والے رسولوں میں سے ہو۔ قرآن عظیم، عزت والے مہربان رب کا نازل کیا ہوا ہے، تاکہ تم ایک ایسی قوم کو ڈراؤ جن کے آباؤ واجداد کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں گیا تھا۔ (سورۃ یٰس الآیۃ: 3/2/1)

بات دراصل یہ ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے بعد قوم قریش صدیوں تک توحید



پر قائم رہی۔ اس کے بعد بت پرستی شروع ہوئی اور کم وبیش پانچ ہزار سال تک قریش میں یا حجاز میں کوئی نبی جلوہ گر نہیں ہوا۔ اتنی طویل کفر اور شرک کی تاریک رات کے بعد حضور سرور کائنات ﷺ جلوہ گر ہوئے۔ جب تاریکی زیادہ ہوتی ہے، تو آفتاب کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محبوب تم انہیں ڈراؤ جن کے آباؤ اجداد کے پاس مدتوں سے کوئی نہیں آیا تھا۔ بے شک ان میں اکثر پر حق ثابت ہو چکا ہے، لیکن پھر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ کے علم ازلی میں یہ بات ہے کہ ڈرائے جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

اب اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ آیت کا ترجمہ بعد میں پیش کروں گا۔ واقعہ سماعت فرمالیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ یہ تینوں باری باری سے حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ اس میں ابو جہل تھا، ولید ابن مغیرہ تھا اور تینوں ناکام ہو گئے۔ تو قرآن عظیم نے اس کا تذکرہ کچھ اس طور سے فرمایا کہ یہ واقعہ کی حقیقت کو بھی ظاہر کرے اور اہل کفر کے طرزِ زندگی کی بھی طرف اشارہ ہو جائے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے جو ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں۔ اور ہم نے ان کے سامنے اور پیچھے دیوار قائم کر دی اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا کہ وہ دیکھ نہیں سکتے ہیں۔

ان میں تینوں واقعات پر باضابطہ اشارہ موجود ہے۔ آیت نمبر آٹھ اور نو میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

حضرات گرامی! جہاں ان آیات میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے، وہیں انتہائی بلیغ انداز کے ساتھ کافروں کے عدم قبولِ حق کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اور ان کی گردنیں غرورِ کفر سے اکڑی ہوئی ہیں۔ اور وہ ایک ایسے مقام پہ کھڑے ہیں، جہاں وہ حق کا مشاہدہ

نہیں کر سکتے۔ان کے آگے اور پیچھے دیوار ہے اور ان دیواروں کے پیچھے ظلمت کی چھت چھائی ہوئی ہے۔اس کے بعد ایک ایسی آبادی کا تذکرہ ہوا جسے ''قریہ'' اور ''اصحاب قریہ'' کے نام سے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں محفوظ کر لیا ہے۔ایک ایسی بستی کہ جس کے اندر بسنے والوں کا ذکر ہے۔بہت سے مفسرین نے اس بستی کے بارے میں فرمایا کہ وہ شہر ''انطاکیہ'' ہے جو آج بھی موجود ہے۔یہ شہر رومیوں کے مقبوضات میں سب سے عظیم متمدن، ترقی یافتہ اور مالا مال تصور کیا جاتا تھا۔جب دولت ہوتی ہے، سرمایہ ہوتا ہے، اقتدار ہوتا ہے، خوشحالی ہوتی ہے اور عقلِ آوارہ اپنے طور پر فیصلہ کرنا چاہتی ہے تو وہ گمراہ ہو جاتی ہے۔چنانچہ انطاکیہ کے لوگ بھی گمراہ ہو گئے اور بت پرستی کرنے لگے۔

ان لوگوں کے پاس توحید کی دعوت دینے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین افراد کو بھیجا۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر تھے۔اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ نہیں یہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے تھے۔ان کا نام ''صادق، صدوق اور شلوم'' تھا۔بلکہ یہ نام نہیں تھا۔میں آگے تذکرہ کروں گا کہ یہ ان کے لقب تھے۔قرآن عظیم نے چونکہ ان کے لیے لفظِ ''رسول'' استعمال کیا ہے۔اس لیے مفسرین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ یہ رسول ہی تھے جو دعوت دینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ہاں، رسول کو لفظی معنی میں استعمال کرنے والے ''فرستادہ یا پیغام رساں'' ماننے والے ان کو حواریِ عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔رسول اس طرح ہی معنی میں یقیناً پیغمبران اسلام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جو قرآن پاک میں اکثر مقام پہ استعمال ہوا ہے۔

کافروں نے جب ان کے پیغام دعوت الی التوحید کو سنا، خدا کی وحدانیت اور اس کی یکتائی کا پیغام سنا۔پھر تو انہوں نے مذاق اڑایا کہا تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو۔تمہیں اس



بات کا کیا حق ہے کہ تم ہمیں ہدایت دو۔ہم جو کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔قرآن کہتا ہے کہ یہ بات انہوں نے ہر دور کے انبیا سے کہی ہے۔اس کا تذکرہ مستقبل میں آئے گا۔اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ چوں کہ یہ الزام ''تم ہمارے جیسے بشر ہو'' یہ کفار کا قول ہر دور میں رہا ہے۔اور یہ عام طور پہ انبیا کے مقابلے میں رہا ہے اور وہ ان تینوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔اس لئے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات نبی ہی تھے۔بعض مفسرین نے ''صادق، صدوق اور شلوم'' کے بارے میں یہ رائے دی ہے کہ دراصل یہ جناب یوحنا، یونس اور شمعون تھے۔اور ''صادق، صدوق اور شلوم'' ان کا لقب تھا۔واللہ اعلم بالصواب۔

پہلے جب یوحنا اور یونس شہر کے قریب پہنچے، تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے۔ان لوگوں نے اسے توحید کا پیغام دیا تو بکریاں چرانے والے نے جن کا نام حبیب نجار تھا، وہ بڑھئی کا کام بھی کرتے تھے اور لکڑیوں کا بت بناتے، لکڑیوں کے معبود تراشتے تھے۔

کیا دیوانگی ہے کہ اپنے ہاتھوں سے پتھر تراشو، لکڑی کے بت بناؤ اور پھر انہیں خدا مان کے سجدہ کر دو۔یہ ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔آج کے دور میں بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔بہر کیف! جب حبیب نجار کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے معجزہ طلب کیا۔عجیب بات ہے۔اس دور کے کافر کو بھی یہ معلوم تھا کہ جو اللہ کا نبی ہوگا اسے اعجاز کی قوت اور غیب کا علم عطا کیا گیا ہوگا۔ ہر دور میں نبی کی صداقت کے لئے بطور ثبوت باضابطہ طور پر انبیائے کرام سے پوچھا گیا۔

چنانچہ حبیب نجار نے بھی کہا کہ کوئی معجزہ دکھائیے۔تو جن لوگوں نے نبی مانا ہے ان لوگوں نے لفظ ''معجزہ'' سے تعبیر کیا ہے۔اور جنہوں نے حواری مانا ہے انہوں نے کرامت سے تعبیر کیا ہے۔تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم کوڑھیوں کو شفا دیتے ہیں اور نابیناؤں کو بینائی دیتے ہیں۔اللہ نے یہ صلاحیت ہم کو دی ہے۔حبیب نجار نے اپنے بیمار بیٹے کو ان کے سامنے پیش کیا

جسے مکمل شفا حاصل ہوگئی۔حبیب نجار ایمان لائے۔

حضرات! یہاں سے یہ بات بھی بتانا چاہوں گا کہ جملہ اولیاے کرام کی مقدس زندگی دیکھیے، انبیاے کرام کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے۔انبیا کو تو معجزات دیے گئے تھے، مگر اولیاے کرام کو اللہ نے کرامتوں سے نوازا تھا۔اور دعاؤں کا یہ سلسلہ جو بزرگوں میں رائج رہا ہے اس کی وجہ یہی روایات ہیں جو قرآن کے اندر موجود ہیں۔شفا دینا، شفا کے لیے درخواست کرنا اپنے رب سے، پھر شفایابی، اس سے لاکھوں افراد ایمان کی دولت سے مالامال ہوتے رہے ہیں۔

ماضی قریب میں حضرت مبلغ عالم علامہ عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ مدفون مدینہ کی زندگی آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے، بیشتر لوگوں نے پڑھا ہوگا۔اعلیٰ حضرت کے خلیفہ تھے، عالمی مبلغ تھے۔ان کی دعاؤں میں یہ تاثیر تھی کہ افریقہ ہو، فجی کے جزائر ہوں، موریشیس کی سرزمین ہو، جہاں بھی گئے، ہزاروں افراد اُن کی دعاؤں سے فیضیاب ہوئے اور مسلک اور دین واسلام پہ قائم ہوئے۔یہی حال مفتی اعظم ہند کی دعاؤں کا بھی تھا۔اللہ کے قرب سے نوازے جانے والے افراد جو شفا بخشی کی صلاحیت رکھتے ہیں یہ اصل میں تبلیغ دین کا بہت بڑا ذریعہ ہوتے ہیں، جو انبیاے کرام کو اور حواریین کو بھی عطا کیا گیا تھا۔چنانچہ جب حبیب نجار نے اپنے بیٹے کو پیش کیا اور اس کا بیٹا شفایاب بھی ہوگیا تو وہ ایمان لائے۔اور جب شہر بانو کو حبیب نجار کے معذور بیٹے کی شفایابی کے بارے میں معلوم ہوا، تو ان دونوں بزرگوں کے پاس عقیدت مندوں کا ایک ہجوم ٹوٹ پڑا۔اور ان کی تبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوگئے۔

انطاکیہ کے بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ ان دونوں افراد کے پاس لوگوں کا ہجوم ہو رہا ہے تو اسے اپنے اقتدار کی چولیں ہلتی ہوئی نظر آئیں اور اس نے ان دونوں کو قید کرلیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت شمعون کو بھیجا تاکہ وہ یونس اور یوحنا کو



آزاد کرائیں، ان کی مدد کریں۔انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے بادشاہ کا قرب حاصل کرلیا اور ان دونوں کو آزاد کرالیا۔بادشاہ اور درباری ایمان لائے، مگر شہر کی اکثریت باغی ہوگئی اور ان سب کی مخالفت بہت زیادہ بڑھی۔حبیب نجار بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ساتھ تبلیغ و دعوت کے کاموں میں مصروف تھے۔مشرکین نے انہیں پکڑ لیا اور شدید ایذائیں دے کر کے شہید کر دیا۔حبیب نجار شہید ہوتے ہی بحکم الٰہی جنت میں پہنچا دیے گئے۔اور جب انہوں نے جنت کی نعمتوں کو دیکھا، تو گویا ہوئے کاش! میری قوم دیکھ سکتی کہ میرے اللہ نے مجھ پہ کتنا کرم فرمایا ہے اور کتنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

اس کے بعد تیئیسویں پارے کا آغاز اس آیت شریفہ سے ہوتا ہے۔

''وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○''

اور میں کیوں نہ اس ذات کی بندگی کروں جس نے مجھے عدم سے وجود بخشا اور پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔(فَطَرَنِي کا ترجمہ) دین فطرت عطا فرمایا بھی ہوسکتا ہے۔

اگر رحمٰن میرے نقصان کا ارادہ فرمائے تو ان معبودان باطل کے اندر طاقت نہیں ہے کہ وہ میرے کام آسکیں اور میری سفارش کرسکیں۔نہ وہ مجھے بچاسکیں گے۔اس طرح سے تو میں کھلی گمراہی میں مبتلا ہوجاؤں گا۔اے لوگو! میں تمہارے رب پر ایمان لایا تو میری سنو یعنی تم بھی ایمان لاؤ۔

حضرات گرامی! جب حضرت حبیب نجار کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل انطاکیہ پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔جناب جبرئیل علیہ السلام کی ایک چیخ سے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔چنانچہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

''اور ہم نے ان کی قوم پر ان کے بعد کوئی لشکر نہیں اتارا اور نا ہی ہم اتارنے والے

تھے۔ وہ تو بس ایک چیخ تھی کہ جس کی وجہ سے وہ بجھ کے رہ گئے"۔(سورۃ یٰس، الآیۃ:28/29)

حضرات گرامی! انطاکیہ میں حضرت حبیب نجار کی قبر آج بھی زیارت گاہ اہل ایمان ہے۔ اور حضرت حبیب نجار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک لقب صاحب "یٰسین" بھی تھا۔

حضرات! عہد رسالت کے بعد اور آپ کی زندگی میں دو حبیب گزرے ہیں، موقع کی مناسبت سے میں ان کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھوں گا۔ حضرت عروہ ابن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جو انتہائی عظیم دانشور تھے۔ بارگاہ رسول میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنی قوم میں تبلیغ کے لیے جاؤں۔ آقا نے ارشاد فرمایا: کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کر دے۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میری قوم کے لوگ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ حضور مجھے اجازت دیں۔ آپ نے ان کے شوق تبلیغ کو دیکھ کر اجازت دے دی۔ لیکن جب انہوں نے اپنی قوم کے معبودانِ باطل "لات اور عزیٰ" کے خلاف بات کی تو ان کی قوم کے لوگوں نے ان کو شہید کر دیا۔ اور آقائے دو جہاں نے ان کی شہادت کی خبر سنی کہ عروہ صاحب "یٰسین" کی طرح جنت کے مستحق ہو گئے ہیں۔ صاحب "یٰسین" جنہوں نے یہ کہا تھا کاش! میری قوم کے لوگ میری مغفرت اور میری عزت کو جان لیتے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ)

دوسرا واقعہ، حضرت کعب احبار کے سامنے جب حبیب بن زید بن عاصم کا ذکر ہوا جن کو مسیلمہ کذاب جھوٹے مدعی نبوت نے بے دردی سے شہید کیا تھا وہ ان سے کہتا تھا "مجھے نبی کہو"، تو اس کے جواب میں کہتے کہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ" محمد اللہ کے رسول ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ تو اس نے ان کے جسمِ ناز پر ظلم کرنا شروع کیا اور ایک ایک عضو کو کاٹتا رہا اور ہر عضو کاٹنے کے بعد کہتا کہ "مجھے نبی کہو" اور ہر بار وہ کہتے "مُحَمَّدٌ



رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ" محمد اللہ کے رسول ہیں، ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پیر اور جملہ اعضا کاٹ دیے گئے۔ اور پھر انہیں شہید کر دیا گیا۔ حضرات! حضرت حبیب نجار کی طرح ان کا بھی نام حبیب تھا۔ تو ان کے بارے میں حضرت کعب احبار نے فرمایا کہ یہ بھی صاحب "یٰسین" حبیب نجار کی طرح تھے۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ)

اللہ تبارک تعالیٰ نے گردشِ شمس و قمر کے بارے میں فرمایا کہ "چاند اور سورج کی گردش یہ بھی آیات الٰہیہ میں سے بڑی عظیم نشانیاں ہیں۔

ان کے لئے نشانی رات کی ہے جس کو ہم ان سے جدا کرتے ہیں، یہاں تک کہ لوگ اندھیروں میں رہ جاتے ہیں اور پھر سورج اپنے مدار میں گردش کرتا رہتا ہے۔ اور یہ حکم ہے زبردست علم والے پروردگار کی جانب سے اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر فرما دی ہیں یہاں تک کہ وہ آخری تاریخوں میں کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے اور سورج کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ چاند کو پکڑے اور نہ یہ رات دن پر سبقت لے جانے والی ہے۔ یہ سب اپنے اپنے مدار میں تیرتے رہتے ہیں"۔(سورۃ یٰس، الآیۃ:37 الی 40)

حضرات! ذرا سوچیے، ایک ایسے دور میں جب سیارگان فلک کے بارے میں دنیا ناواقف تھی۔ یونانی یہ کہتا تھا کہ فرشتے رات کو آسمان سے شمعیں لٹکاتے ہیں جنہیں ستاروں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لوگوں کے اور بھی بہت سے عقیدے تھے۔ کچھ لوگ کہتے تھے، یہ چاند یہ سورج اور ستارے آسمان میں ٹکے ہوئے اور جڑے ہوئے ہیں۔ ایسے موقع پر قرآن پاک کا یہ کہنا کہ چاند اور سورج اپنی محوری گردش میں تیرتے رہتے ہیں۔ کیا یہ قرآن پاک کی صداقت کی کھلی ہوئی دلیل نہیں ہے؟

آج اس محوری گردش کو ساری کائنات مان رہی ہے۔ اور یہ بھی مان رہی ہے کہ جس کے لیے جو فاصلہ قدرت نے مقرر کر دیا ہے اس فاصلہ سے ایک انچ بھی کوئی بھی سیارہ ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ اگر فاصلے سمٹ جائیں، تو کائنات تباہ ہوجائے گی، سیارے ٹکرا جائیں گے، زمین فنا ہو جائے گی۔ قرآن عظیم نے بھی قیامت کی نشانیوں میں سے کئی مقامات پر فرمایا'' يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ''جس روز ہم آسمان کو طومار مارے کاغذ کی طرح لپیٹ دیں گے۔ سیارے سمٹ جائیں گے اور قیامت آجائے گی۔

حضرات! نظام قدرت کا یہ عظیم اور حسین انداز دیکھیے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے سورج جس تاریخ میں نکلا تھا، آج بھی اسی وقت نکلتا ہے۔ اور جب ڈوبے گا تو اسی وقت ڈوبے گا۔ یہ ہزاروں سال کی رفتارِ زمانہ چاند اور سورج کی محوری گردش میں کوئی فرق پیدا نہ کرسکی ہے کیا یہ اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی تدبیر کی واضح اور روشن دلیل نہیں ہے؟ اس طرح کی کائناتی مثالوں سے، آیاتِ آفاق سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو ثابت کیا ہے۔

حضرات! کافر بہت کنجوس ہوتا ہے۔ آپ اندازہ کریں، آج بھی کرونا کے زمانے میں کفار کی زمینوں میں بھوک اڑ رہی ہے۔ وہ لوگ بڑے دولت مند ہیں، چاہے تو ایک کافر اپنی دولت سے لاکھوں افراد کو کھلا سکتا ہے لیکن سینکڑوں افراد مر رہے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ مگر ذرا آپ مسلم محلوں کا جائزہ لیجیے، آپ کو کوئی بھوک سے مرتا ہوا نظر نہیں آئے گا گو کہ شہروں میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہی کیوں نہ ہو وہاں بھی کوئی مسلمان آپ کو بھوک سے مرتا ہوا نظر نہ آئے گا۔ خزانوں کے منہ کھول دیے گئے ہیں۔

حضرات! یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ قرآن پاک نے مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کے راستے میں خرچ کرنے) کی دعوت دی ہے، جس پہ وہ عمل کر رہے ہیں۔ حضرات!



یہاں کافروں کے بارے میں قرآن پاک ایک عجیب سی بات ارشاد فرما رہا ہے کہ جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے تم غریبوں پر، بے کسوں پر خرچ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو انہیں دے دیتا۔ جب اللہ ہی نہیں دیا تو ہم کیوں دیں؟ اب آپ اندازہ کیجیے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، یعنی غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرو تو یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم انہیں کھلائیں گے جنہیں اللہ چاہتا تو خود ہی کھلا دیتا۔ (سورۃ یٰسین، الآیۃ:47)

گویا اس طرح وہ اپنے بخل اور عدم اِنصاف پر دلیل قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جب کسی کو رزق فراواں عطا فرماتا ہے، تو اس کا امتحان بھی لیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں پر خرچ کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں۔ قیامت اور حشر کے بارے میں اللہ ارشاد فرماتا ہے: جب صور پھونکا جائے گا تو وہ اپنی قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ اور کہیں گے، ہائے ہماری خرابی! کس نے ہماری قبروں سے ہمیں اٹھایا؟ فرمایا جائے گا یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن نے کیا تھا۔ اور رسولانِ کرام نے اس کے بارے میں حق فرمایا تھا۔ اور یہ قیامت محض ایک چنگھاڑ ہوگی اور پھر وہ سب ہمارے حضور حاضر ہوجائیں گے۔ تو آج کسی جان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اور تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ اصحابِ جنت اپنی خوبصورت اور دلچسپ مصروفیات میں مسرت اور شادمانی کے ساتھ ہوں گے۔ اور وہ اور ان کی بیویاں مسندوں پہ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ وہاں میوہ جات ہوں گے۔ اور ہر وہ چیز جس کی وہ خواہش کریں گے ان کو پیش کی جائے گی، اور ان پہ اللہ کا سلام ہوگا، مہربان رب کا سلام۔

(سورۃ یٰسین، الآیۃ:51، الی 57)

کفار اور اہلِ جہنم کے بارے میں قیامت کے حوالے سے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

اے مجرمو! تم الگ ہو جاؤ۔ اے ابنائے آدم! کیا تم سے میں نے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کروگے؟ بلاشبہہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ صرف میری عبادت کروگے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو؟ تو یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا تو اپنے کفر کی وجہ سے آج اسی میں جاؤ۔ (سورۃ یٰسین، الآیۃ:59 الی 64)

حضرات گرامی! یہ سورۂ ''یٰسین'' کا بہت مختصر سا تعارف ہے۔ اگر سورۂ ''یٰسین'' کے مضامین پر آپ عمل کریں گے تو بلا شبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں سے فیضیاب ہوں گے۔

ایک اور مقام پر حشر کی دلیل عطا فرماتے ہوئے مشیت نے فرمایا:

کیا وہ خدا جس نے زمین وآسمان کی تخلیق کی، اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور تخلیق فرمادے؟ بلاشبہہ وہ قادر ہے، وہ عظیم خالق ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ اس کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو فرماتا ہے ''کُنْ'' ہو جا۔ ''فَیَکُوْنَ'' تو وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاکی ہے اس ذات کے لئے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور جس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ (سورۃ یٰسین، الآیۃ:80 الی 83)

حضرات! یہ صرف ترجمہ اور مختصر سی تشریح میں نے پیش کی ہے۔ اس لئے بھی کہ قرآن عظیم کی یہ سورت بیشتر مسلمانوں کے دلوں میں بھی محفوظ ہے اور معمولات میں بھی شامل ہے۔ خدا کرے کہ میری اس وضاحت سے ان کا شوقِ تلاوت قرآن عظیم فزوں ہو اور بڑھے اور اللہ میرے قلب کو بھی اور میرے ذہن وفکر کو بھی اور میری قبر کو بھی اور میرے حشر کو بھی قرآن پاک سے منور فرمادے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ!



## خطاب نمبر (۳۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ○ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ○ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ ○

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ ''صٰٓفّٰت'' کی چند آیاتِ کریمہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت بھی بیشتر انھیں مضامین پر مشتمل ہے، جو کفارِ مکہ کے انکارِ آخرت اور بعث بعد الموت کے حوالے سے ہے۔ اور پھر ان اقوام کا تذکرہ جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں اور انھوں نے بھی بعث بعد الموت، آخرت وغیرہ کا انکار کیا تھا اور اس کے نتیجے میں عذابِ الٰہی سے دوچار کیا گیا تھا۔ بنیادی مقصد یہ ہے کہ اگر تم بھی اسی راستے پر چلوگے، جس راستے پر سابقہ انبیاے کرام

کے کفار چلتے رہے ہیں، تو یہ خوف ہے کہ تم کو بھی اسی طرح کے عذاب سے دو چار نہ کیا جائے۔ یہ جو سورتیں ہیں، سورۂ ''صٰٓفّٰت'' اور اس طرح کی کئی سورتیں ہیں۔ جس میں بڑے بلیغ انداز سے حق کی دعوت دی گئی ہے، برائیوں سے روکا گیا ہے اور آخرت پر یقین کی دعوت دی گئی ہے۔

سب سے پہلے اس سورت میں صف بستہ جماعتوں کا تذکرہ ہے۔ ایک ایسا گروہ ،ایک ایسی جماعت جو احکامِ الٰہی کی پابندی کے لیے صف در صف کھڑی ہو۔ یہ جماعت کون ہے؟ اس کی تفصیلات مفسرین کرام نے بیان فرمائی ہیں جن کا تذکرہ ان شاء اللہ! آگے ہوگا۔ اس کے بعد حیات بعد الموت اور اس کے منکرین کا تذکرہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور ذبحِ اسمٰعیل علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد آخری آیات میں اللہ کے رسول علیہ السلام کے غلبہ اور نصرت الٰہی کا تذکرہ ہے۔ اس سورتِ طیبہ کا آغاز اس آیتِ کریمہ سے ہوتا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ○ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ○ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ○

(سورۃ الصّٰٓفّٰت الآیۃ: 3/2/1)

''وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا قسم ہے! ان جماعتوں کی جو صف بستہ ہیں اور ان جماعتوں کی جو جھڑک کر چلائیں اور ان گروہوں کی جو قرآن کو صف بستہ ذکرِ الٰہی کے لیے پڑھیں۔

'' وَ الصّٰٓفّٰتِ '' سے مراد وہ فرشتے ہیں جو صف باندھے ہوئے تمام آسمانوں پر عرشِ عظیم کے گرد مصروفِ عبادت اور تسبیح رب العرش فرماتے رہتے ہیں۔ یا وہ فرشتے ہیں جو صف در صف کارکنانِ قضا و قدر کی حیثیت سے احکامِ الٰہی کو نافذ کرنے والے ہیں۔ بادلوں کو چلاتے ہیں، بارش کا حکم دیتے ہیں اور جب بارش نازل ہوتی ہے تو مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، سبزے لہلہا اٹھتے ہیں، کھیتیاں بارآور ہوتی ہیں۔ یا پھر ''وَ الصّٰٓفّٰتِ'' سے وہ اہلِ ایمان



مراد ہیں جو صف بستہ بارگاہِ خداوندی میں فریضۂ صلوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ یا وہ مجاہدین مراد ہیں جو صف بستہ ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔

حضرات! ''وَ الصّٰٓفّٰتِ'' میں جماعتوں کا واضح تذکرہ نہیں ہوا، اس لیے مفسرین نے مختلف حوالوں سے اس کے مختلف تراجم اور مفاہیم بیان کیے ہیں جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ کبھی کبھی '' اَلْكِنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ التَّصْرِيْحِ '' کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ کسی ایک جماعت کا تذکرہ ہوتا تو وہ ساری جماعتیں شامل نہ ہوتیں، جو احکامِ الٰہی کی جماعت در جماعت، صف در صف پابندی کر رہی ہیں چاہے وہ فرشتوں کی جماعت ہو یا انسانوں کی ہو۔ اس لیے صف بستہ جماعتوں کا نام نہیں لیا گیا ہے، بلکہ اسے اہلِ علم کے ذوق اور مزاج کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ کبھی کبھی نام نہ لینا مضمون کی لامحدودیت اور وسعت کو بتاتا ہے، یا وضاحت ہوتی ہے۔

اگر خاموش رہوں میں تو، تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

''فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ''اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اپنی گرج دار آواز میں بادلوں کو ہانکتے ہیں، عالمِ تکوین میں احکامِ الٰہی کو نافذ کرتے ہیں۔ یہ فرشتے اس لیے مقرر کیے گئے ہیں، تاکہ اللہ کے احکامات کے مطابق دنیا میں اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔ یا پھر وہ مجاہدین ہیں جو اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہیں۔ یا وہ علمائے دین ہیں جو لوگوں کو اپنے پرشکوہ لہجے میں برائیوں سے روکتے ہیں اور نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔

''فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا'' سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو ذکرِ الٰہی کی غرض سے قرآنِ عظیم

کی تلاوت کرتے ہیں۔ان مقدس جماعتوں کی قسم یاد فرمانے کے بعد اللہ فرماتا ہے:

"اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ" بے شک تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔فرشتوں کی صف بستہ عبادت ہو یا عالم کون ومکاں میں احکام الٰہیہ کا نفاذ ہو، فرشتوں کا احکام الٰہی کے مطابق بادلوں کو چلانا ہو یا مجاہدین کا راہِ حق میں جہاد کرنا ہو، یا علما کا منصب دعوت اور تبلیغ کے اعتبار سے اجتماعی طور پر احکام الٰہی کا پہنچانا ہو، یا ذکرِ الٰہی کی غرض سے تلاوتِ قرآنِ عظیم ہو۔ یہ ساری عظمتیں اس حقیقت کا اعتراف ہیں کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے جس کے حکم پر نظامِ کائنات قائم ودائم ہے اور رواں ودواں ہے۔

اس کے بعد اللہ جل مجدہٗ نے آسمانوں اور زمین کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہی الٰہ واحد ہے جو آسمان وزمین کا رب ہے اور تمام مشارق ومغارب کا رب ہے۔ بظاہر مشرق اور مغرب دو ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سورج کبھی ایک جگہ سے طلوع نہیں ہوتا۔موسموں، ایام اور زمانوں کے اعتبار سے مشرق میں اس کے طلوع ہونے کی جگہ کئی ہوتی ہیں اس لیے اس کو مشارق کہا گیا ہے۔اور ایسے ہی غروبِ آفتاب کی جگہیں کئی ہوتی ہیں اس لیے انھیں مغارب کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔اللہ ہی مشارق ومغارب کا رب ہے۔

حضرات! اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے، آسمان اور زمین کے بارے میں، ستاروں کی تزئین کے بارے میں جو آسمان کو تابندہ رکھتے ہیں۔ان شیاطین کے بارے میں جو آسمان پر جانا چاہتے ہیں، مگر ان پر شعلوں کی بارش کی جاتی ہے اور فرشتے انھیں دور رکھتے ہیں تاکہ وہ رازہائے سربستہ کو نہ سن سکیں جو فرشتوں کی درمیان میں ہیں، غیب کی بات نہ یاد کر سکیں۔اسلام سے پہلے یہ آزاد تھے مگر اسلام کے بعد ان کو ہمیشہ کے لیے پابند کر دیا گیا ہے۔ پھر منکرین حشر کا ذکر آیا ہے۔آیت نمبر ۱۵ سے ۲۶ تک کا خلاصہ یہ ہے کہ منکرین حشر دنیا میں



اس کا انکار کرتے رہیں گے، لیکن جب انھیں اٹھایا جائے گا تو انھیں اپنے انکار کا غم ہوگا اور پھر وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا کیے جائیں گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کافر کہیں گے" کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے تو ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور ہمارے آباو اجداد کو بھی؟ اے محبوب! ان سے فرما دیجیے، ہاں، اس وقت تم بہت رسوا کیے جاؤ گے۔قیامت دراصل ایک سخت آواز ہوگی، یعنی صورِ اسرافیل۔پس وہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا مشاہدہ کریں گے اور کہیں گے ہائے! ہماری بربادی۔یہ تو بدلے کا دن ہے، یہ تو وہی دن ہے جس کو ہم جھٹلاتے تھے۔ پھر حکم الٰہی ہوگا کہ ان ظالموں کو، ان کافروں کو، ان کے تمام رفقا کو اور ان معبودانِ باطل کو جن کی یہ عبادت کرتے تھے، انھیں جہنم کی طرف لے جاؤ، لیکن اس سے پہلے صراط پر ٹھہراؤ، ان سے پوچھا جائے گا کہ آج تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے، مگر اس روز وہ سرخمیدہ ہوں گے، سر جھکائے ہوں گے، ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔

حضراتِ گرامی! اس آیت سے معلوم ہوا نہ صرف یہ کہ مشرکین جہنم میں ڈالے جائیں گے، بلکہ جن پتھروں کی یہ پرستش کرتے تھے، ان پتھروں کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا تاکہ وہ پتھر سلگ کر کے اپنے پجاریوں کو جلا سکیں۔ ؎

باغباں نے آگ دی یوں آشیانے کو مرے
جن پر تکیہ تھا وہی پتھر ہوا دینے لگے

یہ کیفیت ہوگی منکرین آخرت کی پھر حشرِ اجساد، نیز قیامت میں جو ان کے ساتھ معاملہ ہوگا، ان سب کے تذکرے کے بعد اللہ جل مجدہٗ اہلِ ایمان اور اپنے مخلص بندوں کی آخرت کے حوالے سے ان انعامات کا ذکر فرما رہا ہے، جن سے ان کو نوازا جائے گا۔ چنانچہ

قرآنِ عظیم میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

مگر اللہ کے مخلص بندوں کے لیے پھلوں کی شکل میں ایک معین رزق ہے انہیں نعمتوں والی جنت میں عزت دی جائے گی ایک دوسرے کے ساتھ مسند نشین ہوں گے ان کے درمیان سفید جام گردش کر رہے ہوں گے، جو پینے والوں کے لیے انتہائی لذیذ ہوں گے نہ اس میں خمار ہوگا نہ اس میں دردسر ہوگی، ان کے سامنے نیچی نگاہ رکھنے والی، بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی، کشادہ چشم گویا ان کی آنکھیں پوشیدہ سفید موتیوں کی طرح ہوں گی۔

اس کے بعد حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور جنابِ اسمٰعیل علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرات گرامی! جناب ابراہیم علیہ السلام اس اعتبار سے ابو الانبیا ہیں کہ تینوں مذہب جنہیں اہل کتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے "یہود، نصاری اور مسلمان"، وہ تینوں کے جد امجد ہیں، اور تینوں کا سلسلہ وہاں جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ جنابِ ابراہیم کے دوسرے صاحب زادے جناب اسحاق کی اولاد سے یہود و نصاری تھے اور پہلے لختِ جگر جنابِ اسمٰعیل کی اولاد سے سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔ اس لیے اسلام کو دین ابراہیمی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور مرکزِ کائنات بنانے کے لیے دعا کی لیکن اس عظیم مقام "خلت" پر پہنچنے سے پہلے "خلیل اللہ" کے لقب سے نوازے جانے سے پہلے، انھیں مختلف امتحانوں سے گزارا گیا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے اللہ کا اقرار کیا اور بتوں کا انکار کیا۔ انھیں آتش کدے میں ڈالا گیا لیکن اللہ نے آتش کدے کو گلزار بنا دیا۔

انسان کو جان سے محبت ہوتی ہے، وطن سے محبت ہوتی ہے، اولاد سے محبت ہوتی ہے، بیوی بچوں سے محبت ہوتی ہے، دولت سے محبت ہوتی ہے، یہ ساری قربانیاں انہوں نے دیں آگ میں ڈالنے کے بعد ایک ایسا مقام آیا کہ جہاں وہ اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ جنگل



میں موجود تھے اور کچھ فرشتے انسانی شکل میں آئے اور وہ اللہ کی تسبیح کر رہے تھے۔

"سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ، سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ، سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ"

یہ تسبیح وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جھوم اٹھے پیغمبرانہ وجد آپ پر طاری ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ میرے رب کی تسبیح ایک مرتبہ اور کرو۔ کس قدر خوبصورت انداز میں تم میرے رب کی تسبیح پڑھ رہے ہو! تو انہوں نے کہا: "ابراہیم ہم پڑھیں گے لیکن آپ کیا دیں گے ہمیں"؟ کہا: "یہ جو بکریاں ہیں سب تمہارے حوالے کرتا ہوں"۔ انہوں نے پھر پڑھ دیا۔ کہا: "ایک بار اور پڑھو"۔ کہا: "اب کیا دیں گے"؟ کہا: "تمہیں ریوڑوں کو چرانے کے لیے بکریوں کو چرواہا چاہیے نا، میں اپنے وجود کو تمہاری غلامی کے حوالے کر رہا ہوں، تم مجھے اپنا غلام بنالو، میرے رب کی ایک بار اور تسبیح کرو"۔ انہوں نے تسبیح پڑھی اور پھر کہا: "اے ابراہیم! ہم تمہارا امتحان لے رہے تھے، ہم اللہ کے فرشتے ہیں" اور پھر منظر سے غائب ہو گئے۔ گویا انہوں نے ساری دولت اور مال بھی ایک تسبیح پر قربان کر دیا۔

اس کے بعد جب "نینوا میں، بابل میں اور عراق" میں اسلام پھیل گیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ تم اپنی بیوی اور اپنے دودھ پیتے بچے کو لے جاؤ اور مکہ مکرمہ میں چھوڑ آؤ۔ آپ ذرا سوچیے، کتنا شدید امتحان تھا! اللہ کی راہ میں جان بھی نذر کی، مال بھی پیش کیا اور اب یہ وطن بھی قربان کرنا ہے، بیوی اور بچوں کو بھی چھوڑنا ہے، آپ لے گئے۔ حضرت اسمٰعیل گود میں دودھ پیتے ہوئے بچے تھے۔ انہیں ایک پتھر پر بٹھایا، یہ پتھر وہاں تھا جہاں آج زمزم کا کنواں ہے اور اس کے بعد وہاں سے واپس ہونے لگے۔ تھوڑی سی کھجوریں اور شاید

ایک چھاگل پانی ان کی ماں حضرت ہاجرہ کو دے دیا تھا۔ جب واپس ہونے لگے تو انہوں نے کہا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ آپ خاموش رہے اور آگے بڑھے۔ تو پھر انہوں نے کہا: آپ ہمیں چھوڑ کے کہاں جارہے ہیں؟ انہوں نے کہا: اللہ کا حکم ہے؟ ہاں، اللہ کا حکم ہے۔ پھر ہم راضی ہیں اور آپ وہاں سے چلے آئے۔

اب آپ سوچیے، کتنی بڑی قربانی تھی نہ وہاں کوئی سبزہ ہے، نہ آبادی ہے، نہ کوئی انسان ہے، جانور تک نہیں ہے، وادی غیر ذی ذرع ہے۔ اور وہاں اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کی مرضی پر اپنے اس بچے کو جو ہزاروں دعاؤں کے بعد حاصل کیا گیا تھا اسے آپ چھوڑ آئے اس لیے کہ نبوت کا کام آگے بڑھ سکے، پیغمبرانہ ذمہ داریاں آگے بڑھائی جاسکیں، دعاؤں کے بعد جلوہ گر ہوئے تھے، انہیں آپ چھوڑ کر جارہے ہیں۔

اس کے بعد جناب اسمٰعیل پیاسے ہوئے، ہونٹوں پر پپڑیاں آگئیں، ماں ممتا کی بنیاد پر تڑپنے لگیں اور انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے۔ بلندی سے نیچے اترتیں، جب بچہ نظر نہ آتا وہ دوڑنا شروع کر دیتیں اور پھر جب اوپر جاتیں پھر بچے کو دیکھتیں اور پھر واپس آتیں، انہوں نے اس طرح سات چکر لگائے۔ اور پانی نہ ملا۔ مایوس ہو کر واپس ہوئیں اور جب بھی مومن اسباب سے مایوس ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ واپس آ کر انہوں نے دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے ننھے قدموں سے پتھر پر ایڑیاں مار رہے ہیں اور پھر وہاں سے چشمہ ابلتا ہے۔ یہ چشمۂ ''زمزم'' ہے، جس کا پانی آج بھی شفا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کنویں سے کروڑوں آدمی پیتے ہیں اور وہ کبھی خشک نہیں ہوتا ہے۔ مدینہ طیبہ تک وہ پانی سپلائی ہوتا ہے۔ یہ وہی پانی ہے جو حضرت اسمٰعیل کی پیاس بجھانے کے لیے اللہ نے پیدا کیا تھا اور آج بھی ساری کائنات کی روحانی



پیاس بجھا رہا ہے۔ وہ سات چکر جو حضرت ہاجرہ نے لگائے تھے، آج بھی وہ حج کے لیے ضروری قرار دے دیے گئے ہیں، سبھی لگاتے ہیں۔

حضرات گرامی! اس کے بعد جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ذرا بڑے ہو گئے، کام کرنے کے قابل ہوئے، تو اللہ نے خواب کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہیں اللہ کے راستہ میں قربان کرو۔ جناب ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ سے منی کی طرف چلے۔ شیطان نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بچے کو لے کر کہاں جارہے ہیں؟ کہا: باپ ہیں جہاں چاہے لے جائیں، مجھے پوچھنے کا کیا حق ہے؟ کہا: نہیں، وہ اسے ذبح کرنے لے جارہے ہیں، کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ ابراہیم جو بے پناہ محبت کرتے ہیں، اواب و حلیم ہیں، انہوں نے دعاؤں سے حاصل کیا ہے، اپنے بیٹے کو وہ ذبح کریں گے؟ کہا: ہاں، وہ ذبح کریں گے، یہ اللہ کا حکم ہے۔ کہا: اللہ کا حکم ہے، تو میں سینکڑوں اسمٰعیل کو قربان کرنے لیے تیار ہوں۔

ماں سے مایوس ہونے کے بعد شیطان اور آگے بڑھا اور حضرت اسمٰعیل جو بچے تھے، ان سے کہا: تمہیں معلوم ہے تمہارے باپ کہاں لے جارہے ہیں؟ کہا: مجھے پتا نہیں ہے؟ کہا کہ تمہیں ذبح کر دیں گے۔ کہا: یہ کیسے ممکن ہے؟ کہا: اللہ کا حکم ہے۔ کہا: یہ اللہ کا حکم ہے۔ پھر اللہ کا حکم ہے تو میں قربان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ وہاں سے مایوس ہو کے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں وسوسہ ڈالنے لگا یہ خواب ہی تو تھا آپ اتنے حسین و جمیل بچے کی قربانی دے رہے ہیں؟ جناب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تم شیطان ہو۔ جناب اسمٰعیل نے کہا: اس نے مجھے بہکانے کی کوشش کی ہے۔ وہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا تو آپ نے کہا کہ اسے پتھر مارو، تین مقام پر وہ ظاہر ہوا اور تینوں مقام پر پتھر مارے گئے۔ آج

بھی وہاں نشانات موجود ہیں اور حج کرنے والے ان تینوں مقام پر تین روز تک مسلسل پتھر مارتے ہیں۔ شیطان کو ذلیل کرنے اور رسوا کرنے کا (Symbol Expression) ہے۔ اور اس کے بعد آپ اس وادی میں لے گئے جہاں ذبح کرنا تھا اور کہا:

''اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ'' (سورۃ الصّٰفّٰت الآیۃ:102)

میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔

اور پیغمبر کا خواب حکم ہوتا ہے۔

''فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی'' (سورۃ الصّٰفّٰت الآیۃ:102)

اس لیے تمہارا کیا خیال ہے؟

تو کہا کہ ابا حضور! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے آپ اسے کر گزریے۔ اتنا خیال رکھیے گا کہ آپ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھیے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری محبت میں آپ کا ہاتھ رک جائے اور آپ قانونِ الٰہی، حکم الٰہی کی تعمیل میں تاخیر کریں۔ آنکھوں میں پٹی باندھ لی، لٹایا اور جب چھری رکھی تو اللہ نے فرشتے کو ندا دی، تو فرشتے نے وہاں سے گردنِ اسمٰعیل ہٹا کر وہاں دنبے کی گردن رکھ دی، وہ ذبح ہوگئی۔ آنکھ کھلی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرتِ اسمٰعیل کھڑے تھے۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ اللہ نے فرمایا:

''قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا'' (سورۃ الصّٰفّٰت الآیۃ:105)

آپ نے اپنا خواب پورا کر دیا ہے۔

حضراتِ گرامی! یہ بہت بڑی آزمائش اور بہت بڑا امتحان تھا اور اس میں آپ مکمل طور پر پورے اترے ہیں۔ بعض کہنے والوں نے کہا ہے کہ آنکھ کھلی ہوتی تو قربانی زیادہ شان دار ہوتی، مگر ان ظالموں کو یہ نہیں معلوم کہ خونِ جگر پیش کر رہے تھے، نورِ نظر پیش کر رہے تھے۔ آنکھوں



پر پٹی باندھی تھی، دل پر کس نے پٹی باندھی تھی؟ اور پھر اگر آنکھ کھلی ہوتی، تو تم یہ کہتے کہ جب تک دنبہ نہیں آیا ہوگا چھری نہ چلائی ہوگی، مگر آنکھ بند تھی، جب گردن کٹی تو بیٹے کی گردن محسوس ہوئی، گرم گرم خون نے ہاتھ کو لمس کیا تو بیٹے کا خون محسوس ہوا ہوگا۔ اور جب آنکھ کھلی ہوگی تو اللہ کا انعام جنابِ اسمٰعیل کی شکل میں، ان کی شکل میں جو سرورِ کائنات کے جد امجد ہیں، اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے موجود رہے ہوں گے۔ جنابِ اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ سرسری تذکرہ ہے جو میں نے کیا ہے۔

اب آئیے، قرآنِ پاک کی اس آیت کریمہ کا مطالعہ کیجیے، جس میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا تذکرہ کیا ہے اور حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا ذکر ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو گئے اور ان کی عمر چھیاسی سال کی ہوگئی تو انھیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ ان کے بعد ان کے پیغمبرانہ مشن کو، دعوت الی اللہ کو کون آگے بڑھائے گا؟ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایک ولدِ صالح عطا فرما۔ بظاہر ان کی عمر طلب اولاد کے لیے مناسب نہ تھی، مگر وہ خلیل اللہ تھے، انہیں یقین تھا اور معلوم تھا کہ اللہ ضرور ہماری دعا قبول فرمائے گا۔ چنانچہ ان کی دعا کے جواب میں اللہ نے کیا فرمایا ہے، وہ آپ سماعت فرمائیں۔

الٰہی مجھے لائق اولاد دے۔ تو ہم نے اسے خوش خبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی۔ پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے! باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی۔ اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ۔ اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بے شک تو نے خواب سچ کر دکھائی ہم

ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بے شک یہ روشن جانچ تھی۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے صدقہ میں دے کر اسے بچالیا۔ اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں۔ (سورۃ الصّٰفّٰت من الآیۃ 100 الی 111)

اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے اسماعیل کی قربانی کو قیامت تک کے لیے نصیحت بنا دیا ان کے ذکر کو باقی رکھا، کعبہ ان کے ذکر کی علامت ہے، صفا اور مروہ کی سعی حضرت ہاجرہ کی یاد ہے اور ہر سال قربانی دینا یہ بھی اسی قربانی کی یادگار ہے جو کہ جنابِ ابراہیم نے اپنے لختِ جگر کو پیش فرمایا تھا اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے تذکرہ کے بعد حضرت اسحاق کی پیدائش اور جنابِ عیسیٰ، جنابِ ہارون، حضرتِ الیاس، حضرت لوط، حضرت یونس علیہم السلام کے تذکرے کیے گئے ہیں، ان کی قوم کے منکرین پر عذاب اور مومنین پر انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورت کی آخری آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

اور بے شک ہمارا وعدہ ہمارے پیغمبروں کے حق میں پورا ہوا۔ اور بے شک وہی مظفر و منصور ہیں۔ بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا۔ کچھ دنوں کے لیے ان سے صرف نظر کیجیے، انھیں دیکھتے رہیے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ اگر وہ عذاب میں جلدی کر رہے ہیں، تو عذاب ان کے میدانوں میں اتر آئے گا تو ان لوگوں کی بدترین رسوائی ہوگی جنہیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ تم انتظار کرو، عنقریب وہ دیکھ لیں گے کہ تمہارا عزت والا پروردگار ہر اس چیز سے جس کو وہ متصف کرتے ہیں پاک ہے۔ اور سلام ہو تمام پیغمبروں پر اور تمام تعریفیں اس رب کے شایانِ شان ہیں جو تمام عالمین کا رب ہے۔ (سورۃ الصّٰفّٰت من الآیۃ 171 الی 182)



## خطاب نمبر (۳۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ (سورۃ ص، اٰیۃ: 1)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے! ہم اور آپ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِکَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

حضرات! آج سورۂ ''صٓ'' کے کچھ مضامین پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف کافروں کا جو توہین آمیز طرز عمل تھا، اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جواب دیا گیا ہے۔ جناب داؤد، سلیمان اور جناب ایوب علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیطان کی فریب کاریوں کی وضاحت کی گئی ہے کہ شیطان ہر وقت انسان کو گمراہ کرنے کے لیے نئے نئے فریب اور نئے

نئے طریقے نکالتا ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان خدائے وحدہٗ قدوس کی عبادت کے بجائے غیر اللہ کے سامنے سر جھکائے، نیکیوں کے بجائے برائیاں کرے اور پیغمبران کرام کے مشن سے دور کرنے کے لیے، انتہائی کوشش کرتا ہے کہ لوگ اللہ کے نیک بندوں کا پیغام نہ سنیں اور اس کے فریب اور مکر اور جال میں ہمیشہ مبتلا رہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے (جو آپ دعوت حق دیتے ہیں) لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا غرور اور شقاوت کے شکار ہیں۔ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ان کی نافرمانی کی بنیاد پر ہلاک کر دیا۔ پس وہ عذاب کے وقت فریاد کرنے لگے، لیکن وہ وقت ان کی رہائی کا نہ تھا۔ کافروں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ جب انہیں میں سے اللہ سے ڈرانے والے پیغمبر جلوہ گر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ''یہ پیغمبر معاذ اللہ جھوٹے جادوگر ہیں (یعنی انہوں نے جھوٹ کا بھی الزام لگایا اور جادوگر بھی کہنے کی کوشش کی) انہوں نے اتنے معبودوں کو ایک کر دیا بے شک یہ عجیب بات ہے۔ (سورۃ ص، من آیۃ 1 الی 5)

ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم بہت سے معبودان باطل کی پوجا کرتے ہیں، ہم نے سینکڑوں خدا بنا رکھے ہیں اور انہوں نے تمام خداؤں کا انکار کر کے ایک خدا کی دعوت دی ہے۔ نظام کائنات یہ سارے معبودان باطل مل کر چلا رہے تھے، اس کو ایک خدا کیسے چلائے گا۔ معاذ اللہ! چنانچہ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ تو بہت عجیب بات ہے کہ اتنے خداؤں کو ہٹا کر انسانوں کو وہ ایک خدا کی دعوت دے رہے ہیں۔

اور ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلے کہ ان کے پاس سے اٹھ جاؤ، اپنے خداؤں پر قائم رہو، بے شک ان میں ان کا کوئی ذاتی فائدہ ہوگا۔ (سورۃ ص، الآیۃ: 6)

ان کا یہ خیال باطل تھا کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے جو دعوت کا نظام قائم کیا ہے اور



جس خدائے واحد کی تبلیغ کر رہے ہیں، یہ اقتدار چاہتے ہیں، کرسی چاہتے ہیں، ان کا کوئی ذاتی فائدہ ہے۔ اس طرح کے خیالات باطل ان کے ذہن میں تھے، جبکہ سیرت نبوی کا وہ گوشہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوگا کہ جب کفار قریش نے آقائے دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ کہا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو بادشاہ تسلیم کر لیا جائے، تو ہم آپ کو پورے حجاز کا بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر آپ دولت چاہتے ہیں، تو ہم آپ کے قدموں میں حجاز کی پوری دولت ڈال دیں۔ آپ شادی کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کی مرضی کے مطابق آپ کے سامنے حجاز کا حسن پیش کر دیں اور اگر آپ مجنون ہیں، تو (معاذ اللہ!) آپ کا علاج کرائیں۔

آقائے دو جہاں نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اے لوگو! اگر تم میرے ایک ہاتھ میں سورج رکھ دو اور ایک ہاتھ میں چاند رکھ دو اور تم مجھ سے کہو کہ اس پیغام سے باز آجاؤں تو میں اللہ کا نبی ہوں میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا۔

(تاریخ الطبری، الجزء الثانی، الصفحۃ: 298، تاریخ الرسل و الملوك، القول فی السیرۃ النبویۃ ذکر الخبر عما کان من امر نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ابتداء اللہ تعالی ذکرہ ایاہ باکرامہ بارسال جبرئیل الیہ بوحیہ)

یہ اقتدار، یہ دولت، یہ سرمایہ، یہ سب کچھ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کا یہ کہنا کہ ان کی کوئی ذاتی خواہش ہے اس بنیاد پر توحید کی دعوت دیتے ہیں اور بتوں کا انکار کرتے ہیں یہ ان کی بدترین دشمنی اور ناعاقبت اندیشی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایک خدا کی دعوت اس طرح تو کسی بھی مذہب نے نہیں دی۔ سنی سنائی باتوں میں انہوں نے نصرانیت یا عیسائیت کو یوں جان رکھا تھا کہ وہ کم از کم تین خداؤں کی دعوت دیتے ہیں، جبکہ وہ بھی غلط تھا؛ کیوں کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک ہی خدا کی دعوت دینے والے

تھے، مگر بعد میں تحریف کی بنیاد پر تثلیث کا عقیدہ گڑھ لیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ”یہ تو عیسائی بھی نہیں کرتے جو پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کر رہے ہیں“ پھر وہ کہتے کہ یہ یا تو سراسر گڑھی ہوئی بات ہے، یہ دھوکہ ہے، غدر ہے، یہ الزام ہے ایسی کوئی حقیقت نہیں ہے معاذ اللہ!

اللہ فرماتا ہے: ہم نے ان پر کتاب نازل فرمائی ہے، بلکہ وہ میری کتاب کے بارے میں مبتلائے شک ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے میرے عذاب کو چکھا نہیں ہے۔ اگر میرے عذاب کو چکھ لیتے اور اس سے واقف ہوتے، تو اس طرح کے الزامات میرے محبوب پیغمبر خاتم النبیین پر نہ عائد کرتے“

یہ تضحیک آمیز انداز اس پیغمبر کے خلاف اپنایا جو انہیں جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے بچا رہا ہے اور جو انہیں خدائے واحد کی دعوت دے رہا ہے، اس کے خلاف اس طرح کی بات کہ وہ جادوگر ہیں۔ معاذ اللہ! وہ جھوٹے ہیں، ان کی کوئی ذاتی خواہش ہے، وہ اقتدار پسند ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں یقیناً وہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے اقتدار کو کوئی چیلنج نہ کرے اور صدیوں سے جن گمراہیوں اور برائیوں میں مبتلا ہیں، اسی میں مبتلا رہیں۔ آیت نمبر چار سے لے کر آٹھ تک انہیں مضامین کو قرآن عظیم نے پیش کیا ہے جس کا میں نے مختصر سا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

مگر ان آیات کا زمانۂ نزول کیا ہے؟ یہ جاننا ضروری ہے تاکہ آیت کا حقیقی مفہوم آپ سمجھ سکیں۔ ہوا ایسا تھا کہ جناب ابوطالب بیمار تھے اور جب کافروں کو یہ یقین ہو گیا کہ ایسا نہ ہو کہ ابوطالب انتقال کر جائیں اور پھر ہم ان کے بھتیجے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ حملہ کریں، تو لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ جب تک ابوطالب زندہ تھے ان کی حفاظت میں تھے، اس وقت تک انہوں نے کچھ نہیں کیا اور جب انہوں نے انتقال کر لیا ہے، تو ان کے بھتیجے کو یعنی پیغمبر اسلام کو



تنہا سمجھ کر زیادتی کر رہے ہیں۔ تو وہ اپنے طور پر جناب ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودان باطل کو برا نہ کہیں۔ ہم آپ کی بزرگی کا احترام کرتے ہیں، آپ قوم سردار ہیں، اس لیے ہم کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس سے آپ کو تکلیف پہنچے۔ اس لیے ہم آخری بار آپ سے یہ بات کہنے آئے ہیں کہ آپ انہیں سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔

جناب ابوطالب نے حضور کو بلایا اور ان کے سامنے کافروں کا مطالبہ رکھا کہ آپ ان کے معبودان باطل کو برا نہ کہیں۔ تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ یہ لوگ میری ایک بات مان لیں تو عرب وعجم پر ان کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔ صرف حجاز پر نہیں بلکہ معلوم دنیا کے بیشتر حصوں پر یہ حکمراں بن جائیں گے، اگر میری ایک بات مان لیں۔ کافر خوش ہو گئے کہ ایک بات ماننے میں کیا حرج ہے۔ کہا ہم آپ کی سو بات ماننے کے لیے تیار ہیں، تو آقائے دو جہاں نے فرمایا کہ سو بات نہیں صرف اس بات کا اقرار کر لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ ”اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ تم یہ ایک بات مان لو تو میں وعدہ کرتا ہوں میں یقین دلاتا ہوں کہ صرف حجاز پر نہیں بلکہ عرب وعجم پر تمہارا اقتدار قائم ہو جائے گا۔

نگاہِ رسالت دیکھ رہی تھی کہ اسلام پھیلے گا اور عرب وعجم پر اسلام کا کنٹرول ہوگا، اس لیے فرما رہے تھے کہ تم اگر کلمہ شہادت پڑھ لوگے تو صرف تمہیں مکہ کی قیادت کے بارے میں فکر ہے تم مکہ کے بارے میں سوچ رہے ہو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمارے سر سے قیادت کا اقتدار چھین لیا جائے گا۔ تو ایسا نہیں ہے، بلکہ ہم تمہیں اپنے اللہ کے فضل سے بشارت دے رہیں کہ اگر تم کلمہ پڑھ لو تو تمہارا دائرۂ اقتدار عرب وعجم تک پھیل جائے گا اور وسیع ہو جائے گا۔ انہوں نے سنا تو بھڑک اٹھے، وہ سمجھتے تھے کہ شاید ہمارے بتوں کے علاوہ کوئی

اور بات پیش کرنا چاہتے ہیں، کوئی اور بات کہنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا اٹھو، چلو یہاں سے یہ بات ماننے والے نہیں ہیں اور اس کے بعد وہ پوری جماعت جناب ابوطالب کے پاس سے روانہ ہوگئی اور وہ سب واپس چلے گئے۔

اس کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ اتنے بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایک خدا کی پرستش کرو، تو یہ آپ کی بارگاہ سے اٹھ جاتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں اور آپ پر الزامات لگاتے ہیں۔ کافروں کے تعجب اور الزام تراشی کے بعد اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ''اے محبوب! آپ سے پہلے قوم'' نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور اصحاب اَیکہ'' یہ لوگ بھی اسی طرز عمل میں مبتلا تھے''۔ اسی طرح انہوں نے اپنے دور کے انبیا کی تکذیب کی، انہیں جھٹلایا، ان کی توہین کی تو ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اس لیے ان پر بھی عذاب آجائے گا اگر یہ لوگ آپ کی بات نہ مانیں گے اور آپ کے دین کو قبول نہ کریں گے۔

دراصل کافروں کی سرکشی محض اس لیے تھی کہ ان کو اپنی مادی اقتدار اور دولت پر گھمنڈ اور ناز تھا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر ہم اسلام قبول کرلیں گے، تو ہمارا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ حالاں کہ یہ ان کی غلط فہمی تھی، اگر اسلام لاتے تو ان کے اقتدار کا دائرہ مکہ سے نکل کر عرب وعجم تک پھیل جاتا۔ چنانچہ بعد میں اسلام لانے والوں نے دیکھا کہ سرکار کے بعد عہدِ صحابہ ہی میں یہ منظر نگاہوں کے سامنے تھا کہ روم وایران کی قوتیں بھی جو سوپر پاورس تھیں، وہ بھی اسلام کے سامنے سرخمیدہ ہوئیں اور اسلام کا دائرہ پھیل گیا۔ مگر اپنے محدود مادی فائدے کو دیکھ کر انسان اس وسیع تر تناظر میں سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جس کی دعوت قرآن دیتا ہے۔

حضرات! اگر چہ یہ آیتیں چودہ سو سال پہلے نازل ہوئیں، مگر کیا آج بھی مسلم ممالک کے حکمرانوں کا طرز عمل ایسا ہی نہیں ہے؟ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اسلامی نظام قائم کیا، ہم



سچے طور پر مسلمان ہو گئے، اگر پیغمبر اعظم کی دعوت کے مطابق ہم نے اسلامی نظام حیات کو اپنانا شروع کر دیا اور اس کی دعوت دی، تو پھر ہم پیچھے رہ جائیں گے، دنیا ہمیں کچل دے گی، ہمارا اقتدار ہم سے سلب کرلیا جائے گا، یہ آج بھی ان کے ذہنوں میں ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کا نام لینے کے باوجود، کلمہ شہادت کا اقرار کرنے کے باوجود، اپنے ملک میں جو نظام نافذ کر رہے ہیں، وہ نظام کفر ہے، باطل نظام ہے نام اسلام کا لے رہے ہیں، اپنے کو مسلمان کہہ رہے ہیں، لیکن اسلامی نظام حیات اور نظام حکومت کو نافذ کرنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔

ان کو یہ خوف ہے کہ ہمارا یہ اقتدار جسے ہم نے غاصبانہ طور پر قبضہ کر رکھا ہے اگر یہ اسلام آیا، تو مساوات لائے گا۔ اسلام آیا، تو غریب طبقہ اوپر اٹھے گا۔ اسلام آیا تو ہماری یہ جو ذاتی اقتدار کی خواہش ہے یہ ختم ہو جائے گی، یہ غرور مٹ جائے گا۔ وہ پس ماندہ طبقہ جو صدیوں سے ہماری غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، وہ آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام تو مساوات کی تعلیم دیتا ہے، اسلام میں تو برتری کا معیار صرف تقوی ہے، خدا کا قرب ہے۔ چاہے وہ غریب ہو یا امیر ہو۔ اس خیال سے بھی یہ خوف زدہ ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک مدت سے جو ہم نے اپنے خاندانی وقار یا خاندانی اقتدار کو قائم رکھا ہے یا یہ کہ مخصوص طبقے سے جو حکمراں ہم پیدا کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اسلام کی خوبیوں کی بنیاد پر وہ طبقہ جو مدتوں سے مظلوم طبقہ ہے وہ آگے بڑھ جائے اور ترقی یافتہ ہو جائے۔

یا پھر شاید یہ خوف کہ آج دنیا ایک گلوبل ولیج میں تبدیل ہوگئی ہے اور ایک ملک کے اثرات دوسرے ملک پر ہوتے ہیں۔ اگر ہم نے مغربی آئین زندگی اور طرزِ حکومت سے انحراف کیا، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی باطل قوتیں ہمیں کچل دیں اور ہم آگے نہ بڑھ سکیں۔ اس لیے مذہب کا نام لیتے رہو مسلمان کہو مگر نظام زندگی نظام کفر کو بنانے کی کوشش کرو، محض اپنے

چند روزہ اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے یہ آج بھی ہو رہا ہے۔ اسلام کی ازلی اور آفاقی تعلیمات سے انحراف آج مسلم ملکوں میں دیکھا جا رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے بطور مثال یہ ارشاد فرمایا کہ سلطنتیں اور کامیابیاں انہیں کا مقدر رہی ہیں، جو اقتدار کے باوجود اللہ کی بارگاہ میں سربسجود رہے ہیں اور احکام الٰہی کی پراوہ کرتے رہے ہیں ان کا خیال رکھتے رہے ہیں۔

چنانچہ بطور مثال جناب داؤد اور جناب سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اقتدار دیا۔ حضرت داؤد مصر پر حکمراں تھے۔ ان کے زیر اقتدار وہاں کہ انسان ہی نہیں بلکہ زمین کے جانور، فضا کے پرندے، شجر و حجر، یہ سب تھے، حتیٰ کہ جنات بھی ان کے کنٹرول میں تھے اور ان کا عالم یہ تھا کہ جب وہ تسبیح الٰہی کرتے تھے تو دوسری مخلوق، حتیٰ کے پہاڑ بھی ان کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جاتے تھے۔ ان کی حکومت جنوں پر بھی تھی۔ اس قدر اقتدار، قوت و شوکت اور جلالتِ شان کے باوجود وہ بہت زیادہ عبادت کرنے والے تھے، رات کے بیشتر حصوں میں مصرف عبادت رہتے اور ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھتے۔ جس کو آج بھی ''صوم داؤدی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہت سے بزرگان دین اور اولیاے کرام نے اس روزے کو جناب داؤد کی سنت سمجھ کر کے اختیار کر رکھا ہے۔ ایک روز روزہ رکھتے ہیں ایک روز افطار کرتے ہیں، دن میں جہاد کرتے تھے وہ اور ایوان حکومت میں تشریف فرما ہو کر مقدمات کا حق کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے۔

چنانچہ قرآن عظیم نے ان آیات میں جن کا مفہوم یہ ہے ارشاد فرمایا ہے: ''اے پیغمبر! یاد کیجیے، داؤد علیہ السلام کو جو انتہائی طاقت وقوت والے تھے۔ بلا شبہ وہ اپنے رب کے حضور میں بہت زیادہ رجوع فرمانے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع فرمان کر رکھا تھا، جو ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی مصروف تسبیح ہوتے تھے، ہم نے ان



کی حکومت کو مستحکم کر دیا تھا اور انہیں حکمت اور قول فیصل سے نوازا تھا''

(سورۃ ص من آیۃ: 17 الی 20)

جن آیات کا آپ مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں حکمرانی کے اصولوں کی تعلیم دی ہے۔ سورۃ ''صاد'' میں یہ واضح فرمایا ہے کہ صرف وہ نظام حکمرانی کامیاب ہو سکتا ہے جس کی اساس انصاف پر ہو، نظام حکمرانی کی بنیادی اصولوں میں سے عدل و انصاف ہے۔ کوئی بھی حکومت بغیر عدل وانصاف کے قائم نہیں رہ سکتی۔

چنانچہ اللہ نے فرمایا: ''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ مقرر فرمایا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ تمہاری خواہشات تمہیں راہِ راست سے منحرف کر دیں گی۔ بلاہ شبہ وہ لوگ جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے اس لیے کہ وہ قوم ''یوم حساب'' کو فراموش کر بیٹھے ہیں''۔ یہ کس قدر واضح حکم ہے کہ کسی بھی نظام حکومت کے قیام و بقا کے لیے ضروری ہے کہ انصاف اور عدل کا نظام قائم کیا جائے۔ ذرا آپ سوچیے کہ آج مسلم ملکوں میں کوئی ایک ملک ایسا ہے جب کہ ۵۷ ممالک (Countries) جن کا نظامِ حکومت مکمل طور پر انصاف پر مبنی ہو، جہاں طبقاتیت نہ ہو، جہاں اپنی خواہشات نفس کی بنیاد پر حکومت نہ کی جا رہی ہو، قرآن کہتا ہے انصاف سے ہٹانے والی جو چیزیں ہیں ان میں تمہارے اپنے ڈیزائرس (Desires) ہیں، تمہاری اپنی خواہشات ہیں، اپنے اقتدار کو طول دینے کی خواہش ہے۔

آپ ذرا سوچیے! ان ملکوں کے بارے میں سوچیے جہاں باپ کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد بیٹا اور بیٹے کے بعد بیٹا، ایک ایک صدی تک یہ حکومت چل رہی ہے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ اگر موروثی حکومت اسلام کی اندر ہوتی یا اس کا جواز ہوتا تو امام حسین یزید کے خلاف

گردن تو نہ دیتے ،اسلام میں شورائی نظام ہے ڈیموکریسی (Democracy) ہے، جمہوریت ہے ۔ یہ خاندانی نظام کا جو تصور (Concept) ہے، یہ صرف خواہش ہے کہ ہمارے گھر سے حکومت نہ جائے ۔ جہاں خاندانی نظام کا ایک مخصوص طبقہ جو خاندان ہی کی طرح سے ہے وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے حکومت کر رہا ہے اور جن ملکوں میں جمہوری نظام ہے، ''ڈیموکریسی'' کہا جاتا ہے کہ یہاں ہے۔

مگر وہاں صورت حال کیا ہے؟ ایک مخصوص طبقے سے حکمراں پیدا کیے جاتے ہیں اور وہی بار بار آتے ہیں بقیہ عوام تو بھیڑوں کی طرح سے ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ انہیں ایسی باتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ وہ کبھی حکومت کو چیلنج نہ کر سکیں، جیسے شراب ہے ،زنا ہے اور عورتوں کے ساتھ تعلق ہے برائیوں کا ہجوم ہے کھیل اور کود ہے، لہو ولعب ہے، اس میں پوری قوم کو مبتلا کر کے سب خاندان صدیوں سے حکمراں رہتے ہیں اور حکمراں انہیں خاندانوں سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب خواہشات کی تکمیل ہے جن کے بارے میں قرآن یہ کہتا ہے کہ جب تم عدل کے نظام سے ہٹ کر کے اپنی خواہش کی تکمیل کرو گے، تو تم صراط مستقیم سے منحرف ہو جاؤ گے اور پھر تم عذاب الٰہی کے شکار بن جاؤ گے۔

اس کے بعد اس سورت میں جنابِ ایوب علیہ السلام کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ ہوا یہ تھا کہ شیطان نے یا شیطان صفت انسانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جنابِ ایوب اگر اللہ کی بات کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس بڑی دولت ہے، اولاد کی کثرت ہے، باغات ہیں ان کے ہزاروں ایکڑ زمینیں ہیں، اس لیے وہ عبادت کرتے ہیں ۔ ہم مفلس ہیں، غریب ہیں، ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں، ہم عبادت کیسے کر سکتے ہیں؟ لوگوں میں یہ خیال عام ہو گیا تھا۔ تو اس لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین بندے جناب



ایوب کو ابتلا ،آزمائش اور امتحان سے گزارا تا کہ دنیا دیکھے کہ جو میرے نیک بندے ہیں وہ راحت میں بھی میری عبادت کرتے ہیں اور تکلیف میں بھی میری بارگاہ میں سربسجود ہوتے ہیں، میری بارگاہ میں ان کی حاضری ،سجدہ ریزی ،دولت وسرمایہ کی بنیاد پر نہیں ہے۔

چنانچہ ہوا یہ کہ جناب ایوب کے باغات جل گئے ،بچے انتقال کر گئے ،مملوکات تباہ ہو گئیں اور وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئے کہ پورے جسم میں ایک انگشت کے برابر بھی کوئی جگہ نہیں رہ گئی تھی ،جو بیماری سے خالی ہو۔ قوم نے انہیں آبادی سے نکال دیا اور وہ جنگل میں تشریف لے گئے، تمام احباب بلکہ سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف ان کی بیوی ان کے ساتھ رہ گئیں اور وہ بھی محنت ومشقت کے ذریعہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتی رہیں ۔ پورے اٹھارہ سال تک یا اس سے کچھ کم اس تکلیف میں مبتلا رہے، مگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صابر و شاکر ہی رہے ۔ ایک وقت ایسا آیا کہ قوم نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ایوب نے کوئی گناہ کیا ہوگا جب تو ان کو یہ سزا دی گئی ہے یہ خیال آیا تو رو پڑے کہ اللہ میں تکلیفیں برداشت کر سکتا ہوں، مگر یہ الزام ناقابل برداشت ہے۔

پھر انہوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی۔

رَبِّ اِنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ (سورۃ الانبیاء، الآیۃ:83)

اے اللہ! مجھے تکلیف نے چھو لیا ہے اور تو رحم فرمانے والا ہے۔

ان کو یا جناب جبریل کو حکم ہوا، دونوں روایتیں ہیں کہ زمین پر پیر مارو۔ انہوں نے پیر مارا اور دو چشمہ جاری ہو گئے ۔ ایک چشمہ سے کہا کہ غسل کر لو، غسل کیا اور ساری بیماریاں ختم ہو گئیں اور دوسرے چشمہ سے انہوں نے پانی پیا اور اس کے بعد قوم میں واپس آئے ۔ اللہ نے اس سے زیادہ اولاد عطا فرمائی ،بعض روایت میں ہے کہ اولاد کو زندہ کیا گیا اور بعض

روایت ہیں کہ زیادہ اولاد عطا فرمائی گئی، پہلے سے زیادہ باغات انہیں دیے گئے اور اس سے زیادہ کھیتیاں اور مملوکات انہیں عطا فرمائے گئے اور ایک مدت تک انہوں نے تمام تر عیش و عشرت کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریزی کی۔

گویا قدرت دنیا کو یہ دکھانا چاہ رہی تھی کہ میرا بندہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ دولت کی بنیاد پر نہیں، اقتدار کی بنیاد پر نہیں، سرمایے کی بنیاد پر نہیں، مجھ سے محبت کرنے والا صرف میرے لیے محبت کرتا ہے میں اسے خوشی دوں تو بھی راضی ہے اور میں اسے مبتلائے غم کروں تو بھی وہ راضی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں انبیاے کرام کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ کی حقیقی بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ!



## خطاب نمبر (۳۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

معزز حضرات، عزیزانِ گرامی، قابل احترام بزرگو، دوستو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ پہلے تاجدارِ مدینہ، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِكَمِ وَاٰلِهِ الْكِرَامِ اَجْمَعِيْنَ

آج آپ سورۂ ''زمر'' کے کچھ مضامین سماعت کرنے کا شرف حاصل کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو اپنی کتابِ مقدس کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا

فرمائے۔

اس سورت میں ۷۵ آیات اور ۸ رکوع ہیں۔اس سورت میں جو بنیادی مضامین ہیں وہ یہ ہیں۔صرف اللہ کی عبادت کرنا اور کسی کی نہیں۔فرماں بردار اور نافرمان دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔حالتِ خواب اور موت میں روح کا حال کیا ہوتا ہے؟ خواب کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ اس کی وضاحت۔توبہ واستغفار کا حکم اور مغفرت کا اعلان۔آخرت میں کفار کی حالت اور منکرین حق کا انجام اور آخرت میں متقیوں کا مقام اور اللہ کی نعمتوں سے ان کا فیضیاب ہونا۔یہ چھ عناوین ہیں جو اس سورت سے متعلق ہیں۔میں چاہوں گا کہ ہر ایک عنوان کے تعلق سے چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ پیش کر کے سورت کے بنیادی مضامین کی طرف اشارہ کرسکوں۔ظاہر ہے کہ کسی بھی سورت کے نہ تمام مضامین کو بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ بیان کرنا ممکن ہے۔

اللہ کی کتاب کا ہر جملہ علوم ومعانی کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔آدمی سوچتا ہے کہ میں بیان کرلوں گا،لیکن جب غور کرتا ہے تو وہ حیرت واستعجاب میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔حضرتِ سعدی علیہ الرحمہ نے ایک مثال دی ہے کہ میں ایک گلشن کی سیر کے لیے روانہ ہوا اور میں نے دیکھا کہ ہر طرف بہار آئی ہوئی ہے، پھول کھلے ہوئے ہیں۔میں نے پھولوں کو اپنے دامن میں جمع کرنا شروع کر دیا کہ اپنے دوستوں کے پاس لے جاؤں گا،انہیں پیش کروں گا،لیکن آگے بڑھتا رہا اور میری حیرت بڑھتی رہی،باغ کا حسن مجھے کھینچتا رہا۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

یہیں ٹھہر جاؤ،یہیں سب کچھ ہے۔اور پھر ایک مقام ایسا بھی آیا کہ پھولوں کے حسن اور باغ نے مجھے اس قدر محو کر دیا کہ نہ مجھے دامن کا احساس رہا اور نہ ان کا جو دامن میں سمیٹے تھے۔قرآن پاک پڑھنے والا نہ جانے اس طرح کے کتنے مقامات سے گزرتا ہے میں کیا بیان



کرسکوں،مگر وہ ہمیشہ اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کلام الٰہی کے حسن کو انسان اپنے لفظوں میں پیش کرسکے۔بہر کیف! کوشش ہوتی ہے کہ کچھ باتیں ذہنوں میں منتقل ہو جائیں، اگر لوگ ان پر غور کریں تو وہی چند باتیں ہی ہدایت کے لیے اور نجات کے لیے کافی ہوں گی۔

اس سورت کا آغاز اس آیت شریفہ سے ہوتا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ (سورۃ الزمر، الآیۃ: 2/1)

اس کتاب کا نزول غالب اور حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے۔اے محبوب! ہم نے ایک کتاب حق کے ساتھ تم پر نازل فرمائی ہے۔تو صرف اللہ کی عبادت کرو مکمل اخلاص کے ساتھ۔

ظاہر ہے کہ اس آیت میں مخاطب سرورِ کائنات کو کیا گیا ہے،لیکن ایسی سینکڑوں آیاتِ مبارکہ ہیں جن میں خطاب اللہ کے رسول کو ہے اور مراد پوری دنیائے انسانیت ہے اور بالخصوص امت مسلمہ ہے۔یہاں بھی اللہ دنیا کے تمام انسانوں اور امت مسلمہ کو مخاطب کر کے فرمارہا ہے کہ جو لوگ میری عبادت نہیں کرتے،غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں،میرے آستانے کے علاوہ کہیں اور سر جھکاتے ہیں،یقیناً وہ عذاب کے مستحق ہیں۔میں خالق و مالک ہوں، میں پروردگار ہوں۔میں نے زندگی دی ہے اور موت وحیات میرے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ہر نفس اور ہر سانس پر میرا کنٹرول (Control) ہے۔اس لیے عبادت بھی میری ہی ہونی چاہیے۔

اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے: وہ انسان جو اللہ کا فرماں بردار ہے اور رات سجدہ اور قیام کی حالت میں گزارتا ہے اور آخرت سے ڈرتا ہے،اور اپنے رب سے اس کی رحمت کی

امید رکھتا ہے، کیا اب وہ ان نافرمانوں جیسا ہوگا؟ ایسا ممکن نہیں ہے۔ تم فرمادو اے محبوب! کیا جاننے والے اور انجان برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو وہی قبول کرنے والے ہیں جو عقل والے ہیں۔ تم فرمادو اے ایمان دار بندو! اپنے رب سے ڈرو، جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ مصیبتوں میں صبر کرنے والوں کو اجر بے حساب دیا جائے گا۔ (سورۃ الزمر، الآیات:10/9)

اللہ ارشاد فرماتا ہے: کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کشادہ کر دیا، پس وہ اپنے رب کی جانب سے ایک نور پر ہے۔ دل منور ہوتا ہے تو سینہ کشادہ ہوتا ہے اور حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ پس جو سنگ دل ہیں، ان کے لیے تباہی ہے جو پتھر دل ہیں جن کے او پر کلامِ الٰہی کا بھی اثر نہیں ہوتا ان کے لیے تباہی ہے۔ اور جن کے دل اللہ کی یاد کے لیے سخت ہو گئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ یعنی وہ لوگ ہیں جو یادِ الٰہی سے غافل ہیں اور بار بار قرآن پاک کی آیات کے بعد، احکام الٰہی کو بتانے کے بعد، آیات انذار کو سنانے کے بعد بھی ان کے قلب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ پتھر دل لوگ ہیں۔ قرآن پاک میں پہلے ہی فرمایا گیا ہے کہ وہ پتھر ہیں یا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں کیوں کہ پتھروں سے چشمے بھی پھوٹتے ہیں، مگر ان کے دل رحمتِ الٰہی کی بارش کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اس بات کو یاد رکھیے، ایمان ایک بیج ہے اور دل کی زمین پر وہ لگایا گیا ہے۔ اگر بیج زندہ ہے اور دل کی زمین بھی ہموار ہے، بنجر نہیں ہے، پتھر نہیں ہے اور موسم بھی خوش گوار ہے، مطابق ہے، تو یقیناً اس بیج سے کلی نکلے گی، پھول کھلیں گے اور بہار آئے گی۔ ایمان کا بیج جس کے اندر ہوگا یقیناً اگر دل زندہ ہے، دل کشادہ ہوگا، رحمتِ الٰہی کی بارش کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے، ایمان کو موسم خوش گوار ہے، تو یقیناً اس سے کلیاں پھوٹیں گی، پھول نکلیں گے اور



بہار آئے گی۔ اور یہ بہار، اعمالِ حسنہ کی بہار ہے۔ یہ انسان کو ایمان کے ذریعہ میسر آتی ہے۔

اس کے بعد چوبیسویں پارے کا آغاز اس آیت کریمہ سے ہوتا ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(سورۃ الزمر، الآیۃ:34/33/32)

ترجمہ: اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اس پر جھوٹ باندھے، اور اس سچائی کو جھٹلائے جو اس کے پاس لے کر آنے والا پیغمبر آیا ہے۔ کیا جہنم کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ اور وہ ذات جو سچ لے کر تشریف لائی، اور جس نے ان کی تصدیق کی، یہی متقی ہیں ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس نیکوں کا یہی صلہ ہے۔

مفسرین کرام نے ”وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ“ سے مراد سرورِ کائنات کی ذات کو لیا ہے اور ”وَ صَدَّقَ بِهٖۤ“ سے مراد تصدیق اولین کرنے والے جنابِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ یہ آیت ایک ایسے مقام پر نازل ہوئی کہ جب ابو جہل اور ابولہب شدت سے آقائے دو جہاں کی تکذیب کر رہے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھ رہے تھے، ایسے موقعے پر وہ ذات جس نے سب سے پہلے سرورِ کائنات کی تصدیق کی، وہ جنابِ صدیق اکبر کی ذات ہے۔ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ سے مراد انھیں کی ذاتِ پاک ہے۔ اس لیے ان کو متقین کا سردار قرار دیا گیا ہے۔ قرآن عظیم نے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ ”اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ“ تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اور جنابِ صدیق کو قرآن پاک میں ”اَتْقٰى“ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس سے ان کی افضلیت باضابطہ قرآن عظیم کی روشنی میں مبرہن ہوتی ہے۔

حضرات! انسانی زندگی میں نیند بھی ہوتی ہے موت بھی آئے گی اور، یہ دونوں کیفیتیں مختلف ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو دو روحوں سے نوازا ہے۔ ایک روح وہ ہے جس سے ہوش وہواس قائم رہتے ہیں، جب سو جاتا ہے تو وہ روح نکل جاتی ہے۔ وہ نہ دیکھتا ہے، بعض اوقات وہ سنتا بھی نہیں ہے، حواس بھی کام نہیں کر رہے ہوتے ہیں، اس کو ''روحِ سیلانی'' کہتے ہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو آرام پہنچانے کے لیے انسان کے ذہن سے یا جو مرکز روح ہے، اس سے جدا ہو جائے۔ اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ لوٹ آتی ہے۔ پھر حالتِ بیداری کی طرح سے سوچنا، دیکھنا سننا اور کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔

مگر وہ روح جو ''سلطانی روح'' ہے، جس کا دوسرا نام ''حیات'' ہے۔ وہ حالتِ خواب میں باقی رہتی ہے، جس سے نبضِ حیات چلتی رہتی ہے۔ یعنی انسان سیلانی روح کے نکل جانے کے بعد زندہ تو رہتا ہے، نبضِ حیات چلتی ہے، دل دھڑکتا ہے، رگوں میں خون گردش کرتا ہے، بس سو جاتا ہے، غافل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ روح سیلانی مختلف مقامات کا مشاہدہ کرتی ہے اور وہ مشاہدے خواب کی صورت میں انسان کے پردۂ ذہن میں نمودار ہوتے ہیں، جن کو خواب کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خواب دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو روحِ سیلانی ہے ایک انسان کی اپنی طبیعت ہے، اپنے خیالات ہیں جو سوچتا ہے، جس ماحول میں رہتا ہے اس کو دیکھتا بھی ہے۔ یہ دونوں خواب الگ الگ ہیں۔ لیکن بہرکیف! انسان جب سوتا ہے تو روح سیلانی اس سے جدا ہو جاتی ہے مگر روح سلطانی باقی رہتی ہے۔ جو سلطان ہے وہ حیات کے تمام گوشوں کو کنٹرول کرتی ہے۔ نبض چلتی ہے، دل دھڑکتا رہتا ہے، انسان سانس لیتا رہتا ہے، اعضا اور جوارح باضابطہ زندہ رہتے ہیں، دل خون کو پورے وجود میں پمپ کرتا رہتا ہے۔ یہ اس لیے کہ روحِ سلطانی موجود ہے۔



اگر اللہ چاہے تو نیند ہی کو موت میں تبدیل کر دے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان سویا ہے اور سویا ہی رہ جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہر سونے والے پر گویا عارضی موت طاری ہوتی ہے۔ سوتے وقت کی جو دعا ہم کو سکھائی گئی ہے وہ اسی یاد دہانی کے لیے ہے کہ تم ایک عارضی موت سے دو چار ہونے والے ہو۔ اگر اللہ چاہے گا تو تم اٹھا دیے جاؤ گے، ورنہ یہ نیند تمہیں ہمیشہ کے لیے، قیامت تک کے لیے خاموش کر دے گی۔ آپ یہ پڑھتے ہیں۔

''بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى''

اے اللہ! ہم تیرے ہی نام سے مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

یعنی ایک زندگی تو یہ ہے، اس کے بعد مریں گے پھر زندہ ہوں گے۔ ایک وہ روحِ سلطانی ہے جو زندگی کی علامت ہے۔ روح سیلانی نکل جاتی ہے، ایک عارضی موت طاری ہو جاتی ہے، مگر پھر روحِ سلطانی کی بنیاد پر زندہ بیدار ہو جاتا ہے، جاگ جاتا ہے۔ اور دعا پڑھتا ہے اس میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَحْيَانَا بَعْدَمَآ اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو موت کے بعد دوبارہ زندگی دی ہے۔

نیند ایک عارضی موت تھی اور بیداری زندگی ہے۔ کس قدر خوب صورت انداز سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر بندے کو اپنے پیغمبر کی احادیث سے اس بات کا یقین دلایا ہے کہ عارضی موت نیند ہے اور موت روحِ سلطانی کا جسم سے نکل جانا ہے۔

اگر سونے والے کی زندگی باقی ہے، تو وہ بیدار ہو جاتا ہے۔ اور اگر زندگی نہیں باقی ہے تو وہ بیدار نہیں ہوتا ہے اور اس کی روحِ سلطانی نکل جاتی ہے۔ جس سے انسان کا جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کی زندگی اور موت کی روحانی توجیہ ہے، خواب اور بیداری کی۔ میڈیکل

سائنس (Medical Science) یا فیزیکل (Fhysical) دنیا اس بارے میں جو بھی رائے رکھتی ہو، ان کا تو یہ کہنا ہے کہ اعضا تھکے ہوتے ہیں، ان کو آرام کی ضرورت ہے تو نیند آجاتی ہے۔ نیند نہ ہو تو انسان پریشان ہو جائے۔ لیکن نیند جب آتی ہے تو انسان غافل ہوتا ہے، مگر یہ غفلت کس بنیاد پر ہوتی ہے؟ بیدار ہوتا ہے، تو یہ بیداری کہاں سے آتی ہے؟

ان ساری باتوں کی ان آیاتِ مبارکہ میں وضاحت کی گئی ہے، سماعت فرمائیں!

''اور اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے، جن کی موت کا وقت نہیں آتا ان کو نیند ہی میں عارضی موت سے ہمکنار فرماتا ہے۔ پس جب موت کا فیصلہ ہوتا ہے تو انھیں روک لیتا ہے۔ اور دوسری روحوں کو وقتِ مقررہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ بلاشبہ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ (سورۃ الزمر، الآیۃ:42)

عام انسانوں کا مزاج یہ ہے کہ جب انھیں کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور جب انہیں کسی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ نعمت تو مجھے میرے علم اور کوشش سے ملی ہے۔ یہ عام انسانوں کا مزاج ہے۔ نعمت کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور تکلیف کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اور دعا کرتا ہے۔ یہ ہر ایک کی زندگی میں ایسا ہوتا ہے سوائے ان لوگوں کے، جن کے دلوں کو اللہ نے اپنی طرف مائل فرمالیا ہے۔ خوشی ہو یا غم ہو، وہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ کوئی نعمت بظاہر کتنی مختصر کیوں نہ ہو، اس نعمت کے بارے میں ان کا یقین ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، وہ چاہتا تو یہ نعمت نہ دیتا۔

وہ ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں جو نعمت ملی ہے، ہمارے مقابلے میں دنیا میں ہزاروں انسان ایسے ہیں جو اس مختصر نعمت سے بھی محروم ہیں، تو اس کے اندر جذبۂ شکر پیدا ہوتا ہے اور وہ اعتراف کرتا ہے۔



''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاهُ''

اللہ نے مجھے بچایا ہے جس مشکل سے دوسروں کو دوچار کیا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب تمہیں اپنے بارے میں سوچنے کا موقع ملے، تو اپنے سے اوپر والوں کو نہ دیکھو بلکہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو۔ اپنے اوپر والوں کو دیکھو گے تو تمہارے اندر ایک ایسی کیفیت پیدا ہوگی کہ تم ناشکری کی طرف مائل ہو گے، لیکن اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو گے تو تمہارے اندر جذبۂ شکر بیدار ہوگا۔

جنابِ سعدی گرفتار کر لیے گئے جبکہ بغداد میں وہ بادشاہ کے بہت قریبی ہم نشین تھے، مگر حالات بدل گئے۔ انہیں گرفتار کر کے دمشق میں غلام بنا کر بیچا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ جامع مسجد میں ننگے پیر نماز پڑھنے جا رہے تھے، تیز دھوپ تھی، پیر جل رہا تھا۔ کہا'' اے اللہ! آج تیرا سعدی اتنا مجبور ہے کہ اس کے پیر میں جوتا بھی نہیں ہے''۔ مسجد میں داخل ہوئے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کا پیر کٹا ہوا ہے۔ وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور کہا'' اے اللہ جوتا نہیں مگر پیر تو ہے، میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں''۔ آپ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھیں گے تو آپ کے اندر جذبۂ شکر پیدا ہوگا۔ اگر آپ اپنے سے اوپر والوں کو دیکھیں گے تو آپ اپنی ناکامی پر آپ کو شکر کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ سے شکوہ پیدا ہوگا۔ اس لیے ہمیشہ کامیابی کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ لیکن یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اللہ نے جو ہمیں دیا ہے وہ ان ہزاروں انسانوں سے زیادہ ہے جن کو کچھ بھی میسر نہیں آیا ہے۔

بہرکیف! میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن نے کہا ہے کہ انسان کا مزاج ایسا ہے کہ جب اسے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ میرے علم کی وجہ سے ہے۔ جب کہ دولت اور نعمت کا ملنا بھی اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ دولت مل گئی ہے تو صرف لذت یابی

اور لذت کوشی کے لیے ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ بندہ مال پانے کے بعد اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟ شکر گزار یا ناشکرا ہے؟ شکر گزار ہوتا ہے تو نعمت بڑھا دی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

اور جب تم شکر ادا کرو گے تو ہم نعمتوں کو بڑھا دیں گے۔

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (سورۃ ابراھیم، الآیۃ:27)

اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

حضرات! شکر کے بعد نعمتوں میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ ''لَأَزِيدَنَّكُمْ'' یہ تاکید کا صیغہ ہے۔ ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ'' یہ سادہ ماضی ہے۔ (Simple Past Tense) اگر تم شکر ادا کرو گے، سمپلی شکر ادا کرو گے'' لَأَزِيدَنَّكُمْ ''تو ہم تمہاری نعمتوں کو بڑھا دیں گے۔ ''وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ ''اور اگر تم نافرمانی کرو گے تو یاد رکھو ہمارا عذاب بھی سخت ہے۔ جب بھی کوئی نعمت ملے تو اللہ کی بارگاہ میں شکر پیش کرنا چاہیے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے ''جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم سے دعا کرتا ہے اور جب ہم اپنے پاس سے کوئی نعمت ادا کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے میرے علم کی بنا پر ملی ہے۔ بلکہ نعمت کا ملنا آزمائش ہے، لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں ہیں''۔ ان سے پہلے بھی لوگ یہ کہہ چکے ہیں، لیکن ان کا کمایا ہوا ان کے کام نہیں آیا، جنہوں نے کہا کہ ہم نے خود جمع کیا ہے۔ قارون کا واقعہ خود قرآن کے اندر ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے قارون سے کہا:

''أَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ''

تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جیسا اللہ نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔



تو اس نے کہا: میں اپنی عقل سے، اپنی دانائی سے اور اپنی کمائی سے یہ دولت جمع کی ہے۔ اور پھر وہ پوری دولت کے ساتھ دھنسا دیا گیا۔

یہاں اللہ یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ ان سے پہلے لوگ بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ ہماری دولت تو ہماری عقل اور ہماری دانائی کا نتیجہ ہے بلکہ وہ تو آزمائش ہے مگر ان میں بہتوں کو علم نہیں۔ ان سے اگلے بھی ایسے ہی کہہ چکے ہیں۔ لیکن ان کا کمایا ان کے کام نہ آیا۔ پس جو برے کام انہوں نے کیے تھا ان کے برے انجام سے ان کو دوچار ہونا پڑا اور جنہوں نے ظلم کیا جلدی وہ بھی اپنے کام کی سزا سے دوچار ہوں گے۔ اور وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کے لیے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک ان میں ایمان والوں کے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں۔

(سورۃ الزمر من الآیۃ 49 الی 52)

اللہ ہمیں قرآنِ پاک کا فہم عطا فرمائے اور قرآن پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ!

## خطاب نمبر (۳۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حٰمٓ ○ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ
التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ○ مَا یُجَادِلُ
فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْکَ تَقَلُّبُھُمْ فِی الْبِلَادِ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

معزز حضرات، قابل احترام بزرگو اور دوستو، ماؤں اور بہنو، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے تاجدارِ مدینہ، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

آج کے درس میں سورۂ ''مومن'' کی چند آیاتِ مبارکہ اور ان کے ذیل میں واقعات ذکر کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں ۸۵ آیات



اور ۹ رکوع ہیں۔ اس سورت کا آغاز اللہ جل جلالہٗ کی پر جلال اور پر عظمت صفاتِ مبارکہ سے ہوتا ہے۔ کفار کے مخالفانہ طرزِ عمل اور عدم قبول حق پر پیغمبرِ اسلام ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آلِ فرعون میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حمایت میں فرعون کے دربار میں کلمۂ حق بلند کرتے ہیں۔ قرآن عظیم نے ان کو مومن سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس سورت کا نام انھیں کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس سورت میں عرش عظیم کے حاملین فرشتوں کا ذکر ہے کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے دعاے مغفرت بھی کرتے ہیں اور اللہ کی تسبیح بھی کرتے ہیں۔ اس سورت کا آغاز ان کلماتِ مبارکہ سے ہوتا ہے۔

حٰمٓ ○ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ
قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ ط لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ○

(سورۃ المومن، الآیۃ: 1 الی 3)

یہ کتاب نازل کی گئی ہے اس اللہ کی طرف سے جو غالب اور علم والا ہے، گناہوں کی مغفرت کرنے والا ہے، توبہ قبول فرمانے والا ہے، سخت عذاب دینے والا اور انتہائی رحم وکرم فرمانے والا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور اسی کی طرف ہر ایک کو لوٹنا ہے۔

''حٰمٓ'' حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمہ نے اس کو اسمائے الٰہیہ میں شمار کیا ہے، ان کے نزدیک یہ معرفت الٰہی کے خزانوں کی کنجی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض علما نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ شام کا ایک عبادت گزار مومن پارسائی کے اس مقام پر پہنچا ہوا تھا کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا بھائی کہہ کر مخاطب فرمایا۔ پھر کچھ ایسا ہوا کہ بہت دنوں تک آپ کو ان کے بارے میں خبر نہ ملی۔ وہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں؟ ایک مرتبہ ایک شخص حاضر ہوا، تو آپ نے ان

صاحب کے بارے میں سوال کیا۔تو اس شخص نے جواب دیا: حضور! وہ شخص تو تباہ ہوگیا ہے، وہ شراب پیتا ہے، گانے سنتا ہے، لہو ولعب کی محفل میں رہتا ہے۔امیر المومنین کو بے پناہ غم ہوا، بہت غم زدہ ہوئے اور آپ نے ان کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس کا مضمون اسی آیت پر مشتمل تھا۔انھوں نے خط تو لکھا، مگر دنیا بھر کے دعاۃ، داعیانِ دین کے لیے باضابطہ ایک نصاب عمل اور ایک طرزِ دعوت بھی متعین فرمادیا۔خط یہ ہے۔

مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِلٰی فُلَانٍ، سَلَامٌ عَلَیْکُمْ، فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ○

یہ خط ہے عمر ابن خطاب کی جانب سے فلاں کی طرف، ان پر سلام ہو۔بے شک میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، اور شدید سزا بھی دینے والا ہے۔بے پناہ رحمتوں، عنایتوں اور مہربانیوں کا مالک ہے۔اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس خط کو لکھنے کے بعد آپ نے خود بھی اس کی ہدایت کے لیے دعا کی اور حاضرین سے بھی دعا کی درخواست کی۔اس خط کے پاتے ہی اس شخص پر گریہ طاری ہوا۔سچی توبہ کی اور اپنی پرانی صالحیت پر واپس آگیا۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! جب تم اپنے کسی بھائی کو گناہوں میں مبتلا دیکھو، تو اس کو ڈانٹ، پھٹکار، زجر و توبیخ کرنے، برا بھلا کہنے کے بجائے محبت سے اس کی اصلاح کرو، ورنہ اگر تم اس کو مطعون کرنے کی کوشش کروگے تو شیطان اس کو جھوٹی عزتِ نفس میں مبتلا کرکے دین سے باغی کردے گا۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل دنیا بھر کے لیے ایک بہت عمدہ مثال ہے۔



حاملانِ عرش فرشتے عرش عظیم کے ارد گرد اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ مغفرت اور عطائے جنت کے لیے رب العرش العظیم کی بارگاہ میں دعائے مغفرت طلب کرتے ہیں۔آیات کا مفہوم ملاحظہ ہو:

اور وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اس کے گرد اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور اپنے رب پر ایمان رکھتے ہیں۔وہ مومنوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے علم اور آپ اپنی رحمت سے ہر چیز کا احاطہ فرمارکھا ہے۔تو بخش دے ان لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور ان لوگوں کو جنہوں نے تیری راستہ کی اتباع کی انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے اے ہمارے رب! انہیں جنت الخلد میں داخل فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے باپ دادا بیویوں اور اولاد کو بھی جو قابل بخشش ہوگے انہیں بخش دے۔بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے اور انہیں گناہوں کی شناعت سے بچالے اور اس کی سزا سے بچالے۔ اور جس کو تو نے اس دن (قیامت کے دن) بچالیا، گناہوں کی سزا سے بچالیا تو بے شک تو نے ان پر بہت رحم فرمادیا اور یہی ان کی بڑی کامیابی ہے۔ (سورۃ المؤمن، من الآیۃ: 7 الی 9)

فرعون کے چچا زاد بھائی شمعان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے مگر فرعون کے خوف سے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے لیکن جب فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ تیار کیا جانے لگا وہ برداشت نہ کرسکے اور حمایت حق میں اپنی آواز بلند کرنے پر مجبور ہوئے اور انہوں نے بھرے دربار میں ارشاد فرمایا:

''کیا تم اس شخص کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اس مرد مومن کی جرأت دیکھیں فرعون کے دربار میں فرعون کے روبرو جو خود کو ''اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی'' کہتا تھا، رؤسائے دربار کو مخاطب کرکے کہا۔

ایک مرد مومن نے جو آلِ فرعون میں سے تھا اور اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا تھا کہا: کیا تم ایک شخص کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، جبکہ تمہارے پاس اللہ کی نشانیاں لے کر جلوہ گر ہوا ہے۔ اگر وہ شخص جھوٹا ہے تو اس کے کذب کا وبال اس کے سر پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو وہ تم کو پہنچے گا، جس کا تم سے وہ وعدہ کرتا ہے ڈراتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزرنے والا ہے اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میری قوم کے لوگو! آج بادشاہت تمہاری ہے تم زمین پر غالب ہو لیکن اس وقت کوئی تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا اگر وہ تم پر نازل ہو گیا۔'' فرعون بولا میں تو تمہیں وہی سمجھتا ہوں جو میری سمجھ ہے اور میں تمہیں وہی بتاتا ہوں جو بھلائی کی راہ ہے۔ اور وہ ایمان والا بولا ''اے میری قوم! مجھے تمہارے بارے میں گذشتہ معذب جماعتوں کے دن کا خوف ہے، جیسا کہ دستور گزرا ہے یعنی قومِ نوح، قومِ عاد، قوم ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے، اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا۔ اے میری قوم! میں تم سے اس دن کے بارے میں ڈرتا ہوں جب پکار مچے گی، تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، لیکن تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا جسے اللہ گمراہ کرے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

(سورۃ المؤمن، من الآیۃ:28 الی 33)

چند آیات کے بعد قرآن عظیم نے پھر اس مرد مومن کا تذکرہ کیا ہے۔ فرعون کے دربار میں اس مرد مومن نے کہا ''اے میری قوم! میری اتباع کرو کہ میں بھلائی کی راہ دکھاؤں اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو محض برتنے کی ہے، یعنی چند روزہ اور آخرت ہمیشگی کا گھر ہے، دائمی گھر ہے۔ جو برائی کرے گا اس کو برائی کے برابر سزا ملے گی، جو نیک عمل کرے گا مومن مرد ہو یا عورت، اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اے میری



قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ شرک کروں، جس کا مجھے علم نہیں ہے۔ اور میں تمہیں عزت والے اور بخشنے والے رب کی طرف بلا رہا ہوں۔ اور جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو بلاشبہ یہ بلانا نہ تو دنیا میں کام آئے گا اور نہ آخرت میں، یا جسے تم بلاتے ہو اس کا بلانا نہ تو دنیا میں کام آئے گا اور نہ آخرت میں۔ یا جن بتوں کو تم بلاتے ہو اس کا بلانا دنیا میں کام آئے گا نہ آخرت میں۔ بلاشبہ ہمارا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور حد سے گزرنے والے دوزخی ہیں اور جلد ہی وقت آنے والا ہے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ اس وقت تم یاد کرو گے۔ اور میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں بے شک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔ (سورۃ المؤمن، من الآیۃ:38 الی 44)

جب فرعون کی قوم کو اس مرد مومن نے صراحتاً حق کی طرف دعوت دی اور اس طرح لوگوں پر اس کا ایمان ظاہر ہو گیا تو اس ظالم قوم نے انھیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، تو وہ مرد مومن کسی پہاڑ کے غار میں پناہ گزیں ہو گئے اور اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا:

وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ○ (سورۃ غافر، الآیۃ:44)

میں اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ آج بھی مسلمانوں کے مصائب و آلام میں بہت بڑا سہارا اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ فرعون نے اس مرد مومن کی تلاش میں اپنے سپاہیوں کو روانہ کیا۔ اس کے سپاہیوں نے ان کے غار کا پتہ لگا لیا لیکن جب قریب پہنچے تو دیکھا کہ درندے غار کی حفاظت کر رہے ہیں، وہ وہاں سے خوف زدہ ہو کر بھاگے۔ اور فرعون کو اطلاع دی فرعون نے اس خیال سے یہ بات اگر لوگوں تک پہنچی تو وہ موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائیں گے ان سپاہیوں کو پھانسی دے دی۔ اور وہ مرد مومن غار سے نکل کر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم میں شامل

ہو گئے۔فرعون کی قوم اپنے کفر وعناد کے باعث غرق کی گئی اور آپ کے ایمان نے آپ کو دنیا میں غرقابی اور آخرت میں عذاب جہنم سے بچالیا۔

## سورۃ حٰمٓ السجدہ

حضرات! اس کے بعد سورۃ "حٰمٓ السجدہ" ہے، یہ بھی مکیہ ہے، اس میں بھی ۵۴ آیات اور ۶ رکوع ہیں۔اس سورت میں دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرداران قریش کی حاضری کے تذکرہ کے علاوہ دین پر ثابت قدم رہنے والوں کے لیے بشارت، قرآن پاک کے اعجاز اور اس کی فصاحت کا ذکر ہے۔

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○

(سورۃ حٰمٓ السجدہ من الآیۃ: 1 الی 3)

"حٰمٓ" حروف مقطعات میں سے ہے۔یہ اُتارا ہوا ہے بے پناہ رحم والے مہربان کا، ایسی کتاب جس کی آیات تفصیل سے بیان کر دی گئیں ہیں۔عربی قرآن علم والوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔اس کے باوجود ان میں اکثر اعراض کرنے والے ہیں اور اس کو قبول کرنے والے کانوں سے نہیں سنتے۔

ان آیات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کتاب مقدس "رحمٰن و رحیم" کی طرف سے اتاری گئی ہے۔اس کتاب کے نزول کا بنیادی مقصد اللہ کی رحمت کا مستحق بنانا ہے اور اس کے عذاب سے محفوظ رکھنا ہے۔اس لیے صفت "رحمٰن و رحیم" کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایک ایسی کتاب جس کی آیات بہت واضح اور روشن ہیں۔ان آیات میں کہیں ابہام،



تعقیہ یا ناقابل فہم باتیں نہیں ہیں کہ اس کتاب کے مخاطب اول تو عرب تھے۔اس لیے اس کو فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا تا کہ اہلِ علم اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔اس مقدس کتاب میں اللہ کی جانب سے اہل حق اور اہل باطل کے لئے اللہ کی بے شمار نعمتوں اور حیاتِ ابدی کی بشارت دی گئی ہے۔اور حق سے اعراض کرنے والوں کے لیے عذاب الٰہی کا اعلان بھی کیا گیا، لیکن اس کے باوجود مخاطبین اول اہلِ مکہ میں اکثریت اس کو سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، اعراض کرنے والے ہیں۔

اس سورت میں اعضا اور جوارح کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے اور کافروں کے الزام باطل کی تردید کی گئی ہے کہ "اللہ ان کی بہت سے بداعمالیوں سے آگاہ نہ ہوگا" اور جب اللہ خود بھی سمیع و بصیر ہے اور قیامت میں بطور ثبوت مجرموں کے ہاتھ، پاؤں اور اس کے دیگر اعضا ان کے اپنے خلاف گواہی دیں گے۔چنانچہ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

اور جس روز اللہ کے دشمن جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور ان سب کو جمع کر دیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔وہ اپنے کھالوں سے کہیں گے "تم نے ہمارے خلاف کس طرح گواہی دی؟" تو وہ جواب دیں گے ہم کو اللہ نے گویائی بخشی، جس نے ہر شخص کو گویائی عطا فرمادی ہے۔اسی نے تمہاری پہلی بار تخلیق فرمائی تھی اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(سورۃ حٰمٓ السجدہ من الآیۃ 19 الی 21)

مکہ مکرمہ میں آغاز میں اسلام لانے والوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور کافر کوشش کر رہے تھے کہ اسلام قبول کرنے والے دوبارہ دنیائے کفر میں واپس آجائیں۔اس کے لئے وہ قرآن اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور الزام تراشی کے ساتھ ساتھ اہلِ

ایمان کو تعذیب، تحریض اور کبھی خطرناک انجام کے خوف سے ایمان سے منحرف کرنا چاہتے تھے اور تحریف کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ خاص طور سے ان غریب مسلمانوں پر جو غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ مگر یہ ایمان کی طاقت تھی کہ ہزاروں کوششوں کے باوجود اہل ایمان کے قدموں میں لغزش پیدا نہ ہوسکی۔ ایمان کا نشہ ہی ایسا ہے جس کو مظالم کی ترشی نہیں اتار سکتی۔

چنانچہ ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کے تسکین قلب کے لیے اللہ اپنی رحمتوں کے حوالے سے ارشاد فرماتا ہے:

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اس پر ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ خوف نہ کرو، غم زدہ نہ ہو اور اس جنت کی بشارت قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور ہم تمہارے مددگار ہیں دنیا میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ اس میں تم کو وہ سب کچھ ملے گا، جس کی تمہیں خواہش ہوگی اور جو کچھ مانگو گے وہ وہاں پر موجود ہوگا اور یہ تمہیں بخشنے والی مہربان رب کی طرف سے میزبانی ہے۔

(سورۃ حٰمٓ السجدہ من الآیۃ 30 الی 32)

آگے اللہ تعالیٰ نے داعیانِ دین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے:

اس شخص سے زیادہ کون اچھا ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، اس لیے برائی کو نیکی سے دفع کرو گے۔ اگر ایسا کرو گے جو تمہارا دشمن ہے وہ تمہارا دوست ہو جائے گا اور یہ دولت صرف صابروں کو ملتی ہے اور یہ دولت نہیں پاتا مگر بڑے نصیبوں والا۔

(سورۃ حٰمٓ السجدہ من الآیۃ 33 الی 35)



حضرات گرامی! قرآن پاک کی آیت کا مختصر بیان اس لئے ہے تاکہ آپ کے اندر ایک شوق پیدا ہو تاکہ آپ قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھیں۔ پروردگار ہمیں اور آپ کو فہم قرآن اور عمل بالقرآن کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۳۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِلَیْہِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَکْمَامِھَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِہٖ وَ یَوْمَ یُنَادِیْھِمْ اَیْنَ شُرَکَآءِیْ قَالُوْٓا اٰذَنّٰکَ مَا مِنَّا مِنْ شَھِیْدٍ
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے تاجدارِ مدینہ، سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَ الْحِکَمِ وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

حضرات! پچیسویں پارے کا آغاز جس آیت پاک سے ہوتا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا اور کوئی پھل اپنے غلاف سے نہیں نکلتا



اور نہ کسی مادہ کو پیٹ رہے اور نہ جنے مگر اس کے علم سے اور جس دن انہیں ندا فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک کہیں گے ہم تجھ سے کہہ چکے کہ ہم میں کوئی گواہ نہیں۔

حضرات! قیامت کا علم اسرار الٰہیہ میں سے ایک سر عظیم ہے جس کی مثال یہ ہے کہ قیامت کے تعین سے لوگ بے عمل ہو جائیں گے۔ ان کو یہ خیال ہوگا کہ ابھی تو قیامت میں بہت دن باقی ہیں، بہت سے سال باقی ہیں بہت زمانہ باقی ہے، اس لئے قیامت کے سن، زمانے اور تاریخ کا قطعی علم نہیں دیا گیا۔ اس کے بارے میں یہ فرمایا گیا ''بَغْتَۃً'' اچانک آئے گی۔ لوگ اس کے بارے میں بے خبر ہوں گے اور اچانک قیامت ان پر آجائے گی۔ البتہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعطائے الٰہی قیامت کے بارے میں بہت سی سے نشانیاں اور علامات دنیا کو بتائی ہیں۔ وہ علامتیں کچھ اس طرح سے بتائی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ ساری قیامتوں کے احوال ان کی نگاہوں کے سامنے ہوں وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم دیا گیا تھا، مگر مصلحت خداوندی کی بنیاد پر۔ انہوں نے اپنی امت کے سامنے اسے ظاہر نہیں فرمایا۔ ہاں، علامتیں واضح فرمادیں کہ جب یہ آثار پیدا ہوں اور ایسا ہو تو قیامت آنے والی ہے۔ ان میں کچھ بڑی علامتیں ہیں کچھ چھوٹی علامتیں ہیں۔ بڑی علامتوں کا ظہور تو ابھی نہیں ہے مگر جو چھوٹی علامتوں کا ذکر ان کا ظہور ہونا شروع ہوگیا ہے، جس کی تفصیلات احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی تھیں آج لوگ ان کا مشاہدہ کررہے ہیں۔

حضرات! انسانوں کا مزاج اور ان کی عادت یہ ہے کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہیں تو خدا کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے ہیں، لیکن اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں تکالیف سے نجات دیتا ہے اور اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے تو وہ ناشکرے ہوجاتے ہیں۔ اور یہ خیال کرتے

ہیں کہ یہ تو ان کا حق ہے یا ان کی اپنی محنت اور لگن کا نتیجہ ہے۔ اللہ رب العزت اس حقیقت کو اس طور پر واضح فرماتا ہے۔

کہ انسان اللہ سے بھلائی مانگنے میں تھکتا نہیں ہے اور جب اسے تکلیف ہوتی ہے تو آپ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور جو تکلیف اس کو پہنچتی ہے اگر اس کے بعد ہم اسے اپنی رحمت سے نوازیں اور رحمت کا مزہ چکھائیں، تو یہ کہتا ہے کہ یہ تو میری ہے، یہ تو میرا حق ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ میرا گمان ہے قیامت کبھی قائم نہ ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً وہاں بھی میرے لئے خوبی ہی ہوگی۔ تو اللہ رب العزت فرماتا ہے: یقیناً ہم کفار کو ان کے اعمال کے بارے میں بتا دیں گے اور اسے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ جب ہم انسان پر انعام فرماتے ہیں، تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب مصیبت پہنچتی ہے، تو لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے۔ (سورۃ حٰمٓ السجدۃ من الآیۃ 49 الی 54)

## سورۃ الشُوریٰ

اس کے بعد قرآن پاک کے اندر سورۃ ''الشُوریٰ'' موجود ہے۔ یہ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے، اس میں ۵۳ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔ ان کے مضامین میں کافروں کے سوالوں کا جواب ہے۔ اس سوال کا خاص طور پر کہ ''کیا انسان بھی نبی ہو سکتا ہے؟'' کافروں کے انکار اور نافرمانی پر عذاب الٰہی کے تذکرے ہیں۔ رزق کی تقسیم کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ اس کی اپنی مصلحت ہے اس کی بنا پر وہ جس کا جو مقدر ہوتا ہے اس کو روزی دیتا ہے۔ اور یہ فرمایا گیا کہ اہل ایمان وہ اپنے معاملات کو آپس میں مشورے کی بنیاد پر طے کرتے ہیں۔ آغاز سورت ان الفاظ مبارکہ سے ہوتا ہے:



حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

حروف مقطعات کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے: اسی طریقہ سے ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں اور ان کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں، اللہ غالب حکمت والا ہے۔ آسمان وزمین اور ان میں جو کچھ ہے اسی کی ملکیت ہے، اور وہ بلند رتبہ اور برتر ہے۔ قریب تھا کہ آسمان کافروں پر پھٹ پڑتا، لیکن فرشتے اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ بے شک اللہ ہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

(سورۃ الشوریٰ من الآیۃ 1 الی 5)

اس سورت کے آغاز میں اللہ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! آپ پر وحی کا نزول اسی طرح ہو رہا ہے، جس طرح آپ سے پہلے انبیائے کرام پر ہوتا رہا ہے۔ اگر یہ کافر آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں تو ان کا یہ خیال ہے کہ ایک انسان نبی کس طرح ہو سکتا ہے؟ آپ سے پہلے جو حاملانِ وحی تھے (انبیاے کرام) وہ بھی تو انسان ہی تھے۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسان ہی نبی ہونا ضروری تھا تا کہ وہ اپنی زندگی کو نمونہ اور اسوۂ کاملہ کی حیثیت سے پیش کر سکے۔

فرشتے تو صرف احکامِ الٰہی کے نفاذ اور تسبیح واستغفار کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ انسان کی ضروریات، حوائج اور بشری تقاضوں سے مبرا ہیں۔ وہ انسانوں کے لیے نمونہ کس طرح بن سکتے ہیں؟ اگر وہ اپنے ملکوتی حسن میں جلوہ گر ہوں، تو ان کو دیکھنے کی تاب کون لا سکے گا، قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ''مِن قَبلِکَ'' فرمایا گیا ہے اور ''مِن بَعدِکَ'' کہیں نہیں۔ جو اس بات کا اعلان ہے کہ آپ سے پہلے انبیا ضرور گزرے ہیں، لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور آپ خاتم النبیین ہیں۔

خالق حقیقی کا انکار اور شرک یہ ایسے بڑے گناہ ہیں، اگر اللہ مواخذہ فرماتا تو ان پر آسمان گر پڑتا اور عذابِ الٰہی سے یہ دو چار ہو جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو بھیج کر ان کی ہدایت کا اہتمام فرماتا ہے، انھیں موقع دیتا ہے، انھیں مہلت دیتا ہے تاکہ وہ ایمان لے آئیں، اور پھر فرشتے بھی ان کے لیے تسبیح کرتے رہتے ہیں اور استغفار کرتے رہتے ہیں، اللہ کی تسبیح کر کے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ غفور و رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب! ہم نے اسی طرح تمہاری طرف عربی قرآن کی شکل میں وحی بھیجی، تاکہ تم ڈراؤ۔ سب شہروں کی اصل ''ام القریٰ'' یعنی مکہ اور جو اس کے ارد گرد ہیں ان کو، اور تم ڈراؤ اکٹھے ہونے کے دن سے جس کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے۔ جب ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں۔

(سورۃ الشوریٰ من الآیۃ 1 الی 5)

دنیا میں رزق کی تقسیم ''غربت اور امارت'' یہ سب اللہ کی تدبیر کا حصہ ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کس کو کتنا دینا ہے۔ اگر پوری دنیا روزِ اول ہی سے امیر ہو جاتی، تو انسان آج بھی پتھروں کے دور میں سانس لے رہا ہوتا۔ غربت اور امارت، پستی اور بلندی یہ سب اس لیے ہیں کہ انسان کشائش حیات میں ہمیشہ آگے بڑھتا رہے اور اختراعات اور ایجادات کے ذریعہ کرۂ زمین کو ترقی یافتہ بناتا رہے اور آباد کرتا رہے۔ اسی طرح اگر اللہ کسی فرد یا کسی ایک طبقہ کو دائمی طور پر دولت اور اقتدار سے نوازتا تو وہ طبقہ یا وہ فرد فرعون اور نمرود کی طرح دنیا پر مظالم کی انتہا کر دیتا، مگر '' تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ '' کے پیشِ نظر اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو بلندی اور پستی، غربت اور امارت دیتا رہتا ہے تاکہ کائنات کا توازن قائم رہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: اللہ قادرِ مطلق اور رزاقِ عالم ہے۔ جس کے لیے چاہتا ہے رزق



کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے بے، شک وہ ہر شے کا جاننے والا ہے، اللہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔ جسے چاہتا ہے دیتا ہے وہی طاقت وقوت والا ہے۔ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہے، ہم اسے بڑھائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے، اسے کچھ دیں گے، لیکن اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ انبیائے کرام نے ہمیشہ اپنی دعوت کے حوالے سے ارشاد فرمایا: اے لوگو! ہم تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتے، ہم تو دعوت کا کام ہمیشہ حکم الٰہی کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ یہ بات مختلف ادوار میں مختلف انبیائے کرام نے اپنی اقوام سے ارشاد فرمائیں یہ وہی لوگ ہیں یہ نہ سوچیں کہ انبیائے کرام کی دعوت یا ان کا تبلیغی کام یہ ان کے اپنے ذاتی فائدے کے لیے ہے۔ اس سے وہ کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دولت، اقتدار۔ ان تمام باتوں کی وضاحت مختلف آیتوں میں فرما دی گئی کہ ہم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ ہمارا اجر تو اللہ کے حوالے ہے۔ یہاں اللہ ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اہل قرابت سے محبت کریں۔

اللہ کے ارشاد گرامی کا خلاصہ یہ ہے اے محبوب! آپ دیکھو گے کہ قیامت کے دن ظالم اپنے اعمال بد کی بنیاد پر خوف زدہ ہوں گے جن کا وبال یقیناً ان پر واقع ہونے والا ہے، لیکن جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں وہ جنت کے باغات میں ہوں گے اور ان کے لیے ان کے رب کے پاس سے وہ سب کچھ ہوگا جس کی وہ خواہش کریں گے اور یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ یہی وہ فضل ہے جس کی بشارت اللہ نے اپنے نیک بندوں اور صالحین کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے پیغمبر! فرما دیجیے، میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر اہلِ قرابت کی محبت۔ ہم ان کی نیکیوں کو اور بڑھا دیتے ہیں، اور بے شک اللہ بخشنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔ (سورۃ الشوریٰ الآیۃ:23)

"اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" سے مراد مومنین کا آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنا ہے یا رشتہ داروں کا آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنا ہے۔ اسلام کا حسن یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں گے، یہ محبت دائمی ہوگی، کبھی نہ فنا ہونے والی ہوگی، ہمیشہ باقی رہنے والی ہوگی۔ اس لیے کہ انجام خیر کی خاطر اللہ و رسول سے محبت کرنا یا مومنین سے محبت کرنا بڑی خوبی ہے۔ جو لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں وہ لوگ آپس میں لڑتے ہیں، دنیا حاصل کرنے کے لیے مسابقت کرتے ہیں، جنگیں ہوتی ہیں، اختلافات ہوتے ہیں، خون خرابا ہوتا ہے، لیکن جو لوگ اللہ و رسول سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت آپس میں بڑھتی جاتی ہے۔ اور وہ محبت ایسی ہوتی ہے کہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ اور پھر جنت میں بھی آپس میں محبت کریں گے۔

فرمایا گیا ہے" اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ " آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے گا۔ اگر آپ اہلِ ایمان سے محبت کریں گے تو آپ اہلِ ایمان کے ساتھ جنت میں رہیں گے اور محبت کا یہ سلسلہ دنیا میں بھی قائم رہے گا اور آخرت میں بھی۔ دین کی بنیاد پر محبت کرنے والے آپس میں کبھی نفرت نہیں کر سکتے، کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیتا ہے کہ آپ فرما دیجیے کہ میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اہلِ قرابت سے خواہ وہ نسبی قرابت ہو یا دینی قرابت ہو، ان سے محبت کرو۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ "اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی" سے مراد اہلِ بیتِ رسول ﷺ ہیں۔ بلاشبہ یہ ہر مومن کا ایمان ہے کہ جو اہلِ بیت سے محبت نہ کرے وہ مومن نہیں ہے" اَلَا لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا مَحَبَّۃَ لَہٗ "رسول پاک سے محبت، اہلِ بیت سے محبت یہ ایمان کی علامت اور پہچان ہے۔ جو مومن ہے یقیناً وہ آقائے دو جہاں ﷺ اور اہلِ بیت سے محبت



کرے گا۔ اس لیے اگر یہ دونوں مفہوم لیے جائیں تو اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اہلِ بیت سے بھی محبت کی جائے، صحابہ سے بھی محبت کی جائے، جملہ اہلِ ایمان سے محبت کی جائے اور دین کی بنیاد پر اہلِ قرابت سے بھی محبت کی جائے۔

آگے فرمایا جاتا ہے کہ سرمایے کی کثرت فساد فی الارض کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ رزق کو اپنے بندے پر کشادہ فرما دیتا ہے تو وہ کبھی زمین پر بغاوت اور سرکشی کرنے لگتے ہیں، لیکن اللہ اپنی مرضی کے مطابق رزق نازل فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے بندوں کی حالات سے مکمل طور پر باخبر ہے اور دیکھنے والا ہے۔ وہی پروردگار ہے جو بارش کو اس وقت نازل فرماتا ہے جب لوگ مایوس ہو جاتے ہیں اور اپنی رحمت کو وسیع فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ وہی کارسازِ حقیقی اور لائق حمد وثنا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے:

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی تخلیق ہے۔ وہ ذی روح جو زمین و آسمان میں پھیلا دیے گئے ہیں ان کو جب چاہے جمع کرنے پر قادر ہے۔

(سورۃ الشوریٰ الآیۃ:29)

اور تم کو جو بھی مصیبت پہنچتی ہے۔ یہ وہی ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے یعنی تمہارے بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ جبکہ اکثر لوگوں کو اللہ معاف بھی فرما دیتا ہے۔

(سورۃ الشوریٰ الآیۃ:30)

اور تم کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف دنیا میں برتنے کا ہے یعنی جو کچھ تم کو دنیا میں دیا گیا ہے وہ بہت ہی معمولی متاع ہے لیکن جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (سورۃ الشوریٰ الآیۃ:36)

یہ لوگ بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے اجتناب کرتے ہیں اور جب انھیں غصہ آتا

ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کو قائم رکھا ان کا معاملہ یہ ہے کہ آپس میں مشورے سے اپنے معاملات کو طے کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (سورۃ الشوریٰ الآیۃ: 38/37)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی نے ''وَاَمْرُهُمْ بَيْنَهُمْ شُوْرٰى'' سے شورائی نظام کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے معاملات مشورے کی بنیاد پر طے ہونے چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت کی بنیاد بھی شوری ہی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے حبیب تاجدارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ اے محبوب آپ معاملات میں اپنے صحابہ سے مشورہ کرلیا کیجیے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے مشورہ کے محتاج نہیں تھے۔ وہ تو براہ راست اللہ سے احکام لیتے تھے اور بندوں پر نافذ فرماتے تھے وہ تو جو بھی فرماتے تھے فرمان الہی کے مطابق فرماتے تھے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۃ النجم، الآیۃ: 4/3)

جو کچھ بھی آپ فرماتے ہیں فرمان الہی کے مطابق فرماتے ہیں تو پھر وہ مشورہ کے محتاج تو نہیں تھے، مگر پھر بھی مشورہ کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ یہ سنت رسول بن جائے اور مسلمان جہاں کہیں بھی جب کہیں بھی کوئی نظام قائم کرے تو شورائی نظام ہو، مشورہ کی بنیاد پر ہو، ڈکٹیٹر شپ کی بنیاد پر نہ ہو، بادشاہت کی بنیاد پر نہ ہو۔

یہ اسلام کا نظام ہے جو حکومت سے متعلق بھی ہے اور معاشرتی زندگی سے متعلق بھی ہے اسلام کے جمہوری وشورائی نظام اور دنیا کے جمہوری نظام میں یہ فرق ہے کہ جمہوریت عامہ عوام کے ذریعہ کی تو جاتی ہے مگر اکثریت کی بات اقلیت پر مسلط کر دی جاتی ہے اکثریت کے جبر وتشدد کے نیچے اقلیتیں دبی رہتی ہیں مگر اسلامی جمہوریہ میں حقوق متعین کر دیئے گئے ہیں



اقلیتوں کے بھی اور اکثریت کے بھی۔ اس لیے اگر کوئی قانون بنے گا بھی تو اسی دائرے میں جو قرآن نے متعین فرما دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کے نظام اسلامی میں کسی پر ظلم نہ ہوگا بلکہ مکمل عدل کے ساتھ فیصلے کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۳۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حٰمٓ ○ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

معزز حضرات، عزیزان گرامی، قابل احترام بزرگو، دوستو، نوجوانو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بات شروع کرنے سے پہلے سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوۃ وسلام عرض کرلیں۔ پڑھئے!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

آج سورۂ زخرف کی چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تعالی ہمارے سینوں کو قرآن عظیم کے فہم کے لیے اور احکامِ قرآنیہ پر عمل کرنے کے لیے کھول دے۔ حضرات یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس میں ۸۹ آیات



اور ۷ رکوع ہے ۔اس سورت میں مندرجہ ذیل مضامین کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ابوالانبیا ہیں جب آپ جلوہ گر ہوئے اس وقت کہیں بھی خدائے وحدہ قدوس کی عبادت کا کوئی تصور نہ تھا۔ انہوں نے توحید کی دعوت دی اور اس کے نتیجہ میں بہت سی مشکلات اور مصائب سے دو چار ہوئے یہاں تک کہ آپ کو آتش کدے میں بھی ڈالا گیا مگر اللہ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔

لیکن کامیابی کے بعد بھی ان کو یہ فکر تھی کہ میرے بعد بھی عقیدۂ توحید پر قائم رہنے کے لیے کوشش کی جانی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور اپنی اولاد کو اس بات کی بار بار وصیت کی کہ خبردار! شرک کی طرف نہ جانا اور توحید کی دعوت دینا۔ اولاد سے مراد صرف جناب اسمٰعیل اور اسحٰق نہیں ہیں بلکہ اس پیغام میں وہ نسلیں بھی شامل ہیں جو ان کے بعد آنے والی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جناب اسمٰعیل اور جناب اسحٰق علیہما السلام تو نبی تھے وہ توحید پر قائم رہنے والے ہی تھے۔ لیکن ان کے بعد کی نسلوں کے بارے میں یہ خوف تھا کہ جیسے جیسے زمانۂ نبوت سے فاصلہ بڑھتا جاتا ہے اس بُعد کے بعد لوگ انحراف کے راستہ پر چل پڑتے ہیں جیسا کہ جناب نوح علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کے بعد ہوتا رہا ہے۔

اس لیے آپ نے خدائے وحدہ کی بارگاہ میں دعا کی اور آنے والی نسلوں کو وصیت کی کہ تم ہر حال میں توحید پر قائم رہنا مگر ہوا یہ کہ ان کی دعا کے اثرات کئی نسلوں تک تو باقی رہے مگر جیسے جیسے ان کے زمانہ نبوت سے فاصلہ بڑھتا گیا لوگ شرک کی طرف مائل ہونے لگے لیکن اس کے بعد آپ کی دعا کی قبولیت کا وقت آگیا اور حضور سید عالم، سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام اسی قوم میں جلوہ گر ہوئے جو قوم اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کیا کرتی تھی اور پھر شرک کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ فرما

دیا جناب ابراہیم کا تذکرہ بھی اسی حوالے سے کیا گیا ہے۔

حضرات محترم! اس سورت میں مختلف تذکرے کیے گئے ہیں جناب ابراہیم کا تذکرہ، اس کے بعد ایک مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ ذکر الٰہی سے انحراف کا انجام کیا ہوتا ہے جو لوگ اللہ کی یاد سے دل کو غافل کر لیتے ہیں اور جان بوجھ کر باغیانہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں ان کے اس باغیانہ طرز عمل کے نتیجہ میں ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کو اپنا رفیق اور دوست قرار دیتا ہے اور زندگی بھر وہ ان کو غلط راستہ پر ڈالتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنے انجام کو دیکھتے ہیں قیامت میں تو شیطان سے شدید نفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کاش تمہارے اور ہمارے درمیان بعد المشرقین یعنی مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا تم ہمارے قریب کبھی نہ آتے۔ مگر اصلاح کا دور تو گزر چکا تھا قیامت تو دراصل اعمال کے نتائج کا دن ہے اور وہ وقت ہے کہ وہاں ان کا یہ دور رہنا ان کے کام نہ آئے گا۔

جناب مسیح علیہ السلام کے بارے میں کفار کا یہ کہنا تھا کہ آپ ایک خدا کی دعوت دیتے ہیں اور جناب مسیح کے ماننے والے جناب عیسٰی کے تین خداؤں کے ماننے والے ہیں وہ بھی تو مشرک ہوئے نا۔ تو پھر آپ ان کو نبی کیوں مانتے ہو، ان کی تائید کیوں کرتے ہیں، ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب میں کیوں شامل کرتے ہیں۔

اس کا جواب قرآن نے دیا کہ جناب مسیح بھی توحید ہی کے قائل تھے، ان کی قوم گمراہ ہوگئی، ان کی قوم کی گمراہی سے جناب مسیح کے منصب پر اور ان کی پیغمبرانہ عظمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا حضرت مسیح علیہ السلام کا بھی تذکرہ ہوگا۔

اور ایک مقام پر یہ بھی فرمایا گیا کہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جن کا کام ان کے اعمال کو لکھنا ہوتا ہے جن کو کراماً کاتبین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے



حدیث پاک کے مطابق یہ مختصر سرسری سا تعارف ہے اس سورت کا۔ اب میں چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

حٰمٓ ○(۱) وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○(۲) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (سورۃ الزخرف، الآیات: 3/2/1)

حم، حروف مقطعات میں سے ہے۔ یہ کتاب قرآن عظیم کتاب مبین ہے جس کی قسم یاد فرما رہا ہے پروردگارِ عالم کہ یہ کتاب بہت ہی روشن، روشنی دینی والی اور بہت ہی واضح ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے ہر ایک کے لیے قابل فہم ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا ہم نے اس کو عربی فصیح زبان نازل کیا ہے۔

عربی کے معنی ہی فصیح کے ہوتے ہیں اسی لیے عرب اپنے کو عرب اور پوری دنیا کو عجم کہتے ہیں

لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم عقل سے کام لو اور اسے سمجھ سکو

وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (سورۃ الزخرف، الآیۃ: 4)

اور بے شک وہ اصل کتاب میں ہمارے پاس ضرور بلندی وحکمت والا ہے۔

اُمُّ الکتاب سے مراد یہاں لوح محفوظ ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ لوح محفوظ سے نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے اسے ام الکتاب کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ خدائے رحمن ورحیم اپنے بندوں کی ناشکری کی وجہ سے ان پر ہدایات کا دروازہ بند نہیں کرتا یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے جس نے ساری کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ لوگ بار بار نافرمانی کرتے ہیں اور وہ بار بار انبیائے کرام کو ہدایت کے لیے بھیجتا رہا ہے یہاں تک کہ سرورِ کائنات آخری نبی بن کر تشریف لائے۔ ان سے پہلے یکے بعد دیگرے پے در پے انبیائے کرام

تشریف لاتے رہے۔ جب کسی قوم کی نافرمانی اپنے حدود کو پار کرنے والی ہوئی اور جو قوم ہدایت کے قابل نہ رہی اسے یا تو مٹا دیا گیا یا اس کی جگہ پہ کوئی اور دوسری قوم کو ابھارا گیا، لایا گیا اور اسے اس منصب سے ہٹا دیا گیا۔ قرآن عظیم میں انبیائے کرام کے واقعات اس لیے بھی نقل کیے گئے ہیں تا کہ امت مسلمہ جو آخری نبی کو ماننے والی ہے وہ انبیائے کرام کے واقعات کے ذریعہ عبرت پذیری کے مرحلہ سے گزرے، عبرت حاصل کرے۔ اگر ماضی میں انبیائے کرام کی نافرمانی اور استہزا کی بنیاد پر انہیں منصب اور منظر سے ہٹا دیا گیا یا ان پہ عذاب نازل کیا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے ساتھ بھی ہو۔

حضور آخری نبی ہیں، خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی تو نہیں آئے گا لیکن قوموں میں انقلابات آتے رہیں گے، تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ اگر ایک قوم جو مسلمان ہے اسلام کے اصولوں پر عمل نہ کرے اور پیغمبر کے نظام زندگی سے انحراف کرے تو ہو سکتا ہے اس قوم کو کسی طرح ہٹا بھی دیا جائے اور ان کی جگہ کوئی دوسری قوم یا اسی قوم کے دیگر افراد پیدا کر دئے جائیں جو اسلام کو غالب قوت کی حیثیت سے تسلیم کرے۔ اس کی بہت سی مثالیں چودہ سو سالہ تاریخ میں آپ کو ملیں گی۔

بغداد میں جو لوگ عشرت اور عیش کے عادی تھے انہیں ہلاکو اور چنگیز کے ذریعہ منظر سے ہٹا دیا گیا۔ اسی قوم میں اہل ایمان کو پیدا کیا گیا جنہوں نے ان کو منظر سے ہٹایا تھا اور تباہ کیا تھا وہ خود بھی مسلمان ہو گئے اور پھر ان کے ذریعہ اسلام کی شوکت نے وسطِ ایشیا کے بہت سے ریاستوں کو اسلام کی دولت سے آشنا کیا۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے



بلا شبہ جب تک اسپین علم اور تحقیق کے راستے پر آگے بڑھتا رہا وہ آٹھ سو سال تک ایک غالب قوت کی حیثیت سے پورے یورپ کا مرکز علمی تھا اور پوری دنیا کے لیے مرکز تحقیق تھا لیکن جب یہاں آپس میں جنگیں شروع ہوئیں، قبائلی اختلافات شروع ہوئے، تم بربر ہو، تم عرب ہو، ہم اصل اسپینش، تمہارا رنگ یہ ہے، تمہاری زبان یہ ہے۔ جب یہ جھگڑے شروع ہوئے اور لوگ اللہ کے راستہ سے ہٹ کر غلط راستہ پر جانے لگے تو انہیں منظر سے ہٹا دیا گیا۔ لیکن اسی زمانے میں اللہ نے دوسری مملکتیں مسلمانوں کو عطا فرما دیں تو یہ خوف نہیں ہے کہ اسلام مٹ جائے گا اس لیے کہ اسلام قیامت تک کے لیے ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۃ ال عمران الآیۃ:19)

بیشک دین (حق) اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

خوف یہ ہے کہ جو قوم اسلام سے بغاوت کرے گی مسلمان ہونے کے باوجود کہیں وہ منظر سے ہٹا نہ دی جائے اور اللہ اس کی جگہ دوسری قوم جو اس سے بہتر مسلمان ہو وہ نہ لے آئے۔ امت مسلمہ کو اس بارے میں سوچنا ہوگا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو انحراف کرنے والے ہیں ہم ان پر کتابوں کا نزول بند نہیں فرماتے اور یہ مکہ کے لوگ اگر تسلیم نہیں کرتے تو بھی کتاب نازل ہوتی رہے گی اور ہم ان کی ہدایت کے دروازے کھولتے رہیں گے۔ اگر ہدایت یافتہ ہو گئے تو ہماری رحمتوں کے مستحق ہوں گے اگر ہدایت یافتہ نہ ہوئے تو انہیں منظر سے ہٹا دیا جائے گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کیا ہم روک لیں گے نزول قرآن کو اس لیے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔ تم سے پہلے بہت سے نبی گزرے ہیں، ہم نے قومیں بھیجی ہیں لیکن جب ان کے پاس نبی آئے تو ان کی قوم نے ان کا مذاق اڑایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اے مکہ والو! جبکہ وہ تم سے زیادہ طاقتور تھے ان

کو بھی ہلاک کر دیا جس کی مثال گزشتہ قوموں کے حالات میں موجود ہے۔

عجیب بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آقائے دو جہاں سے پہلے مکہ کے لوگوں کو خدائے واحد کی تعلیم دی تھی۔ خدائے واحد کی وحدانیت کا تو انکار کر بیٹھے اور تین سو ساٹھ بت کعبہ میں رکھ دیے لیکن وہ اللہ کو مانتے تھے۔ اگر وہ نہ مانتے تو ان کا نام عبداللہ کیسے ہوتا، اگر اللہ کو نہ مانتے تو منافقین کا نام بھی عبداللہ ابن ابی کیسے ہوتا عبداللہ ان کا نام ہوتا تھا، اللہ کو مانتے تھے۔ ان کا جرم یہ تھا یہ اللہ کی توحید کے منکر تھے وہ بتوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، قبائل کے الگ الگ بت تھے ہر قبیلہ اپنے بت کی عبادت کرتا تھا۔ معاذ اللہ! یہ ان کا جرم عظیم تھا جب ان سے پوچھا جاتا کہ یہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیا تو وہ بھی کہتے تھے کہ اللہ ہی خالق ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ بتوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے، ان پتھروں کو جو بے جان ہیں، جن کے اندر نہ سننے کی طاقت ہے نہ فائدہ پہنچانے کی۔

یاد رکھیے! وہ بے وقوف لوگ نہیں تھے لیکن عقل ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ فیضان الٰہی اور فیضان نبوت نہ ہو۔ کیا آج بھی دنیا میں ایسی قومیں نہیں ہیں جو یہ دیکھتی ہیں کہ پتھر ہیں، انہیں کے ہاتھوں سے تراشے ہوئے ہیں اور پھر بھی اس کے سامنے سر جھکاتی ہیں۔ عقل ان کے پاس بھی ہے مگر تنہا عقل رہنمائی کے لیے کافی نہیں جب تک کہ نبوت کا فیضان نہ ہو اور قومیں دامن نبوت کو نہ تھامیں اس وقت تک ہدایت یافتہ نہیں ہوتیں۔ لوگ خلاؤں میں پرواز کر رہے ہیں، سائنسی ایجادات میں آگے بڑھ رہے ہیں مگر پتھروں کو پوجتے بھی ہیں اور عجیب بات ہے اپنے ہاتھوں سے گڑھتے ہیں۔ چائنہ سے لکڑی کے معبود منگواتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی عقل کی دیوانگی کا یہ عالم ہے اس لیے کہ عقل ہوتی ہے مگر عقل چھین لی جاتی ہے۔ خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔



حضرات! اس حقیقت کو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے اس طور پر کہ کفار اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کا خالق اللہ ہے مگر اس کے باوجود وہ پیغمبر کی دعوت کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے؟ تو جواب دیں گے کہ غالب علم والا اللہ ہی تو ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ الزخرف الآیۃ:9)

اس کے باوجود کہ اس سچائی کو مانتے ہیں شرک کا بھی ارتکاب کرتے ہیں اور بہت سے خداؤں کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا اور اس نے تمہارے لیے راستہ بنایا تاکہ تم منزلِ مقصود تک پہنچ سکو، اور جس نے آسمان سے ایک خاص اندازے کے مطابق بارش نازل فرمائی، پھر اس نے مردہ شہروں کو زندہ فرما دیا، زمینوں کو اسی طرح تم کو بھی قبروں سے نکالا جائے گا مٹی ہو جاؤ گے مگر سبزے کی طرح اگو گے۔ اس لیے کہ اللہ قادرِ مطلق ہے یہ تمہارے نگاہوں کے سامنے ہے۔ (سورۃ الزخرف الآیات:11/10)

حضرات! اس کے بعد ایک ایسی سچائی کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ جس پر کامیابی کا مدار ہے۔ آپ انبیائے کرام کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ جتنے بھی انبیائے کرام تشریف لائے وہ سب بڑے بے سروسامانی کے عالم میں آئے تھے۔ جناب نوح کو دیکھیے اور بھی دوسرے پیغمبروں کو دیکھیے، خود جناب ابراہیم کو دیکھیے، جناب موسیٰ اور عیسیٰ کو دیکھیے یہ دولت لے کر نہیں آئے، سرمایہ لے کر نہیں آئے، اقتدار کے ذریعے سے نہیں آئے۔ جناب موسیٰ کو حکم دیا جاتا ہے:

جاؤ فرعون کو حق کی دعوت دو وہ باغی ہوگیا ہے۔ فرعون" اَنَا رَبُّكُمُ

الْاَعْلٰی" (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) کہہ رہا ہے۔

معاذ اللہ، گو کہ وہ بے پناہ طاقت کا حامل تھا، جس نے انسانوں کی لاشوں پر اپنے اقتدار کی عمارت تعمیر کی تھی، جو بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرواتا تھا تا کہ وہ بڑے ہو کر اس کو چیلنج نہ کر سکیں، جس نے صدیوں تک انسانوں پر مظالم ڈھائے تھے اس فرعون کے مقابلے میں جس کے دل میں رحم و کرم کا کوئی جذبہ نہیں تھا جناب موسیٰ و جناب ہارون کو بغیر ساز وسامان کے بھیجا جاتا ہے جاؤ اسے دعوت دین دو۔

اللہ چاہتا تو انھیں فوج عطا فرماتا، قوت بھی عطا فرماتا، سلطنت بھی دیتا، دولت بھی دیتا اور فرعون سے زیادہ طاقتور بناتا وہ قادرِ مطلق ہے اور پھر کہتا جاؤ فرعون کو دعوت دو۔ لیکن بغیر اسباب کے، بغیر وسائل کے، بغیر مادی ذرائع کے اچانک حکم دیا جاتا ہے کہ جاؤ فرعون کو دین کی دعوت دو اور پھر اللہ کا پیغمبر دین کی دعوت دینے پہنچ جاتا ہے اس خوف کے بغیر کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ وہ دین کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح سے دوسرے انبیائے کرام کا معاملہ بھی ہے۔ جو منتخب تھے، جو مصطفی تھے، جو برگزیدہ تھے۔ جن کو اللہ نے ہدایت کے لیے چنا تھا، جو اس زمین پہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ انہیں بغیر مادی طاقت اور اسباب کے بھیجا گیا، بغیر فوج اور قوت کے بھیجا گیا۔ اللہ نے ایسا کیوں کیا؟

اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ جناب موسیٰ اگر بادشاہ ہوتے اور فرعون بھی بادشاہ ہوتا اور جب دونوں کی جنگ ہوتی تو دنیا یہ سمجھتی کہ دو بادشاہوں کی جنگ تھی۔ ایک کامیاب ہو گیا ایک ناکام ہو گیا۔ لیکن جب انبیائے کرام بادشاہ بن کے نہیں گئے، اسباب اور وسائل کے ساتھ نہیں گئے اور جب انہیں غلبہ حاصل ہوا فرعون اور نمرود ختم کیے گئے۔ تو دنیا نے یہ سمجھا کہ وسائل کی کامیابی نہیں ہے یہ حق کی کامیابی ہے اور صداقت کی کامیابی ہے اور دنیا کو یقین دلایا گیا کہ



تمہارے پاس اسباب ہوں یا نہ ہوں، وسائل ہوں یا نہ ہوں، حکومت ہو یا نہ ہو، فوج ہو یا نہ ہو، دولت ہو یا نہ ہو۔ اگر تمہارے ساتھ حق ہے تو غالب تم ہی رہو گے۔

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ ال عمران الآیۃ: 139)

تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی حالت میں نمرود کے مقابلے میں بھیجا گیا اور پھر اللہ نے ان کو کامیابی عطا فرمائی۔ خود آقائے دو جہاں، سرورِ کائنات ﷺ کے بارے میں کفار مکہ یہ کہتے تھے کہ انھیں نبی کیوں بنایا گیا؟ اگر نبوت دینی ہی تھی تو یہ جو دو بڑے شہر ہیں ان میں کسی عظیم انسان کو دی جاتی جو طاقتور ہوتا، دولت مند ہوتا ابو جہل وغیرہ کی طرح ان کو نبوت دی جاتی یہ غریب ہیں ان کے ساتھ مادی وسائل نہیں ہیں ان کو یہ دولت نبوت کیوں دی گئی وہ سمجھتے تھے شاید نبوت بھی کوئی دنیوی اقتدار ہے، کوئی ایسی کرسی ہے جہاں بیٹھ کر انسان انسانوں پر حکومت کرے گا، وہ نبوت کے مزاج سے آشنا نہیں تھے۔ پیغمبر اعظم سے بھی بار بار یہ مطالبہ کیا گیا کہ اگر نبی ہیں تو اس پہاڑ کو سونا بنا کر دکھا دیجئے، اللہ آپ کو ایسے باغات سے نوازے جن میں ہر طرح کے پھل موجود ہوں۔ اس طرح کے مطالبات وہ کرتے رہے وہ سمجھتے رہے کہ نبوت ایک دنیوی اقتدار کا نام ہے انہیں معلوم نہیں تھا کہ حق ان باتوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔

پیغمبر ہو یا پیغمبر کے ماننے والے ہوں یہ لوگ اسباب پر نہیں خالق اسباب پر اور وسائل پر نہیں مالک وسائل پر بھروسہ کرتے ہیں اور دنیا کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ مسلمانوں، اللہ پر ایمان لانے والو! اگر تمہارے پاس حق ہے تو تم بے بس نہیں ہو۔ ہاں بے بسی تمہارے لیے اس وقت موت بن جائے گی جب تم حق سے انحراف کرو گے اور باطل کے

سامنے سر جھکاؤ گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ○ (سورۃ الزخرف الآیات:27/26)

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ''باپ'' اور اپنی قوم سے کہا میں بیزار ہوں ان معبودان باطل سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ میں عبادت کرنے والا ہوں اس خدا کی جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ (باپ مجازاً کہا گیا ہے آزر چچا تھا۔ پیغمبر اعظم کے نسب میں حضور ﷺ سے لے کر جناب آدم تک کوئی بھی مشرک یا بت پرست نہیں تھا)

آپ نے بتایا کہ کلمۂ توحید کو ہمیشہ باقی رہنا ہے اور آپ نے اپنی اولاد کو تاکید کی کہ وہ ہمیشہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ تشریح (سورۃ الزخرف الآیۃ:28) پھر اللہ فرماتا ہے:

پھر ہم نے ان کی اولاد کو، ان کے آباواجداد کو جو بعد میں آنے والے ہیں دنیاوی مال ومتاع سے نوازا، فیضیاب کیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق کو بیان کرنے والے اور حق کو واضح کرنے والے پیغمبر آئے۔ (سورۃ الزخرف الآیۃ:29)

چونکہ وہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہو چکے تھے اور دین ابراہیمی سے بہت دور ہو چکے تھے ان کے عقیدہ میں اللہ کا تصور تو تھا لیکن اللہ کی صفات اور اس کی توحید کی قدر ان کے ذہن میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔ انہوں نے سرورِ کائنات کا انکار کیا اور حق کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اور جب اُن کے پاس حق آیا بولے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور اس سے ہم انکار کرتے ہیں پھر انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دو بڑے شہروں مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ (سورۃ الزخرف الآیات:31/30)



اور پھر اس کے بعد ایک مقام پر اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ ذکر الٰہی سے انحراف کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جو شخص ذکرِ الٰہی سے اندھا بن جاتا ہے قرآن پاک نے کتنے ہی مقام پر حقائق ناآشنا نگاہوں کو، نہ دیکھنے والی نگاہوں کو اندھا ہونے سے تعبیر کیا ہے جو سچائی ان کو نظر نہ آئے، جو حقیقت وہ نہ دیکھیں۔ تو جو شخص ذکر الٰہی سے اندھا بن جاتا ہے جان بوجھ کر تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کا رفیق بن کر رہتا ہے۔ اور شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ حق سے روکتے رہتے ہیں جب کہ ان کے دل اندھے ہوتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں۔ بے شک جب وہ اندھے آدمی یا اندھے لوگ یا اندھا فرد ہمارے پاس آئے گا تو اس کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ شیطان سے کہے گا اے کاش! ہمارے اور تمہارے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا وہ کیا ہی برا ساتھی تھا۔

یاد رکھیے جو لوگ مسلسل جان بوجھ کر گناہوں میں ڈوبے رہتے ہیں تو یہ ان کے لیے سزا ہے کہ ان کے اوپر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ ان کا دوست بن جاتا ہے اور انہیں مزید گناہوں میں، تاریکیوں میں ڈھکیلتا رہتا ہے۔ ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں حقائق کا ادراک نہیں کرتے یہاں تک کہ قیامت برپا ہو جاتی ہے اور جب وہاں ان کی آنکھیں کھلتی ہیں خدائے قہار وجبار کے جلال وجبروت کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں کاش ہمارے اور شیطان کے درمیان بعد المشرقین ہوتا لیکن اب یہ کہنا ان کے لیے کافی نہ ہوگا جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

یہاں تک کہ جب کافر ہمارے پاس آئے گا اپنے شیطان سے کہے گا ہائے کسی طرح مجھ میں تجھ میں پورب پچھم (مشرق ومغرب) کا فاصلہ ہوتا تو کیا ہی بُرا ساتھی ہے۔

(سورۃ الزخرف الآیۃ:38)

حضرات! قیامت میں ایک اور منظر بڑا عجیب ہوگا دنیا کے گہرے دوست وہاں

دشمن بن جائیں گے۔کوئی بھی دوستی جو صرف دنیا کی بنیاد پر ہوگی وہاں کامیاب نہیں ہوگی۔ان کا عالم یہ ہوگا کہ وہاں وہ ایک دوسرے سے نفرت کریں گے اور ایک دوسرے سے دور رہنے کی کوشش کریں گے،ایک دوسرے پہ الزام دیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا تھا،تم نے غلط راستہ پہ ہمیں ڈالا تھا۔وہاں دوستی کام نہیں آئے گی بلکہ کھلے ہوئے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔مگر وہ لوگ جو ایمان کی بنیاد پہ ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں ان کی دوستی وہاں بھی سلامت رہے گی اور جنت میں بھی وہ دوست بن کر رہیں گے۔یہ دوستی دائمی ہوگی کبھی نہ ٹوٹنے والی ہوگی،کبھی نہ فنا ہونے والی ہوگی۔

حضرات! تعلقات کی دنیا میں لوگ ماں باپ سے محبت کرتے ہیں،لوگ اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں،اپنی بیوں سے کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ مریں گے اور تمہارے ساتھ جئیں گے،تمہارے بغیر ہمارا جینا بے کار ہے۔اگر وہ دنیا دار ہیں تو یہ مرنا جینا ایک ساتھ اسی دنیا کے ساتھ ہوگا۔قیامت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ہوں گے۔باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے بھاگ رہا ہوگا،ماں بیٹے کو پہچاننے سے انکار کردے گی جب بیٹا کہہ رہا ہوگا تھوڑی سی نیکی ہمیں دے دو۔

یہ دردناک کیفیت وہاں ہوگی اور دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے لیکن اہل ایمان کی دوستی سلامت ہی نہیں رہے گی بلکہ جنت میں دائمی ہوگی جو ہمیشہ وہاں رہے گی۔بیویاں اور شوہر دونوں دیندار ہیں تو یہ رشتہ ختم نہ ہوگا اور وہاں جمع کردیا جائے گا۔

ملاحظہ فرمائیے قرآن کہتا ہے" گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار وہ دشمن نہیں ہوں گے ان سے فرمایا جائے گا اے میرے بندو! آج نہ تمہیں کوئی خوف ہے نہ غم اور پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو ہم پر ایمان لانے والے مسلمان تھے۔



ان سے کہا جائے گا جنت میں تم اور تمہاری بیویاں داخل ہوجاو خوشی اور مسرت کے ساتھ۔ان پر گردش کررہی ہوگی سونے کی تھالیاں اور جام زمرد اور وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو ان کا نفس خواہش کرے گا اور آنکھیں لذت یاب ہوگی۔دنیا میں انھوں نے آنکھوں کو برائیوں سے بچایا وہاں آنکھوں کو لذتوں سے نوازا جائے گا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو اور یہ تمہارے اعمال حسنہ کا نتیجہ ہے،تمہارے لیے وہاں بہت کثرت سے پھل ہوں گے جسے تم آسودگی کے ساتھ کھاؤ گے۔

اللہ ہم سب کو اس جنت سے نوازے ہم اور ہمارے اہلِ خانہ ہمارے ساتھ وہاں موجود ہوں اور دنیا کا جو یہ تعلق ٹوٹتا ہے وہ تھوڑے دنوں کے لیے ہوگا اور پھر ہم کو جمع کردیا جائے گا۔آئیے ہم کوشش کریں کہ قرآن کا مردِ مومن بنیں اور جب قرآن کا مردِ مومن بن جائیں گے تو اللہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی عطا فرمائے گا۔اللہ ہم پر اپنا فضل فرمائے۔

اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۳۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حٰمٓ ○ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ○
فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد معدن الجود والکرم منبع العلم والحلم والحکم والہ وبارک وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول صلاۃ وسلاما علیک یا حبیب اللہ صلاۃ وسلاما علیک یانبی الرحمۃ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم



سامعین کرام، حضرات وخواتین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ دخان کی چند آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۵۹ آیات اور ۳ رکوع ہیں۔ اس سورت کا آغاز قرآن عظیم کے نزول کے حوالے سے کیا گیا اور اس کے بعد ایک مبارک رات کا تذکرہ ہے۔ یہ مبارک رات کون سی ہے۔ اس سلسلے میں مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے جو رمضان میں آتی ہے یا پھر شب برأت ہے جو شعبان میں آتی ہے۔ بہر کیف شب برأت ہو یا لیلۃ القدر ہو احادیث کی روشنی میں دونوں راتیں بڑی مقدس ہیں اس لیے اہل ایمان کو دونوں ہی راتوں میں اپنے رب کی عبادت کرنی چاہیے۔

کفار کا اپنی دولت پر ہمیشہ غرور رہا ہے اور سرکار کی مکی زندگی میں ان کا یہ غرور آسمان کو چھو رہا تھا اسی بنیاد پر بہت سے انحراف کر رہے تھے۔ لیکن آقائے دو جہاں، سرورِ کائنات ﷺ جب مدینہ طیبہ میں ہجرت فرما کر تشریف لے گئے تو ان کے غرور اور تکبر کو شکست دینے کے لیے پروردگارِ عالم نے ان پر قحط مسلط کر دیا، ایسا شدید قحط کہ لوگوں نے مردہ پرندوں کو اور کتوں تک کو کھانا شروع کر دیا۔ ایسے موقع پر حضرت ابوسفیان جو اس زمانہ میں مسلمان تو نہیں ہوئے تھے مگر رسول پاک کی عظمت کے قائل تھے۔ وہ مدینہ آئے اور کہا کہ آپ اپنی قوم کے لیے دعا کریں کہ اللہ ان سے یہ عذاب ٹال دے۔

پہلے تو انہوں نے کعبہ مقدسہ یا اطراف وجوانب میں جتنے بھی بت تھے لات وعزی اور ہبل وغیرہ سب سے دعائیں مانگیں مگر ناکام رہے۔ ظاہر ہے وہ کیا سنیں گے اور کیا مدد کریں گے۔ جب وہاں سے مایوس ہوئے قحط بڑھتا چلا گیا تو بارگاہ رسول میں آئے اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔ اس کا تذکرہ بھی سورت کے تحت احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

جب وہ بارگاہ رسول میں آئے تو اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا فرمادی چوں کہ وہ رحمۃ للعالمین تھے اور ان کی رحمت نے اپنے کرم سے کبھی اپنے دشمنوں کو بھی محروم نہیں فرمایا۔آپ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی اور ایسی بارش ہوئی کہ پورا حجاز جل تھل ہوگیا، قحط دور ہوگیا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کھلے ہوئے معجزہ کو دیکھ کر وہ ایمان لے آتے مگر برا ہو شیطان کا اور نخوت وغرور کا کہ جب تک وہ مبتلائے عذاب تھے اس وقت تک دعا کی درخواست کرتے رہے اور جب پیغمبر اعظم کی دعا کے نتیجہ میں ان کے اوپر سے عذاب ہٹالیا گیا۔تو پھر انہوں نے اپنی پرانی روش پر چلنا شروع کر دیا اور پیغمبر کی مخالفت شروع کر دی۔اگر ایسا ہوگیا ہوتا تو بدر وحنین اور خندق کی ضرورت پیش نہ آتی اور مکہ والوں کو اپنے جگر گوشے قربان کی ضرورت نہ پیش آتی دین حق کو مٹانے کے لیے مگر ایسا نہیں ہوا۔ان کے غرور نے،ان کے انحراف کے مزاج نے پیغمبر پر ایمان لانے سے روکا۔کچھ قیامت کی علامتیں بھی اس سورت میں بیان کی گئی ہیں جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان ان علامتوں کو دیکھنے کے بعد توبہ کرے اور آخرت کی تیاری کرلے۔اس سورت کا آغاز یوں ہوتا ہے:

حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○
فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○

حم (حروف مقطعات) قسم اس روشن کتاب کی۔بے شک ہم نے اُسے برکت والی رات میں اُتارا بے شک ہم ڈر سنانے والے ہیں۔اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام۔ہمارے پاس کے حکم سے بے شک ہم بھیجنے والے ہیں۔

سورت کا آغاز بہت سی سورتوں کی طرح حروف مقطعات سے ہوا ہے۔اللہ اور رسول ہی



اس کی مرادِ حقیقی سے واقف ہیں۔وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ قرآن عظیم کی قسم یاد فرماتے ہوئے کتابِ مبین کہا اور قسم ہے اس روشن کتاب کی یا قسم اس کتاب کی جو اپنے معانی اور مفاہیم کے اعتبار سے ظاہر و باہر ہے۔اس میں کوئی بھی اغلاق نہیں ہے،کوئی ناقابل فہم بات نہیں ہے۔

آپ قرآن عظیم کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ قرآن نے ایسا انداز اختیار نہیں کیا ہے جو اس دور کے انسانوں کے لیے ناقابل فہم ہو۔اگر آپ توریت وانجیل اور زبور کا مطالعہ کریں تو اس میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جو بظاہر ناقابل فہم ہیں مگر قرآن پاک کی جو آیات بینات ہیں ان میں کوئی بھی ناقابل فہم بات نہیں ہے۔جو بھی احکامات ہیں بہت ہی واضح ہیں،ہر ایک کے لیے قابل فہم اور قبول کرنے کے قابل ہیں۔مگر قرآن پاک کا یہ اعجاز ہے کہ اس دور کے لوگ اپنے ماحول کے مطابق قرآن پاک کے مفاہیم کو سمجھتے تھے اور آج کے دور کا انسان اپنے ماحول کے اعتبار سے سمجھتا ہے۔قرآن پاک کے مضامین کو سمجھ بھی لیتا ہے اور آج کے دور کے مسائل کا حل بھی تلاش کرلیتا ہے۔

اللہ کی مقدس کتاب آج سے چودہ سو سال پہلے نازل ہوئی ہے۔زمانہ روبہ ترقی رہا ہے،زمانہ کی ضروریات اور تقاضے ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہے ہیں۔آج کے دور میں جو سوالات پیدا ہو رہے ہیں کتاب مبین میں ان تمام سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔مثال کے طور پر آج کے ارتقائی دور میں تہذیب وتمدن کا جو معاملہ ہے اس کے سلسلے میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اس کا جواب بھی قران عظیم کے اندر موجود ہے۔کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ قرآن عظیم آج سے چودہ سو سال پہلے نازل ہوا ہے آج کے لیے قانونِ زندگی کیسے بن سکتا ہے،آج کے سوال وجواب کیسے دے سکتا ہے۔جب کہ یہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی عدالتیں اور دنیا کی مقننات آئے دن قوانین بدلتی رہتی ہیں جیسی ضرورت ہوتی ہے،جیسے تقاضے ہوتے ہیں

اس کے مطابق قوانین میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔قرآن پاک ایک نا قابل تغیر و تبدیل کتاب ہے آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک نازل ہوا تو آج کے دور کے تقاضوں کو قرآن پاک کس طرح پورا کر سکتا ہے یا آج کے دور میں جو معاشی ، سیاسی ، معاشرتی اور اخلاقیاتی ضروریات ہیں ان پہ قرآن پاک کیسے پورا اتر سکتا ہے۔

حضرات ! یہی اعجاز ہے قرآن عظیم کا اس لیے کہ دنیا میں جب لوگ قانون بناتے ہیں انسانوں کی جماعت یا افراد تو وہ صرف اپنے حال کو دیکھتے ہیں ان کے سامنے آنے والا زمانہ نہیں ہوتا۔آنے والے زمانہ کے سلسلہ میں کچھ قیاسیات، کچھ ظن وتخمین لگا سکتے ہیں مگر آنے والے زمانہ کی پوری تصویر ان کے سامنے نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ کل کو نہیں آج کو دیکھ رہے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب کل نئے حالات پیش آتے ہیں تو انہیں اپنے دستور اور قوانین میں تبدیلی پیش کرنی پڑتی ہے مگر قرآن اس خدا کا نازل کیا ہوا ہے جس کے سامنے ہر زمانہ ہر وقت حاضر ہے۔وہ جس طرح سے حال کو دیکھ رہا ہے ماضی بھی اس کی نگاہ کے سامنے ہے مستقبل بھی اس کی نگاہ کے سامنے ہے۔اسی لیے اس نے جو قرآن پاک نازل فرمایا اور کتاب مبین اور اس میں آنے والے تمام مسائل کا مکمل جواب موجود ہے۔

اگر آپ عیسائیت کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ پندرہویں ،سولہویں ،سترھویں بلکہ اٹھارویں صدی تک چرچ میں اور سائنس میں ایک جنگ رہی ہے۔جب بھی سائنس دانوں نے کوئی نئی بات ایجاد کی تو چرچ کے علماء نے ان پر کفر کا فتوی دیا۔کئی ہزار افراد جو سائنس کی بنیاد پر تحقیق اور ریسرچ کر رہے تھے انھیں سولی پر چڑھایا گیا۔کوپرنیکس ہے، گلیلیو ہے۔جب کوئی نئی بات آئی تو انہوں نے کہا کہ یہ کفر ہے مگر کیا یہ اسلام کا کمال نہیں ہے کہ جتنی بھی نئی باتیں ہیں ،نئی ایجادات ہیں ان سب کی تائید قرآن پاک کے ذریعہ ہوتی



ہے،قرآن سے ان ایجادات کی تائید تو ہونا ہی تھا یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے۔اس کے لیے پہلے سے باضابطہ آیات مبارکہ موجود ہیں۔تخلیق آسمان کے بارے میں ،خلاؤں میں پرواز کے بارے میں ،سیاروں میں کسی مخلوق کے وجود کے بارے میں یا خلا میں سیاروں کی گردش کے بارے میں ان کے اپنے دائروں اور پھیروں کے بارے میں قرآن ناطق ہے۔

آقا کے زمانہ میں سمندروں سے اتنی بڑی تجارت نہیں ہوتی تھی جیسے آج ہو رہی ہے جن ملکوں میں سمندر نہیں ہیں آج وہ محتاج ہیں جہاں سمندر ہیں وہ مالا مال ہیں اس لیے کہ سمندروں کے ذریعہ حمل ونقل سہل ہوتا ہے اور تجارت کا مال ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچایا جاتا ہے اور اس طرح دنیا کا ہر مال ہر ملک میں پہنچ رہا ہے۔کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ سمندروں کے بارے میں قرآن پاک نے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا:

وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (سورۃ الاسراء، الآیۃ:70)

ہم نے انہیں غالب کیا ہے سمندروں پر اور خشکیوں پر بھی۔کبھی کبھی فلک اور کشتیوں کا تذکرہ کر کے اللہ حکم دیتا ہے کہ غور کرو ان جہازوں کے بارے میں جو پہاڑوں کی طرح سے دریاؤں میں چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحرا میں جلوہ گر ہوئے تھے لیکن قرآن پاک نے سمندروں کا جو نقشہ کھینچا ہے یہ اس کی حقانیت اور صداقت کا ثبوت ہے۔

جمہوریت آج کے دور کا نظام قانون ہے مگر قرآن پاک نے اس کے بھی حدود متعین کیے ہیں،اس کے بارے میں بھی باضابطہ قواعد متعین کیے ہیں۔غلامی کا خاتمہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہوا ہے لیکن قرآن نے چودہ سو سال پہلے ہی غلامی کو ختم کرنے کی کوشش کی اور پیغمبر اعظم نے اسے ختم بھی کر دیا صرف ختم نہیں کیا بلکہ غلامی سے آزاد کرنے کو عبادت کا مقام دے دیا ہے۔روزہ چھوٹ جائے غلام آزاد کرو،قسم توڑ دو تو غلام آزاد کرو،

ظہار ہو جائے غلام آزاد کرو، کوئی غلطی ہو جائے تو غلام آزاد کرو، جمعہ کا دن آئے تو شکریہ میں غلام آزاد کرو، عید کا دن آئے تو غلام آزاد کرو۔ اور اس طرح آپ نے غلاموں کی آزادی کو عبادت کا مقام دے کر سرزمین عرب سے غلامی کو ختم فرما دیا تھا اور غلاموں کو آقائی کا مقام دے دیا تھا۔ بلال حبشی رضی اللہ تعالی عنہ غلام تھے مگر ان کو آسمانِ ہدایت کا ہلال کامل بنا دیا گیا۔ یہی وہ ذات گرامی ہے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد کعبہ کے چھت پہ کھڑے ہو کر اللہ کی کبریائی کا اعلان کیا تھا اور اذان بھی دی تھی۔ کیا ایک عظیم انعام نہیں تھا اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے۔

حضرات گرامی! اس طرح کے کتنے ہی معاملات ہیں مثلاً مساوات آج کی بات سمجھی جاتی ہے مگر سرورِ کائنات نے اور قرآن عظیم نے تمام انسانوں کو پہلے ہی برابر قرار دے دیا تھا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو، آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر، گورے کو کالے پر کوئی تفوق نہیں ہے کوئی برتری نہیں ہے۔ آج مساوات کی بات کی جاتی ہے، طبقات کے خاتمہ کی بات کی جاتی ہے لیکن قرآن عظیم نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس کا اعلان فرما دیا تھا۔ آپ اندازہ فرمائیں اس طرح کے ہزاروں مسائل ہیں جن کو لوگ آج دور حاضر کی پیداوار سمجھتے ہیں مگر قرآن عظیم میں ان کے لیے باضابطہ ہدایت موجود ہے۔

آئی تھی میرے ساتھ مساوات کی شعاع
یہ آفتابِ وقت کی پہلی کرن نہیں ہے

کیا یہ آپ کو دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کہ مسائل آج پیدا ہو رہے ہیں، سوالات آج پیدا ہو رہے ہیں اور جواب چودہ سو سال پہلے سے موجود ہے۔ کیا یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے اور کتاب مبین خود بھی ظاہر ہے، روشن ہے اور حقائق کو ظاہر کرنے والی اور روشن کرنے والی بھی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے:



"وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" روشن کتاب کی، ظاہر اور باہر کتاب کی قسم

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ (سورۃ الدخان الآیۃ:3)

ہم نے اس (کتاب مبین کو، نور مبین کو) ایک مبارک رات میں نازل فرمایا۔ بیشک ہم (اس کتاب مبین کے ذریعہ اللہ سے) ڈرانے والے ہیں۔

وہ مبارک رات کون سی ہے؟ مفسرین کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اس سے لیلۃ القدر مراد ہے جس کا تذکرہ سورۂ قدر میں ہے۔ "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" لیکن ایک طبقہ یہ بھی کہتا ہے کہ شب برأت مراد ہے۔ اس لیے کہ احادیث مبارکہ میں پندرہویں شعبان کی رات کو انتہائی برکت والی رات قرار دیا گیا ہے اور جو مضامین ہیں وہ بھی اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں نازل فرمایا اور بلاشبہہ ہم اس کتاب مبین کے ذریعہ اللہ سے ڈرانے والے ہیں۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ (سورۃ الدخان الآیۃ:4)

اور اس میں ہر عظیم کام یا حکمت والے کام فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ (سورۃ الدخان الآیۃ:5)

اور یہ جو حکم دیا جاتا ہے اللہ کی طرف سے ہے، ہماری طرف سے ہے اللہ فرماتا ہے اور بلاشبہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے بھی ہیں اور ہم قرآن عظیم کے نازل کرنے والے بھی ہیں۔ پیغمبران کرام کا آنا یا کتاب کا نازل ہونا یہ کیوں ہے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (سورۃ الدخان الآیۃ:6)

یہ رحمت ہے انسانیت پر اے محبوب آپ کے رب کی طرف سے بے شک اللہ تبارک وتعالی سننے والا بھی اور جاننے والا بھی ہے۔

حضرات گرامی ! مبارک رات سے مراد پندرہویں شعبان کی رات ہے اس میں ہمیں عبادت کرنی ہے چاہے۔ پندرہویں شعبان کی شب ہو یا لیلۃ القدر اور خدا کی بارگاہ میں سر جھکانا ہے۔شب قدر کی فضیلت میں سورۂ قدر تو موجود ہے اور واضح ہے۔شب برأت کے بارے میں چند احادیث کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

شب برأت میں اللہ تبارک وتعالی پورے سال کے اہم امور کو کارکنانِ قضا وقدر یعنی فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔نظام کائنات کا مدبر حقیقی تو اللہ تبارک وتعالی ہے لیکن نظام کائنات کو چلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالی نے فرشتے مقرر کیے ہیں اور وہ فرشتے حکم الہی کے مطابق دنیا میں اور کائنات میں کام کرتے ہیں۔جب یہ شب برأت جلوہ گر ہوتی ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس رات کو سارے اہم امور فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے۔اس میں بندوں کا رزق ہے،ان کی عمریں ہیں،ان کی موت ہے۔ان ساری باتوں کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُومُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا، فَإِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُولُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ لِي فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا، حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ

(سنن ابن ماجه كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان الرقم1388

شعب الإيمان كتاب الصيام باب صوم رمضان الرقم:3542 )

سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات آئے تو شب میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو۔اس رات غروب آفتاب کے وقت سے طلوع فجر تک اللہ تبارک وتعالی اپنی شان کے مطابق آسمان اول پہ جلوہ گر ہوتا ہے یا جلوہ فرماتا



ہے اور ارشاد فرماتا ہے' کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کو معاف کر دوں،مغفرت سے نوازوں،ہے کوئی روزی طلب کرنے والا میں اسے رزق فراواں عطا کر دوں اور ہے کوئی مبتلائے الم وغم جو مصیبت دور ہونے کی مجھ سے دعا کرے اور میں اس کو عافیت عطا کر دوں۔مشیت کا یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔

اور دنوں میں بندہ خود اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور درخواست کرتا ہے اپنے رب کی بارگاہ میں۔جب بندہ خود جائے تو کبھی دعا قبول ہوتی اور کبھی نہیں ہوتی ہے لیکن جن راتوں میں،جن ایام میں،مبارک راتوں اور مبارک دنوں میں مشیت خود آواز دیتی ہے بلاتی ہے کہ آؤ میرے پاس میں تمہیں دوں گا ان راتوں میں سوال کرنے اور طلب کرنے والا کبھی محروم نہیں ہوگا۔اس لیے کہ حکم الہی کے مطابق ہی اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھایا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: فَقَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَخَرَجْتُ أَطْلُبُهُ، فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ رَافِعٌ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ. فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ؟ « قَالَتْ، قَدْ قُلْتُ: وَمَا بِي ذَلِكَ، وَلَكِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ، فَقَالَ: »إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعَرِ غَنَمِ كَلْبٍ.

(كتاب ابن ماجه كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان الرقم 1389)

حضرات گرامی! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی کہ فرماتی ہیں ایک شب میں نے سرورِ کائنات کو ان کے بستر پر نہ پایا تو میں ان کی تلاش میں اپنے حجرہ سے باہر نکلی تو میں نے حضور ﷺ کو جنت البقیع میں اس حالت میں پایا کہ وہ اپنا سر مبارک آسمان کی

طرف اٹھائے ہوئے تھے گویا مصروفِ دعا تھے تو انہوں نے مجھے دیکھا تو کہا اے عائشہ! اللہ تبارک وتعالی نصف شعبان کی شب آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اس روز بنوکلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر لوگوں کی بخشش ہو جاتی ہے۔

خدا کریں اس میں ہم بھی شامل ہوں اور آپ بھی شامل ہوں، اللہ ہم سب کو معاف فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



## خطاب نمبر (۴۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حٰمٓ ○ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ○
اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ (سورۃ الجاثیہ،اٰیۃ:3-1)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

سامعین کرام، خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ حضور رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں درودِ پاک کے نذریں پیش کریں۔ اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد معدن الجود والکرم منبع العلم والحلم والحکم واله وبارك وسلم صلاة وسلاما علیك یارسول ﷺ صلاة وسلاما علیك یا حبیب الله۔

آج سورۃ الجاثیہ کے کچھ مضامین پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۳۷ آیات اور ۴ رکوع ہیں۔ اس سورت میں قرآن عظیم کے نزول اور اللہ کی عظیم نشانیوں کا تذکرہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ آسمان اور

زمین کی تخلیق، زمین پر موجود مخلوق اور رات اور دن کی گردش، آسمان سے بارش کا نزول اور اس کے ذریعہ مردہ زمینوں کا زندہ ہو جانا، ہواؤں کا چلنا ان تمام اُمور میں اہل عقل اور اہل دانش کے لیے اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ۔جو لوگ کائنات اور نظام کائنات پر غور کرتے ہیں وہ ان نشانیوں سے خدائے وحدہ قدوس کی قدرت اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لیتے ہیں ۔لیکن جو لوگ کائنات کا مطالعہ نہیں کرتے وہ لوگ اُن نابینا افراد کی طرح سے ہیں جن کے سامنے سب کچھ ہو اور وہ اسے دیکھ نہ سکیں۔

کائنات کا یہ نظام اور اس کی ہر شئ خدائے وحدہ کی کبریائی، اس کی عظمت، اس کے مدبر حقیقی ہونے اور خالق و مالک کے ہونے کا اعلان کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لاشریک می گوید

جو بھی پودا زمین سے اگتا ہے حتی کہ کوئی گھانس بھی تو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہے اور اللہ کے ذکر میں مصروف ہوتی ہے۔

برگِ درختانِ سبز ، در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

درختوں کے سبز پتے اہل عقل و دانش کی نگاہ میں اللہ کی معرفت کی کھلی ہوئی کتاب ہیں ۔انسان اگر پودوں اور ان کی تخلیق پر، ان کے پھل پھول لانے پر غور کرے تو یقینی طور پر اس قادر مطلق کی کبریائی کا اعلان کرے گا جس نے ہر شئ کو پیدا فرمایا ہے۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ اٰیَۃٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ



کائنات کی ہر چیز میں اللہ کے لیے نشانیاں ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ ایک ہے، کائنات کا خالق و مالک ہے، مدبر حقیقی ہے، رزاق مطلق ہے، سب کچھ اس کے حکم سے، اس کی مرضی سے اس کائنات میں وقوع پذیر ہوتا ہے ۔کوئی پتہ نہیں ہلتا ہے بغیر اس کی مرضی کے، کوئی سبزہ نہیں اگتا بغیر اس کی مرضی کے، کوئی بھی شئ قائم نہیں رہتی بغیر تدبیر الٰہی کے۔

آپ اگر کائنات پہ غور کریں تو جس قدر زیادہ غور کریں گے تو اسی قدر زیادہ آپ اللہ کی عظمت کا اقرار کرنے پہ مجبور ہوں گے، یہ خلا کی وسعتیں، اس میں تیرتے ہوئے سیارے اور وہ بے شمار سیارگانِ فلک جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا، کہکشاؤں کا نظام، سیاروں کے درمیان میں ایک متعین فاصلہ جو اگر قائم نہ ہو تو کائنات ختم ہو جائے گی اور پھر کشش ثقل جسے (gravity) کا نام دیتے ہیں جو اس نظام کو سنبھالے ہوئے ہے ۔اس کا پیدا کرنے والا کون ہے، کون ہے جس نے نظام کائنات میں توازن پیدا کر رکھا ہے، کون ہے جو آسمانوں سے بارش نازل کرتا ہے اور سمندروں سے پانی کو بھاپ بنا کر کے بارش میں تبدیل فرما دیتا ہے، بادل بنا دیتا ہے، وہ کون ہے جو موسموں کے آنے جانے کی تدبیر فرمانے والا ہے، وہ کون ہے جس کے حکم سے زمین سبزہ زار بن جاتی ہے، لہلہا اٹھتی ہے، کلیاں کھلتی ہیں، پھول مسکراتے ہیں، پھل نمودار ہوتے ہیں اور انسان ان تمام باتوں سے فیضیاب ہوتا ہے، وہ کون ہے کہ حیوانات کو جس نے پھیلا دیا ہے جو انسانوں کی خدمت کے لیے ہیں جو انھیں غذا بھی فراہم کرتے ہیں، سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور وہ ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ۔ یہ آسمان اور اس کے چمکتے ہوئے ستارے چاند اور سورج یہ سب انسانوں کے لیے ہیں اور انسان عبادت کے لیے ہے ۔آنکھیں بند ہوں تو کوئی بھی چیز نظر نہیں آتی ہے، لیکن آنکھیں کھلی ہوں دل کی آنکھیں، شعور کی آنکھیں، فکر کی آنکھیں تو کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی گواہی دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

انھی حقائق کا اظہار اس سورت کی مختلف آیات مبارکہ میں فرمایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا بھی تذکرہ ہے جو اللہ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کا بھی تذکرہ ہے جنھوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود اور اپنا خدا بنا لیا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ کی عبادت کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ وہی کرتے ہیں جو ان کا دل چاہتا ہے۔ وہ اپنی خواہش کے اسیر ہیں بندے ہیں۔ وہ معبودِ حقیقی کے پوجنے کے بجائے، اس کی عبادت کرنے کی بجائے شب و روز اپنی خواہشات کے تکمیل میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی صلاحیتیں، ان کی عقل، ان کا شعور یہ سب کے سب اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کے خواہشات کی تکمیل ہو جائے ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے لیے امکانات تلاش کریں اور راستے فراہم کریں۔

کسی مفکر نے کہا تھا مغربی مفکرین نے یہ ٹھان لی ہے کہ ہماری عقل کا کام تو صرف یہ ہے کہ ہم خواہشات کی تکمیل کے لیے امکانات کو تلاش کریں اور اس کے لیے راہیں پیدا کریں اس کے علاوہ عقل کا کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔

لوگ علم بھی حاصل کرتے ہیں مگر علم کے ذریعہ بھی وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ ہمارا علم ہم کو دنیاوی سہولتیں فراہم کرے گا، ہماری معیشت اور ہمارے معاش کے امکانات کو تلاش کرے گا اور ہماری زندگی کو آسائشوں سے بھر دے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کائنات میں رہ کر بھی کائنات کو بھولے ہوئے ہیں، زمیں پہ رہ کر کے بھی خالق ارض وسماوات سے ان کا تعلق ٹوٹا ہوا ہے۔ وہ اپنے پیٹ کے اور اپنی خواہشات کے غلام ہیں۔ وہ لوگ صرف وہی کرتے ہیں جو ان کی خواہش ہوتی ہے خواہ اس کے لیے کسی پر ظلم کرنا پڑے، کسی پر زیادتی کرنی پڑے، خواہشات کی تکمیل کے لیے خواہ ہزاروں انسانوں کی خواہشات کو کچلنا پڑے مگر وہ اپنی خواہشات کے غلام ہیں۔ انہیں اپنا معبودِ



برحق یاد نہیں ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

خواہشات کا پیدا ہونا برا نہیں ہے لیکن خواہشات کے لیے جائز راہیں فراہم کرنا اور حدود و قیود کے اندر رکھنا یہ بے پناہ ضروری ہے۔ یہ انسان کا نفس ہے جو انسان کو غلط راستہ پر لے آتا ہے۔ قرآن عظیم نے اس کی وضاحت کی ہے! کہ کچھ لوگ اللہ کے بجائے اپنی خواہش کو، اپنی تمنا کو پوجتے ہیں اور پوری زندگی شعور کی آنکھ کھولنے سے لے کر موت کی ہچکی تک وہ اس بات میں لگے رہتے ہیں کہ ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے کون سا راستہ اختیار کریں۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں رہتی کہ ہماری خواہشات کی تکمیل کے لیے کتنے افراد کی خواہشات کا خون ہوتا ہے اور نہ معلوم کتنے افراد پر ظلم ہوتا ہے۔ بس وہ غلام ہیں اپنی خواہشات کے، وہ اس کی بندگی کرتے ہیں۔ اس کا بھی تذکرہ اس سورت میں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد ان دہریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، نیچریوں کا جو اللہ کو نہیں مانتے۔ جن کا یہ کہنا ہے کہ یہ زمانہ ہی ہمارا خالق بھی ہے اور زمانہ ہی ہمیں زندگی دیتا ہے اور یہی دہر ہمیں فنا بھی کرتا ہے۔ نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی پروردگار ہے، نہ کوئی روزی رساں ہے جو کچھ ہے وہ زمانہ ہے، وہ زمانہ کو قدیم سمجھتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے، اسلامی عقیدہ میں زمانہ بھی اللہ کی مخلوق ہے، اس کی ابتدا بھی اور انتہا بھی، زمانہ بھی پیدا ہوا اور ایک روز فنا ہو جائے گا لیکن وہ اس بات کا یقین نہیں رکھتے۔

ان کا کہنا ہے کہ ہمارا خالق اور ہمیں موت دینے والا صرف زمانہ ہے۔ اس کے علاوہ نہ ہمارا کوئی خالق ہے نہ کوئی ہمیں موت دینے والا ہے اور نہ ہمیں کسی کی بارگاہ میں جواب دینا ہے اور نہ ہمیں اٹھایا جانا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی بڑی تعداد دنیا میں ہر وقت موجود رہی ہے، جو خدائے وحدہ قدوس کا انکار کرتے ہیں، وہ ایتھیسٹ ہیں۔ اور ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قرآن عظیم کا عظیم پیغام دلائل کے ساتھ، ثبوت کے ساتھ ان تک نہیں پہنچایا گیا۔

دوسرے مذاہب خاموش ہو گئے، انہوں نے حالات کے دباؤ میں آ کر اپنا کام بند کر دیا ہے۔

لیکن اسلام ابھی ایک زندہ قوت ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس زندہ مذہب اور کتابِ زندہ اور قانونِ زندہ کی زندگی سے استفادہ کرنے والے صحیح طور پر دنیا میں اپنا کام نہیں کر پا رہے ہیں۔ ہم آپس کے اختلافات میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ہم نے ان حقائق کونیہ کا ادراک کرنا بند کر دیا ہے جس کے لیے ہمیں پیدا کیا گیا تھا، یہ دعا کبھی ہم کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ

اور ہم کبھی یہ کہتے تھے "اے اللہ ہمیں حقائق اشیاء کو جیسی وہ ہیں ویسی دکھا دے" لیکن ہم اب نہ حقائق اشیاء پہ غور کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے ذریعہ معبود برحق کے قریب ہونا چاہتے ہیں۔ جو لوگ خدا کو نہیں مانتے وہ اس سے دور ہیں لیکن جو خدا کو مان رہے ہیں وہ بھی اپنے رب کا تعارف ان لوگوں میں نہیں کرا پا رہے ہیں۔

کبھی یہ اسلام کے داعیان، اسلام کی تبلیغ کرنے والے اتنے عظیم تھے کہ پورے پورے ملک میں کوئی ایک بھی منکر خدا نہیں پایا جاتا تھا۔ وہ مسلمان ہی تھے کہ جن کے آغوش میں غزالی اور رازی پروان چڑھے تھے، بڑے بڑے عقلاء نے جنم لیا تھا، علم و فکر کی قیادت کی تھی۔ ان کے عقل و شعور نے انہیں خدا سے قریب کیا تھا خدا سے دور نہ کیا تھا مگر آج صورت حال مختلف ہے۔ بہت کام کرنا ہے ان لوگوں کو جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اسلام کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے، خدائے حقیقی تک لوگوں کو پہنچانے کے لیے۔ تو اس سورت میں ان دہریوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ زمانہ ہلاک کرتا ہے اور ہم کو زمانہ ہی پیدا کرتا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو دنیا میں قیامت کے منکر ہیں اور اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ قیامت برپا ہوگی اور ہمیں خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔



لفظ جاثیہ کے معنی ہوتے ہیں گھٹنے کے بل چلنے والے لوگ۔ جب انسان بے کسی کی تصویر بن جاتا ہے تو اپنے قدموں پہ کھڑا نہیں ہو پاتا اپنے گھٹنوں کے بل جھک جاتا ہے قیامت کے دن منکرین قیامت کا یہی حال ہوگا کہ وہ اپنے گھٹنے کے بل جھکے ہوئے ہوں گے اور وہ اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ رہے ہوں گے اور اپنی دنیاوی زندگی پہ کف افسوس مل رہے ہوں گے لیکن ان کا کف افسوس ملنا وہاں کوئی فائدہ مند نہیں ہوگا۔ منکرین خدا کا تذکرہ کرنے کے بعد اہل ایمان کا بھی تذکرہ فرماتا ہے۔

یہ تذکرے پورے قرآن عظیم کے اندر side by side چل رہے ہیں۔ اگر جہنم کا تذکرہ ہے تو جنت کا بھی ہے، اگر عذاب کا تذکرہ ہے تو اللہ کی نعمتوں کا بھی ہے، اگر کافروں کا تذکرہ ہے تو اہل ایمان کا بھی ہے، اگر کافروں کے انحراف کا تذکرہ ہے تو اہل ایمان کی اطاعت اور رجوع الی اللہ کا بھی ہے۔ تو یہاں بھی آخر میں یہ تذکرہ کیا گیا کہ اہل ایمان اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور اللہ کا ان پر خاص لطف و کرم ہوگا، وہ اللہ کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ اب آئیے سرسری طور پر میں چند آیات مبارکہ کا ترجمہ پیش کروں۔

حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ: 3/2/1)

حم حروف مقطعات میں سے ہے، یہ کتاب منزل ہے اللہ کی جانب سے جو زبردست اور حکمت والا ہے، بے شک اہل ایمان کے لیے آسمانوں اور زمین میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

تمہاری تخلیق اور وہ حیوانات جو زمین میں پھیلائے گئے ہیں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، گردش لیل و نہار اور باران رحمت جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور اسی

سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندگی عطا فرماتا ہے اور ہواؤں کے چلانے میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے، یہ آیات ہیں جن کو ہم حق کے ساتھ پڑھتے ہیں آپ پر اے محبوب، تو وہ کون سی بات ہے جس پر اللہ اور اس کی آیات کو چھوڑ کر ایمان لائیں گے۔ تباہی ہر بڑے بہتان تراش اور سخت گنہگار کے لیے۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیات 4 الی 7)

اللہ ارشاد فرماتا ہے: وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا ہے جس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلتی رہتی ہیں تا کہ سمندر کے ذریعہ اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کرتے رہو۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:12)

آپ اندازہ فرمائیے! قرآن پاک نے آج سے چودہ سو سال پہلے سمندر کی منفعت اور اس کے وہ فائدے جن سے آج دنیا استفادہ کر رہی رہے اس نے بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا۔ سمندر جس کی موجی طاقت بڑے بڑے شہروں کو برباد کر دیتی ہے لیکن اس کو انسانوں کے قبضہ میں دے دیا گیا ہے۔ دیو پیکر موجیں اور پہاڑوں کی طرح اٹھنے والی موجیں جب چاہیں جہازوں کو ڈبو دیں اور جب چاہیں کشتیوں کو فنا کر دیں مگر کوئی تو ہے جس نے انسانوں کے فلاح و بہبود کے لیے سمندر کی موجوں کو کنٹرول کر رکھا ہے، متوازن کر رکھا ہے۔ جب آج کا دور نہیں تھا بادبانی جہازوں کا دور تھا تو اللہ ہوائیں چلاتا تھا جس کی بنیاد پر کشتیاں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچتی تھیں اور آج اللہ نے انسان کو ایسے وسائل دے دیے ہیں کہ جس کی بنیاد پہ وزنی جہاز ہزاروں ٹن مال لے کر کے سمندروں سے پار ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچتے رہتے ہیں۔

سمندر کتنے ضروری ہیں انسانی روزی کے لیے، انسان کے رزق کے لیے، تلاش رزق کے لیے آج آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ وہی ممالک کامیاب ہیں جو سمندروں



کے کنارے ہیں اور جن کے ذریعہ حمل ونقل کا سامان مختلف ملکوں میں پہنچتا رہتا ہے یا آتا رہتا ہے، EXPORT,IMPORT کا کام ہوتا ہے۔ اگر سمندروں کے ذریعہ یہ نہ ہوتا تو بڑا مشکل ہوتا انسانوں کا اپنے مال کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانا اور وہ کون ہے جس نے انسانوں کو یہ شعور بخشا ہے کہ جس کی بنیاد پر عظیم الشان جہاز سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے سمندروں کی سطح پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچتے ہیں اور انسانوں کے لیے رزق اور عشرت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے جس میں کشتیاں چلتی رہتی ہیں تا کہ تم خدا کا فضل تلاش کرو، اس کا رزق تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرتے رہو۔ اس نے تمہارے لیے آسمان اور زمین کو مسخر کر دیا ہے۔

بظاہر اس دور میں جس دور میں قرآن نازل ہو رہا ہے خلاؤں کی تسخیر کا کوئی نظریہ نہیں تھا۔ زمین پر انسان چلتا تھا، زمین پر انسان سفر کرتا تھا۔ زمین بھی اس طرح مسخر نہ تھی جیسے آج ہے نہ کاروں کا نظام تھا، نہ ٹرینوں کا نظام تھا، انسان اس زمانہ میں جانوروں پر سفر کرتا تھا۔ پوری زمین بظاہر مسخر نہیں تھی مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کو قرآن ہر دور کے لیے نازل کرنا تھا اس لیے اس نے زمین کی تسخیر کے ساتھ، خلاؤں کی تسخیر کا بھی فیصلہ اسی وقت فرما دیا تھا کہ وہ خدا جس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے آسمانوں کو بھی اور زمین کو بھی۔ آج خلاؤں میں جہاز چل رہے ہیں اور خلا کی تسخیر کے لیے تگ و دو ہو رہی ہے۔ لوگ چاند تک پہنچ چکے ہیں، سیاروں پہ کمند ڈال رہے ہیں، مریخ، مارس اور دوسرے مقامات پہ زندگی کی تلاش کی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ تسخیر جو آج انسان کر رہا ہے کس کی بخشی ہوئی قوت ہے، کس نے یہ ذہن دیا ہے، کس نے یہ شعور دیا ہے کہ زمیں بھی مسخر ہو جائے اور خلا بھی مسخر ہو جائے اور یہ

قرآن پاک کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔

غور کیجیے کہ آج سے دو سو سال پہلے اگر کوئی یہ کہتا کہ انسان سینکڑوں ٹن وزنی جہاز لے کر خلا میں پرواز کرے گا اور کئی کئی ہزار میل کی رفتار سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچے گا۔ کیا کوئی یقین کر سکتا تھا۔ لیکن آج انسانی نگاہوں کے سامنے ہے جبکہ قرآن پاک نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ یقیناً تم خلاؤں کی تسخیر بھی کرو گے، خلاؤں میں پرواز بھی کرو گے اور زمین کی وسعتوں کو تم طے کرو گے اور پورا کرۂ زمین تمہارے قدموں کے نیچے ہوگا۔ آج دنیا گلوبل ولیج میں تبدیل ہو چکی ہے اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک انسان کے لیے کتنا آسان ہو چکا ہے۔ یہ تسخیر کائنات کا وہ نظریہ ہے جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے عطا کیا تھا۔

حضرات! اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ اور تمہارے لیے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے ان تمام باتوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:13)

اے پیغمبر آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تا کہ اللہ ایک قوم کو اس کی کمائی کا بدلہ دے۔

(سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:14)

ایامُ اللہ پر یقین نہیں رکھتے ان میں قیامت بھی ہے، مرنا بھی ہے، خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا بھی ہے اور زندگی کے مختلف طبقات بھی ہیں۔ آپ انہیں درگزر کیجئے۔ دلائل کے ذریعہ انہیں سمجھانے کی کوشش کیجئے لیکن نہیں مانتے ہیں تو آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں نہ مسلمان شکستہ دل ہوں، اپنا کام کرتے رہیں ان کو نظر انداز کر دیں۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ کے



انکار کے بعد اور خدا کی بارگاہ میں نہ جھکنے کے بعد ہمیشہ خوش رہیں گے جو اللہ کے دنوں پہ یقین نہیں رکھتے اللہ خود اس قوم کو بدلہ دے گا جو وہ کرتی ہے۔

جو شخص نیک عمل کرتا ہے تو اپنے ہی لیے کرتا ہے اور جو شخص برا عمل کرتا ہے تو اس کا عذاب اسی کے سر ہوگا (نیک عمل کرنے والوں کو جو بھلائی ملے گی وہ بھلائی اسی کے لیے ہے اور برا عمل کرنے کا عذاب اس کے سر پر ہوگا) اور پھر تمہیں یقیناً اپنے پالنہار اور پروردگار کی طرف لوٹنا ہے۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:15)

حضرات گرامی! اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کا تذکرہ فرما رہا ہے جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات ہی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے (اس کے بداعمالیوں کی وجہ سے چونکہ خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے) اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا (یعنی اس لیے نہیں کہ اللہ گمراہ کرنا چاہتا ہے یا اس کی مرضی ہے۔ اللہ تو سب کو ہدایت دینا چاہتا ہے مگر وہ لوگ کہ جن کی بداعمالیاں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ ان کو سزا دینا اللہ کے عدل مطلق کا یقیناً فیصلہ ہے) تو ان کے کانوں پر اور دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے اور ان کے آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں تو اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے کیا تم غور نہیں کرتے ہو۔

(سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:23)

نیچریوں اور دہریوں کا انجام کیا ہوگا جو کہتے ہیں کہ زمانہ ہی سب کچھ ہے یہی ہمیں مارتا بھی اور جلاتا بھی ہے، ہم کسی خدا کو، آخرت کو، حشر ونشر کو نہیں مانتے۔ قبر کے عذاب کو نہیں مانتے۔ ان کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

اور انہوں نے کہا کہ ہماری دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے (یعنی کوئی دوسری زندگی

نہیں ہے ) ہم کو مرنا ہے جینا ہے، ہم کو تو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے جب کہ انہیں حقیقت کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ صرف اپنے ظن وتخمین سے کام لیتے ہیں۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:24)

ظاہر ہے یہ ساری حقیقتیں عالم غیب سے متعلق ہیں اور عقل انسانی کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ، حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم کرلے کہ مرنے کے بعد، قبر ہے، حشر ہے، قیامت ہے اور جنت و دوزخ ہے، انعام اور سزا ہے یا اندازہ ہی کرسکیں۔ ان کے لیے صرف وحی الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اور جب اُن پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو بس اُن کی حجت یہی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کو لے آؤ تم اگر سچے ہو۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:25)

یعنی ان پر جب روشن آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر وہ قیامت کا انکار کرتے ہیں یا آخرت کا انکار کرتے ہیں یا خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو انکار کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ اقرار پر انبیائے کرام کا ایک طویل سلسلہ نظر آئے گا۔ جناب آدم سے لے کر سرورِ کائنات تک لاکھوں انبیائے کرام ایک ہی بات کہتے رہے ہیں۔ آخرت کے بارے میں وجودِ الٰہی کے بارے میں دلائل کے ساتھ گفتگو کرتے رہے اور آج بھی قرآن پاک دلائل سے بھرا ہوا ہے لیکن وہ لوگ اگر انکار کرتے ہیں تو انکار کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وہ محض اپنے ظن وتخمین، اور گمان باطل کے بنیاد پر انکار کرتے ہیں۔ ہاں وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے آباؤ واجداد کو لے آؤ جب وہ کہہ گئے کہ ہم نے آخرت میں دیکھا یا مرنے کے بعد ہم نے دیکھا ہے تو مانیں گے۔ یہ ایسا مطالبہ ہے جس میں وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔

آپ ان سے فرمادیجئے کہ اللہ ہی نے تم کو زندگی دی ہے اور وہی تم کو موت دے گا



اور پھر تم کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے آشنا نہیں ہیں۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:26)

اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت باطل پرست لوگ نقصان اٹھائیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس وقت ایک طبقہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے۔ (یہ جاثیہ کا مفہوم ہے جو اس سورت کا نام ہے) اور ہر گروہ کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا اور یہ ہمارا نوشتہ ہے جو تمہارے بارے میں حق کے ساتھ کلام فرماتا ہے۔ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیات:29/28/27)

اللہ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو بحکمِ الٰہی ہمارے اعمال کو لکھتے ہیں۔ اللہ نے فرشتوں کے کام کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ ان فرشتوں کو ہم کراماً کاتبین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا اور یہی سب سے روشن اور واضح کامیابی ہے۔ (سورۃ الجاثیۃ الآیۃ:30)

میری خواہش یہ ہے کہ آپ جو سماعت فرمارہے ہیں وہ تو کر ہی رہے ہیں لیکن یہ بہت ہی ہلکا سا تعارف ہے قرآن عظیم کی سورتوں کا۔ خدارا! آپ اپنے طور پر کوشش کیجیے کہ قرآن پاک کا مطالعہ کریں اور اپنی زندگی کو قرآن پاک کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کیجئے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۴۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حٰمٓ ○ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ○ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَھُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

سامعین کرام، خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج سورۂ احقاف کی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ آیئے ہم اور آپ سرکارِ کائنات، سرورِ دو جہاں کی بارگاہِ بیکس پناہ میں درودِ پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد معدن الجود والکرم منبع العلم والحلم والحکم واله وبارك وسلم صلاة وسلاما علیك یارسول الله صلاة وسلاما علیك یاحبیب الله۔



سورۂ احقاف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ۳۵ آیات اور ۴ رکوع ہیں۔ زمانۂ نزول ہجرت سے کچھ پہلے دس نبوی کے آس پاس کا ہے۔ اس سورت کے مضامین سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب آقائے دو جہاں سرورِ کائنات ﷺ طائف سے واپس آرہے تھے۔

مکہ مکرمہ میں جو مظالم آپ پر اور صحابۂ کرام پر توڑے جارہے تھے اور جس طرح سے شعب ابی طالب میں آپ کو تین سال تک سوشل بائیکاٹ کے طور پر مقید رکھا گیا اور آپ سے تعلقات قطع کیے گئے۔ صحابہ نے اور آپ کے اہل خانہ نے اس گھاٹی میں فاقوں کی زندگی گزاری اور عالم یہ تھا کہ لوگوں نے زمین کی اگی ہوئی گھاس کھا کر کے گزارا کیا اس دوران کچھ لوگوں کا انتقال بھی ہوا۔ جب وہاں سے کسی قدر آزادی ملی اور شعب ابی طالب سے واپس آئے تو آپ نے سوچا کہ مکہ مکرمہ کے لوگ تو دعوت قبول نہیں کررہے ہیں طائف کے لوگ شاید دعوت قبول کرلیں۔

طائف ایک شاداب شہر تھا، آس پاس کی آبادی میں مکہ مکرمہ کے برعکس باغات تھے، زراعت کا اہتمام تھا۔ زمینیں نرم ہوتی ہیں تو بعض اوقات دل بھی نرم ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کے ہر طرف پتھر ہی پتھر تھے، زمین بھی پتھر کی، دیواریں بھی پتھر کی، مکان بھی پتھر کے، دل بھی پتھر کے، معبود بھی پتھر کے بندہ بھی پتھر کے۔ پتھروں کے اس ماحول میں آقائے دو جہاں نے بہت پتھر کھائے، اس خیال سے کہ طائف میں شاید کچھ لوگ ایمان لائیں آپ نے وہاں کے سرداروں سے ملاقات کی مگر وہاں بھی انتہائی تکلیف سے گزرنا پڑا، بہت تلخ جوابات انہوں نے دئے اور جب وہاں سے واپس ہورہے تھے تو وہاں کے رؤساء نے باضابطہ آوارہ نوجوانوں کو حکم دیا کہ یہ دیوانے ہیں ان پر پتھر مارو۔ آپ آگے بڑھتے رہے اور

پتھر بازی ہوتی رہی، زخموں سے چور چور آپ ایک باغ میں رک گئے اور وہاں آپ نے اپنے چہرے کو دھلا اور وضو فرمایا۔

عداس نامی ایک باغبان تھا، باغ کی نگرانی کرنے والا اس نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو کھجوروں کے چند خوشے پیش کئے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھالیا۔ وہ حیرت سے یہ دیکھتا رہا کہ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا۔ اس نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور یہ مبارک کلمہ کیوں پڑھا ہے جب کہ حجاز اور طائف کے لوگ یہ کلمہ پڑھتے بھی نہیں اور اس سے آشنا بھی نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو تو انہوں نے کہا میں عراق کا رہنے والا ہوں کہا تم جناب یونس کے سرزمین سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں یونس کی سرزمین سے آیا ہوں، وہ پیغمبر تھے، میں ان کا ماننے والا ہوں اور ہمارے یہاں یہ کلمہ پڑھا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی پیغمبر ہوں وہ میرے بھائی تھے جناب یونس علیہ السلام۔ اس شخص نے آپ کے قدموں کو بوسا دیا، ہاتھ کو بوسا دیا۔ اس حالت کو دیکھ کر عتبہ باغ کے مالک اور زمیندار نے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو عداس نے کہا کہ اس وقت کائنات میں ان سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے یہ پیغمبر ہیں اور میں نے انہیں پہچان لیا ہے۔

طائف سے واپسی کے بعد یہ پہلی کامیابی تھی جو آپ کو میسر آئی۔

اس کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اور منیٰ کے مقام پر آپ نے رات گزاری۔ رات کے ایک حصہ میں آپ تلاوت قرآن عظیم فرما رہے تھے کہ اچانک نصیبین کے جنوں کا ایک گروپ ادھر سے گزر رہا تھا۔ تلاوت کی آواز سنی اور وہ ٹھہر گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو منع کیا کہ خبردار خاموش ہو جاؤ یہ کلام الٰہی پڑھا جا رہا ہے۔ کلام الٰہی سننے کے بعد وہ لوگ اپنی قوم میں جنوں کے پاس واپس ہوئے اور جا کر کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ پہلا کلام ہے



جو ہم سن رہے ہیں یہ پیغمبر ہیں، ہمیں ان پر ایمان لانا چاہیئے۔ چنانچہ اس رات طائف کے انسان تو ایمان نہیں لائے مگر جنوں نے ایمان قبول کیا اور انہوں نے اپنی قوم کو دعوت دی۔ یہ واقعہ طائف کے بعد پیش آیا تھا اور سورۂ احقاف میں جنوں کے ایمان لانے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طائف کے سفر کے بعد ہی یہ سورت طیبہ نازل ہوئی ہے۔

طائف کے سفر میں جب آپ بہت زخمی تھے، گر جاتے تو اٹھا دیے جاتے پھر پتھر باری کی جاتی تھی تو آپ کے صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ جناب موسیٰ جیسے نبی نہیں ہیں؟ کیا آپ جناب صالح جیسے نبی نہیں ہیں؟ ہاں میں ویسا ہی نبی ہوں۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟ یا رسول اللہ جب ان پر ظلم کیا گیا تو انہوں نے دعائے ہلاکت کی اور قومیں ہلاک ہوگئیں۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا جو اس قوم نے اپنے نبی پر کیا ہے تو آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا صحابی رسول نے سوچا ہوگا شاید دعائے ہلاکت فرمائیں گے مگر آپ کے لبوں پر یہ لفظ تھا۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے میری قوم مجھے جانتی پہچانتی نہیں ہے۔

صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے یہ سنا اور حیران ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ ایک طبیب، ایک ڈاکٹر مریض کو مارنا نہیں چاہتا بلکہ مرض کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ یہ قوم مریض ہے اس کا مرض یہ ہے کہ یہ مجھے پہچان نہیں رہی ہے اور میں نے ان کے لئے دعا کی ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔ ملک الجبال حاضر ہوئے اور کہا کہ حکم ہو تو طائف کی پہاڑیاں ان پر ڈال دوں اور انہیں کچل دو۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں میں اپنی قوم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، عذاب کے لیے نہیں۔

بہر کیف اس سفر میں جن ایمان لائے تھے اور اس کا تذکرہ قرآن پاک کی اس

سورت میں کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اس سورت میں احقاف کا تذکرہ ہے اور اسی بنیاد پر اس سورت کا نام احقاف رکھا گیا ہے۔احقاف کہتے ہیں ایک ایسے وسیع وعریض صحرا کو کہ جو ٹیلہ دار ہو یعنی میدانی علاقہ نہ ہو بلکہ پستی اور بلندی ہو، اونچے اونچے ٹیلے ہوں، پھر میدان ہو، پھر ٹیلہ ہو یہ کیفیت ہو۔احقاف کا یہ صحرا جغرافیہ دانوں کے نزدیک الربع الخالی تھا۔اس کو آج جغرافیہ میں الربع الخالی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کی وسعت کئی لاکھ مربع میل پہ ہے یہاں ایک طاقتور قوم قومِ عاد رہتی تھی، بے پناہ دولت مند، خود سر اس قوم کی اصلاح کے لیے اللہ تبارک وتعالی نے جناب ہود علیہ السلام کو بھیجا لیکن ان لوگوں نے اپنی دولت اور اپنے غرور اور اقتدار کے نشہ میں پیغمبر کی مخالفت کی، بات نہیں مانی، ایمان نہ لائے تو ان پر ایک عذاب بھیجا گیا بادل کی شکل میں، کالے سیاہ بادل دور سے امڈے ہوئے نظر آرہے تھے۔ان صحرا نشینوں نے یہ سمجھا کہ شاید بلکہ شاید نہیں یقین ہوگیا کہ آج باران رحمت کا نزول ہوگا اور بارش ہوگی اور صحرا جل تھل ہو جائے گا۔صحرائی زندگی میں بارش اللہ کا بہت بڑا انعام ہے وہ اس امید پر بہت خوش تھے۔لیکن ان بادلوں میں عذاب پوشیدہ تھا، ان بادلوں کے ساتھ تیز آندھیوں کا سلسلہ شروع ہوا، تیز آندھیوں کے جھکڑ چلتے رہے اور یہ ایک ہفتہ تک جاری رہا، دن اور رات دونوں وقت یہاں تک کہ وہ پوری قوم صحرا میں دفن ہوگئی، اونچے ٹیلے آبادیوں پر گرے اور یہ زندہ دفن ہوگئے اور ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔

چونکہ ان علاقوں سے مکہ والوں کا گزر ہوتا تھا اور اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو انہوں نے سن بھی رکھا تھا کہ یہاں کبھی ایک قوم تھی، عذاب الٰہی کا شکار ہوگئی تھی۔اس کا تذکرہ کر کے اس سورت میں انہیں دعوت دی گئی کہ وہ بھی نبی تھے، جناب ہود بھی اور سرور کائنات خاتم الانبیاء ہیں ان پہ ایمان لاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہود کی قوم کی طرح سے تمہیں بھی عذاب الٰہی



سے دو چار ہونا پڑے۔

تمہیں کالی گھٹا کا بھی پہچاننا نہیں آتا
نشیمن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے

کبھی کبھی عذاب کو لوگ بارش رحمت سمجھ لیتے ہیں۔

اس سورت میں والدین کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے اور بہت موثر انداز سے بیان کیا گیا ہے۔پیدائش کے وقت ماں جو تکلیفیں برداشت کرتی ہے اور جب بچے خاص عمر کو پہنچتے ہیں تو اپنے ماں باپ کے لیے دعا کرتے ہیں اس لیے کہ ان کو ان تکلیفوں کا احساس ہوتا ہے جو ماں باپ نے اٹھائی ہیں۔

عقل کی بنیاد پر حشر ونشر کا انکار کرنا غلط ہے۔اس کی وضاحت کی گئی ہے اس لیے کہ حشر ونشر کا تعلق عالم غیب سے ہے اور عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہوسکتی۔تو جس چیز تک عقل کی رسائی نہ ہو اس کا انکار کرنا عقلی اعتبار سے بھی مناسب نہیں ہے۔کسی چیز کا عقل میں نہ آنا اس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہے۔آج بے شمار ایسے حقائق ہیں جو آج سے سو، دو سو سال پہلے عقل میں نہیں آسکتے تھے لیکن آج ہم ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق مشاہدات سے ہوتا ہے اس لیے عقل کو انکار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔اس کی وضاحت کی گئی ہے۔آغاز سورت و پارہ ان آیات مبارکہ سے ہو رہا ہے۔

حٰمٓ○تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ○مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ○ (سورۃ الاحقاف الآیۃ:3/2/1)

حم۔حروف مقطعات میں سے ہے یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو غالب

اور حکمت والا ہے۔ ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقرر میعاد پر اور کافر اس چیز سے کہ ڈرائے گئے منہ پھیرے ہیں۔

حم حروف مقطعات میں سے ہے یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ اور یہ کتاب بھی حکمت الٰہیہ سے معمور ہے، دانائی اور شعور بخشنے والی کتاب ہے۔ ہم نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور جو کچھ اس کے درمیان میں ہے۔ حق کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ انتہائی تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے، آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں کہیں کوئی کوتاہی نہیں، کہیں کوئی نقص نہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہو۔ حق وہی ہوتا ہے جس میں نہ کوئی کوتاہی ہو نہ نقص ہو نہ کوئی کمزوری ہو تو ہم نے حق کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو اور اس کے درمیان جو کچھ ہے پیدا فرمایا ہے اور ان کی تخلیق میں اگر انسان غور کریں تو خدا کی کبریائی اور اس کے جلال کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ یہ وسیع و عریض کائنات اور آسمانوں کا نظام اور سیاروں کی دنیا کروڑوں اربوں سال کے دامن میں پھیلی ہوئی ہے اور اس میں کبھی کوئی نقص اور خرابی نہیں ہوئی۔ کیا اس بات کا واضح ثبوت نہیں ہے کہ اللہ کی تخلیق بے مثال ہے اور صرف اسی کی تخلیق ایسی ہو سکتی ہے۔

اللہ فرماتا ہے۔ ''وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی'' ایک متعینہ مدت کے لئے۔

لیکن ہماری یہ تخلیق ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، زمانہ کو، کائنات کو دوام حاصل نہیں۔ ایک متعینہ مدت تک کے لیے یہ کائنات موجود رہے گی اور جب اللہ چاہے گا تو قیامت برپا ہوگی اور یہ کائنات فنا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اور وہ لوگ جو کافر ہیں وہ انکار کر دیتے ہیں ان باتوں کا جن باتوں سے انہیں ڈرایا جاتا ہے اور مکمل رخ پھیر لیتے ہیں، وہ سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے وہ اپنی خرمستیوں میں انحراف پر گامزن رہتے ہیں یہاں تک کہ



بعض اوقات وہ اپنے انجام کار تک پہنچتے ہیں۔

حضرات گرامی! ان آیات میں سے چند آیات کا مختصر مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: کفار ان چیزوں سے روگردانی کرتے ہیں جن سے ان کو ڈرایا جاتا ہے۔

(اے حبیب) تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے یا ان کا کوئی حصہ آسمانوں کی تخلیق میں شامل ہے اگر تم سچے ہو تو اس قرآن عظیم سے پہلے کوئی کتاب یا کوئی علم کے آثار ہی تمہارے پاس ہیں تو لے آؤ۔

(سورۃ الاحقاف الآیۃ:4)

(اور اگر نہیں تو مان لو کہ خالق کائنات کو اور خالق کائنات کی طرف سے جو کتاب نازل ہوئی ہے وہ حق ہے اس پر ایمان لے آؤ۔) اس کے بعد اللہ نے فرمایا:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ وَ مَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○

(سورۃ الاحقاف الآیۃ:9)

تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔

اے پیغمبر فرما دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی انبیائے کرام تشریف لائے ہیں اور میں بھی انہیں کی طرح سے ایک نبی اور ایک رسول ہوں۔ میں از خود نہیں جانتا کہ کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ اور کیا کیا جائے میرے ساتھ۔ اللہ فرماتا ہے کہ کہہ دو میں تو تابع ہوں اس کا جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اور میں تو

صاف صاف ڈرانے والا پیغمبر ہوں۔

حضرات! اس آیات کریمہ کے پیش نظر بعض لوگوں نے سرکار کائنات کے علم غیب کا انکار کیا ہے اور بڑی جرأت کے ساتھ یہ کہہ دیا ہے کہ معاذ اللہ انہیں اپنے انجام کی بھی خبر نہیں تھی۔ حضرات! اس آیت میں درایت کے ذریعہ علم کے حاصل کرنے کا انکار کیا گیا ہے، علم کا نہیں۔ "لَا اَدْرِیْ" کے معنی ہوتے ہیں میں ظن وتخمین کے بنیاد پر از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا۔ اس کے بعد وحیٔ پاک کا تذکرہ ہے۔ میرے اوپر وحی کی جاتی ہے، میرا علم ظنی نہیں قطعی ہے۔ درایت کے ذریعہ جو معلومات ہوتی ہیں وہ ظنی ہوتی ہیں، ظن وتخمین کے بنیاد پر ہوتی ہیں، اندازے کے بنیاد پر ہوتی ہے، محض قیاس کی بنیاد پر ہوتی ہے لیکن میرے اوپر تو وحی الٰہی کی جاتی ہے اس لیے مجھے ظن اور قیاس اور درایت کے بنیاد پر میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا مگر وحی الٰہی کے بنیاد پر یقینا میں سب کچھ جانتا ہوں۔

قرآن پاک متضاد مضامین کا مجموعہ تو نہیں ہوسکتا خود قرآن پاک نے کہا کہ اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بڑے اختلافات ہوتے تو اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ رسول پاک کو علم غیب نہیں تھا تو وہ ان آیات مبارکہ جن میں علم غیب کو عطا فرمانے کا باضابطہ تذکرہ ہے ان کا منکر ہوگا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ (سورۃ ال عمران الآیۃ:179)

اللہ اس لیے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کرے ہاں اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب کے لیے چن لیتا ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ



رَّسُوْلٍ ۙ (سورۃ الجن، الآیۃ:26)

اللہ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۚ (سورۃ التکویر، الآیۃ:24)

پیغمبر غیب کے بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ (سورۃ یوسف، الآیۃ:96)

اے نبی! یہ غیب کی باتیں ہم تم کو مخفی طور پر بتاتے ہیں۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۚ

(سورۃ النساء الآیۃ:113)

اور آپ کو اللہ نے وہ سب کچھ سکھایا جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بے پناہ فضل ہے۔

ان آیات مبارکہ کے علاوہ درجنوں احادیث مبارکہ آقائے دو جہاں ﷺ کے علم غیب کی وضاحت وتصدیق کرتی ہیں۔ آیات شریفہ میں نفی یا تو علم غیب ذاتی کی کی گئی ہے یا تو درایت محض کی۔

اللہ کا علم ذاتی ہے، لامحدود ہے اور نبی کا علم غیب اللہ کی عطا ہے اور محدود ہے۔ یہ فرق اگر ہو تو پھر قرآن پاک میں جہاں علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں علم غیب ذاتی کی نفی کی گئی ہے یا درایت کی نفی کی گئی ہے اور جہاں قرآن پاک میں علم غیب کے عطا کی بات کی گئی ہے، علم غیب عطائی کی بات کی ہے کہ اللہ کی عطا سے وحی پاک کے ذریعہ انبیا کو اور سرور کائنات کو بھی علم غیب عطا فرمایا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سرور کائنات ﷺ نہ ہی اپنی عظمتوں کا تذکرہ کیے ہوتے نہ آپ جنت تقسیم فرماتے۔ تو جو خود قاسم جنت ہو۔ ان کا اپنے بارے میں یہ

کہنا کہ مجھے اپنے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور اس پر جہلا کا یقین کر لینا انتہائی نادانی کی بات ہے۔ قرآن عظیم کے کسی آیت کا مفہوم عرض کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پورا قرآن عظیم سامنے ہو ورنہ کسی آیت کے ظاہری مفہوم کو لے کر بغیر سمجھے ہوئے اگر کوئی فیصلہ کیا جائے گا تو اس سے قرآن پاک اور وحی الہی کی نفی ہوگی۔ جبکہ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (سورة الضحیٰ، الآية:4)

آپ کی ہر آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔

کیا اس آیت کا پڑھنے والا یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (سورة الضحیٰ، الآية:5)

آپ کو آپ کا پروردگار اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

آپ نے اپنے بارے میں خود ارشاد فرمایا:

میں آدم کی اولاد میں سب کا آقا اور سردار ہوں۔ وَلَا فَخْرَ اور یہ فخریہ بات نہیں ہے، حقائق ہیں۔ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ۔ میرے ہاتھ میں قیامت کے دن حمد کا علم ہوگا۔ آدم اور ان کے علاوہ جتنے بھی انبیائے کرام اور جتنے بھی لوگ ہیں اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے، میں قائد ہوں گا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ باب الحوض والشفاعة ذکر الإخبار بأن الأنبیاء أولهم وآخرهم یکونون فی القیامة تحت لواء المصطفی صلی الله علیه وسلم الذکر 6478)



آپ نے اپنے بارے میں تفصیلی خبر دی ہے اب یہ کہنا کہ ان کو اپنے بارے میں معلوم نہیں ہے۔ کیا یہ قران پاک اور احادیث کا انکار نہیں ہے۔

آپ نے عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کی دنیا ہی میں خبر دی ہے۔

(ذکر فی مشکاة المصابیح، کتاب المناقب باب العشرة رضی الله عنه الفصل الثالث الرقم:6118)

جو صحابۂ کرام کو دنیا ہی میں جنتی کہہ رہے ہوں ان کو اپنے بارے میں معلومات نہ ہو۔ معاذ اللہ یہ کب ممکن ہو سکتا ہے۔

جناب فاطمہ کو جنت کی عورتوں کا سردار قرار دیا ہے اور حسنین کریمین کو جنت کے نوجوانوں کا سردار قرار دیا ہے۔ (سنن الترمذی ابواب المناقب باب الرقم:3781)

حضرت ثابت بن قیس کے بارے میں فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہاری زندگی محمود ہو اور منصب شہادت حاصل کرو اور جنت میں داخل کیے جاو۔

صحیح ابن حبان، کتاب إخباره صلی الله علیه وسلم عن مناقب الصحابة رضی الله عنهم أجمعین ذکر ثابت بن قیس بن شماس رضی الله تعالی عنه الرقم 7167)

بخاری شریف کی روایت بھی سنیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ، فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ، مُنَكِّسًا رَأْسَهُ، فَقَالَ: مَا شَأْنُكَ؟ فَقَالَ: شَرٌّ، كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَأَتَى الرَّجُلُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ مُوسَى بْنُ أَنَسٍ: فَرَجَعَ المَرَّةَ الآخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِيمَةٍ، فَقَالَ: "

اذْهَبْ إِلَيْهِ، فَقُلْ لَهُ: إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَلَكِنْ

(صحيح البخاری: كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ

(بَابُ سُورَةُ الحُجُرَاتِ {لاَ تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ 4846)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے لئے ان کی خبر لاتا ہوں۔ پھر وہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے۔ دیکھا کہ وہ گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے؟ کہا کہ برا حال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مقابلہ میں بلند آواز سے بولا کرتا تھا (دراصل آپ کی اواز فطرتا بلند تھی۔) اب سارے نیک عمل اکارت ہو گیئے اور اہل دوزخ میں قرار دے دیا گیا ہوں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس کی اطلاع آپ کو دی۔ حضرت موسیٰ بن انس نے بیان کیا کہ وہ شخص اب دوبارہ ان کے لئے ایک عظیم بشارت لے کر ان کے پاس آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم اہل دوزخ میں سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت میں سے ہو۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ملاحظہ کریں۔

عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ: أَلاَ أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ؟ قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: هَذِهِ المَرْأَةُ السَّوْدَاءُ، أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنِّي أُصْرَعُ، وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي، قَالَ: إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَافِيَكِ فَقَالَتْ: أَصْبِرُ، فَقَالَتْ: إِنِّي أَتَكَشَّفُ، فَادْعُ اللَّهَ لِي أَنْ لاَ أَتَكَشَّفَ، فَدَعَا لَهَا۔



(صحيح البخاری، كتاب المرضى، باب فضل من يصرع من الريح، الرقم:5652؛

صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض، أو حزن، أو نحو ذلك حتى الشوكة يشاكها، الرقم:2576)

عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ مجھ سے حضرت ابن عباس نے کہا کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھاوں، میں نے کہا: کیوں نہیں، انہوں نے کہا: یہ سانولی عورت کو دیکھو بارگاہ رسول میں آتی ہے اور عرض کرتی ہے کہ میں مرگی کی مریضہ ہوں اور میرا جسم کھل جاتا ہے، بے پردگی ہو جاتی ہے۔ (جب مرگی کا مرض آتا ہے تو ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ میں تڑپتی ہوں، پھڑکتی ہوں) آپ اللہ تعالی سے میرے لیے دعا کیجیے، مرض ختم ہو جائے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اس مرض پر صبر کرو اور بدلے میں جنت لے لو یا پھر دعا کروں تو وہ تجھے عافیت دے دے۔ کیا شوق تھا! کہتی ہیں: میں صبر کر لیتی ہوں کیوں کہ میں جنت چاہتی ہوں مگر جب میں تڑپتی ہوں پھڑکتی ہوں تو میرا جسم کھل جاتا ہے بے پردگی ہو جاتی ہے۔ سرکار دعا کیجیے کہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو مگر میں بے پردہ نہ ہونے پاؤں۔ تو رسول ﷺ نے دعا فرمائی۔

وہ اس مرض میں مبتلا رہیں مگر کشف عورت نہ ہوا۔ بعد میں صحابۂ کرام ان کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ دیکھیے جنتی خاتون جا رہی ہیں۔ آقائے دو جہاں نے دنیا ہی میں ان کو جنت کی بشارت دے دی ہے۔ اس طرح کتنے ہی واقعات احادیث کریمہ کے اندر موجود ہے جس میں آقائے دو جہاں نے اپنے امتیوں کے جنتی ہونے کا اعلان کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: ہم نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: "یطلع علیکم الآن رجل من اهل الجنة" تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا۔ اتنے میں ایک

انصاری صحابی آئے، ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور آپ کے بائیں ہاتھ میں نعلین تھے۔ ایک دن فرمایا دوسرے دن فرمایا پھر تیسرے دن، تین بار۔ ایک صحابی نے سوچا کہ آخر یہ کون سا عمل کر رہے ہیں کہ آقا نے ان کو دنیا ہی میں تین دفعہ جنتی قرار دیا ہے۔ تو ان کے گھر گئے اور کہا مجھے اپنے گھر میں اپنا مہمان بنا لیجیے۔ کہا خوش آمدید! تین روز تک ان کے یہاں رہے، دن رات ان کے ساتھ رہے۔ تین روز کے بعد جب واپس آنے کا ارادہ کیا۔ تو یہ پوچھا کہ آپ نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں آپ کا مہمان کیوں بنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ مہمان ہو اور مہمان سے یہ نہیں پوچھا جاتا۔ مہمان نوازی یہ آقا کی سنت ہے تو کہا کہ میں اس لیے آپ کا مہمان بنا تھا کہ آقائے دو جہاں نے آپ کو تین بار جنتی کہا ہے۔

میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا عمل ہے جس کی بنیاد پر دنیا ہی میں جنت آپ کو میسر آ گئی تو انہوں نے غور کر کے سوچ کر کہا آپ نے دیکھ تو لیا ہے کہ بظاہر کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کو میں آپ سے الگ سمجھوں وہی سارے اعمال ہیں جو آپ کرتے ہو وہی میرے بھی ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے شاید یہی وجہ ہو کہ جب میں کسی مسلمان کو کامیاب دیکھتا ہوں ،خوشحال دیکھتا ہوں بڑی خوشی ہوتی ہے اور میں محسوس کرتا ہوں یہ کامیابی میری ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اسے اور کامیابی عطا فرمائے، میں جلن کا شکار نہیں ہوتا بلکہ مجھے بے پناہ خوشی ہوتی ہے کسی مسلمان کو کامیاب دیکھ کر تب انہوں نے سوچا ہاں یہی وہ عمل ہوگا جس کے بنیاد پر آپ کو جنتی قرار دیا گیا۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند انس بن مالك رضی اللہ عنہ الرقم: 12697)

اس طرح کے کتنے ہی واقعات ہیں جو احادیث مبارکہ میں اور قرآن پاک کی آیات میں موجود ہیں جو علم غیب کی شہادت دیتے ہیں۔ اس لیے یہاں یہ کہنا کہ یہاں یہ مراد ہے کہ



نبی کو بھی خبر نہیں تھی یہ بہت ہی جاہلانہ طرز فکر ہے۔ اللہ ہمارے اور آپ کے ایمان کو محفوظ رکھے۔ اور دین اسلام پر ثبات قدم عطا فرمائے۔

آئیے مذکورہ سورت طیبہ کی آیات کا مفہوم پیش کریں۔ قرآن نے دین اسلام پر استقامت رکھنے والوں کو جنت میں ہمیشہ رہنے کا انعام عطا فرمایا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے اور یہی لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ جزا ہے ان نیکیوں کی جو دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ (سورۃ الاحقاف، الآیۃ: 13/14)

حضرات گرامی! والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم بہت سے مقامات پہ آیا ہے اس سورت میں اللہ تعالی نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

اور ہم نے حکم دیا انسانوں کو کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، اس کی ماں نے اپنے شکم میں اسے بڑی مشقت کے ساتھ اٹھائے رکھا، بڑی تکلیف سے جنم دیا اور اس کے بعد حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ تھی۔ پس جب وہ مکمل توانائی کو پہنچا اور چالیس برس کا ہو گیا تو اس نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کی۔ اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کروں تیری ان نعمتوں کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہیں۔ اور میں ایسے اعمال کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح وفلاح رکھ دے۔ میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، میں تیرے حضور جھکنے والوں میں سے ہوں۔ نافرمانوں میں سے نہیں ہوں۔ (سورۃ الاحقاف، الآیۃ: 15)

اور اللہ فرماتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال حسنہ کو ہم قبول فرمائیں گے اور خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔ یہ لوگ جنتیوں میں سے ہیں اور یہی اللہ کا سچا وعدہ ہے جو

ان سے کیا گیا ہے۔ (سورۃ الاحقاف، الآیۃ:16)

حضرات! آپ اس بیان کی روشنی میں قرآن عظیم کو سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کریں۔ اللہ مجھے بھی فہم قرآن کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



## خطاب نمبر (۴۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُنْذِرِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا فَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَمَرْضِیٌّ لَدَیْہِ صَلَاۃً تَبْقٰی وَ تَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ

وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ

وقال: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

صَدَقَ اللہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد معدن الجود والکرم

منبع العلم والحلم والحكم واله وبارك وسلم صلاة وسلاما عليك يارسول ﷺ صلاة وسلاما عليك يا حبيب الله

سامعین کرام، خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ محمد ﷺ کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اس سورت کا نام سورۂ محمد ہے اس لیے کہ اس میں سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آقائے دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام کو جب بھی اللہ نے مخاطب فرمایا ہے تو ہمیشہ یا کے ذریعہ یاایھا الرسول، یا ایھا النبی کے ساتھ مخاطب فرمایا۔ اور انبیائے کرام کو جب مخاطب کیا گیا تو ناموں کے ساتھ، یا آدم، یا عیسی، یا موسی۔ لیکن آقائے دو جہاں ﷺ کو جب بھی خطاب فرمایا اللہ تبارک وتعالی نے تو یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر اس طرح کے الفاظ سے مخاطب فرمایا۔ نام کے ساتھ نہیں بلکہ القاب کے ساتھ، منصب کے ساتھ، نبوت کے حوالے سے، رسالت کے حوالے سے اللہ نے آپ کو مخاطب کیا۔

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب
یا ایہا النبی خطابِ محمد است

لیکن یہاں سرکار کے نام کے ساتھ کوئی لقب نہیں بلکہ سورت میں ان کا نام نامی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں خطاب نہیں ہے بلکہ یہاں کوئی خبر دینی ہے یا کوئی حکم دینا ہے اس لئے صیغۂ غائب کے ساتھ سرکار کا نام لیا گیا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

سورت میں آقا کا نام لینے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کو یہ تعلیم دینی تھی کہ میرے محبوب کو جب مخاطب کرو تو آداب والقاب کے ساتھ بلاؤ، محض محمد کہہ کے نہ بلاؤ جیسے تم ایک دوسرے کو



بلاتے ہو اس لیے اللہ نے بھی اپنے کرم سے، اپنے فضل سے سرورِ کائنات کو جب مخاطب کیا انتہائی آداب کے ساتھ نام پاک القاب کے ساتھ یاد فرمایا۔ یا باضابطہ منصب کے حوالے سے، رسالت کے حوالے سے یا کسی خاص صفت کے حوالے سے ان کو مخاطب کیا۔ لیکن جب کسی واقعہ کا تذکرہ کرنا ہوا یا کوئی حکم دینا ہوا تو وہاں سرکار کے نام پاک کو خطاب کے ذریعہ نہیں بلکہ غائب اسلوب کے ساتھ محمد کہا گیا جب کہ اسم محمد خود ہزاروں صفات کا جامع ہے۔ محمد کے معنی ہی ہوتے ہیں۔ اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ، محمد وہ ذات ہے جس کی ہر حمد کے بعد دوبارہ حمد ہو جس کی مسلسل تعریف کی جائے۔ تو اگر آقا کے ساتھ کسی لقب کا تذکرہ نہ بھی ہو تو لفظ محمد ہی ایسی نعت ہے جس میں ہزاروں خوبیاں پوشیدہ ہیں۔ نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے۔ اس سورت میں ۴ رکوع ہیں اور ۳۸ آیات ہیں۔

سورۂ محمد میں دوران جنگ ثابت قدم رہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی دشمن سے مقابلہ ہو تو پیٹھ نہ پھیرو ثابت قدم رہو اور مقابلہ کرو۔ ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ کی نصرت کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور مجاہدین کو یقین دلایا گیا ہے کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اس سورت میں اسیران جنگ کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے یا تو ان پر احسان کر کے بغیر کسی فدیہ کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر آزاد کر دو مگر جس طرح اس دور میں مستقل غلام بنانے کا ماحول تھا یا قتل کر دینے کا ماحول تھا۔ اس ماحول سے الگ ہٹ کر اللہ کے قانون رحمت نے ان لوگوں پر جو حملہ آور تھے، جنہوں نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے فنا کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ان کے لیے فرمایا گیا کہ یا تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دو یا فدیہ لے لو اس لیے کہ جنگ میں تمہارے اخراجات ان کی وجہ سے ہوئے جو تم پر مسلط کی گئی تھی۔

حضرات گرامی ! اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جنگ بدر میں جو پہلی جنگ تھی اور اللہ نے کامیابی عطا فرمائی اپنے وعدہ کے مطابق ستر قیدی لائے گئے ۔اس زمانہ میں جیلیں تو نہیں تھیں اس لیے اللہ کے رسول نے انہیں بطور مہمان صحابہ کرام کے حوالے کر دیا کہ ان کو اپنے گھروں میں رکھو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۔انہیں گھروں میں رکھا گیا تو صحابہ کرام نے خود بھوکے رہ کر انہیں کھانا کھلایا۔ پہلے انہیں پیش کرتے پھر خود کھاتے نہ ہوتا تو صرف انہیں کھلاتے تھے ۔اس اخلاق کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور بعد میں بیشتر مسلمان ہو گئے ۔

اسلام طاقت سے نہیں پھیلا ہے، اسلام اخلاق محمدی سے پھیلا ہے اس لیے کہ لوہے کی تلوار اٹھتی ہے تو کافر کٹتا ہے مگر اخلاق کی تلوار اٹھتی ہے تو کفر کٹتا ہے اور کافر کو زندگی مل جاتی ہے ۔ہزاروں ایسے واقعات ہیں اسلامی تاریخ میں اور غزوۂ بدر اس کی بہترین مثال ہے ۔

ان غزوات میں بالخصوص غزوۂ بدر اور احد میں منافقین کا جو طرز عمل تھا وہ انتہائی بھیانک تھا ۔ یہ کلمہ پڑھنے والے لوگ اوپر سے مسلمان تھے اندر سے بغاوت کرنے والے تھے اور ہمیشہ دشمنوں کا ساتھ دینے والے لوگ تھے ۔ چنانچہ اس سورت میں پہلی بار ان کو بے نقاب کیا گیا ہے ۔ایک مدت سے وہ سازشیں کر رہے تھے، دشمنوں سے ملتے تھے اور نبی کی بارگاہ میں آ کر وعدۂ حمایت کرتے تھے، کافروں کے پاس جاتے تو کہتے کہ ہم تو صرف مذاق کرنے کے لیے گئے تھے مسلمانوں کے پاس ۔ یہ دورخا کردار جو ان کا تھا آقا نے بار بار معاف کیا، برداشت کیا، صحابہ کرام کو بھی روکتے رہے لیکن یہاں اللہ ہی نے اس سورت میں ان کو بے نقاب کر دیا ہے ۔

کافروں کے بارے میں ایک مقام پر فرمایا گیا کہ وہ اس طرح کھاتے ہیں جس طرح جانور کھاتے ہیں ۔اصل میں صرف ایک عمل کا اشارہ کیا گیا ہے مگر اس میں یہ بتایا گیا



ہے کہ جو جانوروں کا طرز زندگی ہے وہی ان کا بھی ہے ۔ جانور پیدا ہوتا ہے، کھاتا ہے، مرجاتا ہے یہ بھی پیدا ہوتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، عیاشی کرتے ہیں اور مرجاتے ہیں ان کے پاس زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا ہے ۔کسی کی حمایت کرنا کسی کی مدد کرنا، انسانی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا، دنیا کی تعمیر میں حصہ لینا اس طرح کوئی مقصد نہیں ہوتا، کھانا، پینا اور مرجانا کوئی فرق نہیں ہے ان کی زندگی میں اور جانور کی زندگی میں ۔جانور بھی پیدا ہوتا ہے، بڑا ہوتا ہے، جنسی ضروریات کو پورا کرتا ہے، کھاتا پیتا ہے اور مرجاتا ہے یہی حال ہے ان کافروں کا بھی ہے ۔ لیکن مسلمان کا نصب العین، اس کا طرز زندگی بہت مختلف ہوتا ہے وہ پیدا ہوتا ہے کسی مقصد سے اور اپنی جان بھی دیتا ہے تو اسی مقصد سے دیتا ہے ۔ایک مثال سے اس کی وضاحت کی گئی ہے ۔کافروں کے مسلسل مخالفت اور مدینہ طیبہ میں حملہ کرنے کے منصوبے، ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کہ ہم مسلمانوں کو فنا کر دیں گے یا انہیں گرفتار کر کے مکہ لائیں گے اور پھر ان پر مشق ستم کریں گے جس طرح ہجرت سے پہلے کیا کرتے تھے ۔

حضرات ! آپ اندازہ فرمائیں کہ مسلمانوں نے مکہ مکرمہ کیوں چھوڑا تھا، سرکار دو عالم ﷺ نے ہجرت کیوں فرمائی تھی ۔مکہ مکرمہ جو مصطفی کریم ﷺ کا مولد ہے، مکہ جو جناب اسمٰعیل علیہ السلام کا گھر اور قیام گاہ ہے جہاں دنیا کی عظیم ترین خاتون جناب ہاجرہ نے قیام فرمایا اور جہاں کعبہ مقدسہ بنایا گیا اور جس کی دیواروں کے نیچے اللہ کے رسول کے لئے دعا کی گئی ۔ ”رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ“ کتنی محبت رہی ہوگی اس شہر مقدس سے ۔

جب آپ نے مکہ مکرمہ چھوڑا تو آپ کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں اور آپ کہہ رہے تھے ۔ اے مکہ ! میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا اگر میری قوم مجھے مجبور نہ کرتی ۔ظاہر ہے کہ اتنے ظلم کیے گئے تھے کہ آقا نے ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو حبشہ بھیجا اور پھر مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے

کا حکم دیا۔خود انتظار کرتے رہے کہ اللہ فرمائے گا تو ہجرت کروں گا اس لیے کہ نبی اپنی اولین زمین دعوت کو بغیر حکم الٰہی کے نہیں چھوڑتے اور جب حکم ہوا تو آپ نے بھی ہجرت فرمائی۔

جن لوگوں کی مسلمانوں پر ظلم کرنے کی عادت تھی پہلے تو وہ ظلم کرنے کے مواقع تلاش کر رہے تھے۔مسلمان جب مکہ سے مدینہ آئے تو بے گھر تھے، بے سروساماں تھے، کچھ بھی نہیں تھا ان کے پاس۔آقا نے مدینہ کے انصاری صحابہ جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے انہیں حکم دیا کہ آنے والے مہاجر بھائیوں کو اپنا بھائی بنالو اور پھر ایثار کی وہ مثال بھی دنیا نے دیکھی کہ انصار مدینہ نے مکہ کے مہاجرین کو اپنے گھروں میں رکھا، اپنی جائداد تقسیم کر کے ان کو دے دی اور جب تک کہ وہ اپنے پیروں پہ کھڑے نہیں ہو گئے ان کی مکمل کفالت کرتے رہے۔یہ مواخات کا ایسا کارنامہ ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

ان حالات میں جب کہ مسلمان ابھی اپنے پیروں پہ کھڑے نہیں ہوئے تھے اور مکہ والوں کی دھمکیاں مسلسل جاری تھیں کہ ہم ان پہ حملہ کریں گے، انہیں فنا کر دیں گے کچھ ہی دن گزرے کہ جنگ کے بادل منڈلانے لگے۔پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ کو یقین ہو گیا کہ یہ مکہ کے کافر جو دھمکیاں دے رہے تھے اسے عملی جامہ پہنائیں گے اب اس بات کی ضرورت تھی کہ اپنے دفاع کے لیے جنگ کی تیاری کی جائے مگر اللہ کے یہاں سے انہیں جنگ کا حکم نہیں ہوا تھا اسی لیے وہ خاموش تھے۔

اور یہ بھی احساس تھا کہ جنگ میں وسائل کی ضرورت ہوتی ہے نہ ہمارے پاس تلواریں ہیں، نہ ہمارے پاس گھوڑے ہیں، نہ ہمارے پاس وسائل ہیں، نہ ہمارے پاس اسباب ہیں، نہ مال و دولت ہے نہ بہت بڑی تعداد ہے ہم جنگ کیسے کریں گے۔لیکن اس حالت میں سورۂ محمد نازل ہوئی اور اس میں جنگ کی اجازت دی گئی کچھ شرائط کے ساتھ اور



اس اجازت میں صراحۃً بھی اور دلالۃً بھی، صراحۃ النص کے ذریعہ بھی اور دلالۃ النص کے ذریعہ بھی انہیں یقین دلایا گیا کہ یہ مت سوچو کہ تم کم تعداد میں ہو، کمزور ہو، تمہارے پاس وسائل نہیں ہیں اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ ہے۔جب یہ سورت نازل ہوئی تو قرآن پر یقین رکھنے والے، اللہ کے نام پر سب کچھ قربان کرنے والے مسلمان بالکل مطمئن ہو گئے کہ اب ہم جنگ میں جائیں گے اور ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔جبکہ یہ صورتِ حال اس سورت کی نازل ہونے سے پہلے نہیں تھی۔

حضرات گرامی! بارہا ایسا ہوا کہ مسلمانوں نے صلح کی کوشش کی لیکن انہوں نے منع کر دیا اور وہ اپنی ضد پہ اڑے رہے۔اس موقع پر یہ بھی کہا گیا کہ صلح کی کوشش ہو چکی اور اب صلح کے بجائے جنگ کی تیاری کی جائے اور ان کے ساتھ جنگ کی جائے۔

پورے قرآن پاک میں منافقوں کے رول کا بھی جگہ جگہ تذکرہ کیا گیا۔اس لیے کہ کھلے ہوئے دشمن کے مقابل آستین کے سانپ زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔یہ لوگ بھی دشمنی پہ تلے ہوئے تھے۔جب مکہ والے حملہ کی دھمکی دے رہے تھے، قتل وغارت گری کا اعلان کر رہے تھے اور کئی سال سے مدینہ پہ حملہ کرنے کے لیے اسلحہ جمع کر رہتے تھے، جنگ کی تیاری کر رہے تھے تب ان منافقین نے کبھی نہیں سمجھایا کافروں کو کہ یہ کیوں کر رہے ہو۔جب سورۂ محمد نازل ہوئی تب یہ متحرک ہو گئے۔نہیں ہمیں جنگ نہیں کرنا چاہیے، ہم نقصان اٹھائیں گے، ایک طویل اختلاف کا سلسلہ قائم ہو جائے گا، عرب میں اختلافات پھیل جائیں گے، جانوں کا ضیاع ہوگا۔ہمیں بہرکیف موالات سے کام لینا چاہیے، ہمدردی سے کام لینا چاہیے۔یہ ساری باتیں انہوں نے کہنی شروع کیں۔

حضرات! یہ منافقین کا طریقہ ہمیشہ رہا ہے آج بھی جب کوئی مسلم قوت مسلمانوں کو متحد

اور منظم کرنے کے لئے کوئی اقدام کرنا چاہتی ہے باطل کے خلاف تو یہ اندر کے منافقین جو اپنے کو ترقی یافتہ کہتے ہیں بولنا شروع کر دیتے ہیں نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے اور پھر مار کھا جاتا ہے مسلمان، نقصان اٹھاتا ہے مسلمان۔ تو وہاں بھی منافقین کا یہی طرز عمل تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان خاموشی سے بیٹھے رہیں، کوئی تیاری نہ کریں، صلح کے نام پہ بیٹھے رہیں اور مکہ کے کافر حملہ کریں اور فنا کر دیں۔ اس سورت میں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے اور پھر منافقین کے طرز عمل کو بھی بے نقاب کر دیا گیا، ان کے کردار کو عیاں کر دیا گیا ہے۔

یہاں تک کہ ایک مقام ایسا بھی آیا کہ اللہ کے رسول کو اللہ تبارک وتعالی نے ان کے چہرے دکھا دیے کہ یہ منافقین ہیں۔ اور ایک روز مسجد نبوی میں اللہ کے رسول نے ان سے کہا نکل جاؤ یہاں سے اے فلاں تم اُخْرُجْ اَنْتَ مُنَافِقٌ تم نکل جاؤ تم منافق ہو اور پھر انہیں نکال بھی دیا گیا۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی انتقامی کاروائی نہیں کی گئی اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آقائے دو جہاں سے بار بار صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ! ﷺ ان کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، سازشیں کر رہے ہیں۔ کیا ہم انہیں سزا نہ دیں تو آپ نے فرمایا نہیں کلمہ تو پڑھتے ہیں نا۔ دنیا کہے گی کہ محمد ﷺ کلمہ پڑھنے والوں کو مار رہے ہیں اس لیے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اللہ انہیں خود سزا دے گا اور پھر بعد میں یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے فنا ہو گئے، مٹ گئے۔

اب آئیے چند آیات کا ترجمہ پیش کروں۔ سورت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ○

(سورۃ محمد، الآیۃ:1)

جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ان کے اعمال ضائع کر دیئے گئے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔



اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔

اور اس کتاب پر ایمان لائے جو (میرے محبوب) محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔

وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔

اور یہ کتاب ان کے رب کے جانب سے حق ہے

كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ (سورۃ محمد، الآیۃ:2)

اللہ نے ان مسلمانوں کے تمام گناہ مٹا دیے اور ان کے حالات کو بہتر کر دیا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: کیا وہ زمین پر گھوم پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان لوگوں سے پہلے تھے۔ اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور موجودہ کافروں کا انجام بھی انہیں کی طرح ہوگا اور یہ صرف اس لیے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور کفار کا مددگار کوئی نہیں ہے۔ بے شک اللہ تبارک وتعالی ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ جو کافر ہیں وہ دنیا کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح جانور کھاتے ہیں اور جہنم میں ان کا ٹھکانہ ہے اور ہم نے ان کی بہت سی آبادیوں کو جو مکہ کے کافروں سے زیادہ طاقتور تھیں ہلاک کر دیا اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔ (سورۃ محمد من الآیۃ 10 الی 13)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا اور وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے تو اللہ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ ایسے لوگوں کے مقابلے میں ہمت نہ ہارو۔ اب انہیں صلح کی دعوت دینے کی ضرورت نہیں ہے تم ہی غالب رہو گے اس لیے کہ وہ صلح کی دعوت کو کمزوری سمجھتے ہیں۔ جب کسی ایسے طبقے کی طرف صلح پیش کی جائے یا مصالحت

کی بات کی جائے جو وسائل کے اعتبار سے کمزور ہو تو سمجھتے ہیں کہ اپنے دفاع کے لیے، اپنے بچاؤ کے لیے صلح کی بات کر رہا ہے ہیں۔ اللہ نے منع کر دیا کہ نہیں اب نہیں، بہت برداشت کیا، بہت صبر کیا، اپنا وطن چھوڑا اپنا سب کچھ قربان کیا، اپنے گھروں سے نکلے، اپنے بچوں سے دور کیے گئے، شہید کیے گئے۔ اب نہیں اب اللہ تم کو وہاں پہنچائے اور میری مدد تمہارے ساتھ ہے، اللہ تمہیں کامیابی عطا فرمائے گا۔

اللہ فرماتا ہے: کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی ان کے دلوں اور ان کے کینوں، بغض کو ظاہر نہیں فرمائے گا اگر ہم چاہتے تو انہیں آپ کو دکھا دیتے تو آپ ان کو چہروں سے پہچان لیتے یقینا آپ ان کے طرز گفتگو سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔ اے مسلمانو! ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے مجاہدین اور صابرین کو ظاہر فرمادیں اور تمہاری خبروں کو جانچ لیں۔

(سورۃ محمد، الآیات: 30/29)

حضرات گرامی! یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ان آیات کے نزول کے بعد اللہ تبارک وتعالی نے منافقین کے چہرے سرکار دوعالم ﷺ کو دکھا دیے اور پھر آقائے دو جہاں ﷺ نے جیسا میں نے بتایا انہیں مسجد سے نکال دیا۔ اللہ تبارک وتعالی ہمیں اپنے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قوت وشوکت عطا فرمائے، ہر طرح کی بزدلی اور ناکامی سے ہمیں محفوظ فرمائے۔ جب بھی آپ اللہ کے دین کی مدد کریں گے تو اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہوگی۔ اس سورت کا مرکزی خیال یہی ہے۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته



## خطاب نمبر (۴۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ (سورۃ الفتح، اٰیۃ:2-1)

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

اللهم صل علی سیدنا مولانا محمد معدن الجود والکرم منبع العلم والحلم والحکم واله وبارك وسلم صلاة وسلاما علیك یارسول صلاة وسلاما علیك یا حبیب الله۔

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج سورۂ فتح کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالی ہمیں اور آپ کو قرآن عظیم کا فہم عطا فرمائے اور اس کے انوار سے ہمارے قلوب کو منور فرمائے۔

اس سورت میں فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے اور صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ سورت مدنی ہے اس لیے اس سورت میں معاملات، عبادات،، معاشرت اور تجارت وغیرہ کے احکام بھی نازل فرمائے گئے ہیں، جہاد کا حقیقی مفہوم واضح کیا گیا ہے اور بیعت رضوان کا ذکر فرمایا گیا، پیغمبر اسلام اور ان کے صحابہ کی عظمت اور عبادت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

حضرات! مدینہ طیبہ میں ہجرت کرنے کے بعد مکہ مکرمہ سے آقائے دو جہاں ﷺ مشرکین کے ساتھ جنگوں میں مصروف رہے جو ان کافروں نے مسلمانوں پر مسلط کی تھیں۔ اس دوران مسلمانوں کی شدید خواہش تھی کہ مسلمان حج یا کم از کم عمرہ کا شرف حاصل کر سکیں۔ مکہ مکرمہ چھوڑنے کے بعد اور وہاں سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد انہیں کعبہ مقدسہ کا طواف اور اس کی لذتوں کے حوالے سے ہمیشہ ایک جستجو، تلاش اور تمنا رہی کہ وہ اسی آزادی کے ساتھ جیسے مکہ مکرمہ میں جب چاہتے طواف خانہ کعبہ سے فیض یاب ہو لیتے تھے اور اب جب کہ کعبہ مقدسہ ان کی نگاہوں سے اُوجھل ہے اور مدینہ طیبہ میں وہ قیام پذیر ہیں تو انہیں دوبارہ وہاں جانے کی خواہش بڑی شدت سے ہوتی تھی۔ آقائے دو جہاں ﷺ خود بھی خواہش ظاہر فرما رہے تھے کہ کم از کم حج نہ سہی عمرہ ہی کرنے کا شرف میسر آجائے۔

چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ہمیں عمرہ کے لیے چلنا ہے۔ یہ سن چھ ہجری کا واقعہ ہے۔ آپ نے اکابر صحابہ کے ساتھ ماہ ذی قعدہ میں عمرہ کا احرام باندھا۔

ماہ ذوالقعدہ کا انتخاب اس لیے کیا کہ یہ مہینہ ان مہینوں میں شامل ہے جن میں حجاز کے لوگ اور خاص طور پر مکہ مکرمہ کے لوگ کبھی بھی کسی قتال وغیرہ میں شرکت نہیں کرتے



تھے یہ اشہر حرم میں سے شمار کیا جاتا تھا۔ اس لیے آقا نے اس مہینہ کا انتخاب فرمایا کہ مکہ والے اپنی قدیم روایات کے تحت اس مہینے میں کوئی چھیڑ خانی نہیں کریں گے اور ہمیں آسانی سے امن کے ماحول میں عمرہ کا موقع میسر آجائے گا۔

لیکن ہوا یہ کہ جب آپ اپنے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ غیر مسلح حالت میں قربانی کے اونٹ لے کر روانہ ہوئے اور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو کافروں کے وفد نے آ کر کہا کہ مکہ والوں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ عمرہ نہیں کر سکتے۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم ﷺ نے انہیں یقین دلایا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہے۔ آپ ہمارے سامان سفر کو دیکھ لیجئے، ہم احرام پوش ہیں اور ہمارے ساتھ قربانی کے اونٹ ہیں جن کے گلوں میں قلادہ پڑا ہوا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم صرف عمرہ کے ارادہ سے جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ نہیں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ نہیں جا سکتے۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے صحابہ کرام کو دیکھا وہ بہت غمزدہ تھے اور انہیں بے پناہ تکلیف محسوس ہو رہی تھی اس حالت میں کہ وہ عمرہ کی نیت سے گئے تھے انہیں یقین تھا کہ انہیں عمرہ کا موقع مل جائے گا۔

بہر حال بات اس پر ختم ہوئی کہ آپ اس سال نہ جائیں آئندہ سال عمرہ کر لیں غالبا اس کی وجہ یہ تھی کہ کفار مکہ مزید مہلت چاہتے تھے کہ آئندہ سال جب وہ عمرہ کے لیے آئیں اور جنگ کا موقع مل جائے تو ہماری پوری تیاری ہو جب کہ آقائے دو جہاں ﷺ پیغمبر رحمت اور پیغمبر امن ہیں آپ کے اور صحابہ کے ذہن میں کسی قسم کے قتال و جہاد کی کوئی منصوبہ بندی نہ تھی۔ مگر کافر تو پھر بھی کافر ہی ہوتے ہیں انہوں نے کہا کہ آپ اس سال نہیں جا سکتے اگلے سال آسکتے ہو اس کے بعد ایک معاہدہ قرار پایا جس کی شرائط یہ تھیں۔

اس سال آپ واپس جائیں اور اگلے سال بغیر ہتھیاروں کے آئیں اور صرف تین

دن تک قیام کریں، ہمارے اور آپ کے درمیان آئندہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔ اگر مکہ سے کوئی مدینہ جانا چاہے تو آپ اسے قبول نہیں کر سکتے۔

حضرات آپ کو معلوم ہے کہ مکہ میں بہت سے غریب مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے مکہ میں رہ گئے تھے ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ بھی مدینہ جائیں، وہ بھی ہجرت کریں لیکن کفار نے انہیں تقریباً قید کر رکھا تھا۔ ان حالات میں یہ خیال تھا کہ اگر سرکار وہاں تشریف لے گئے تو وہ لوگ مدینہ جانے کی کوشش کریں گے تو انہوں نے یہ شرط لگائی کہ جو لوگ مکہ میں ہیں وہ مدینہ نہیں جائیں گے، اس کے بعد یہ کہا کہ اگر کوئی مدینہ سے مکہ آجائے گا تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے لیکن اگر کوئی مکہ سے مدینہ جائے گا تو آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔

حضرات یہ شرطیں انتہائی غیر منصفانہ تھیں، انصاف پر مبنی نہ تھیں، اگر مکہ سے کوئی مدینہ آنا چاہے تو اسے اجازت ملنی چاہیے تھی اور اگر کوئی مدینہ سے مکہ جائے تو اسے بھی واپس نہیں کرنا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ مکہ سے کوئی مدینہ جائے تو اسے واپس کرنا پڑے گا اور اگر مدینہ سے کوئی مکہ آئے تو ہم واپس نہیں کریں گے یہ بات انتہائی ناقابل قبول تھی۔ مگر آقائے دو جہاں ﷺ نے نظام امن کے قیام کے لئے اس کو بھی قبول فرمالیا، اس شرط کو مان لیا۔ اور آخری شرط یہ تھی کہ مکہ کے اطراف و جوانب میں جو قبائل ہیں ان قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ آپ کے ساتھ آپ کے حلیف بن جائیں، آپ کے معاہد بن جائیں یا مکہ کے قریش کے ساتھ انہیں اختیار ہوگا۔

یہ شرائط جب طے ہوگئیں تو بعض صحابہ کرام پر یہ بہت شاق گزرا کہ آخر ہم یہ جھک کر کے کیوں قبول کر رہے ہیں۔ برابری کی بنیاد پہ ہونی چاہیے تھی لیکن آقائے دو جہاں نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے، معاہدہ صلح ہوا، تحریری معاہدہ میں کچھ گفتگو بھی ہوئی لیکن اسے



بھی حل کر لیا گیا۔ ہر صورت میں آقا چاہتے تھے کہ اختلاف ختم ہو جائے، امن کی فضا پیدا ہو جائے۔

چودہ سو صحابہ کرام کا احرام پوش ہو کر احرام کھولنا بڑا مشکل تھا مگر آقائے دو جہاں ﷺ نے سب سے پہلے اپنا احرام کھولا اور پھر صحابہ کرام بھی غیر محرم ہو گئے اور احرام کھول دیا لیکن ان کے دل پہ بہت بوجھ تھا، بغیر عمرہ کے واپس جا رہے تھے اتنا طویل سفر کرنے کے بعد، ایک عظیم خواہش اور تڑپ لے کے چلے تھے اس خواہش کی تکمیل نہ ہو سکی تھی۔ جب واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا۔

سبحان اللہ! صحابہ کرام سرور کائنات ﷺ پر نازل ہونے والی ہر ہر آیات کریمہ پہ کامل یقین رکھتے تھے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ان کے دلوں کا بوجھ اتر گیا، ان میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، انہیں یقین ہو گیا کہ اب فتح مکہ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہ صلح حدیبیہ دراصل فتح بابِ مکہ تھا اس لیے یہ سورت انتہائی اہم تھی اس بات کے لیے اس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ (سورۃ الفتح الآیۃ:1)

اے محبوب، اے پیغمبر ہم نے بلاشبہ تم کو ایک فتح مبین سے نوازا ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ○

(سورۃ الفتح الآیات:3/2)

تا کہ اللہ تمہارے سبب تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمادے۔ اور تم پر اپنی نعمت مکمل فرمادے اور تمہیں سیدھی راہ پر قائم رکھے اور تمہاری زبردست مدد فرمائے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد ہی صحابہ

کرام کو یقین ہو گیا کہ یہ معاہدہ دراصل مکہ مکرمہ کے فتح کا دیباچہ ہے اور سورۂ فتح نے باضابطہ طور پر ان کے دلوں کو کامل اطمینان بخش دیا۔

اس کے بعد بیعت رضوان کا تذکرہ ہے، معاہدہ حدیبیہ سے پہلے ایک اور اہم ترین واقعہ پیش آیا تھا جس کو تاریخ میں بیعت رضوان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہوا یہ تھا کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ سے عمرہ کے لیے روانہ ہوئے تو اہل مکہ میں ہلچل مچ گئی اور انہوں نے یہ سوچا کہ مسلمان مکہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آرہے ہیں۔ حضور ﷺ جو ہر حال میں امن کو قائم رکھنا پیغمبر امن کے حیثیت سے ضروری خیال کرتے تھے، آپ نے فوراً ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنا سفیر امن بنا کر مکہ بھیجا کہ آپ جائیں اور انہیں سمجھا دیں کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہیں ہے بلکہ ہم صرف خانہ کعبہ کے طواف کے لیے حاضر ہو رہے ہیں۔ جناب عثمان غنی تشریف لے گئے لیکن ان ظالموں نے انہیں قید کر لیا، جب وہ تشریف نہ لائے نہ کوئی اطلاع ملی اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ معاذ اللہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کو انتہائی غم وغصہ تھا، آقائے دو جہاں علیہ الصلاۃ والسلام ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اور تمام صحابہ کرام نے آ کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور عہد کیا کہ ہم تادم مرگ آپ کے ساتھ رہیں گے اور جہاد پر ثابت قدم رہیں گے۔ صحابہ کرام کی بیعت کے بعد تاجدار دو عالم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ پر رکھا اور کہا کہ میں عثمان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں رضی اللہ عنہ، اے اللہ! عثمان تیرے اور تیرے حبیب کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ آخری بیعت اس بات کا واضح اشارہ تھی کہ سرکار دو عالم ﷺ کو یہ علم تھا کہ جناب عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ شہید نہیں کیے گئے ہیں بلکہ وہ باحیات ہیں اور واپس تشریف لائیں گے۔

اس بیعت کو قرآن عظیم نے بہت ہی پرشکوہ انداز سے بیان فرمایا ہے اور چند



آیات کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اے پیغمبر ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۃ الفتح، الآیۃ:8)

ہم نے آپ کو شاہد بنایا ہے، حاضر و ناظر بنایا ہے، ہم نے گواہ بنایا ہے، اہل ایمان کو جنت کی بشارت دینے والا اور اہل کفر کو جہنم کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

تا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، ان کی تعظیم و توقیر کرو اور اللہ کی تسبیح صبح و شام کرو، بے شک وہ لوگ جو اے محبوب تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے اپنے عہد کو توڑا تو اس نے بہت بڑا عہد توڑا اور جس نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کیا ہم اس کو اجر عظیم سے نوازیں گے۔

(سورۃ الفتح، الآیات:10/9)

یہاں جو بات انتہائی عظیم ہے وہ یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے: يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، وہ نبی سے بیعت کر رہے ہیں تو اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ دنیا یہ دیکھ رہی ہے، صحابہ یہ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ نبی کے ہاتھ میں دے رہے ہیں مگر اللہ دست نبوت کو دست قدرت قرار دے رہا ہے۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، ان سے بیعت اللہ سے بیعت ہے یہ کتنا عظیم اعزاز ہے حضور سرور کائنات کے لیے کہ ان کے دستِ رحمت کو اللہ اپنے دستِ قدرت سے تعبیر فرما رہا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورۃ الانفال، الآیۃ:17)

دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ اللہ کے رسول کنکریاں پھینک رہے ہیں مگر اللہ فرماتا ہے کہ

جب کنکریاں پھینکی تو آپ نے نہیں اللہ نے پھینکی ہیں تو ان کے کنکریاں پھینکنے کو اللہ اپنی کنکری پھینکنا، ان سے بیعت کرنے کو اپنی طرف سے بیعت قرار دینا، ان کے دست رحمت کو اپنا دست قدرت قرار دینا یہ وہ اعزاز ہے جو بارگاہ خداوندی میں سرور کائنات کو حاصل ہے۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی ان لوگوں کو رضوان کی عظیم بشارت دے رہا ہے جنہوں نے رسول پاک کے دست نبوت پہ بیعت کی تھی۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ آپ سے ایک درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے اور اللہ کو معلوم تھا جو ان کے دلوں میں تھا تو اللہ نے ان پر سکون اور اطمینان نازل فرمایا اور ان کو عنقریب حاصل ہونے والی فتح سے نوازا جائے گا اور بہت سی غنیمتوں سے جن کو وہ حاصل کریں گے بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔ (سورۃ الفتح، الآیات:19/18)

حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالی نے ان مسلمانوں کو جنہوں نے سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور ہر صورت میں ان کا ساتھ دینے اور جہاد میں ثابت قدم رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اللہ نے انہیں جہاد کے بغیر ہی فتح مکہ سے نوازا، اس کے بعد اللہ کے رسول تاجدار دوعالم کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اسلام تمام ادیان پر غالب ہوگا اور پھر صحابہ کرام کا تذکرہ انتہائی عظیم انداز سے کیا گیا ہے:

اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب فرمادے اور اللہ کافی گواہ ہے۔ (سورۃ الفتح، الآیۃ:28)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ



(سورۃ الفتح، الآیۃ:29)

محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھ والے یعنی صحابہ کرام کافروں پر بہت سخت ہیں آپس میں بہت رحم دل، آپ انہیں دیکھیں گے رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں سے نمایاں ہے، سجدوں کے اثر سے، ان کی یہ صفت تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔

صحابہ کرام کا ذکر اللہ تبارک وتعالی نے اس انداز سے فرمایا۔ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ وہ سارے لوگ جن کو معیت سرور کائنات کا شرف حاصل ہے ان کی تعریف اللہ تعالی فرمارہا ہے کہ وہ آپس میں رحم دل ہیں اور کفار پر بہت سخت ہیں اور آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں، اس کی رضا کو ڈھونڈتے ہیں اور عالم یہ ہے کہ ان کی عبادتوں کی بنیاد پر ان کے چہروں پر ان کے سجدوں کے اثرات موجود ہیں، وہ نورانیت جو عبادت اور سجدوں کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے ان کے چہروں پر نمایاں ہے اور صرف یہی نہیں اللہ فرماتا ہے کہ یہ تعریف اور ان کی یہ توصیف جو قرآن پاک میں نازل کی گئی ہے یہ سابقہ کتب میں تورات اور انجیل کے اندر بھی موجود ہے۔ پتہ یہ چلا کہ صحابہ کرام کا مقام اتنا بلند ہے کہ اسلام کے نزول سے پہلے سرور کائنات کی تشریف آوری سے پہلے، قرآن عظیم کے نازل ہونے سے پہلے، صدیوں پہلے تورات وانجیل میں نہ صرف یہ کہ سرور کائنات کا تذکرہ ہے، ان کے دین کا تذکرہ ہے بلکہ ان صحابہ کرام کا بھی تذکرہ ہے جو ان کی صحبت سے شرف یاب ہوئے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ تورات وانجیل کی وہ آیات مبارکہ جن کا تعلق احکام سے تھا وہ تو بدل دی گئی ہیں لیکن جن آیات کا تعلق سرور کائنات اور ان کے صحابہ کی بشارت سے تھا وہ آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں تاکہ وہ منکرین کی ناطقہ بندی کے فرائض انجام دے سکیں۔ اللہ ارشاد

فرماتا ہے کہ بلاشبہ اللہ نے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرات گرامی! یہ مختصر سا تعارف تھا سورۂ فتح کا جس میں اللہ تبارک وتعالی نے اہل ایمان کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ لوگ جو محمد عربی ﷺ کی معیت کے شرف سے نوازے گئے ہیں۔ وہ بڑے عظیم لوگ ہیں، وہ اپنے رب کی بارگاہ میں رکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں اور ان کے چہروں کی نورانیت، عبادت کے آثار اور سجدوں کے آثار ان کے ایمان اور ان کی عظمت کے گواہ ہیں۔ پروردگار عالم ہمیں اور آپ کو صحابہ کرام کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کے مقدس دین جو ہمارا دین ہے، جس پہ ہم ایمان لائے ہیں۔ اس پہ ثابت قدم رہنے اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته



## خطاب نمبر (۴۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ
سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَیْهِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ
صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (سورۃ الحجرات، اٰیۃ:1)
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ

وَبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّسَلَاماً عَلَيْكَ
يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

سامعین کرام خواتین وحضرات: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج بفضلہ تعالیٰ سورہ حجرات کی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اس میں صرف دو رکوع اور ۱۸ آیات ہیں لیکن ان ۲ رکوع کے اندر بہت اہم مضامین کی تعلیم امت مسلمہ کو دی گئی ہے۔ اس سورت میں بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کی تعلیم دی گئی ہے۔ دنیا کے سلاطین و ارباب اقتدار اپنے دربار میں حاضری کے قوانین خود بناتے ہیں یا ان کے حاشیہ نشین درباری بناتے ہیں مگر اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ایک ایسا بھی دربار ہے جس میں حاضری کے قوانین خالق ارض وسمانے بنائے ہیں اور وہ دربار سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جہاں طائر سدرہ بھی ادب سے حاضر ہوتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

آداب بارگاہ رسالت کے بعد اس میں حکم دیا گیا ہے کہ اے اہل ایمان جب فاسق و بدعمل انسان کوئی خبر لے کر آئے تو تم فوراً ہی اعتماد نہ کرلو بلکہ اس کی اچھی طرح تحقیق کرلو کہیں ایسا نہ ہو محض خبر کی بنیاد پر تم ایسا کام کر بیٹھو جس پر تمہیں بعد میں افسوس کرنا پڑے۔ تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر اختلاف یا جنگ ہو تو ان کے درمیان صلح کرادی جائے اس لئے کہ مسلمانوں کا آپس میں اختلاف اور جنگ اللہ اور رسول کو پسند نہیں ہے اور یہ مسلمانوں کے زوال کا سبب بھی ہے۔



اسلام میں مساوات کی اہمیت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کس طرح سے سارے انسان دنیا کے ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اس لئے سب برابر ہیں۔ طبقاتیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کو ایک دوسرے سے کمتر یا برتر سمجھنا یہ اسلام میں پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

اس سورت ابتدائی آیات کا شان نزول یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے عید الاضحی کے دن آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی سے پہلے اپنی قربانی دے دی اللہ کو یہ پسند نہیں ہوا کہ میرے محبوب کے کسی کام سے پہلے ان کے امتی ان کے مرضی کے بغیر کام کرلیں دوسرا واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے ماہ رمضان کے آغاز سے ایک روز پہلے روزہ رکھنا شروع کر دیا ان دونوں واقعات کے بارے میں قرآن عظیم نے اُمت مسلمہ کو خبردار کیا اور تنبیہ فرمائی کہ وہ پیغمبر اعظم سے پہلے ان کی سنت کے خلاف کوئی کام نہ کریں یا آداب بارگاہ رسالت اور عظمت رسالت کے منافی ہے۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللهَ اِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ الحجرات الآیۃ:1)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے حکم سے آگے نہ بڑھا کرو نہ قولاً نہ فعلاً اور ڈرتے رہو اللہ سے، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ غور طلب یہ بات ہے کہ جن لوگوں نے قربانی پہلے کی تھی، روزہ رکھا تھا انہوں نے، حضور کے عمل سے پہلے ہی یہ عمل کیا تھا مگر اللہ رب العزت نے ان کے عمل کو اس طور پہ پیش فرمایا کہ گویا وہ اللہ سے پہلے کر رہے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول پاک سے پہلے کیا تھا ان کے اس عمل کو اپنی ذات کے فیصلہ کے آگے بڑھانے کے مترادف قرار دیا اس سے بارگاہ خداوندی میں عظمت رسول علیہ السلام کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ آگے بڑھنے والے رسول پاک کے عمل سے آگے بڑھے لیکن اللہ نے اس کے ساتھ اپنا بھی

تذکرہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔

اور پھر یہ تنبیہ فرمائی کہ ہر معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اس لئے کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ احکام شریعت کے کسی حکم میں تقدم کرنا جیسا کہ رمضان میں یا عید میں لوگوں نے کیا یہ بھی اسی تقدم کے زیر اثر آتا ہے۔ بہت سے لوگ ماہ رمضان میں ہلال رمضان کی رویت سے پہلے روزہ رکھ لیتے ہیں جب ان سے سوال کیا جائے کہ ایسا کیوں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں نفل ہی رکھ لیا ہے ہم نے اس طرح کے اعمال اللہ اور رسول کے فیصلہ کے خلاف ہیں یہ ان کے حکم سے آگے بڑھنے کے مرادف ہے۔

شریعت انسان کی اپنی خواہش کا نام نہیں ہے بلکہ شریعت پابند ہے احکام رسول اور احکام خداوندی کی جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا اسی کے مطابق مکمل طور پر عمل ہونا چاہئے۔ شریعت طبیعت کی پابند نہیں ہے بلکہ طبیعت کو احکام خداوندی کا پابند ہونا چاہئے اس کے بعد جو آیت شریفہ ہے اس کا شان نزول یہ ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کا ایک وفد جو ستر افراد پر مشتمل تھا یہ لوگ انتہائی طاقتور تھے، دولت مند تھے اور انہیں اپنی دولت اور اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا یہ لوگ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، سرکار غالباً نماز ظہر کے بعد قیلولہ فرما رہے تھے، آرام فرما رہے تھے، یہ لوگ آداب رسالت سے ناواقف تھے، ابھی اسلام بھی نہیں لائے تھے انہوں نے حجرۂ پاک سے باہر آواز دی یا محمد! باہر آیئے۔ آواز دینے والے قبیلہ بنو تمیم کے افراد تھے جو آداب بارگاہ رسالت سے ناواقف ہیں۔

مگر مشیت کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا کہ کوئی ناواقف آدمی بھی بارگاہ رسول میں اس طرح آواز دے جیسے ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے اس لئے قرآن پاک کی آیتیں نازل ہوئیں۔



اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ

(سورۃ الحجرات، الآیۃ:4)

بے شک وہ لوگ جو آپ کو آپ کے حجرۂ مبارکہ کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے ہیں۔

اس سے پہلے جو احکام نازل کئے گئے تھے ان کا تعلق اس بات سے تھا کہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے پہلے عمل نہ کریں، ان سے آگے نہ بڑھیں، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ بارگاہ رسول میں اگر حاضر ہوتے ہو تو اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔

(سورۃ الحجرات، الآیۃ:2)

اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ ہمیشہ بارگاہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام میں اپنی آواز کو پست رکھتے تھے یہاں تک کہ صدیق اکبر اور عمر فاروق جیسے عظیم صحابہ بھی جنہیں بارگاہ رسول میں بہت قرب حاصل تھا وہ بھی اپنی آواز کو بہت پست رکھتے تھے اور کبھی بھی بلند آواز سے بارگاہ نبی میں بات نہیں کرتے تھے۔ ایک صحابی ہیں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی آواز قدرتاً قدرے بلند تھی جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وہ سخت غمزدہ ہوئے اور شدید گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے گھر میں تین دن بیٹھے رہے۔ جب کئی دن تک بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے حضور سید عالم علیہ السلام نے لوگوں سے پوچھا کہ ثابت کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کی: حضور! ان کی آواز قدرتاً بلند ہے وہ اس خیال سے حاضر نہیں

ہوئے کہیں ان کے اعمال برباد نہ کر دیئے جائیں اس لئے کہ پہلے جب کبھی انہوں نے گفتگو کی ہے اس میں فطرتاً آواز کی بلندی موجود تھی اس خیال سے وہ بہت غمزدہ ہیں۔

حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: تم جہنمیوں میں سے نہیں ہو بلکہ جنتی ہو۔ یہی صحابی ہیں جنہیں ایک دفعہ کہا تھا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم کو زندگی خیر والی دی جائے اور موت شہادت کی موت ہو اور جنتیوں میں شمار کئے جاؤ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں راضی ہوں چنانچہ جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی فوج کے خلاف جنگ فرماتے ہوئے شہید کر دیے گئے۔

دیکھئے یہ ادب کا مقام ہے کہ محض ادب کی بنیاد پر کہ نبی کی آواز پر آواز میری بلند نہ ہو جائے جنت کی بشارت دنیا ہی میں دے دی گئی۔

حضرات گرامی! اس آیت کریمہ کے ذیل میں مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ روضۂ رسول کے سامنے بھی آواز بلند نہ کی جائے اس لئے کہ بارگاہ رسول میں حاضری بالکل ایسی ہے جیسے ان کی حیات ظاہری میں ہوا کرتی تھی اور انہیں بارگاہ رسول تو بارگاہ رسول ہے ان کے نائبین علمائے ملت اسلامیہ علمائے حق ان کی بارگاہ کا بھی ادب ایسا ہی کیا جائے گا کہ ان کی آواز پر بھی اپنی آواز بلند نہ کی جائے۔ ہاں شریعت کے احکامات جدا ہیں اذان، تلاوت قرآن عظیم، نعرۂ جہاد اور صلوۃ وسلام اگر انہیں بلند آواز سے ادا کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اللہ ہم سب کو ادب کی توفیق سے نوازے۔

حضرات گرامی اب سورت کی چند آیات کریمہ کا مفہوم سماعت فرمالیں جن کے حوالے سے میں نے عرض کیا تھا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے اس طرح زور



زور سے بات کرو جیسے تم ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ اگر ایسا کرو گے تمہارے اعمال برباد کر دئے جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی جو لوگ اپنی آواز کو نبی کی آواز کے مقابلہ میں پست رکھتے ہیں نبی کی بارگاہ میں ان لوگوں کے دلوں کو اللہ نے تقوٰی کے لئے چن لیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ (سورۃ الحجرات الآیات:3/2)

متقی بھی وہ جنہیں تقوٰی کے لئے چن لیا گیا ہو ایسے لوگ جو ایسا دل رکھتے ہیں وہ نبی کی بارگاہ میں انتہائی مؤدب ہوتے ہیں وہ کبھی بھی کوئی ایسا عمل نہیں کرتے جس کی بنیاد پر بارگاہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام میں آداب کی خلاف ورزی ہو جائے۔

اللہ فرماتا ہے: بے شک وہ لوگ جو پکارتے ہیں آپ کو حجروں سے باہر ان میں اکثر لوگ نادان ہیں ناسمجھ ہیں اگر وہ اس وقت تک صبر کر لیتے کہ آپ حجرۂ مبارکہ سے باہر آجائیں خود سے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر تھا یا بہتر ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورۃ الحجرات الآیات:4/5)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر کے آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو بے علمی کی بنا پر نقصان پہونچا دو اور بعد میں تمہیں ندامت محسوس ہونے لگے۔ (سورۃ الحجرات الآیات:6)

افواہوں کی دنیا ہمیشہ رہی ہے اور خاص طور پر ایسی خبر یا ایسی افواہ جس کا تعلق ایک ایسے انسان سے ہو جو اعمال شریعت پر کاربند نہ ہو، فسق و فجور میں پڑا ہوا ہو، اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وہ کوئی ایسی خبر پہنچا رہا ہو جو خبر غلط ہو اور تم نے اس خبر کے رد عمل میں کسی کو نقصان پہنچا دیا کسی کو تکلیف پہنچائی یا کوئی ایسا عمل کیا جس سے خود کو تکلیف پہونچے تو یقینا بعد میں افسوس کرنا پڑے گا۔ اس لئے جب کسی فاسق سے مومن کوئی غلط خبر سنے گا ہی نہیں تو متقی کے لئے ممکن ہی نہ ہوگا کہ جھوٹی باتوں میں ملوث ہو یا غلط خبر دے یا غلط بیان دے جبکہ فاسق

سے یہ ممکن نہیں بلکہ غلط اطلاعات کا وقوع ہوتا رہتا ہے اس لئے اگر وہ کوئی خبر لائے تو پہلے تحقیق کرلو اور اس کے بعد اس خبر پر عمل کرو تا کہ تم محفوظ رہو۔

اللہ فرماتا ہے: اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں آپسی اختلاف ہو اور قتال کریں، یا لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو بس ان میں جو گروہ دوسرے پہ زیادتی کرے اور آمادۂ صلح نہ ہو تو جو گروہ زیادتی کرنے والا ہے اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، فیصلہ کی طرف جھک جائے پھر ان کے درمیان صلح کرا دو عدل و انصاف کے ساتھ اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

حضرات! اگر عالم اسلام ان آیات پر عمل کرتا تو نہ ایران کی جنگ ہوتی اور نہ عراق کی، نہ کہیں اور جنگیں شروع ہوتیں اور نہ فلسطین اور لبنان میں اور نہ وہ لاکھوں جانیں ضایع ہوتیں جو ان خانہ جنگیوں کی نذر ہوگئیں ہیں اور نہ ہی اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان پر قابو پانے کی کوشش کرتیں۔ ان آیات کریمہ کے پیش نظر اس بات کی اہم ضرورت ہے کہ ایسی قوت رونما ہو جو امت مسلمہ کو متحد کرنے کا اہم فریضہ انجام دے۔

مساوات انسانی کے حوالے سے قرآن نے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا فرمایا ہے (جناب آدم اور حوا سے) اور ہم نے تمہارے درمیان شعوب اور قبائل بنا دیے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سب سے زیادہ مقرب وہ ہیں جو متقی ہیں وہی اللہ کی بارگاہ میں معزز ہیں، بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔ (سورۃ الحجرات الآیۃ:13)

اس آیت میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ دنیا میں تمام انسان ایک ماں اور باپ کی



اولاد ہیں، اس لئے طبقاتی کش مکش کی جنگ غریب اور امیر کے جھگڑے، کالے اور گورے کے امتیاز اور قبائلی برتری یہ ساری باتیں اسلام کے نظریہ مساوات کے خلاف ہیں۔ تم سب ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو۔ ہاں! عزت والا صرف وہ انسان ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہے، جو متقی ہے، عزت اور ذلت کا معیار تقوی ہے، پرہیز گاری ہے، سرمایہ یا دولت نہیں ہے۔ اللہ تعالی امت مسلمہ کو قرآن پاک کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

## خطاب نمبر (۴۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ○
بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ فَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ○
ءَاِذَا مِتْنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ذٰلِکَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ ○ (سورۂ: ق، آیت: ۲،۳)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج میں سورۂ (ق) کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا پروردگار عالم ہمیں فہم قرآن کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن پاک کو نصاب زندگی بنانے کی



سعادت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

حضرات گرامی: سورہ (ق) مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس میں ۳ رکوع اور ۴۵ آیات ہیں، اس سورت میں آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کے باب میں کافروں کا یہ اعتراض کہ اللہ نے ایک انسان کو نبی بنا کر کیوں مبعوث فرمایا۔ ان کے خیال میں بشریت نبوت کے منافی تھی اور وہ اپنے زعم باطل میں یہ سمجھتے تھے کہ ہدایت کے لیے انسان کے بجائے کسی فرشتے کو آنا چاہئے۔ حالانکہ یہ ممکن اس لئے نہیں تھا کہ پیغمبر نہ صرف یہ کہ وہ پیغام لانے والے ہوتے ہیں بلکہ ان کی حیات طیبہ اور ان کی زندگی ایک عملی نمونہ ہوتی ہے۔

جس پیغام کو وہ اللہ کی طرف سے دنیا کے انسانوں کو پیش فرماتے ہیں اس پیغام کو سب سے پہلے عملاً وہ اپنی زندگی کے ذریعہ دنیا کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن عظیم نے اس حقیقت کا اظہار یوں کیا ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۃ الأحزاب الآیۃ: 21)

تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندگی میں ایک بہت ہی اچھا نمونہ ہے۔ چوں کہ داعی اگر خود دعوت کے اصولوں کو نہ اپنائے تو اس کی دعوت کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

حضرات گرامی! اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اللہ نے انسانوں کے لئے یہ نظام بھیجا ہے تو اس نظام کامل کی عملا تصویر پیش کرنے کے لئے ایک انسان کامل ہی کو منتخب فرمایا۔ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ بشر ہیں یہاں ایک غلط فہمی یہ ہوئی ہے کہ کفار ان کو بشر سمجھتے تھے بایں طور کہ بشر جو ہے وہ نبوت کا مستحق نہیں ہوسکتا اور آج کے دور کے بعض

مسلمان لفظ بشر سے یہ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ پیغمبر بھی ہمارے ہی جیسے بشر ہیں ۔ بلا شبہ چہرہ مہرہ کے اعتبار سے پیغمبر ہمارے ہی جیسے ہوتے ہیں مگر درحقیقت وہ ہمارے جیسے نہیں ہوتے وہ اللہ کا انتخاب ہوتے ہیں ۔وہ مصطفی ہوتے ہیں، برگزیدہ ہوتے ہیں ،اللہ نے ان کو اپنی وحی کے لئے اپنے پیغام کے لئے منتخب کیا ہوتا ہے ۔انہیں اس مقام پر فائز کیا جاتا ہے جہاں کوئی اور نہیں پہونچ سکتا۔اس لئے وہ بشر تو یقیناً ہیں لیکن ہم جیسے بشر نہیں ہیں ۔

حضرات! بارہا کفار نے کہا کہ یہ ہماری طرح سے کھاتے پیتے ہیں بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اس لئے انہیں یہ کوئی حق نہیں ہے کہ ہمیں دعوت دیں یا بر بنائے نبوت اپنی ذات کو ہم سے بلند کریں اور اپنی ذات پر ہمیں ایمان لانے کی دعوت دیں ہم کیوں ایمان لائیں ہم بھی انہیں کے جیسے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام مکہ مکرمہ میں ایک یتیم کی حیثیت سے ایک غریب گھر میں کیوں پیدا ہوئے اللہ تعالی کو اگر نبی بنانا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے سرمایہ داروں اور دولت مندوں میں سے کسی کو نبی بنا دیا جاتا ۔اس طرح کی باتیں وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے ۔حالانکہ ایک طرف تو وہ سرکار کی بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے اور دوسری طرف وہ اس بات کا دعوی بھی کرتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں کیا وہ انسان نہیں تھے اگر وہ انسان تھے اور وہ نبی تھے تو ان کے بعد انہیں کے خاندان سے انہیں کی نسل پاک سے سرور کائنات نبوت کا دعوی کریں تو یہ اس طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں ۔

خدا جب دین لیتا ہے
تو عقلیں چھین لیتا ہے

جب کسی کو ہدایت میسر نہیں آتی یا ہدایت اس کے مقدر میں نہیں ہوتی تو پھر وہ اسی



طرح کی بات کرتا ہے جیسا کہ مکہ کے کفار کیا کرتے تھے، کبھی وہ حضور کو اپنے جیسا کہتے کہ اللہ نے کسی فرشتہ کو نہیں بھیجا کبھی وہ کہتے کہ یہ تو شاعر ہیں، کبھی وہ کہتے کہ یہ ساحر ہیں کبھی وہ کہتے کہ یہ قرآن کے واقعات کو بیان کرنا شروع کر دئے ہیں، اساطیر الاولین ہیں ،کبھی یہ کہتے ہیں کہ انہیں کوئی جن یا انسان سکھاتا ہے جنہیں یہ پڑھتے ہیں اس طرح کی باتیں وہ محض اس لیے کرتے تھے کہ ان جاہل لوگوں کو پیغمبر اعظم کی بارگاہ میں حاضری سے دور رکھیں انہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔حالانکہ حقیقتا وہ جانتے تھے کہ یہ نبی ہیں اور نبوت کا منصب انسانوں ہی کو عطا کیا جاتا ہے مگر وہ ہمیشہ اس طرح کی بات کرتے جس کی بنا پر لوگ آقائے دو جہاں کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوسکیں ۔

دوسرا ان کا اعتراض یہ تھا کہ مرنے کے بعد جب ہمارے اعضا بکھر چکے ہوں گے زمین میں ان کے ذرات منتشر ہو گئے ہوں گے ۔ پھر انہیں کیسے جمع کیا جائے گا ۔ انہیں دوبارہ کیسے زندگی دی جائے گی ۔وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھے قرآن پاک نے سینکڑوں مقامات پر دلائل کے ذریعہ اس بات کو واضح فرمایا کہ تم خدا کی قدرت کا انکار نہ کرو تم اس قادر مطلق کی تخلیقات کا جائزہ لو تو تمہیں ہر جگہ حیات بعد الموت کے مناظر نظر آئیں گے ۔کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ زمین مردہ ہو جاتی ہے درخت سوکھ جاتے ہیں ۔گھاس تک جل جاتی ہے اور پھر اللہ بارش نازل فرماتا ہے تو اس بارش کی بنیاد پر زمین زندہ ہو جاتی ہے اور اس میں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نمایاں ہوتی ہیں یہ سب کچھ تمہارے نگاہوں کے سامنے ہیں ۔

جو اللہ اپنی نازل کی ہوئی بارش سے زمین کو کر دیتا ہے اور سوکھے ہوئے درختوں پر پھل نمودار ہوتے ہیں گلستانوں میں پھول کھلتے ہیں اور کلیاں مسکراتی ہیں وہ اللہ انسانوں کو زندہ کیوں نہیں کرسکتا ۔وہ قادر مطلق ہے پھر جب تم یہ مانتے ہو کہ زمین وآسمان کا مالک اللہ

ہے تو کبھی تم نے زمین و آسمان کی تخلیق پر غور کیا؟ کائنات کے پیچیدہ نظام کو تم نے دیکھا کہ جو زمین و آسمان کا خالق ہے ۔ اور آسمان کی تخلیق تو کوئی آسان کام تو نہیں ہے ۔ خلا کی وسعتوں آسمانوں کی وسعتوں کا قابل پیمائش نہ ہونا اور ان کی انتہاؤں کا انسانوں کی عقل و شعور سے بلند ہونا سیاروں کا نظام چاند اور سورج کی گردش یہ ساری باتیں خدائے وحدہ قدوس کی قدرت کاملہ کی گواہ ہیں تو جو اتنے عظیم آسمانی اور خلائی نظام کو پیدا فرما سکتا ہے کیا وہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا ۔ تمہارے ذرات ضرور بکھر جائیں گے، مگر اللہ ہر ذرہ حیات کو زندہ کرنے پر قادر ہے ۔

بلا شبہ کچھ لوگ توپوں اور ٹینکوں کے سامنے پھٹ جائیں گے، کچھ لوگ آگ میں جل جائیں گے، کچھ لوگ دریاؤں میں ڈوب کر مچھلیوں کی خوراک بن جائیں گے، یہ سب کچھ ہوگا لیکن اللہ جب چاہے گا ان کے اعضا کو جمع کر کے اور پھر انہیں نئی زندگی عطا فرمائے گا، اور حشر فرمائے گا اس کی تفصیلات بھی آیات مبارکہ کے اندر موجود ہیں ۔

سورہ (ق) میں پھر نظام کائنات اور قانون قدرت کو بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ خدا کی عظیم تخلیق میں غور و فکر کریں اور پھر یہ محسوس کریں کہ عظیم تر کائنات کا خالق کائنات پر قادر مطلق ہے وہ مردوں کو زندہ بھی کرسکتا ہے کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے اگر تمہاری محدود عقل کسی بات کو نہیں مانتی تو تم انکار نہیں کرسکتے ہو کہ ایسا نہیں ہوسکتا ۔ اس لئے کہ تمہاری عقل کی رسائی وہاں تک نہیں ہے جہاں تک ان حقائق کے ادراک کے لئے ضروری ہے ۔ دنیا کے سارے معاملات کو تم اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کر سکتے ہو جو تمہارے سامنے ہے لیکن جو باتیں عالم غیب سے متعلق ہیں اس کے لئے کسی غیب داں نبی کا ہونا ضروری ہے جو غیب کے حقائق کا ادراک کرا



سکے ۔ اور وحی پاک کا ہونا ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ تم غیب کے حقائق کو جان سکو ۔

زندگی کا وہ حصہ جو مرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، اور اس کے بعد جو مراحل پیش آتے ہیں وہ سب کے سب عالم غیب سے متعلق ہیں اور یقیناً تمہاری عقل کی رسائی وہاں نہیں ہے ۔ اور جہاں تمہاری عقل کی رسائی نہ ہو وہاں یقیناً تمہیں وحی الٰہی پر اور نبی کے فیصلہ پر اعتماد کرنا ہوگا ۔ یہی دین ہے اور یہی حق ہے، یہی وجہ ہے کہ بار بار قرآن عظیم نے اہل ایمان کے لئے یہ شرط لگائی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں ۔ حضرات! عقل کی سرحدیں جہاں ختم ہوجاتی ہیں ۔ وہاں سے غیب کی سرحدوں کا آغاز ہوتا ہے اس لئے عالم غیب عالم شہادت سے متصادم نہیں ہے بلکہ عالم شہادت میں جو کچھ انسان دیکھتا ہے اور جو کچھ محسوس کرتا ہے اس کے بعد غیب کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں جس کے لئے وحی کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے پیغمبر کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جس کے لئے پیغمبران عظام کو بھیجا گیا ہے ۔

یہ دنیا دراصل آخرت کی کھیتی ہے اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ دنیا میں انسان کو اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ وہ یہاں آکر زندگی کو برتنے کا طریقہ اختیار کرکے جائز حدود کے اندر رہ کر آخرت کی تیاری کریں ۔ آخرت جو دائمی زندگی کے لئے عطا فرمائی گئی ہے اور ہونے والی ہے اس راہ پہ چلنا بے پناہ ضروری ہے ایمان اسی کا نام ہے اسلام اسی عقیدہ کو واضح کرتا ہے ۔

اب آئیے چند آیات مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ۔

عزت والے قرآن عظیم کی قسم اے رسول آپ سچے ہیں یہاں قسم کے بعد یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ کس بات کی قسم کھائی جارہی ہے ۔ لیکن آیت کا سیاق وسباق یہ دونوں بتا رہا ہے کہ یہاں سرور کائنات کی صداقت کے لئے اللہ نے قرآن عظیم کی قسم یاد فرمائی ہے، قرآن عظیم کو مجید کہا گیا ہے عزت والی کتاب مجد والی کتاب بزرگی والی کتاب ۔ اللہ رب العزت جل مجدہ ہے، عزت

والا ہے، اس کا کلام بھی عزت والا ہے اور اس کے نبی بھی عزت والے ہیں۔ عزت والے پروردگار نے عزت والے قرآن کی قسم، عزت والے رسول کی صداقت کی تائید میں یاد فرمائی ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

قٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ(۱)بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ(۲)ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ(۳)

عزت والے قرآن کی قسم۔ بلکہ انہیں اس کا اچنبھا (تعجب) ہوا کہ ان کے پاس انہی میں کا ایک ڈرسنانے والا تشریف لایا تو کافر بولے یہ تو عجیب بات ہے۔ کیا جب ہم مرجائیں اور مٹی ہوجائیں گے پھر جئیں گے یہ پلٹنا دُور ہے۔ (سورۃ ق، الآیات: 3/2/1)

عزت والے قرآن کی قسم آپ سچے رسول ہیں۔ ان کافروں کو اس بات پر شدید تعجب ہے کہ ان میں پیغمبر انہیں میں سے نذیر بن کر جلوہ گر ہوئے۔ کافروں کو اس پر تعجب ہے کہ یہ تو ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، پھر یہ ہم میں پیغمبر کیسے ہو سکتے ہیں، انہیں رسول بنا کر کیسے بھیجا گیا ہے ان ظالموں نے سرور کائنات محمد رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو پہچانا نہیں۔ انہوں نے مکہ کی گلیوں میں چلتے ہوئے دیکھا مگر حریم نور میں جلوت کدۂ معمور میں، عرش عظیم کی خلوتوں میں، سدرۃ المنتہی میں چلتے ہوئے نہیں دیکھا اس لئے کہ ان کو یہ نگاہ ایمان کے بغیر میسر ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے کھاتے پیتے دیکھا مگر یہ نہیں دیکھا کہ انسان نہ کھائے تو انسان مرجائے گا۔ اگر نبی کھانا تناول نہ فرمائیں تو کھانے کی موت واقع ہو جائے گی اس لئے کہ جائز وہی ہے جسے اللہ کے رسول نے جائز قرار دیا ہے۔ اور وہی طعام حقیقی ہے۔ عام کا تو یہ عالم ہے کہ انسان کچھ روز تک بھوکا رہے تو کمزوری یا موت سے ہمکنار ہوگا مگر سرکار کائنات کو دیکھتے ہیں کہ کئی روز تک صوم وصال رکھتے ہیں اور جب صحابہ کرام ان کی تقلید کرنا



چاہتے ہیں تو آپ منع فرماتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں: أَيُّكُمْ مِثْلِي، إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ۔ (صحیح البخاری کتاب التمنی باب ما یجوز من اللو الرقم: 7242)

تم میں سے کون ہے میرے جیسا بیشک جب میں سوتا ہوں میرا پروردگار مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

ہم سوتے ہیں تو غافل ہوجاتے ہیں مگر سرور کائنات کے سونے کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سو جائیں تو معراج منامی وہ جاگیں تو خدا سے ہم کلامی ان کا سونا ہم سب کی بیداری سے بہت اچھا ہے۔ ہم چلتے ہیں تو دنیا کی ٹھوکروں میں چلتے ہیں اور نبی چلتے ہیں تو پتھر نقش کف پائے مصطفی اتار لیتے ہیں۔ نبی چلتے ہیں تو ان کی گزرگاہوں کی قسم قرآن یاد فرماتا ہے۔ اس لئے ان کا چلنا پھرنا ہماری طرح سے نہیں ہے وہ تو اس لئے چلے تھے تاکہ ہم کو چلنے کا سلیقہ آجائے۔ کھانا اس لئے تناول فرمایا تھا تاکہ ہمیں کھانے کا شعور میسر آئے۔ اس لئے خواب سے نواز ے گئے تھے تاکہ ہم سونے کا سلیقہ حاصل کرسکیں۔ اور بیداری کا شعور حاصل کر کے ایک بیدار زندگی کے مالک بن سکیں ان کا ہر عمل ان کی ہر ادا ہماری تعلیم کے لئے تھی اس لئے ان کو اپنے جیسا کہنا یہ نادانی تھی اور اپنے جیسا سمجھ کے نبوت کا انکار کرنا یہ کفار کا طرز عمل تھا۔ کافروں کو اس بات پر بہت تعجب ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہوجائیں گے تو پھر زندہ کئے جائیں گے ان کے نزدیک یہ عقل سے ماورا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان میں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک یاد رکھنے والی کتاب ہے۔

زمین ان کے جسموں کو گھٹا دیتی ہے بکھیر دیتی ہے، منتشر کر دیتی ہے، فنا کر دیتی ہے مگر ہمارے پاس وہ کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے یعنی ان کے اجزائے جسم کی تفصیل

موجود ہے۔اس کے مطابق انہیں پھر زندہ کیا جائے گا۔اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

کیا وہ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے کس طرح بنایا اور اسے آراستہ فرمایا۔ جس میں کوئی شگاف نہیں اور زمین کو پھیلا دیا اور اس پر بڑے بڑے پہاڑ قائم فرما دیئے اور ہم زمین پر ہر قسم کی پررونق چیزیں اگا دیں۔ان میں بصیرت اور یاد دہانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔(سورۃ ق، الآیات:8/7/6)

حضرات گرامی ذرا سوچئے کہ ان آیات مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی نے آسمان اور زمین پر غور کرنے کا حکم دیا ہے کہ جو لوگ بصیرت رکھتے ہیں جو لوگ شعور رکھتے ہیں اور ان باتوں کو دیکھ کر سرسری طور پر گزر نہیں جاتے ہیں بلکہ اللہ کی بے مثال تخلیق پر غور کرتے ہیں اور جتنا غور کرتے ہیں اسی قدر زیادہ وہ خدا کی بارگاہ میں جھکتے چلے جاتے ہیں۔اللہ فرماتا ہے:

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اُتارا تو اس سے باغ اُگائے اور اناج کہ کاٹا جاتا ہے۔(سورۃ ق، الآیۃ:9)

آسمان سے برکت والا پانی اتارا برکت سے مراد یہاں فائدہ دینے والا اگر پانی نہ ہوتا تو انسان کی زندگی ناممکن ہو جاتی۔قرآن عظیم میں ایک اور جگہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (سورۃ الانبیاء، الآیۃ:30)

ہم نے پانی ہی سے ہر چیز کو زندگی عطا فرمائی ہے۔

اور آج کی سائنس بھی اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ پہلا جرثومہ حیات پانی کی سطح پر ہی پایا گیا تھا۔پانی ہی پودوں کی زندگی ہے۔پانی ہی زمین کی زندگی ہے۔پانی ہی انسان کی تخلیق کا ذریعہ ہے۔پانی ہی انسان کی حیات کا ذریعہ ہے۔پانی ہی پرندوں کی زندگی ہے پانی ہی جانوروں کی زندگی ہے۔پانی اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے اور یہ اللہ ہی نے آسمان



سے نازل فرمایا ہے اور زمینوں کی تہوں میں انسان کے لئے پانی پیدا فرما دیا گیا ہے:

قدرت کا کرم یہ ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے جسے اپنی بندگی کے لئے اللہ نے پیدا کیا ہے اس کی تخلیق سے پہلے اس نے وہ ساری چیزیں موجود فرما دیں جن کی انسان کو ضرورت تھی اور جو چیز جس قدر زیادہ ضروری تھی اسی قدر زیادہ سہل الحصول اور بے قیمت عطا فرما دی گئی۔قیام کے لئے زمین کی ضرورت تھی تو اللہ نے زمین کو پیروں کے نیچے پیدا فرما دیا اگر کہیں اور ہوتی تو انسان کا قیام کرنا ممکن نہ ہوتا۔کھانے پینے کی ضرورت تھی تو اللہ نے زمین پر کھانے پینے کو غلہ اور سبزہ کی شکل میں پھیلا دیا جس کا تذکرہ قرآن عظیم فرما رہا ہے۔

اور انسان کو سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی تھی تو ہوا کو اللہ نے انسان کی ناک کے نیچے پیدا فرما دیا۔آکسیجن کا واحد ذریعہ ہوا ہی ہے وہ انسان سے بہت دور نہیں پیروں کے نیچے بھی نہیں۔کہیں اور بھی نہیں ناک کے نیچے آپ تنہائی میں ہوں، گھر میں ہوں، خلا میں ہوں فضا میں ہوں جہاں کہیں ہوں ہوا آپ کے ساتھ ہے۔

اب آپ اندازہ کیجئے! ہوا ناک سے دور ہو جائے تو انسان بے جان ہو جاتا ہے اس لیے اللہ نے ساری چیزیں انسانوں کے لئے پیدا فرمائیں تا کہ انسان زندگی حاصل کر سکے انسان کی تخلیق سے پہلے یہ ساری چیزیں پیدا کر دی گئیں پھر انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا گیا۔ہاں مگر ان کی ہدایت کے لئے سرور کائنات کو اشرف الکائنات بنا کر بھیجا گیا۔ساری کائنات میں سب سے افضل بنا کر اور انہیں انسانوں کی حیات روحانی کے لئے بالکل قریب کر دیا گیا۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔اگر ہوا انسان سے دور ہو جائے تو انسان بے جان ہو جائے گا اور اگر نبی کی رحمت انسان سے دور ہو جائے تو انسان ایمان سے محروم ہو جائے گا۔

حضرات گرامی! اللہ اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمارہا ہے اور اللہ فرماتا ہے: آسمان سے برکت والا پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ باغات اور اناج اگائے۔ جن کی فصلیں کاٹی جاتی ہیں اور کھجور کے بلند و بالا درخت جن سے گابھا' کھجور کا شگوفہ ہوتا ہے اپنے بندوں کیلئے روزی کے طور پر ہم نے انہیں پانی سے زندہ فرمادیا۔ اسی طرح حشر کے دن تمہیں بھی نکلنا ہوگا۔ جس طرح سے مردہ زمین مردہ کھیتیاں مردہ باغات اللہ کی رحمت کی بارش سے زندہ ہو جاتے ہیں ویسے ہی حکم الٰہی سے تمہیں بھی زندہ کر دیا جائے گا۔ اگر تم ان باتوں کا مشاہدہ کر رہے ہو جو عالم شہادت کی چیزیں ہیں تو عالم غیب کی حیات پر تمہیں یقین کرنا ہوگا۔

اللہ فرماتا ہے کہ انکار کرنے والے یہ نئے لوگ نہیں ہیں، کفار مکہ سے پہلے بھی قوم نوح' اصحاب الرس' قوم ثمود' قوم ہود' قوم فرعون' قوم لوط اور اصحاب ایکہ ان سب لوگوں نے انکار کیا لیکن پیغمبران عظام نے آخرت کا یقین دلانے کے لئے انہیں اپنا پیغام پہنچایا۔ جن لوگوں نے مان لیا وہ بچ گئے اور جنہوں نے نہیں مانا وہ ہلاک کر دئے گئے۔ ان پر اجتماعی عذاب مسلط کیا گیا۔ جب انہوں نے تکذیب کی تو اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

حضرات گرامی! قرآن میں آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ کیا گیا ہے کبھی آپ نے سوچا کہ آج ہم اللہ کی تخلیق پر اس طرح غور نہیں کرتے جس طرح کہ قرون اولی اور وسطی کے مسلمانوں نے غور کیا تھا اگر غور کرتے تو آج خلاؤں کی تسخیر سیاروں تک رسائی ہمارا مقدر ہوتی لیکن ہم نے غور وفکر کرنا چھوڑ دیا ہے، ہماری درسگاہوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا تھا اور اب بھی کسی حد تک روایتی طور پر پڑھایا جارہا ہے ان میں طبعیات، فلکیات اور الٰہیات اور فلسفہ کے مضامین ہوتے تھے۔ فلکیات میں فلک کے بارے میں تعلیم دی جاتی تھی مگر وہ اتنی پرانی ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں ان تعلیمات کو ہم آج کے حالات سے اس کی مطابقت پیدا نہیں کر سکتے۔ بلا شبہ



فلکیات پر آج بھی تعلیم دی جارہی ہے اور اس حد تک دی جارہی ہے کہ لوگ خلاؤں میں نئی زمینیں تلاش کر رہے ہیں۔ کبھی مریخ پر کبھی چاند پر کمندیں ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے اور ہم زمین پر بیٹھ کر محض فلکیات کے کچھ نظریات کو پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے ہماری پسماندگی کی وجہ یہ ہے۔

قال الشافعی رحمہ اللہ: العلم علمان: علم الأبدان وعلم الأدیان

ہم نے ادیان کا علم تو ضرور کسی حد تک حاصل کیا مگر ابدان کے علم سے بالکل ناواقف رہے اور ان میں وہ سارے علوم آجاتے ہیں جن کی تعلیم جناب آدم علیہ السلام کو تخلیق کے فوراہی بعد دے دی گئی تھی۔ علوم اشیا کے نام سے جن کا تذکرہ قرآن نے کیا ہے۔ حقائق اشیا اور معلومات اشیا ہم نے اپنے کو ان باتوں سے الگ کرلیا ہے اور ہم دنیا میں پسماندہ رہ گئے۔

حضرات! اس پسماندگی کی بنیاد پر دنیا آج طعنہ دے رہی ہے کہ ہم پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ حالانکہ اگر علوم دنیا کو شامل کیا جائے تو دنیا میں ہم سے زیادہ پڑھی لکھی کوئی قوم نہیں ہے مگر جن کو آج کا دور پڑھا لکھا سمجھتا ہے ان لوگوں کو یقیناً ہم ان سے عاری ہیں۔ دنیا میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم قرآن وحدیث کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پر عمل کریں وہیں ان علوم کو بھی جاننے کی کوشش کریں جس کی بنیاد پر ہم آج کے دور میں آگے بڑھ سکیں اور کامیاب ہوسکیں اور دنیا کی نگاہوں میں مسلمانوں کو پڑھا لکھا جانا جا سکے اس لئے ہمیں محنت کی ضرورت ہے۔ اور بے پناہ کوشش کی ضرورت ہے۔

حضرات گرامی! اللہ نے اسی سورت طیبہ سورہ (ق) میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یعنی تم اللہ سے دور نہیں ہو اور نہ ہی اللہ تم سے دور ہے وہ تمہاری تمام باتوں کو دیکھ رہا ہے، جان رہا ہے، تمہاری ضرورتوں کو پورا فرمارہا ہے اور

اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آئی تو تمہارے رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہے۔اسے بلاؤ گے اس سے دعا کرو گے تمہاری مدد کرے گا مگر اس پروردگار عالم سے دور ہو کر تم نے دنیا کی تمام مادی قوتوں میں نجات تلاش کی اور اپنے رب سے دور ہونے کی کوشش کی وہ تم سے بہت قریب ہے۔اسے بلاؤ اس سے دعا کرو اور اس کے راستہ پر چلو کامیابی تمہارا مقدر ہوگی۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کا نفس کیسے وسوسے ڈالتا ہے ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔(سورۃ قٓ الآیۃ:16)

اس لئے وہ شیطان کے فریب میں آنے کے بجائے ہمارا قرب حاصل کرنا چاہے ہم تو قریب ہیں لیکن وہ ہمارے قرب کو محسوس کرے وہ ہمیں یاد کرے تو شیطان اسے گمراہ نہ کر سکے گا اور دنیا کی کوئی چیز اسے نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

اللہ فرماتا ہے: جب اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں۔کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

(سورۃ قٓ الآیات:18/17)

اور جب اس کے اعمال تولتے ہیں تو عالم یہ ہے کہ بندہ جو بھی عمل کرتا ہے اس کے لئے ہم دو دائیں اور بائیں فرشتے بٹھا رکھے ہیں۔کہ جب وہ اپنی زبان سے کوئی لفظ ادا کرتا ہے تو اس کے قریب کے نگہبان لکھنے والے لکھتے رہتے ہیں اور تیار کرتے رہتے ہیں جو بھی وہ کہتا ہے اسے محفوظ کر لیتے ہیں۔حضرات کراما کاتبین کا تذکرہ بھی ہے اور اس فرشتہ کا بھی جو ہمارے ہر لفظ کو محفوظ کر رہا ہے۔حضرات ہمیں اپنے اعمال کا بھی جواب دینا ہے، اپنے اقوال کا بھی اسی لئے ہر حال میں ہمیں پابند قانون الٰہی رہنا چاہئے اور اللہ کی رضا تلاش کرنا چاہئے۔

پروردگار ہم اور آپ کو قرآن پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین



## خطاب نمبر (۴۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ الصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ○ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ○ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ○

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ○ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ○ وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ○

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام وخواتین اسلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ ذاریات کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کیا جائے گا۔اس سورت میں ۳ رکوع اور ۶ آیات ہیں۔تمام مکی سورتوں کی طرح اس سورت کے مضامین میں بھی توحید ورسالت اور بعث بعد الموت کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے انبیا، رسل اور آسمانی کتابوں کی تکذیب کی اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوئے اور ان لوگوں کا بھی ذکر جو متقی ہیں اور

ہمیشہ خشیت الٰہی سے لرزیدہ رہتے ہیں۔ اور ان کی راتیں عبادت الٰہی میں گزرتی ہیں اور وہ لوگ سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔

انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی اور حصول معرفت خداوندی ہے۔ یہ بنیادی مضامین ہیں جو اس سورت میں مختلف آیات کے تحت بیان فرمائے گئے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ۙ○ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۙ○ فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ۙ○ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۙ○ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۙ○ وَّاِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ○

(سورۃ الذاریات، الآیات: 1 الی 6)

قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑانے اور بکھیرنے والی ہیں یا اڑا کر بکھیرنے والی ہیں۔ اور ان بادلوں کی جو بارش کے پانی کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ اور پھر ان کشتیوں کی جو آسانی سے چلنے والی ہیں۔ اور پھر ان فرشتوں کی جو حکم سے رزق وغیرہ تقسیم کرنے والے ہیں۔ بے شک جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سچ ہے۔ اور بے شک انصاف اور جزا کا دن ضرور آئے گا۔

اور قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں بے شک تم مختلف باتوں میں مبتلا ہو وہ لوگ قرآن پاک سے منہ پھیرے ہوئے ہیں جس کا منہ ازل ہی سے پھیر دیا گیا ہو وہ بغیر کسی دلیل اور سند کے جو محض گمان باطل کی باتیں کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ یقیناً ہلاکت میں مبتلا ہوں گے۔

(سورۃ الذاریات، الآیات: 7 الی 10)

جو غفلت میں آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ انصاف کا دن کب واقع ہوگا جس روز ان کو آگ سے جلایا جائے گا۔ پھر اپنی سزا کا مزہ وہ چکھیں گے۔ جس کے لئے وہ جلدی کر رہے ہیں۔ بے شک متقی لوگ باغات اور چشموں سے فیضیاب ہوں گے۔ اپنے رب



سے انعامات حاصل کریں گے۔ بے شک وہ لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بھی نیکو کار تھے یہ لوگ رات کو کم سوتے تھے اور بوقت سحر اپنے گناہوں سے توبہ کرتے تھے۔ ان کے اموال میں سائل کا بھی حق تھا اور بے نصیب کا بھی۔ زمین میں قدرت کی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لئے اور خود تم میں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ (سورۃ الذاریات، الآیات: 11 الی 21)

آخری آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ زمین میں اور تمہاری ذات کے اندر ''وفی اَنۡفُسِکُم'' اللہ کی بے شمار نشانیاں ہیں اگر تم زمین پر اللہ کی نشانیاں دیکھو تو ہر شی خدا کی قدرت کی گواہی دیتی ہوئی نظر آتی ہے اور خود اپنی ذات کے اندر دیکھو تو تمہاری ذات کا جو پیچیدہ نظام ہے اور جس طرح سے تم کو حیات کی توانائیوں سے نوازا گیا ہے یہ ساری باتیں خدائے برتر و بالا کی تدبیر اور اس کی ربوبیت اور اس کی خلاقیت کی مکمل طور پر گواہ ہے۔

اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چند فرشتے انسانی شکل میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ضیافت کے لئے بھونا ہوا بچھڑا پیش کیا آپ کو معلوم ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ اُس وقت تک وہ کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ ان کے دسترخوان پر کوئی مہمان موجود نہ ہو کبھی کبھی کئی روز گزر جاتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم نے بغیر مہمان کے کھانا کھایا تو کہیں رزق کی برکت نہ چلی جائے۔ یہ آپ کا مزاج تھا۔ چنانچہ جیسے ہی کچھ فرشتے انسانی شکل میں آئے تو آپ نے ایک بھنا ہوا بچھڑا ان کے سامنے پیش کیا لیکن وہ ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے کھانے کے لئے۔ جناب ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ فرشتے ہیں تو انہیں یہ خوف ہوا کہ کہیں عذاب نازل کرنے والے نہ ہوں۔ فرشتوں نے ان کو تسلی کے لئے فرمایا: آپ خوف زدہ نہ ہوں اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک صاحب علم صاحبزادے کی بشارت دی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ کی عمر نوے سال تھی اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال تھی۔ان کی اہلیہ بھی اس بشارت کو سن رہی تھیں،انہوں نے انتہائی حیرت سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا اور کہا یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ میں بانجھ اور بوڑھی عورت ہوں۔فرشتوں نے کہا ایسا ہی ہے۔یہ آپ کے رب کا حکم ہے بے شک وہ حکمت اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

خیال رہے کہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا کے بطن سے جناب اسماعیل علیہ السلام پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے وہ جناب اسحاق کے بڑے بھائی تھے اور وہی ذبیح تھے یہ بڑا اختلاف ہے ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان وہ کہتے ہیں ذبیح حضرت اسحاق تھے ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ بڑے بیٹے جناب اسماعیل تھے اور یقیناً اللہ کے راستے میں انہیں قربان کیا گیا تھا۔ بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل کی قیام گاہ کے بارے میں مروہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وہ یقیناً بیت المقدس میں نہیں ہے بلکہ کعبہ مقدسہ کے قریب مکہ میں ہے۔

بہر کیف! جناب ابراہیم علیہ السلام نے ان فرشتوں سے سوال کیا: آپ کے آنے کا اور مقصد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے تا کہ ان پر گارے کے بنے ہوئے نشان زدہ پتھروں سے ان پر عذاب نازل کریں۔ان کے جرائم کی وجہ سے چنانچہ قوم لوط پر ان پتھروں کی بارش ہوئی اور اہل ایمان کے علاوہ سب فنا کر دیئے گئے۔قوم لوط دراصل عورتوں کے بجائے مردوں سے جنسی تعلقات قائم رکھتی تھی یہ اس قوم کا اجتماعی مزاج بن گیا تھا۔جناب لوط علیہ السلام نے انہیں بے پناہ سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے بلکہ ان مجرموں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اپنے شہر سے باہر نکال دیں کیوں کہ وہ طہارت کو پسند کرتے ہیں۔اس واقعہ کو قرآن عظیم کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔



اے محبوب کیا آپ کو خبر پہونچی ابراہیم کے مکرم مہمانوں کی جب وہ ان کے پاس حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو اے اجنبی جماعت۔(جناب ابراہیم علیہ السلام) اپنی اہلیہ کے پاس گئے اور پھر ایک موٹا سا بچھڑا لے آئے اور مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ پھر فرمایا آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں اور آپ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا تو انہوں نے کہا خوف نہ کریں اور پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک صاحب علم بیٹے کی بشارت دی۔آپ کی بیوی نے حیرت زدہ ہو کر بلند آواز سے کہا اور اپنے چہرے پر اپنے ہاتھ کو مارا ''میں بوڑھی اور بانجھ ہوں'' فرشتوں نے کہا ایسا ہی ہے آپ کے رب کا فرمان اور وہی حکیم و دانا ہے۔ (سورۃ الذاریات، الآیات 24 الی 30)

حضرات گرامی: جناب لوط علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا تھا اس کی وجہ ان کی ہم جنس پرستی تھی۔وہ اس قدر بد ذوق اور فطرت سے منحرف ہو چکے تھے کہ ان کی رغبت عورتوں کی طرف نہیں تھی بلکہ وہ مردوں سے ہی تعلقات رکھتے تھے۔ جناب لوط علیہ السلام نے ایک زمانے سے انہیں اس بات سے روکا اور منع کیا کہ یہ غیر فطری عمل ہے۔یہ ایک ایسا عمل ہے جو جانور بھی نہیں کرتا۔جانور بھی اپنے جنس مخالف سے ہی رابطہ قائم کرتا ہے۔جنسی تسکین کے لئے ہم جنس کے ساتھ تو کوئی جانور بھی رشتہ قائم نہیں کرتا تم کیسے انسان ہو کہ انسان ہو کر تم یہ عمل کرتے ہو اور ایک دو نہیں پوری قوم اس عمل بد کی شکار ہے۔

حضرات گرامی! آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ عمل آج بھی دنیا میں ہو رہا ہے اور بہت سے ملکوں نے اسے قانونی تحفظ دے دیا ہے بلکہ اگر کوئی اس عمل کے بارے میں آواز احتجاجی بلند کرے تو اس پر مقدمات قائم کر دیے جاتے ہیں معاذ اللہ! اس کو انسانی حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ حق ہے کہ جس کے ساتھ جیسا چاہیں ویسا معاملہ کریں۔آپ اندازہ فرمائیں

کہ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں آج کا باشعور انسان جو اپنے آپ کو فطری اعتبار سے ترقی یافتہ سمجھتا ہے وہ جانوروں کی سطح سے بھی نیچے اتر گیا ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

أُولَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (سورۃ الأعراف الآیۃ: 179)

یہ لوگ کبھی جانوروں کی طرح ہو جاتے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور پست

حضرات یہ عمل بہت سی بیماریاں بھی لاتا ہے آج کرونا وائرس کا عذاب ہے اس کی وجہ جو بھی ہو لیکن اس سے پہلے جو عذاب تھا اور آج بھی پایا جاتا ہے کسی شکل میں وہ ایڈس کا عذاب تھا جس کا علاج آج تک دریافت نہیں ہو سکا ہے وہ اسی بنیاد پر تھا مردوں کے مردوں سے تعلقات اور عورتوں کے عورتوں سے تعلقات کی بنیاد پر غیر فطری عمل کی بنیاد پر وہ مرض انسانی معاشرے میں داخل ہوا اور لاکھوں افراد کی زندگیاں نگل گیا۔ اس کے باوجود آنکھیں نہیں کھلیں، اس کے باوجود وہ ساری برائیاں جو انسانی معاشرے میں انسانیت کو تباہ کرتی ہیں انہیں داخل کیا گیا ان میں ایک عمل یہ بھی ہے جو قوم لوط کا عمل کہلاتا ہے۔

انہوں نے یہ کہا کہ ہم اس لئے نہیں آئے ہیں کہ ہم آپ کی قوم سے جو آپ پر ایمان لائی ہے انہیں کوئی تکلیف پہنچے بلکہ ہم تو دراصل اس قوم کو سزا دینے کے لئے آئے ہیں جو آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

ستائیسویں پارے کے آغاز میں اللہ فرماتا ہے:

جناب ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا: فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ اے آنے والوں کیا مقصد ہے تمہارے آنے کا؟ تو فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ ہم ان پر گارے سے بنائے ہوئے پتھر برسائیں۔ جو تمہارے رب کے پاس حد



سے بڑھنے والوں کے لیے نشان کیے رکھے ہیں۔ (سورۃ الذاریات، الآیات 31 الی 34)

بعض تفاسیر میں اس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے کہ ہر پتھر پر باضابطہ صرف ایک مجرم کا نام لکھا ہوتا تھا اور جب وہ پتھر برستا تو اس پتھر پر جس کا نام ہوتا تھا اسی کو لگتا تھا اور وہ مر جاتا تھا اس طرح سے پوری آبادی جو گناہ کرنے والی تھی اور اس عمل کے ذریعہ انسانی معاشرہ کو ایک انتہائی مکروہ حیثیت دینے والی تھی اس کو اللہ نے عذاب سے دوچار کر دیا۔

اور پھر اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے ان مسلمانوں کو جو جناب لوط علیہ السلام پر ایمان لائے تھے انہیں نکال دیا اور صرف وہ لوگ رہ گئے جو اس جرم میں شریک تھے بلکہ اس جرم کے خلاف بات کرنے والوں کو اپنے معاشرے سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا کیوں کہ وہ لوگ پاکیزگی پسند کرتے ہیں۔

آپ اندازہ فرمائیں! جب عقل انسانی اس حد تک گر جائے کہ پاکیزگی کو جرم قرار دیا جائے اور گناہوں سے اجتناب کو قانون کے نگاہ میں جرم کے نام سے تعبیر کیا جائے تو اخلاقی پستی اور کردار کی پستی کا اس سے بدترین نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ واقعہ صرف قرآن عظیم کے اندر نہیں ہے بلکہ بائبل کے اندر بھی موجود ہے اور اسی انداز سے موجود ہے جیسے قرآن پاک کے اندر ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ دین کے ماننے والے خواہ وہ مسلمان ہوں، کرسچن ہوں یا یہودی ہوں جو آسمانی کتابوں کے ماننے والے ہیں خواہ وہ صحیح ہے یا غلط جو بات ان کتابوں میں موجود ہے انہیں ان احکامات کی بقا کے لئے احتجاج کرنا چاہئے۔ مگر کسی احتجاج کی کہیں کوئی آواز بلند نہیں ہو رہی ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا فرعون، قوم عاد، قوم ثمود، قوم نوح اور دوسری مُعذَّب اقوام کا تذکرہ کیا گیا کہ جب بھی لوگوں

نے اللہ کی ہدایت قبول نہیں کی اور پیغمبران کرام کی مخالفت کی اور نافرمانی اس حد تک بڑھی کہ پیغمبران کرام کو اپنی آبادیوں میں رہنا مشکل ہوگیا کہیں ان کے قتل کے منصوبے بنائے گئے کہیں انہیں آبادی سے نکالا گیا کہیں ان پر ظلم کیا گیا تو اللہ نے پھر ان پر عذاب نازل کیا اور ان کی سزاؤں کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ کہیں بارش کے ذریعہ تباہ کیا گیا کہیں زمین الٹ دی گئی کہیں فرشتے نے اپنی چنگھاڑ سے ان کے کلیجے پھاڑ دئے اور کہیں ان کو بندروں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا اس طرح مختلف عذابوں سے انہیں دو چار کیا گیا۔

قرآن پاک میں ان واقعات کے ذکر کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ قوم جو رسول پاک کے مخالف ہے اور قرآن کی مخاطب ہے وہ بھی ہوش میں آجائے، سنبھل جائے اور پیغمبران پاک کی مخالفت قرآن پاک کی مخالفت اور اللہ کے احکامات کی مخالفت نہ کرے ورنہ اس قوم پر بھی اسی طرح عذاب نازل ہوگا جیسا کہ گزشتہ قوموں پر نازل ہو چکا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا بلکہ تقریباً سبھی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور عذاب الٰہی سے اجتماعی عذاب سے بچ گئے۔ یقیناً جو بدترین مخالف تھے سرور کائنات کے ان کو انفرادی طور پر سزا دی گئی۔ اور وہ لوگ جو مختلف غزوات میں حضور کی مخالفت میں شریک ہوئے وہ اپنے جرائم کی سزا کی بنیاد پر ختم کر دئے گئے اس کے علاوہ جو لوگ زندہ تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد اللہ نے ارشاد فرمایا:

اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔ (سورۃ الذاریات، الآیۃ:55)

اے محبوب آپ انہیں سمجھاتے رہیں اس لیے کہ سمجھانا اہل ایمان کو فائدہ دیتا ہے وہ لوگ جو مومن ہیں یقیناً وہ فائدہ اٹھائیں گے یا جن کے دل ایمان کے لئے تیار ہیں وہ کسی عصبیت کے بغیر سچائی کو قبول کریں گے اور فائدہ اٹھائیں گے۔ پھر اللہ ارشاد فرماتا ہے:



وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورۃ الذاریات، الآیۃ:56)

ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت شریفہ میں اس مخلوق کا تذکرہ ہوا ہے جسے اللہ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے یعنی جن و انس جن کی طرف سرور کائنات نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے انبیائے کرام جیسے جناب سلیمان علیہ السلام ان کے بھی تابع جنات کی بڑی جماعت تھی جن میں کچھ ایمان بھی لائی تھے اور کچھ باغی بھی تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی جنوں کی بڑی جماعت ایمان لائی جن کے بارے میں باضابطہ سورت الجن نازل ہوئی اور دوسری سورتوں میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے۔

بہرحال آقائے دو جہاں اس لئے مبعوث کئے گئے تھے تاکہ وہ انسانوں کو بھی اور جنوں کو بھی ان کا مقصد تخلیق سمجھائیں کہ ساری کائنات انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہے زمین ہو یا آسمان ہو، سبزہ زار ہوں یا صحرا ہوں، دریاؤں کی روانی ہو یا کہکشاؤں کا نظام ہو، ہواؤں کا چلنا ہو یا صبح و شام کا آنا جانا ہو یہ جو کچھ ہے یہ انسانوں کے لیے ہے اور انسان کو اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی حمد و ثنا کے لئے بنایا گیا ہے۔

حضرات گرامی: بس اسی پر آج اپنی گفتگو ختم کر رہا ہوں دعا کیجئے کہ پروردگار عالم ہمیں اور آپ کو دنیا کے تمام مسلمانوں کو اپنے معبود برحق کی معرفت اور اس کی عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العلمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۴۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالطُّوْرِ ○ وَکِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ○ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ○ وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ○
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ○ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ○ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ○
مَّا لَہٗ مِنْ دَافِعٍ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰہِ وَبَارِکْ
وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ طور کی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۲ رکوع اور ۴۹ آیتیں ہیں۔ اس سورت کے



بنیادی مضامین میں قیامت ہے کہ قیامت ایک حقیقت ہے اور بلا شبہ آئے گی اور کوئی بھی قیامت کو ٹال نہیں سکتا۔ اس میں قیامت کے مناظر کا تذکرہ ہے اور وہ لوگ جو قیامت کے منکر ہیں ان کے دردناک انجام کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے اور پرہیزگار انسانوں کے لئے انعامات کا تذکرہ ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انسان کو ان کے اعمال کی جزا یا سزا ضرور ملے گی۔ اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن مشکلات کے ماحول میں تبلیغ دین اور دعوت کا فریضہ انجام دے رہے تھے اس کا بھی ذکر ہے۔ سورت کا آغاز اس انداز سے ہوتا ہے۔

وَ الطُّوْرِ ○ وَ کِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ○ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ○ وَّالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ○ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ○ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ○ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ○ مَّا لَہٗ مِنْ دَافِعٍ ○ (سورۃ الطور، الآیات: 1 الی 8)

وَ الطُّوْرِ اور طور کی قسم۔ طور ایک پہاڑ ہے مگر اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے لیے تجلی ربانی کا مرکز بن گیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اسی مقام پر عطا فرمائی گئی تھی۔ یہ وہ طور تھا کہ جب آپ شعیب علیہ السلام کی آبادی مدین سے واپس مصر آرہے تھے تو یہاں آپ نے ایک درخت کے اوپر کچھ عجیب سی آگ دیکھی آپ وہاں آگ کی تلاش میں گئے مگر وہاں انوار الٰہی کی تجلیات تھیں اور وہاں سے ندا دی گئی کہ موسیٰ آپ کو نبوت سے نوازا جارہا ہے۔ آپ فرعون کے پاس جائیے اور اسے حق کی دعوت دیجئے۔ اس لئے اس پہاڑ کی اہمیت بہت زیادہ ہے تاریخی اعتبار سے پھر یہی وہ پہاڑ تھا جہاں جناب موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی گئی۔ لیکن توریت کے عطا سے پہلے انہوں نے چالیس روز تک یہاں پر قیام کیا اور روزہ رکھا۔ اور جب بھی اپنے رب سے کلام کرنا ہوتا تو اسی پہاڑ کے دامن میں تشریف لاتے اور یہیں سے انہیں احکامات عطا فرمائے جاتے تھے۔ یہی وہ پہاڑ

ہے جہاں سے احکام عشرہ بھی ان کو عطا فرمائے گئے اور منصب کلیمی سے نوازا گیا۔ اس لئے اس سورت میں طور کی قسم یاد فرمائی گئی ہے۔

وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ

اور کتاب کی قسم جو کھلے ہوئے ورق پر لکھی ہوئی ہے۔

اب اس کتاب سے مراد قرآن عظیم یا پھر توریت وانجیل بھی ہوسکتی ہیں یا پھر لوح محفوظ بھی جو قیامت کے دن ایک کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے روشن ہوگی۔ یا بندوں کا نامۂ اعمال ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے اپنے نامۂ اعمال کو پڑھنے کے لئے خود کہا جائے گا۔

وَّ الْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ اور بیت معمور کی قسم

یہ بَیْتُ الْمَعْمُوْرِ کیا ہے؟ بہت سے مفسرین نے اس سے مراد کعبہ مقدسہ لیا ہے معمور کے معنی ہمیشہ آباد رہنے والا۔ کعبہ شریف بھی ہمیشہ آباد رہا ہے اور کبھی خالی نہیں ہوتا تھا۔ لوگ حالت طواف میں حالت عبادت میں ہمیشہ وہاں رہتے تھے لیکن آج کے دور کا المیہ ہے کہ پہلی بار کعبہ مقدسہ کو بے آباد کیا گیا حالانکہ متولیان کعبہ چاہتے تو ایسا نہ ہوتا مگر انہوں نے خوف کی بنیاد پر کعبہ مقدسہ کی آبادی کو متاثر کیا۔

لیکن اکثر مفسرین نے بیت المعمور سے مراد عرش عظیم کے نیچے فرشتوں کا کعبہ لیا ہے۔ کہ جس طرح سے انسانوں کا کعبہ مکہ مکرمہ میں ہے ٹھیک اس کے اوپر اور عرش عظیم سے نیچے فرشتوں کا کعبہ ہے بایں طور کہ سب سے اوپر عرش عظیم ہے جسے مقرب فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اس کے نیچے بیت المعمور ہے جہاں ستر ہزار فرشتے ہمیشہ مصروف عبادت رہتے ہیں۔ اور جب وہ جاتے ہیں دوسرے ستر ہزار فرشتے وہاں آجاتے ہیں اور انہیں عبادت کا موقع دیا جاتا ہے۔ وہ تجلیات الٰہی کا مرکز ہے اور اس کے نیچے کعبہ مقدسہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں اگر کوئی



نور عرش عظیم سے چلے بیت معمور سے ہوتے ہوئے تو کعبہ مقدسہ کی چھت پر پہونچے گا۔

یہ ایک عظیم شرف حاصل ہے اس زمین کے کعبہ کو کہ اس کا تعلق یہاں سے بیت المعمور اور عرش عظیم تک ہے اور معراج پاک کی مقدس رات میں اللہ کے رسول نے بیت المعمور کی زیارت بھی فرمائی اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے اپنے رب کی تسبیح میں مصروف ہیں۔ اس لئے اس کی قسم یاد فرمائی گئی۔

وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ" اور بلند چھت کی قسم

زمین والوں کے لیے آسمان سقف مرفوع ہی ہے، بلند چھت ہی ہے اس لئے اس کی قسم یاد فرمائی گئی۔ اسے اللہ تبارک وتعالی نے مزین فرمارکھا ہے ستاروں سے اور ارباب نظر کے لئے آسمان کی بلندیاں بھی آسمان کی زینت بھی دعوت وفکر ونظر دیتی ہے اور اللہ کی یاد دلاتی ہے۔ اور اس کے بعد قیامت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ اور سلگائے ہوئے سمندر کی قسم

قیامت جب آجائے گی تو سمندروں میں آگ لگ جائے گی اور وہ جل اٹھیں گے بہت سے لوگوں نے اسے بھرا ہوا سمندر یا پانی سے معمور سمندر کہا ہے لیکن اس کا بھی مفہوم یہی ہے کہ اس روز ایسا سیلاب آئے گا کہ زمینیں بہہ جائیں گی اور اس سیلاب میں آگ کے شعلے بھی ہوں گے اور جلتا ہوا سمندر ہوگا۔

حضرات یہ ناممکن نہیں ہے۔ اگر آپ جائزہ لیں تو آج بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے چاند یہاں سے ڈھائی لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے لیکن جب بھی وہ شبنمی شعاعیں ڈالتا ہے تو سمندر سے لاکھوں ٹن پانی سطح سمندر سے باہر زمین پر آجاتا ہے۔ سائنس دانوں کا

کہنا ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر میں پیدا ہونے والے تلاطم کی وجہ چاند کی مقناطیسی کشش ہے، جو زمین پر موجود ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

ٹھیک یہی حال قیامت کے دن کا ہوگا۔ چاند اور سورج قریب ہو جائیں گے۔ اگر ڈھائی ہزار میل کے فاصلہ سے سمندر اچھال پاتا ہے تو یہ چاند اگر پچاس ہزار میل کے فاصلہ پر آجائے اور زمین سے قریب ہو جائے تو سمندروں میں اس قدر طوفان آئے گا کہ زمینوں کا پتا بھی نہیں چل پائے گا۔ اور پھر اس میں آگ لگی ہوگی وہ طوفان پانی کا نہیں ہوگا بلکہ شعلوں سے بھری ہوئی موجوں کا ہوگا۔ جسے باضابطہ طور پر بحر مسجور کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

اب اللہ طور، کتاب مستور، بیت معمور، سقف مرفوع اور بحر مسجور کی قسم ارشاد فرماتا ہے۔ یہ ساری قسم اس لئے ہیں تا کہ کافروں کو یقین دلایا جاسکے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ کسی بڑی چیز کا تذکرہ کرنا ہو تو بڑی قسم یاد کی جاتی ہے کہ یہ رب العلمین کی قسم ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ" اے محبوب آپ کے رب کا عذاب بلاشبہ آنے والا ہے۔ یہ کافر مسلسل انکار کرتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی، مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھنا ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے اس فیصلہ کو روک نہیں سکتی ہے۔

مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ" اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے۔

یہ قادر مطلق کی قدرت کا کھلا ہوا اظہار ہے کہ جب قیامت آئے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکے گی۔

حضرات گرامی! قیامت تو جب آئے گی جب آئے گی۔ آج کل عالم یہ ہے کہ ایک معمولی سا وائرس پوری دنیا کو لرزہ براندام کئے ہوئے ہے۔ بڑی بڑی طاقتیں سر خمیدہ ہیں۔ قادر مطلق کی قدرت نمایاں ہے۔ آج سب لوگ اپنی بے بسی کا مکمل اظہار کر رہے ہیں



۔آج جب یہ صورت حال ہے تو قیامت سے پہلے کیا ہوگا اس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا ہے۔ اللہ قادر مطلق ہے اسی نے کائنات کو پیدا کیا ہے وہ کائنات کو تباہ بھی فرما سکتا ہے اور وہی انسانوں کو دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

جس دن آسمان ہلنا سا ہلنا ہلیں گے۔ اور پہاڑ چلنا سا چلنا چلیں گے۔ تو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے (سورۃ الطور، الآیات:9الی10)

جس روز آسمان پر لرزہ طاری ہو جائے گا اور پہاڑ تیز رفتاری کے ساتھ چلیں گے اس روز قیامت کا انکار کرنے والوں کے لئے تباہی ہوگی۔ آپ اندازہ فرمائیں کفار ہوں، ملحدین ہوں، دنیا پرست ہوں، جو سمجھتے ہیں کہ زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور ہم زمانہ کی پیداوار ہیں یا جو نیچر کو پوجنے والے ہیں جو فطرت کی پرستش کرنے والے ہیں اور خالق فطرت کا انکار کرنے والے ہیں ان کے لئے وہ دن بڑا ہی دردناک ہوگا۔ بڑا ہی لرزہ خیز ہوگا۔ جب قیامت آئے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ آسمان لرز رہا ہے، پہاڑ تیزی سے چل رہے ہیں اور سمندروں میں آگ لگ چکی ہے اور دیو پیکر موجیں باضابطہ شعلوں کی شکل میں بلند ہو رہی ہیں اور دنیا کو نگل لینے کے لئے تیار ہیں جب یہ کیفیت ہوگی تو اس وقت کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

جو لوگ فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ (سورۃ الطور، الآیۃ:11)

جن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، کوئی ثبوت نہیں ہے، ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام نے ہر دور میں ایک ہی پیغام دیا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ قیامت برحق ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا ہے اتنی بڑی تعداد ان لوگوں کی جو اللہ کا انتخاب ہیں چنے ہوئے ہیں وہ مسلسل ایک ہی بات کہہ رہے ہیں۔

جناب آدم سے لے کر سرور کائنات محمد رَسول صلی اللہ علیہ وسلم تک تو پھر ظاہر ہے یہ دلائل کافی ہیں اس بات کے لیے کہ قیامت بپا ہوگی اور یقیناً ہوگی لیکن جو لوگ نہ آخرت کو مانتے ہیں نہ قیامت کو مانتے ہیں، نہ انبیائے کرام کو مانتے ہیں، نہ صداقت ازلی کو مانتے ہیں، نہ اللہ کی قدرت کو مانتے ہیں، وہ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ قیامت بپا ہوگی ان کا خیال ہے کہ زمانہ قدیم ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ہم کو زمانہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اور ہم کو ہلاک کرنے والا ہے موت بھی اسی کے ذریعہ ہوتی ہے اور تخلیق بھی اسے کے ذریعہ ہوتی ہے وہ اپنے رب کو بھولے ہوئے ہیں لیکن جب قیامت آئے گی تو وہ دن ان کے لئے بڑا دردناک ہوگا جو لوگ فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ اس روز دھکے دے کر انہیں آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا یہی وہ آگ ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے کیا یہ محض جادو ہے یا تم کو نظر نہیں آئی۔ تم اس میں جاو صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے سب برابر ہے یہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جارہا ہے۔

حضرات! کچھ لوگ تو وہ ہیں جو صراحتا قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ خدا کی بارگاہ میں حاضری کا انکار کرتے ہیں وہ کافر ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو مانتے ہیں قیامت آئے گی۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ حساب دینا پڑے گا مگر یہ عقیدہ ایک محسوس اور مجسم عقیدہ ان کے سامنے نہیں ہے۔ یعنی اگر ایسا ہوتا کہ انہیں یقین تو ہے مگر یقین کو محسوس بھی کرتے باضابطہ یہ محسوس ایک سچائی ہے۔ جو یقیناً پیش آنے والی ہے تو وہ گناہ نہ کرتے، غلطیاں نہ کرتے، جرائم نہ کرتے، کسی کا حق نہ مارتے، کسی پر زیادتی نہ کرتے، اللہ کو فراموش نہ کرتے، اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتے، اللہ کی بندگی کرتے خدا کی بارگاہ میں جھکتے، اپنے گناہوں سے توبہ کرتے، مگر لوگ بھولے ہوئے ہیں دنیا



میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ انہیں آخرت کا کبھی احساس نہیں ہوتا۔ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے اور موت کو بھی بھولے ہوئے ہیں۔ جب موت بھولے ہوئے ہیں تو پھر دوبارہ اٹھنے کے لیے کیسے خیال رکھیں گے۔

جب کہ فرمایا گیا ہے کہ موت تمہارے لئے سب سے بڑی نصیحت ہے موت کو یاد رکھو گے کہ ہمیں مرنا ہے تو یقیناً تم گناہوں سے بچو گے۔ بدکرداریوں سے بچو گے۔ ظلم سے بچو گے۔ بغاوتوں سے بچو گے۔ اللہ کے مقدس راستوں کے انحراف سے بچو گے۔ صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کرو گے۔ اللہ کی بندگی کرنے کی کوشش کرو گے یہ اسی وقت ہوگا جب مرنے کا بھی یقین ہو۔ موت دنیا کی اتنی بڑی سچائی اور ایسی صداقت ہے کہ لوگ خدا کا تو انکار کر دیتے ہیں مگر موت کا انکار کوئی نہیں کرسکتا وہ آئے گی اور بلاشبہ آئے گی۔ کم از کم موت ہی انسان کی نگاہوں کے سامنے ہو اور وہ یہ محسوس کرے کہ ہماری زندگی کا ہر دن ہمیں موت سے قریب کررہا ہے۔ تو یقینی طور پر وہ ہر لمحہ اپنے کو موت سے قریب کرے گا۔ لیکن دنیا ایسی غالب ہے شیطان نے دنیا کے فریب میں اتنا مبتلا کر رکھا ہے کہ نہ موت یاد ہے نہ آخرت یاد ہے۔

اس لیے قرآن عظیم کی بے شمار آیتیں آخرت، بعث بعد الموت یعنی موت کے بعد دوبارہ اٹھنے کے بارے میں ہے کہ بندہ اسے فراموش نہ کرے اور یقیناً جو قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھتے ہیں، دیکھ کر پڑھتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں وہ اس کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ آج بھی جب قرآن عظیم پڑھا جاتا ہے تو اہل دل لرز اٹھتے ہیں اور ان کی آنکھیں برس پڑتی ہیں اس لئے کہ آیات کا جلال اور آخرت کا تذکرہ اس انداز سے قرآن عظیم نے کیا ہے کہ انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچے اور آخرت کے بارے میں تو وہ ہمیشہ کے لئے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے گا۔ کیوں کہ قیامت کے دن جہاں ان

کو سزا ملے گی جو قیامت کے منکر ہیں وہیں انہیں بھی سزا ملے گی جو توبہ کرنے سے پہلے مر گئے جو قیامت کو مانتے تو تھے لیکن بدعملی اور بدکرداری کی شکایتیں گناہوں اور زناکاری اور شراب نوشی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ان کے لئے بھی وہ دن بڑا سخت ہوگا۔اللہ فرمائے گا:

یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے۔تو کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں۔اب صبر کرو یا نہ کرو۔تمہارے لئے سب برابر ہے یہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جارہا ہے۔

(سورۃ الطور،الآیات:16/15/14)

تم اسے جادو نہیں کہہ سکتے تم اس حقیقت کو دیکھ رہے ہو کبھی تم نے دیکھا نہیں ہوگا۔ اللہ ظالم نہیں ہے،اللہ تم کو سزا دے رہا ہے جو کچھ تم نے دنیا میں کیا اللہ نے تمہیں دنیا میں موقع دیا کہ دوران زندگی کبھی بھی توبہ کرلو اگر تم ایمان لاتے اور گناہوں سے توبہ کرلیتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا لیکن پوری زندگی تم غافل رہے یہاں تک کہ موت نے تم کو مجبور کر دیا اور آج تم آخرت میں ان تمام مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

اللہ تعالی اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

بے شک پرہیزگار لوگ باغات اور اللہ کی نعمتوں میں ہوں گے۔جو اللہ نے انہیں عطا کی ہوں گی اس پر خوش اور یہ کہ ان کے پروردگار نے انہیں جہنم سے بچالیا۔(فرشتے یہ کہیں گے یا اللہ فرمائے گا)''مزے سے کھاؤ پیو یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے۔وہ تکیہ لگائے ہوئے تخت نشیں ہوں گے جو قطار لگا کر بچھے ہیں۔اور ہم بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کردیں گے۔(جو دنیا میں زنا سے بچتے رہے۔گناہوں سے بچتے رہے بدکرداریوں سے بچتے رہے ان کا انعام یہ ہوگا۔) (سورۃ الطور،الآیات:17الی20)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ان کی پیروی کی خود بھی مومن رہے اور



اولاد نے بھی اپنے ماں باپ کی اتباع کی ہم جنت میں انہیں ملادیں گے۔اور اُن کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی سب آدمی اپنے کیے میں گرفتار ہیں۔ (سورۃ الطور،الآیۃ:21)

یہ بہت بڑا انعام ہے اہل ایمان کے لئے۔لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد ہر رشتہ منقطع ہو جاتا ہے ہاں عارضی طور پر منقطع ہو جاتا ہے لیکن مومن متقی اور پرہیزگار لوگوں کے رشتے منقطع نہیں ہوتے۔وہ مرنے کے بعد بھی اپنے بزرگوں کو یاد کرتے ہیں خود بھی نیکی کرتے ہیں اور جب وہ نیک ہوں گے تو کل جنت میں انہیں جمع کر دیا جائے گا اور پھر وہ کبھی جدا نہیں ہوں گے دنیا تو جدائی کی جگہ ہے یہاں تو لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر جنت میں کبھی کوئی جدا نہیں ہوگا۔خدا کرے ہم اور ہماری اولاد اور ہم سب لوگ اور اپنے بچوں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ وہاں جنت کی نعمتوں سے فیضیاب ہوں۔مگر شرط یہ ہے کہ آپ اللہ سے ڈریں ا،للہ کی بارگاہ میں سر جھکائیں،آپ بھی نیک ہوں اور آپ کے بچے بھی نیک ہوں وہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور کبھی اگر بچوں کے عمل میں کوئی کمی آگئی تو بھی اللہ والدین کے ذریعہ ان کو بخش دے گا یا کبھی اگر والدین کے عمل میں کوئی کمی بیشی آئی اور بچے بہت نیک ثابت ہوئے تو ان کی دعاؤں سے والدین کی مغفرت ہوگی انہیں جمع کر دیا جائے گا انہیں ایک مقام پر اکٹھا کر دیا جائے گا۔

حضرات گرامی! یہ بہت بڑا انعام ہے لوگ وعدے کرتے ہیں اپنی بیویوں سے ہم تمہارے ساتھ مریں گے،تمہارے ساتھ زندہ رہیں گے،یہ سارے وعدے دنیا میں کرتے ہیں لیکن کبھی وہ یہ نہیں سوچتے کہ مرنے کے بعد جو جدائی ہوگی اس کے بعد پھر کیسے ملن ہوگا؟ کاش! شوہر اپنی بیویوں کو اور بیوی اپنے شوہر کو اس بات کی تلقین کرتے کہ ہمارا یہ رشتہ دنیا میں بھی قائم رہے اور جنت میں بھی قائم رہے اور بیٹے اپنے باپ کو یا باپ اپنے بیٹے کو یہ نصیحت

کرتے کہ ہم دنیا ہی میں نہیں آخرت میں بھی ایک ساتھ رہ سکیں تو یہ وہ دائمی رشتہ ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہیں کریں گے اس روز ہر شخص اپنے اعمال کا قیدی ہوگا ہر شخص اپنے اعمال کا اسیر ہوگا۔ جو اس نے کیا ہوگا وہی وہاں دیکھے گا جو اس نے بویا ہوگا وہی کاٹے گا نیکی کی ہوگی تو نیکیوں کا اسیر ہوگا جنت کا مستحق ہوگا برائی کی ہوگی تو برائیوں کا اسیر ہوگا جہنم کا مستحق ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے

اور ہم نے ان کی مدد فرمائی میوے اور گوشت سے جو چاہیں۔ (سورۃ الطور، الآیۃ:22)

ہم انہیں بکثرت میوے اور گوشت عطا فرمائیں گے، وہاں کمی نہیں ہوگی، کوئی محدود روزی نہیں ہوگی بکثرت عطا فرمائیں گے ان کی خواہش کے مطابق گوشت میوہ وغیرہ

وہ ایک دوسرے سے جام لیں گے جس میں نہ بے ہودگی ہوگی نہ کوئی گناہ ہوگا۔

(سورۃ الطور، الآیۃ:23)

دنیا میں لوگ پیتے ہیں جنگ کرتے ہیں، نشہ کرتے ہیں، جھگڑا کرتے ہیں، غلاظتیں بکتے ہیں، گندگی کرتے ہیں، بے ہوش ہوتے ہیں، نقصان اٹھاتے ہیں، مار پیٹ کرتے ہیں یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر جنت میں جو مشروب پلایا جائے گا اس میں نہ کوئی گندگی ہوگی نہ کوئی بے ہودگی ہوگی نہ کوئی گناہ ہوگا۔

ان کے ارد گرد خدمت گار غلمان پھریں گے جیسے وہ پوشیدہ موتی ہوں اور ان میں بعض بعض کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے اور آپس میں کہیں گے ہم اپنے گھروں میں بہت خوف زدہ تھے۔ (سورۃ الطور، الآیات:26/25/24)

ہر مومن خوف زدہ ہوتا ہے، ہر مسلمان خوف زدہ ہوتا ہے جو آخرت کو یاد رکھتا ہے وہ خوف زدہ ہوتا ہے یہ خوف دنیا میں ہے اور یقیناً جب وہ وہاں جائیں گے اور اللہ کی نعمتوں



سے فیض یاب ہوں گے جنت میں داخل کئے جائیں گے تو آپس میں کہیں گے ہم تو اپنے گھروں میں اس سے قبل تو ہم بہت خوف زدہ تھے۔ آگے اللہ تعالیٰ ان کا قول نقل فرماتا ہے۔

مگر اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو جھلسا دینے والی آگ سے محفوظ فرمایا بے شک ہم نے سابقہ زندگی میں اس کی عبادت کی تھی۔ بلا شبہ وہی احسان فرمانے والا ہے اور مہربان ہے۔ (سورۃ الطور، الآیات:28/27)

جہنم اور جنت کے تذکروں، کافروں اور مجرموں کے تذکروں اور کفر و ایمان کے تذکروں کو اللہ نے تفصیل سے بیان فرمایا اور پھر اپنے نبی کو ارشاد فرما رہا ہے۔

تو اے محبوب آپ نصیحت کریں اپنے رب کے فضل سے آپ نہ کاہن ہیں اور نہ مجنوں ہیں۔ (سورۃ الطور، الآیات:29)

غیب داں پیغمبر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام سناتے تھے جہنم کے عذاب سے بچانے کے لئے آخرت کی بات کیا کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ جیسے کچھ لوگ آگ کے گڈھوں کے کنارے کھڑے ہوں اور میں انہیں کمر سے پکڑ کر کھینچ رہا ہوں۔ یہ عالم تھا آقائے دو جہاں کا مگر یہ ظالم کہتے ہیں یہ تو جادوگر ہیں معاذ اللہ اس طرح کے الفاظ بکا کرتے تھے۔ جہاں جہاں کافروں نے سرور کائنات کو شاعر، دیوانہ، مجنون وغیرہ کہا ہے اللہ نے خود جواب دیا ہے۔ عجیب معاملہ ہے اللہ و رسول کے درمیان کہ جب کسی نے خدا کا انکار کیا۔ آخرت کا انکار کیا تو نبی نے جواب دیا اور جب کسی نے نبی پہ الزام لگایا تو خدا نے جواب دیا تو اللہ فرماتا ہے نہ آپ کاہن ہیں اور نہ آپ مجنون ہیں جیسا کہ کافر الزام دے رہے ہیں۔

سورۂ طور کا مختصر سا بیان ہوا پروردگار عالم ہمیں قرآن مجید کا فہم عطا فرمائے۔ قرآن عظیم کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## خطاب نمبر (۴۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ
سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُنْذِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْہِ
وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ
صَلَاۃً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَ النَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی ○
وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ○ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○

سامعین کرام خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ سب سے پہلے آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدار مدینہ



سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ
وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

آج سورۂ نجم کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگار عالم ہمارے قلوب واذہان کو قرآن پاک کے فہم کے لئے کھول دے اور ہمیں قرآن پاک پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرات یہ سورت اپنے کنایاتی اصول کے اعتبار سے بڑی اہم ہے۔ آیت اپنے اندر مضامین اور مفاہیم کا ایک بحر ناپیدا کنار رکھتی ہے۔ مختصر صورت ہے مگر اس سورت کی تشریح وتعبیر میں اس کی تفسیر میں ہزاروں صفحات تحریر کئے گئے ہیں اور قیامت تک لکھے جاتے رہیں گے۔ اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ التَّشْرِیْحِ کبھی کبھی کنایہ تشریح سے برتر وبلیغ ہوتی ہے۔

اگر خاموش رہوں میں، تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہوگیا محدود

یہی حال اس سورت طیبہ کا ہے۔ اس کا آغاز وَ النَّجْمِ سے ہوتا ہے۔

وَ النَّجْمِ اِذَا ھَوٰی

روشن ستارے محمد کی قسم جب زمین کی طرف اترے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی

اور تمہارے رسول نہ کبھی گمراہ ہوئے اور نہ کبھی راہ راست کے بغیر چلے۔

وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے۔ وہی فرماتے ہیں جو ان پر وحی کی جاتی ہے۔

مفسرین کرام نے نجم کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں نجم سے مراد ستارہ اور ثریا کے ہیں یا ستاروں کی وہ کہکشاں ہے جو ایک ساتھ ہیں یا طلوع ہونے والا کوئی بھی ستارہ مفسرین نے اس سے ستارے مراد لیے ہیں۔

لیکن حضرت مجاہد جو بہت ہی عظیم مفسر ہیں اور شاید ہی کوئی ایسی تفسیر ہو جو ان کے فرامین اور تفسیرات سے خالی ہو۔ فرماتے ہیں کہ نجم سے مراد قرآن عظیم ہے اور اذا ھوی سے مراد جب وہ نازل ہوا یا اتر رہا تھا۔ ایک طبقہ نے نجم کے لغوی معنی مراد لیے ہیں یعنی زمین پر پھیلے ہوئے بیل بوٹے یا سبزہ جو زمین میں ہی پھیلتا ہے۔ سبزے اور زمین میں پھیلے ہوئے بیل بوٹے کی قسم یاد فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ آسمان کے ستارے ہوں یا زمین پر پھیلے ہوئے بیل بوٹے ہوں یہ سب خدائے وحدہ قدوس کی عظیم نشانیاں ہیں اور ہر شی اللہ تبارک وتعالی کی تخلیق، اس کی وحدانیت، اس کی قدرے پایاں اس کی ربوبیت کا اعلان کرتے ہیں۔

اس لیے بہت سے لوگوں نے اس مراد زمین پر پھیلے ہوئے پودے جو زمین پر ہی پھیلتے ہیں اوپر نہیں اٹھتے اور کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ زمین پر پھیلے ہوئے پھولوں اور پودوں کے نکلنے کی بنیاد پہ لگتا ہے کہ زمین پر کوئی کہکشاں نکل آئی ہے مگر امام عاشقان امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے نجم سے مراد سرور کائنات کی ذات لی ہے۔ اذا ھوی سے مراد سفر معراج سے واپسی مراد لی ہے۔ اور یہ صرف ان کا قول نہیں ہے حضرت جعفر ابن محمد ابن علی ابن حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے معنی یہی لیے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو متعین کیا ہے۔ اور اذا ہوی سے مراد سفر معراج سے واپسی ہے۔

روح المعانی میں علامہ آلوسی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس سے مراد حضور کی ذات ہی لی ہے اور سفر سے معراج کا سفر ہی لیا ہے۔ امام حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ نے عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ



الْقُوٰى سے مراد عَلَّمَهٗ میں (ہٗ) کا مرجع اللہ کی ذات کو لیا ہے اور شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد اللہ کی صفات ہے اور یہ قول بہت عظیم مفسرین اور متاخرین میں امام اہل سنت علیہ الرحمہ کا بھی ہے کہ انہوں نے اس سے جبرئیل نہیں بلکہ اللہ کی ذات کو مراد لیا ہے۔ اس تشریح کے بعد اس مقدس سورت کو سمجھنا کسی حد تک آسان ہو جائے گا اب میں ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ سورۂ نجم مکی ہے ۶۲ آیات اور ۳ رکوع پر مشتمل ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

اس تابندہ ستارے محمد کی قسم جب وہ معراج سے اترے۔

حضرات چوں کہ اگلی آیات میں بھی معراج ہی کا تذکرہ ہے اس لئے یہ ترجمہ سیاق و سباق کے اعتبار سے اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے قریب ترین ترجمہ ہے چوں کہ معراج کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لئے وہ ذات پاک جو تابندہ ستارے کی طرح ہے اور جو آسمان سے زمین پر معراج کے سفر سے اتر رہے ہوں تو یقیناً ایسا محسوس ہو رہا ہوگا کہ وہ ایک تابندہ ستارہ ہے جو آسمان سے زمین پر اتر رہا ہے اور جلوہ گر ہو رہا ہے۔

حضرات گرامی! اس کے بعد جو آیت شریفہ ہے اس میں اللہ تبارک وتعالی نے کافروں کے ہزاروں سوالوں کا جواب دو لفظوں میں عطا فرما دیا ہے۔ کافر ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر جس کلام کو پڑھ رہے ہیں تلاوت کر رہے ہیں ان کا دعوی یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ کلام اللہ نے نازل فرمایا ہے یہ وحی پاک کی بنیاد پر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آقائے دو جہاں کا دعوی صداقت پہ مبنی تھا سچائی پہ مبنی تھا اور ہے مگر کافر اسے ماننے کے لیے تیار نہ تھے وہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو خود ہی گڑھ لیتے ہیں خود ہی بنا لیتے ہیں یا انہیں کوئی سکھا دیتا ہے یا پھر وہ شاعر ہیں معاذ اللہ اس طرح کی بہت سی متضاد باتیں وہ کہا کرتے تھے اور کبھی کہتے تھے کہ انہیں جنون ہے اور حالت جنون میں یہ باتیں وہ

کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آپ ذرا سوچیے کیا یہ دورنگی نہیں ہے؟ کیا یہ دشمنی کی انتہا نہیں ہے کہ وہ قرآن عظیم جو روز اول سے یہ اعلان کر رہا ہے کہ اگر تم اس کو محمد کا کلام سمجھتے ہو تو پھر تم بھی انسان ہو، عرب ہو، تمہاری فصاحت و بلاغت کا سلسلہ پورے عرب میں موجود ہے۔ تم کیوں نہیں بنا لاتے اس طرح کا کوئی کلام یا کوئی سورت چند سورتیں صرف چند آیتیں ہی بنا لاتے لیکن بجائے اس کے کہ وہ قرآن پاک کے جیسا بنانے کی کوشش کرتے اور کوشش کی بھی انہوں نے لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ اللہ کے کلام کا جواب ہو سکے کہ جب اللہ کی مخلوقات کا جواب نہیں ہو سکتا تو اللہ کا کلام تو اس کی صفت ازلی ہے اس کا جواب کیسے ممکن ہو سکتا ہے اس لیے بنا تو نہ پائے لیکن لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے اور حق سے دور رکھنے کے لئے وہ اس طرح کے الزامات پھیلاتے بھی تھے لوگوں کے ذہنوں میں ڈالتے بھی تھے خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو کسی نہ کسی شکل میں پیغمبر اعظم سے قریب ہونا چاہتے تھے اور کلام الٰہی کو سننا چاہتے تھے ان کو بھی روکنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کلام الٰہی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گڑھ لیا ہے۔

اس لیے اللہ ارشاد فرماتا ہے: تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور نہ ہی وہ کوئی بات اپنے من سے کرتے ہیں وہ صرف وحی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے۔

(سورۃ النجم، الآیات:3/2)

کبھی یہ کافر کہتے کہ یہ اپنے آباواجداد کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں۔ کبھی وہ کہتے کہ یہ صحیح راستہ پر نہیں۔ اس طرح کی باتیں وہ کہتے تھے اس لیے اللہ تبارک وتعالی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں ارشاد فرمایا کہ وہ بھٹکے نہیں ہیں۔ کبھی بے راہ نہیں چلے ہیں وہ تو



اللہ کے مقدس رہنمائی میں اس کے فیصلہ کے مطابق جو کچھ کہہ رہے ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں یہ وحی الٰہی کے مطابق ہے۔ ان کے زبان سے نکلنے والا ہر لفظ یہ ان کی اپنی خواہش کے مطابق نہیں جو وحی ان پر نازل کی جاتی ہے صرف اسی پر وہ عمل کرتے ہیں جو بھی بولتے ہیں وحی الٰہی کی بنیاد پر بولتے ہیں۔ اس لئے ان کا کوئی قول بھی ایسا نہیں ہے کہ جس قول پر کوئی شبہہ کیا جا سکے یا شک کیا جا سکے۔ اللہ فرماتا ہے:

انہیں سکھایا سخت طاقت والے نے۔ (سورۃ النجم، الآیۃ:5)

یعنی پروردگار نے انہیں قرآن عظیم سکھایا ہے وہ بے پناہ قوت اور بے پناہ طاقت والا ہے۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا۔ وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا۔ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا اور اس نے نزول فرمایا۔ تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو بھی چاہا وحی فرمائی۔ دل نے تکذیب نہیں کی جو آنکھ نے دیکھا۔ کیا تم ان کے مشاہدے پر جھگڑتے ہو۔ انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہی پر۔ جہاں جنت المأوی ہے۔ جب وہ سدرہ پر چھا رہا تھا۔ نہ آنکھ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی۔ بلا شبہ اس نے اپنے رب کی بے شمار خوبیاں دیکھیں۔ (سورۃ النجم، الآیات:6 الی 18)

اب آئیے میں اس کی مختصر سی تشریح آپ کے سامنے پیش کروں۔

یعنی بے پایاں قوتوں والے پروردگار نے اپنے علم اور دانائی کے ذریعہ انہیں تعلیم عطا فرمائی کہ پیغمبر علیہ السلام محبوب کبریا ہیں انہوں نے بلندیوں کا ارادہ فرمایا اور پھر جو اپنے رب سے قریب ہوئے تو یہاں اتنا قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا کہ اللہ رب العزت نے اپنے بندۂ خاص کی طرف توجہ فرمائی اور جو بھی اس نے چاہا۔ دل

نے تکذیب نہ کی اس کی جو چشمان مبارک نے دیکھا۔کیا تم جھگڑتے ہو اس بات میں انہوں نے کیا دیکھا انہوں نے تو صرف دو بار دیکھا سدرۃ المنتہی کے پاس جس کے پاس جنت الماوی ہے جس کو انوار وتجلیات نے ڈھک لیا ہے جب وہ چشمان مبارک سے مشاہدہ فرمایا تو نہ وہ جھپکی اور نہ ہی حد سے متجاوز ہوئی بے شک انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

حضرات! یہ مختصر سا مفہوم ہے اب میں ذرا سی تفصیل کے ساتھ اس سورت طیبہ کے بارے میں عرض کرنا چاہوں گا تا کہ اس سورت کے پڑھنے والے اس کے حقیقی مفہوم سے مکمل طور سے آشنا ہوسکیں۔

حضرات! اس سورت میں اللہ تبارک وتعالی نے حضور کے سفر معراج کا تذکرہ کیا ہے۔آپ جانتے ہیں کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کو پروردگار عالم نے معراج کا سفر کرایا، جسمانی سفر کرایا وہ ایک رات کے کچھ حصہ کا سفر تھا، انہیں مسجد اقصی تک لے گئے اور وہاں سے آسمانوں کا سفر کرایا گیا، وہاں آقائے دو جہاں سرور کائنات نے عالم غیب کا مشاہدہ فرمایا ۔فرشتوں کو دیکھا ان کے طرز عبادت کو دیکھا ان انبیائے سابقین کو دیکھا جو انبیائے کرام گزر چکے تھے اور پھر مختلف مقامات پر ان کے سلام کو قبول کیا۔ان سے گفتگو فرمائی یہاں تک کہ آپ سدرہ سے آگے تشریف لے گئے جناب جبرئیل نے وہاں آگے جانے سے معذرت کرلی اور کہا ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اس لیے آپ آگے جائیے اور اس سے آگے صرف آپ کی منزل ہے۔اگر یہ سفر جناب جبرئیل کے بل بوتے پر ہوتا تو آگے سرکار کو تنہا نہ بھیجتے وہ جانتے تھے کہ دنیا میں جلوہ گر



ہونے سے پہلے حضور سید عالم سرور کائنات علیہ السلام عرش اعظم کے تابندہ ستارے تھے مدتوں تک عرش اعظم پر جلوہ گر رہے اور اس کے بعد دنیا میں بھیجے گئے تو منزل ان کی جانی پہچانی منزل ہے یہ سفر ان کا اپنا جانا پہچانا سفر ہے۔آقا نے اس کے آگے خود سفر فرمایا۔

اس سورت میں اس بات کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ سفر معراج میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور دل نے اس کی تصدیق کی دونوں کا تذکرہ چشمان مبارک کا بھی اور دل کا بھی تذکرہ ایک ساتھ کر دیا ہے خشیت نے تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ صرف دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا خواب میں دیکھا تھا اپنے رب کے جلووں کو دیکھا تھا اپنے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا بلا شبہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اپنے رب کے جلوں کو دیکھ سکے مگر تنہا سرور کائنات کی مقدس ذات ہے جن کی نگاہوں کو اللہ نے یہ توانائی عطا فرمائی تھی کہ وہ اس کی مقدس ذات کو دیکھ سکیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک تجلی دیکھ کر بے ہوش ہو جاتے ہیں مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو دیکھتے ہیں اور نگاہیں جھپکتی بھی نہیں ہیں۔

موسی زہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عین ذات می نگری و تبسمی

حضرات گرامی! اس سورت میں یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وحی الٰہی ہے، اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے۔سرور کائنات کے فرمان گرامی کو اللہ نے وحی الٰہی کہا: یہ نہیں کہا جو کچھ قرآن میں ہے وہی وحی الٰہی ہے بلکہ یہ عموم عطا فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

وہ اپنی جانب سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں فرمان الٰہی ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں وہ وحی ہے جو تلاوت کی جاتی ہے اور حدیث مبارکہ میں وہ وحی پاک ہے جو تلاوت نہیں کی جاتی مگر وحی ہے۔ قرآن پاک کے الفاظ بھی اللہ کی جانب سے نازل ہوئے ہیں اور حدیث پاک میں مفہوم تو اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر زبان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہ فرق ہے حدیث اور قرآن میں ورنہ آقا نے کوئی بھی کلام ایسا نہیں فرمایا جو وحی الٰہی نہ ہو۔ انسان بولتا ہے تو اس کا بولنا ظن وتخمین کی اور قیاس کی بنیاد پر ہوتا ہے مگر پیغمبر جب بولتے ہیں تو وحی الٰہی کی بنیاد پر بولتے ہیں۔ جہاں ظن وتخمین کی گنجائش نہیں یقین کامل ہوتا ہے اذعان کامل ہوتا ہے اس لئے کہ ان کا کلام وحی الٰہی ہے۔ ان کا ہر جملہ وحی الٰہی ہے۔ ان کا ہر فرمان وحی الٰہی ہے۔ یہ قرآن پاک کا مقدس فیصلہ ہے۔ اس سورت میں اس بات کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی گمراہ نہ ہوئے اس آیت نے مَا ضَلَّ کا مفہوم متعین کر دیا ہے۔

قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے کہ وہ نہ کبھی گمراہ ہوئے اور نہ ہی کبھی کج روی اختیار کیے ہمیشہ صراط مستقیم پر رہے۔ گمراہی کا انتساب سرور کائنات کی ذات کی طرف نہیں کیا جا سکتا ہے۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○

جب ماضی کی تکرار کے ساتھ دوسرے لفظوں میں بیان کیا جاتا ہے تو اس سے تسلسل مراد ہوتا ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى، مسلمانوں کو اللہ مخاطب فرما رہا ہے کہ آپ کے آقا آپ کے محبوب آپ کے رسول کبھی گمراہ نہیں ہوئے اور نہ کبھی راہ حق سے بھٹکے تو ظاہر ہے کہ ایک طرف یہ فرمایا گیا اور دوسری طرف یہ کہا جائے کہ آپ کو گمراہ پایا تو آپ کو ہدایت دی تو یہ کلام الٰہی میں تضاد ہوگا اور کلام الٰہی اس سے پاک ہے۔



اور یہاں ماننا پڑے گا کہ جو ترجمہ امام اہل سنت نے کیا ہے وہی صحیح ترجمہ ہے کہ آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل کی طرف ہدایت دی اور یہ صرف اعلیٰ حضرت ہی نے اپنی طرف سے نہیں کیا ہے بلکہ ضلال کا یہ مفہوم اور بھی جگہوں پر قرآن مجید کے اندر موجود ہے جناب یعقوب علیہ السلام نے جب یہ فرمایا کہ میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں یہ اس وقت تھا جب مصر سے جناب یوسف کے پیراہن کو لے کر ان کے بیٹے آرہے تھے تو کنعان میں انہوں نے فرمایا کہ میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ تو ان کے بیٹوں نے کہا:

اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (سورۃ یوسف الآیۃ:95)

آپ تو اپنی اسی پرانی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

بھلا یوسف کہاں اور ان کی خوشبو کہاں! لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ پیراہن یوسف کی ہی خوشبو تھی تو یہاں بھی ضلال بمعنی محبت میں ڈوب جانا ہی ہے۔ اگر قرآن پاک کے ایک مقام پر یہ ہے تو یہاں بھی سرور کائنات کے حوالے سے ترجمہ یہی کیا جائے گا۔

حضرات گرامی! اس سورت میں سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماوی کا ذکر بھی ہے یہ دو اہم ترین مقامات ہیں: سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جہاں مخلوق کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں صرف انسانوں کی نہیں ملائکہ بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں جبرئیل نے کہا تھا کہ یارسول اللہ اس سے آگے ایک قدم بھی میں آگے بڑھاؤں تو میرے پر جل جائیں گے اس سے آگے آپ کی منزل ہے، آپ سفر کریں گے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماوی کے معنی ہوتے ہیں ٹھکانے والی جنت یہ وہ مقام ہے جہاں انبیائے کرام اور اولیائے کرام کی ارواح ہوتی ہیں۔ یا فرشتے ہمیشہ یہاں ذکر الٰہی میں مصروف ہوتے ہیں۔ یہ بڑا اہم مقام ہے۔

جنت الماوی کو ایک اور حیثیت دی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ فرشتوں کا مرکز ہے

فرشتوں کا قبلہ ہے، فرشتوں کا کعبہ ہے۔ جس طرح سے دنیا میں قبلہ کعبہ مقدسہ ہے ویسے ہی فرشتوں کا مرکز عقیدت اور مرکز عبادت جنت الماوی ہے جسے اور بھی دوسرے ناموں سے یاد فرمایا گیا ہے یہ مقام بھی وہیں تھا جہاں آقائے دو جہاں سرور کائنات محمد رَّسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سفر معراج میں گزرے۔ اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاب قوسین کی منزل اور اپنے رب کے قرب اور مشاہدے کا ذکر ہے اور اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ بوقت دیدار الٰہی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مقدس نگاہیں نہ کج ہوئیں نہ جھپکیں۔ آپ اندازہ فرمائیں جہاں موسیٰ کلیم اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبر اپنا ہوش کھو بیٹھیں اور ان کا ارد گرد جل جائے وہاں جناب سرور کائنات کی نگاہوں کی بصیرت اور بصارت کا یہ عالم ہے کہ اپنے پروردگار کو بے حجاب دیکھتی ہے نہ پلک جھپکتی ہے اور نہ ہی کج ہوتی ہے۔

اس سورت میں کافروں کے ان خیالات کا بھی تذکرہ ہے کہ لات و عزی جوان کافروں کے بنائے ہوئے معبودان باطل ہیں یہ خدا کی بیٹیاں نہیں ہیں یہ بڑا پرانا عقیدہ تھا کہ تینوں خدا کی بیٹیاں ہیں۔ کبھی یہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے لات عزی اور منات تینوں دیویاں تھیں جن کو یہ خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ قرآن پاک نے فرمایا کہ اللہ ان باتوں سے پاک ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوتا ہے اور پھر ان کا ذوقِ ناپاک دیکھیں بیٹیوں کا انتساب خدا کی طرف کرتے اور جب ان کے گھر میں کوئی بیٹی پیدا ہوتی تو ان کے چہرے کالے ہو جاتے ہیں اور خدا کے لیے یہ بیٹیوں کا انتخاب کرتے ہیں اور بتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں یہ کذب باطل ہے اور یہ جرم عظیم ہے اس طرح کی بہت سی باتوں کی تردید اس سورت طیبہ میں کی گئی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی اس سورت کے فیضان سے ہمیں اور آپ کو نوازے۔ السلام علیکم ورحمة الله وبركاته



## خطاب نمبر (۴۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا

وَاَقَامَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا

فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَیْهِ

وَعَلٰی کُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّ مَرْضِیٌّ لَّدَیْهِ

صَلَاةً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ

وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۱)

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (۲)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ

سامعین کرام خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

آئیے ہم اور آپ مل کر سب سے پہلے درود پاک کا ورد کر لیں پڑھئے۔

أللّٰھم صل علیٰ محمد النبی الأمی وعلیٰ أٰلہ وسلم تسلیمًا

آج سورت القمر کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگار عالم ہم سب کو فہم قرآن کی توفیق عطا فرمائے۔ سورت القمر مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۳ رکوع اور ۵۵ آیتیں ہیں۔ اس سورت میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ کافروں کے مطالبہ پر معجزۂ شق القمر پیش آیا مگر انہوں نے اسے جادو قرار دیا اور ایمان نہ لائے۔ اس کے علاوہ ان اقوام ماضیہ کا بھی تذکرہ ہے جنہوں نے انبیائے کرام سے معجزات طلب کیے، دیکھے مگر ایمان نہ لائے اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔

حضرات گرامی! میں یہ بتانا چاہوں گا کہ معجزات کیا ہیں اور انبیائے کرام کو معجزات کی طاقت کیوں عطا کی جاتی ہے معجزہ کہتے ہیں۔ جس سے عقل عاجز رہ جائے اور نبی کے علاوہ دنیا میں اور کوئی انسان یہ اعجاز انجام نہ دے سکیں۔ انبیائے کرام کو ہمیشہ دین کی دعوت کے لئے تنہا بھیجا گیا۔ بڑے بڑے فرعونوں اور سرکشوں کے مقابلہ میں بظاہر وہ تنہا ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ مادی اسباب و ذرائع نہیں ہوتے تھے نہ دولت نہ سرمایہ نہ فوج نہ قوت نہ طاقت نہ سلطنت نہ اقتدار کچھ بھی نہیں۔ اور بھیجا ان کے مقابلہ کے لئے جاتا تھا جن کے پاس یہ سب کچھ تھا۔ اللہ چاہتا تو اپنے مقدس نبیوں کو بھی حکومت دیتا طاقت دیتا سلطنت دیتا اقتدار دیتا فوج دیتا اعوان و انصار کی جماعت دیتا اور پھر انہیں طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں، فراعنہ کے مقابلہ میں نمرودوں کے مقابلہ میں بھیجتا۔

لیکن عجیب بات ہے بظاہر عجیب بات ہے جو لوگ اللہ کا انتخاب ہیں جنہیں ان کام کے لئے اس دنیا میں بھیجا جاتا ہے انہیں تنہا بھیجا جاتا ہے اور تمام مادی اسباب اور ذرائع سے بے نیاز کر کے بھیجا جاتا ہے ان کے پاس بظاہر کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ اور کام اتنا بڑا ہے کہ



بڑی بڑی طاغوتی طاقتوں کا بھی مقابلہ کرنا ہے اور لوگوں کو دین کی دعوت بھی دینی ہے حالات میں انقلاب بھی پیدا کرنا ہے صدیوں کی روایات کو توڑنا بھی ہے۔ یہ ساری ذمہ داری نبی کو دی جاتی ہے مگر بھیجا تنہا جاتا ہے۔

بلا تمثیل عرض کر رہا ہوں آج جب دنیا میں کوئی بھی حکومت کسی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجتی ہے تو اسے اختیارات کے ساتھ بھیجتی ہے۔ مگر جب اللہ اپنے محبوبین کو نمائندوں کو اپنا سفیر بنا کر بھیجتا ہے تو یقیناً انہیں بھی کچھ تو اختیارات دیے جاتے ہوں گے۔ اور وہ اختیارات کیا ہیں؟ اگر انہیں حکومت دی جاتی اختیارات دئے جاتے، فوج دی جاتی اور پھر جنگ ہوتی نمرود اور ابرہیم علیہ السلام میں فرعون اور موسیٰ میں تو دنیا یہ کہتی کی دو بادشاہوں میں جنگ ہوئی تھی ایک کامیاب ہوگیا اور ایک ناکام ہوگیا اور تاریخ انسانی میں انہیں بحیثیت بادشاہ کامیاب بادشاہ کے حیثیت سے پیش کیا جاتا۔ فاتح کی حیثیت سے اگر کامیاب ہوتے تو لیکن تنہا بھیجا گیا مسلح قوتوں کے مقابل میں تاکہ جب یہ کامیاب ہوں تو دنیا یہ سمجھ جائے کہ یہ طاقت وقوت کی کامیابی نہیں بلکہ حق کی کامیابی ہے سچائی کی کامیابی ہے اس مشن کی کامیابی ہے جس مشن کو لے کر یہ آتے ہیں اور دنیا کے آنے والے انسانوں کے لئے بھی یہ سبق بن جائے گا کہ تم اسباب پر نہیں خالق اسباب پر بھروسہ کرو اگر تم حق پر ہو تو کامیابی تمہارا مقدر ہوگی۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورۃ ال عمران الآیۃ: 139)

تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو۔

لیکن یہ بات یاد رہے بلاشبہ انہیں مادی طاقت تو نہیں دی جاتی مگر معجزات سے نوازا جاتا ہے معجزات وہ حیرت انگیز صلاحیت ہے کہ جس کے سامنے انسان کو سرخمیدہ ہونا پڑتا ہے جھکنا پڑتا ہے تسلیم کرنا پڑتا ہے انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ جھکتا ہے تو وہ مانا لیا کرتا

ہے اور جھکانے کے دو طریقے ہیں یا تو وہ فوج کی قوت سے جھکایا جائے یا معجزات کی لافانی قوت سے جھکایا جائے لیکن دوسرا طریقہ دلوں کو جھکا دیتا ہے دل اسیر ہو جاتے ہیں۔

اور یہ بھی خاص بات ہے کہ جس زمانہ میں جس طرح کے چیلنج ہوتے تھے انبیائے کرام کو ویسے ہی معجزات دیے جاتے تھے۔ جناب موسیٰ کے دور میں سحر وطلسم کا زور تھا تو عصا کا معجزہ پتھر سے چشمہ پیدا کرنے کا معجزہ سمندر میں راستہ پیدا کرنے کا معجزہ عطا فرمایا گیا ہے۔ بارہ تیرہ معجزات مشہور ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طبی یونانیت اپنے شباب پر تھی لوگ موت کا علاج تلاش کر رہے تھے جو ناممکن تھا تو انہیں مسیحا بنا کر بھیجا گیا حضور سرور کائنات چوں کہ ایک دور کے نبی نہیں نہ ایک قوم کے نبی بلکہ ساری کائنات کے نبی جن وانس کے نبی اور قیامت تک کے لئے نبی اس لیے اور انبیائے کرام کو معجزہ دے کر بھیجا گیا اور سرور کائنات کو سراپا معجزہ بنا کر بھیجا گیا۔ قدم اٹھائیں تو پتھر نقش کف پائے مصطفیٰ اتار لے۔ تبسم فرمائے تو اجالا پھیل جائے۔ دست کرم اٹھائیں تو چاند اپنا سینہ چاک کر دے۔ ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے۔ ہاتھ میں کنکریاں کلمہ پڑھتے ہوئے نظر آئیں یہ سارے معجزات ان کو دیے گئے۔ اور ان کے معجزات کا ظہور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اور سب سے بڑا معجزہ قرآن عظیم ہے۔

معجزہ وہ ہوتا ہے جس کا کوئی جواب نہ دے سکے اور قرآن عظیم کا بھی جواب کوئی نہیں دے سکتا ہے۔ آیت کہتے ہیں قرآن پاک کے ایک مکمل جملہ کو جہاں بات ختم ہوتی ہے آیت کہتے ہیں معجزہ کو قرآن پاک میں کئی ہزار آیتیں ہیں تو ہر آیت ایک مستقل معجزہ ہے اور انبیائے کرام کے معجزے تو موجود نہیں ہیں مگر سرور کائنات کا معجزہ قیامت تک ہمارے ہاتھ میں موجود رہے گا۔ کاش ہم قرآن پاک کی عظمت کو محسوس کر سکتے۔

اب آئیے شق قمر کے معجزہ کے بارے میں جو قرآن کی چند باتیں عرض کروں۔



اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (سورۃ القمر، الآیۃ:1)

قیامت قریب آ گئی اور چاند شق ہو گیا۔

جب کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک طاقت ور جادو ہے انہوں نے رسول پاک کی تکذیب کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جب کہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس کے انجام کے لیے۔ (سورۃ القمر، الآیۃ:3/2)

معجزۂ شق القمر، چاند کے شق ہونے کا واقعہ کیوں پیش آیا ایک یہودی نے ابو جہل اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ پیغمبر بہت سی حیرت انگیز باتیں کرتے ہیں جو سب کچھ زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ پتھر کلمہ پڑھتا ہے کنکریاں کلمہ پڑھتی ہیں درخت حاضر ہو جاتا ہے بلا شبہ یہ حیرت انگیز باتیں ہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ جادوگر ہیں اور جادو کا اثر آسمان پر نہیں ہوتا اس لئے تم لوگ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہو کہ وہ چاند شق کر دکھائیں۔

ابو جہل، وہ یہودی، اور کچھ ان جیسے سرتاپا جہالت لوگ بارگاہ رسالت میں آئے اور شق قمر کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے چلو منی کی وادی میں اور وہاں چاند اپنے شباب پر تھا مکمل تابناکی کے ساتھ دنیا کو روشن کر رہا تھا سرکار نے اپنا دست کرم اٹھایا اور وہ دو ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا بلکہ ایک پہاڑی بیچ میں آ گئی ابو جہل نے کہا: اسے جوڑ دیجئے پھر دوسرے اشارے پہ وہ جڑ بھی گیا ابو جہل نے کہا یہ تو بہت بڑے جادوگر ہیں صرف زمین پر ہی نہیں آسمان پر بھی ان کا جادو چلتا ہے ایک روایت کے مطابق وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ ابو جہل، شقی ازلی تھا وہ مسلمان نہ ہو سکا اور جادوگر کہہ کر اس نے نبوت کا انکار کیا۔

حضرات گرامی! بلکہ اس نے یہ بھی کیا کہ باہر سے آنے والوں سے اس نے پوچھا کہ تم نے چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا ہے تو انہوں نے بھی گواہی دی کہ ہم نے دیکھا ہے۔ مگر

وہ ایمان نہ لایا حضرات اس بات کو آپ محسوس کریں کہ جب بھی کسی قوم میں اجتماعی طور پر اپنے دور کے نبی سے کوئی معجزہ طلب کیا اور نبی نے معجزہ دکھایا اور وہ قوم ایمان نہیں لائی وہ قوم ہلاک کر دی گئی ۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ پیغمبر اعظم سے کوئی معجزہ طلب کیا گیا اور آپ نے نہیں دکھایا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ دکھا نہیں سکتے تھے بلکہ یہ وجہ تھی کہ اگر ہم نے دکھایا اجتماعی طور پر جب کسی چیز کا مطالبہ کیا پوری قوم نے اور ہم نے دکھایا یہ ایمان نہیں لائے تو امم سابقہ کی طرح یہ بھی تباہ کر دیے جائیں گے ۔

یہ ان کی رحمت تھی کہ معجزہ نہ دکھا کر بھی انہیں عذاب الٰہی سے بچالیا۔ ہاں جنہوں نے دیکھا اور ایمان نہ لائے جیسا کہ ابو جہل، یا ابولہب یہ مارے گئے ان پر بدر میں عذاب ہی آیا تھا کہ یہ ختم کر دئے گئے ۔لیکن جو لوگ خاموش رہے یا جنہوں نے معجزہ طلب کیا اور سرکار نے نہیں دکھایا وہ زندہ رہے ۔ایک تو رحمت کا تقاضا تھا کہ وہ ہلاک نہ کئے جائیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اللہ کے علم پاک میں یہ بات تھی اور اپنے نبی کو یہ خبر دی تھی کہ یہ پوری کی پوری قوم مسلمان ہو جائے گی اور جب مسلمان ہو جائے تو پھر معجزے پر یقین بھی لائیں گے ۔

چنانچہ یہی ہوا کہ فتح مکہ کے بعد سارے ہی کافر مسلمان ہو گئے چند ایک کے علاوہ یہ دو وجہ تھی جس کی بنیاد پر بعض وقت معجزہ طلب کیا گیا اجتماعی طور پر اور سرکار نے نہیں دکھایا لیکن ان کے سیکڑوں معجزات آج بھی حدیث کی کتابوں میں اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں ۔اور لوگ معجزہ لے کر آئے تھے سرکار کو سراپا معجزہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔

حضرات گرامی ! معجزات کے بارے میں اس تفصیل کے بعد اس سورت مبارکہ کی چند آیات مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنا چاہوں گا۔قیامت قریب آگئی ہے اس کا یہ مفہوم ہے کہ سرور کائنات علیہ السلام آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے اس لیے ان کا زمانہ دیگر انبیا



کے مقابلہ میں طویل ہے یا تو ہزاروں سالوں کے پھیلے ہوئے زمانہ میں قیامت سے قریب تر ہے اور ایک وجہ یہ ہے جو ہر انسان محسوس کر سکتا ہے کہ انسان کی موت اسے دراصل قیامت سے قریب تر کر دیتی ہے ۔آدمی جب مر کے جب اٹھے گا تو قیامت ہی میں اٹھے گا تو ایک انسان کے لیے قیامت اس کی موت ہے ۔قیامت جب پوری قوم پر آئے گی تب آئے گی لیکن ہر انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہماری زندگی ہی سب کچھ نہیں ہے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے اور آج اگر ہم نے اپنی آنکھ بند کر لی تو پھر قیامت ہی میں کھلے گی ۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: مختلف امتوں کے تذکرے کے بعد بایں طور کہ جب انہوں نے معجزہ طلب کیا اپنے انبیا سے اور انہوں نے دکھایا اور وہ ایمان نہیں لائے تو انہیں ہلاک کر دیا گیا جب کہ وہ بہت طاقتور لوگ تھے یہ تذکرہ اس لیے بھی کیا گیا تا کہ کفار مکہ کو یقین ہو جائے کہ اگر ہم نے پیغمبر اعظم کی ہدایت پر عمل نہیں کیا خواہ ہم اپنے کو کتنا ہی طاقتور کہیں انبیائے ماسبق کی قوم کی طرح ہم کو بھی تباہ کر دیا جا سکتا ہے ۔اس تذکرے کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن پاک کو آسان فرما دیا ہے قبول حق کے لئے تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

اس دور میں کفار مکہ نے معجزۂ شق القمر کو جادو کہا تھا اور آج بعض متجددین یا مستغربین یا ان کے متبعین افراد دو گروہ میں تقسیم ہو گئے ہیں ۔جو اہل ایمان ہیں تو غیب پر ایمان لاتے ہیں جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا وہ حق ہے ۔عقل انسانی قبول کرے یا نہ کرے عقل معیار حق نہیں ہے وحی پاک معیار حق ہے ۔اور ایمان بالغیب کا مطلب ہی یہ ہے کہ تمہاری عقل تسلیم کرے یا نہ کرے تم فرمان خدا اور فرمان رسول کے سامنے سر جھکا دو اس لئے

ہر مومن، قرآن وحدیث پر مکمل ایمان لاتا ہے اور اسے کسی شک اور شبہ کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

مگر جو لوگ عقل کے پرستار ہیں وہ ہمیشہ ہر بات کو عقل کے معیار پر تولنا چاہتے ہیں جب عقل میں آجائے تو مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے گویا وہ خدا کو نہیں مان رہے ہیں رسول کو نہیں مان رہے ہیں اپنا معبود عقل کو سمجھتے ہیں۔

یہی فرق ہے ایک مومن اور ایک متشکک کے درمیان۔ جو لوگ شک کرنے والے تھے انہوں نے کہا کہ دراصل یہ شق قمر کا واقعہ پیش نہیں آیا ہے بلکہ قیامت سے قبل چاند کے شق ہونے کی قرآن نے پیشن گوئی کی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اگر معجزۂ شق القمر پیش نہیں آیا ہوتا تو کافر کس بات کو سحر کہتے ہیں کس بات کو سحر سے تابع کرتے ہی۔ اور پھر کس بات کی وہ تکذیب کرتے جس کا تذکرہ قرآن عظیم نے اس قدر شدت سے کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایک پوری سورت نازل ہوئی ہے اس کو یہ کہنا کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے بلکہ محض یہ ایک خبر ہے یہ کہنا بھی محض ایک موہوم سی رائے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شق قمر کا واقعہ پیش آیا ہے۔ پھر اس سورت طیبہ میں مذکور آیات کے سیاق وسباق سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے آپ پوری سورت پڑھئے ہر بات کو قرآن عظیم نے اس طور پر پیش کیا ہے کہ گویا یہ واقعہ پیش آچکا ہے صیغۂ ماضی کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ چاند ایک وسیع وعریض گولا ہے یہ کیسے شق ہوسکتا ہے۔

پہلے گروہ کا جواب یہ ہے کہ معجزۂ شق قمر کے حوالہ سے متعدد احادیث مبارکہ ہیں جو حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں۔ اور حد شہرت میں تو کوئی کمی ہی نہیں ہے۔ اس لئے اس کا انکار خود ہی گمراہی ہے احادیث کا انکار گمراہی ہے۔ دوسرے گروہ کے بارے میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اگر تم مومن ہو اور خدا کی قدرت پر یقین رکھتے ہو تو چاند کا شق ہونا اور دوبارہ جڑ جانا



داخل قدرت الٰہی ہے ایک دن تو ایسا آنے والا ہے کہ صرف چاند ہی نہیں جملہ سیارگان فلک بھی شق ہوجائیں اور بکھر جائیں گے اس دن کا نام قیامت ہے کیا تم اس کا بھی یقین نہ کروگے۔

گزشتہ ہلاک ہونے والی امتوں کے تذکرے کے بعد قرآن عظیم کفار مکہ کو یاد دلا رہا ہے کہ تمہارا یہ دعوی ہے کہ ہم غالب رہیں گے اور ہمیں کوئی مغلوب نہیں کرسکتا ہے جب کہ ماضی میں تم سے زیادہ طاقت ور قوموں نے انبیا کے انکار اور کفر پہ اسرار کی وجہ سے مغلوب ہوئیں اور عذاب کا شکار ہوچکی ہیں۔ اس طرح تم بھی مغلوب ہوجاؤ گے۔

چنانچہ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم غالب رہنے والی جماعت ہیں حالانکہ یہ لوگ عنقریب شکستہ ہوکر پیٹ پھیر کر بھاگنے والے ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن عظیم یہ خبر اس وقت دے رہا ہے کہ جب مسلمان کفار مکہ کے جور وستم کے شکار تھے مادی اعتبار سے اس کے کوئی آثار نہ تھے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ وہ لوگ جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم ہمیشہ غالب رہیں گے قرآن کے فیصلہ کے مطابق پیٹ پھیر کے بھاگے یا فنا کردئے گئے بلکہ ان سے وعدہ کا وقت قیامت ہے اور قیامت بہت ہی دردناک انتہائی تلخ ناقابل برداشت ہے۔

بے شک یہ مجرم انتہائی گمراہی اور سخت عذاب میں ہیں جس روز ان کو گھسیٹا جائے گا منہ کے بل اور ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کا عذاب ہم نے اس کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے اور ہمارا حکم ہے تو پلک جھپکتے ہی نافذ ہوجاتا ہے۔ بے شک ہم نے تمہارے لوگوں کو ہلاک کردیا تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا اور انہوں نے جو کچھ کہا ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے اور اس میں ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔ بلا شبہ متقی حضرات باغوں اور نہروں سے فیض یاب ہوں گے اور عزت والی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ (سورۃ القمر الآیۃ:44الی55)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں قرآن پاک کے ہر جملہ پر مکمل ایمان رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور امت مسلمہ کے ذہنوں سے شکوک وشبہ کو دور فرمائے اللہ قادر مطلق ہے اس نے جو فرمایا وہ حق ہے سرکار نائب اعظم ہیں اللہ کے وہ جو فرمائیں گے حق ہے۔



## خطاب نمبر (۵۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسٰنَ عَلَّمَہُ الْبَیَانَ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج بفضلہٖ تعالیٰ سورۂ رحمٰن کی کچھ آیتوں کا ترجمہ اور مفہوم پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سورۂ پاک کی برکت سے ہمارے قلوب کو منور فرمادے اور دنیا وآخرت کی نعمتوں سے نوازے۔

یہ سورۂ پاک مدینۂ طیبہ میں نازل ہوئی اور بعض مفسرین کے کہنے کے مطابق یہ

سورت مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئی۔اس سورت میں ۳رکوع اور ۷۸ آیات ہیں۔اس سورت میں اللہ کی بے پایاں رحمتوں اور احسانات کا ذکر کیا گیا ہے۔اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب اللہ نے ارشاد فرمایا: اُسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ، رحمن کا سجدہ کرو۔تو کافروں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ رحمن کون ہے؟ (معاذ اللہ) ہم اللہ کو تو جانتے ہیں لیکن رحمن کو نہیں جانتے ہیں۔کیا یہ کوئی اور معبود ہے؟ (معاذ اللہ) اس طرح کے جاہلانہ طنز کے جواب میں یہ سورت طیبہ نازل کی گئی۔گویا پوری سورت اللہ کی صفت رحمن کی تفسیر ہے۔کافر تو اللہ کو بھی نہیں پوجتے تھے۔مگر اعتراض کے لیے کوئی نہ کوئی احمقانہ راستہ تو تلاش ہی کر لیتے تھے۔چنانچہ انھوں نے رحمن کے لفظ پر اعتراض کر دیا۔اعتراض ایک بار اور ہوا تھا۔جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔اس وقت لکھا گیا تھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اس وقت بھی کافروں نے کہا تھا کہ یہ رحمن کون ہے؟ ہم نہیں جانتے۔آپ عربوں کے طرز کے مطابق صرف بسم اللہ لکھئے۔اس وقت چوں کہ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مکمل صلح چاہتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ ہو، حرم پاک میں خون خرابا ہو۔اس لیے آپ نے یہ بھی مان لیا تھا۔

لیکن اب عالم یہ ہے کہ ہر سورت کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ہوتا ہے، اگرچہ ہمارے فقہا اور متکلمین کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ ہر سورت کا حصہ نہیں ہے، مگر دو سورتوں کے درمیان میں فصل قائم کرنے کے لیے اور تلاوت کے آغاز کے لیے تسمیہ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو پڑھا جاتا ہے۔

''رحمن'' اور ''رحیم'' دونوں اللہ کی صفات ہیں۔فرق یہ ہے کہ رحیم غیر اللہ کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآنِ عظیم نے ''رحیم'' خود ارشاد فرمایا ہے۔لیکن ''رحمن'' اللہ کے علاوہ کسی اور کی صفت نہیں ہو سکتی۔اللہ وہ ہے جو رحمت بے پایاں کا



حامل ہے، جس نے ساری کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے، جس سے بڑھ کر کسی رحمت کا تصور نہیں ہو سکتا ہے۔لامحدود رحمت کی مظہر اللہ کی صفت ''رحمن'' ہے۔اس لیے ''الرحمن'' کسی بندے کی صفت یا نام نہیں بن سکتا ہے۔بہت سے لوگ بڑی نادانی کے ساتھ کسی کا نام ''عبدالرحمن'' کی جگہ ''رحمن'' رکھ دیتے ہیں اور اسی نام سے پکارتے ہیں۔یہ شدید غلطی ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔''عبدالرحمن'' کہیے یعنی رحمن کا بندہ۔صرف ''رحمن'' نہ کہیے۔بہر کیف، اس سورت میں اللہ کی بے پایاں رحمتوں کا تذکرہ ہے، اس کے احسانات کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔پوری کائنات، کائنات کا ذرہ ذرہ، تمہارا اپنا وجود، تمہاری اپنی تخلیق، تمہاری اپنی تربیت، تمہاری اپنی سانس، تمہارا ہر لمحۂ حیات، زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کا احسان ہی تو ہے۔تو اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔اس سورت کا حسن یہ ہے اور اسلوب کا جمال یہ ہے کہ ہر نعمت کے تذکرے کے بعد انسانوں اور جنوں کو یاد دہانی کرائی گئی ہے:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ان نعمتوں کا ذکر جن کا تعلق انسان کی روحانی زندگی سے ہے اور ان نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق انسان کی مادی زندگی سے ہے۔دنیا میں جو نعمتیں میسر ہیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور آخرت میں جو نعمتیں اہل ایمان کو ملنے والی ہیں ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔اس سورت میں دوسری سورتوں کے برعکس ایک نیا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ذوی العقول جو مکلف ہیں شریعت کے، اس میں نوع انسان بھی ہے اور نوع جن بھی ہے، ان دونوں کو ایک ساتھ تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

"تکذبٰن" میں جن بھی مخاطب ہیں اور انسان کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔

حضور سید عالم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے بھی رسول تھے اور جنوں کے بھی رسول تھے۔ وہ تو ساری کائنات کے رسول تھے۔ لیکن یہ دونوعیں مکلف بالشرع ہیں، انہیں تکلیفات شرعیہ کا پابند کیا گیا ہے۔ اس لیے ان دونوں کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ پیغمبر اعظم سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح سے انسانوں کے رسول تھے اور انسانوں کے اوپر احکامات شریعت پر عمل کرنا بے پناہ ضروری ہے۔ اسی طرح وہ جنوں کے بھی رسول تھے۔ جن ہمیں نظر نہیں آتے، بظاہر یہ ایک غیر مرئی مخلوق ہے۔ ہاں جنہیں اللہ نے بصیرت دی ہے وہ چشم سر یا چشم دل سے انہیں دیکھ بھی لیتے ہیں، ان کے سامنے حاضر بھی ہوتے ہیں۔

ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا گیا ہے۔ جنوں کے اندر ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو انسانوں کی شکل میں تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔ کسی اور کی شکل میں بھی اپنے آپ کو بدل سکتے ہیں اور حاضر ہو سکتے ہیں۔ جب کہ انسانوں کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے رسول تاجدارِ دوعالم پر دونوں ایمان لائے، سورۃ الجن اس کی مکمل گواہ ہے اور خود یہ سورۂ رحمن بھی بعض روایات کے اعتبار سے مقام نخلہ میں اس وقت نازل ہوئی جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے اور انھوں نے سورۂ رحمن کی وہاں تلاوت کی تھی اور کافروں نے اس سورت کو آپ کی زبان مبارک سے سنا تھا اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف بھی کیا تھا، مسلمان بھی ہوئے تھے اور جنہوں نے پوری قوم کو مسلمان بھی کیا تھا، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔

تو جس طرح انسانوں میں کچھ ایمان لانے والے ہیں، کچھ منکر ہیں، کچھ کافر ہیں، اسی



طرح جنوں میں بھی کچھ انکار کرنے والے ہیں، کچھ مومن ہیں اور کچھ کافر ہیں۔ ایمان لانے والے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔

بعض روایات کے اعتبار سے ان کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں اس لیے کچھ جنات ایسے بھی ہیں جنہوں نے جناب موسیٰ کو بھی دیکھا ہے اور سرورِ کائنات کا زمانہ بھی پایا ہے۔ چنانچہ جب مقام نخلہ میں جنوں نے قرآن شریف کو سنا تو کہا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ کتاب نازل ہو رہی ہے جس کے مضامین ویسے ہی ہیں جیسے کہ جناب موسیٰ پر نازل کیے گئے تھے۔ اس لیے یہ بھی نبی ہیں اور ہمیں ان پر ایمان لانا چاہیے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جائے تو بہتر ہوگا کہ جنوں کا جد امجد ابلیس ہے۔ وہ بھی جن تھا۔ اپنی بے پناہ عبادت اور صدیوں کی ریاضت کے بعد اس نے اپنے جسم عنصری کو جو آگ سے بنایا گیا تھا، اتنا لطیف بنالیا تھا کہ وہ نورانی فرشتوں کی صفوں میں شامل ہو گیا تھا۔ لیکن قرآن نے کہا ہے کہ وہ جنوں میں سے تھے۔ چنانچہ جو لوگ گمراہ ہیں وہ شیطان کے ماننے والے ہیں، جن ہوں یا انسان ہوں اور جو حق کو قبول کرنے والے ہیں وہ اپنے دور میں جناب موسیٰ کے ماننے والے تھے اور سرور کائنات کے بعد آخری نبی کو ماننے والے ہیں۔ جو کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے بلکہ اسلامی روایات کے اعتبار سے مدد پہنچاتے ہیں۔

جس طرح ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے ایسے ہی جنوں کے وجود کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ لوگ جن کی عقلوں نے انہیں گمراہ کیا ہے وہ ملائکہ یا جنوں کو کوئی علاحدہ مخلوق نہیں مانتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کے اندر جو خیر کی قوت ہے وہ ملکوتیت ہے، اس سے جبرئیل مراد ہیں یا ملائکہ مراد ہیں اور انسان کے اندر پوشیدہ جو شر کی قوت ہے وہی شیاطین ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اللہ کے کلام کو اپنی عقل کا پابند نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنوں، انسانوں اور فرشتوں کو اپنی مخلوق قرار دیا ہے۔ جب اللہ یہ کہے کہ وہ مخلوق ہیں، ان کا وجود خارجی وجود ہے تو پھر انسان کو اپنی طرف سے کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مگر وہ لوگ جو عقل کے معیار پر شریعت کو تولنا چاہتے ہیں اور شریعت کے معیار پر عقل کو نہیں رکھنا چاہتے، بلکہ دوسرے لفظوں میں طبیعت کے پابند ہیں، شریعت کے نہیں وہ اس طرح کی تاویلیں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو حقیقت نہیں ہے۔

اس سورت کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ صحابۂ کرام نے آپس میں تذکرہ کیا کہ چوں کہ کافروں نے قرآن پاک سنا نہیں ہے اس لیے وہ قرآن پاک کی مخالفت کرتے ہیں۔ قرآن پاک کے مضامین ایسی صداقت ازلیہ ہیں کہ کافر اگر سن لیں تو مخالفت بند کر دیں گے۔ کافروں کی مجلسیں صحن کعبہ میں ہوا کرتی تھیں۔ صحابہ کی طرف سے یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ کاش کوئی کعبہ میں یا صحن کعبہ میں جا کر قرآن پاک پڑھتا تا کہ کافر سن لیتے اور وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاتے۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی عمدہ قرآن پڑھتے تھے۔ خود آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے قرآن سنتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ مجھ سے قرآن سن رہے ہیں حالاں کہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں صحن کعبہ میں جا کر قرآن پاک کی تلاوت کروں گا۔

بعض صحابۂ کرام نے کہا کہ اے ابن مسعود! آپ کے جانے کے بجائے کوئی اور جائے جس کا قبیلہ بڑا اور طاقتور ہو تو ممکن ہے کہ کافر اس پر سختی نہ کریں۔ مگر آپ تنہا ہیں اور آپ کا قبیلہ اتنا طاقتور نہیں ہے اس لیے آپ نہ جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ پر حملہ آور ہوں۔ مگر سبحان اللہ! ایمان کی طاقت ہر طاقت سے بلند ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں جاؤں گا۔ پھر تشریف لے گئے اور سورۂ رحمن ہی کی تلاوت وہاں شروع کی۔ کافروں نے



کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور کہا کہ یہ تو وہی قرآن پڑھ رہے ہیں جو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر نازل ہوا ہے اور بغیر سنے انہوں نے آپ کو ضرب شدید پہنچائی چہرہ لہو لہان ہو گیا۔ آپ اس حالت میں واپس آئے کہ کافی زخمی تھے۔

مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ یہ سورت عروس القرآن یعنی قرآن کی دلہن ہے۔ یقیناً اس سورت کا اسلوب بیان اتنا حسین ہے، اس قدر دلوں کو موہ لینے والا ہے کہ آج بھی مسلمان جب اس کی تلاوت کرتا ہے، خاص طور پر قرائے کرام تلاوت کرتے ہیں تو دلوں پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ کبھی جمال کی کیفیت اور کبھی جلال الٰہی کی کیفیت۔

سورت میں کائنات میں اللہ کے پھیلے ہوئے بے پایاں جمال کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اور اس کے جلال کا بھی۔ اس کی تخلیق کا بھی اور اس کی ربوبیت کا بھی۔

حضرات گرامی! اس سورت کی مختصر سی وضاحت کے بعد میں چند آیات مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم آپ کے سامنے پیش کرنا چاہوں گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسٰنَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

رحمٰن، بے پناہ رحم کرنے والا، جس کی رحمت محدود نہیں بلکہ لامحدود ہے۔ رحمٰن جو صرف اللہ ہی کی صفت ہے۔ رحمٰن جل جلالہ، جس کی رحمت نے پوری کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ رحمٰن، جس کی رحمت سے کائنات کی ہر مخلوق فیضیاب ہے۔ رحمٰن، جو اپنے بندوں سے ہمیشہ رحم وکرم کا معاملہ فرمانے والا ہے۔ اسی رحمٰن نے قرآن پاک کی تعلیم دی۔

عَلَّمَ متعدی بدو مفعول ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہاں ایک ہی مفعول کا تذکرہ ہے اور

ایک مفعول کو سامعین کے ذوق پر ان کی محبتوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ سکھانے والا رحمن ہے، جو کتاب سکھائی جا رہی ہے وہ قرآن ہے، پھر بتاؤ کہ سیکھنے والا کون ہوگا؟ اس لیے مفسرین نے انتہائی یقین کے ساتھ ترجمہ یہی کیا ہے: بے پایاں رحم کرنے والے پروردگار نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ کو قرآن پاک کی تعلیم دی۔

آقائے دو جہاں سرور کائنات محمد رسول اللہ کے فضائل پورے قرآن عظیم کے اندر ہیں۔ بلکہ میں یہ کہوں تو غلط نہیں ہوگا کہ پورا قرآن نعت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ الحمد کے الف سے لے کر والناس کی سین تک ہر ہر آیت کریمہ تصویر جمال مصطفی ہے، تصویر اخلاق مصطفیٰ ہے، تعبیر قوانین مصطفیٰ ہے۔ مگر وہ تمام آیات مبارکہ اگر نہ بھی ہوتے قرآن کے اندر تو سرورِ کائنات کی عظمت، ان کے مقام کی برتری اور ان کے منصب رسالت کی آفاقیت کے لیے صرف یہی کافی تھا: اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (سورۃ الرحمٰن، الآیات:2/1)

رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

اس کائنات کا سب سے حسین جوہر، سب سے عظیم طاقت علم ہے۔ علم کے بغیر انسان جمادات و نباتات کی طرح اور حیوانات کی طرح ہے۔ علم ہی انسان کو جملہ مخلوقات کے اوپر ممتاز کرتا ہے۔ علم ہی وراثت آدمیت بھی ہے اور وراثت نبوت بھی ہے۔ یہ علم ہی ہے جس کی بنیاد پر حضرت آدم کو مسجودِ ملائکہ قرار دیا گیا تھا۔ علم ہی سب سے عظیم شے ہے۔

یہ علم سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی ہیومن ایجنسی (Human Agency) یا کسی انسان سے نہیں حاصل کیا۔ اللہ نے گوارا نہیں کیا کہ جو میرا محبوب ہے وہ کسی اور کے سامنے زانوئے ادب طے کرے۔ یہ بھی مصلحت تھی کہ اگر ان کا کوئی استاذ دنیا میں ہوتا تو کافر یہ کہتے کہ قرآن پاک اس نے پڑھا اور سکھا دیا ہوگا، یہ اس کے استاذ کا کمال ہے۔ استاذ



تو نہیں تھے مگر مستشرقین نے پیغمبر اعظم کے چند لمحاتی واقعات کو پورے قرآن پاک کی بنیاد بنا دیا ہے۔ بحیرہ راہب سے چند لمحوں کی ملاقات ہے اور مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک تو بحیرہ نے سکھا دیا تھا۔ (معاذ اللہ)

اس طرح کی بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ کوئی عجمی ہے جو قرآن سکھا رہا ہے۔ اس کا جواب قرآن نے دیا کہ قرآن تو عربی مبین ہے، ایک عجمی اس طرح کی کتاب کیسے سکھا سکتا ہے؟ بہر کیف اس طرح کے اعتراضات تو انتہائی نامعقول ہیں۔

اگر ان کا کوئی استاذ دنیا میں ہوتا تو یقیناً کافر اور دشمنانِ اسلام یہ باور کرانے کی کوشش کرتے کہ یہ قرآن اسی کا کلام ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر کی تعلیم کا ذمہ خود لیا ہے اور عالم یہ ہے کہ انہیں اُمّی بنا کر بھیجا۔ اُمّیت غیر نبی کے لیے ممکن ہے کہ عدم حسن ہو، مگر نبی کے لیے یہ کمالِ حسن ہے، یہ نبی کا اعجاز ہے۔ اُمّی ہیں مگر دانائے روزگار ہیں، اُمّی ہیں مگر علوم ان کی بارگاہ میں سرخمیدہ ہیں۔ اُمّی ہیں مگر عقل و شعور کی اس منزل پر ہیں جہاں کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ اُمّی ہیں مگر قرآن جیسا دستورِ زندگی اور قانون حیات عطا فرمانے والے ہیں۔ اُمّی ہیں اس لیے کہ اُمّ القریٰ میں پیدا ہوئے۔ اُمّی ہیں اس لیے کہ ان پر اُمّ الکتاب نازل کی گئی ہے۔ اُمّی ہیں جو صرف ماں کی آغوش میں پروان چڑھے، باپ کو دیکھ نہیں سکے۔

اُمّیت سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعجاز ہے، اس لیے اللہ نے انہیں اُمّی کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ مگر اس کا یہ بالکل مطلب نہیں ہے کہ اُمّی کا وہ ترجمہ کیا جائے جو عام طور پر نادانوں اور پڑھے لکھے جاہلوں نے کیا ہے۔ انہوں نے ''ان پڑھ'' اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ذرا سوچئے کہ جسے انسان پڑھائے وہ تو پڑھا لکھا ہے اور جسے خدا نے پڑھایا ہے اسے ان پڑھ کہنا، یہ دیوانگی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ایک مقام پر فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

(سورۃ النساء، الآیۃ:113)

آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (سورۃ الاعلیٰ، الآیۃ:6)

اے محبوب! ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ کبھی نہیں بھولیں گے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ (سورۃ العلق، الآیۃ:1)

اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔

یہاں پڑھانے والا خدا ہے، پڑھنے والے مصطفیٰ ہیں۔ استاذ ازل رب العزت استاذ ہے اور محمد عربی اس کے شاگرد اور تلمیذ ہیں۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، بے پناہ رحم کرنے والے نے اپنے محبوب کو قرآن کی تعلیم فرمائی۔

تعلیم تو اللہ نے جناب آدم کو بھی دی تھی۔ فرمایا: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا، مگر ان کی تعلیم کو محدود کر دیا تھا اسما اور مسمیات کے حقائق کے حوالے سے۔ مگر سرورِ کائنات کا علم یہ ہے کہ انہیں قرآن سکھایا گیا اور قرآن کا عالم یہ ہے کہ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا، قرآن پاک کی بعض آیتیں بعض آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں۔ چنانچہ قرآن عظیم خود ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (سورۃ الأنعام، الآیۃ:59)

اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

کائنات کا کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو قرآن عظیم کے اندر موجود نہ ہو۔ پتہ چلا کہ پوری کائنات کے ہر خشک و تر کا علم سرور کائنات کو عطا فرمایا گیا ہے۔ یہی علم ما کان و ما یکون ہے۔ چنانچہ بہت سے مفسرین نے اس آیت کے تحت ہی سرور کائنات کو عالم ما کان و ما



یکون قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب کو علم سکھایا اور یہی نہیں، بلکہ اس کا بیان، اس کی وضاحت، اس کی تفصیل بھی اللہ کی طرف ہی سے انہیں سکھائی گئی ہے۔ یعنی تمہیں ہم صرف قرآن پاک کا علم نہیں دے رہے ہیں بلکہ قرآن پاک کی تشریح و تعبیر کو احادیث کے ذریعہ بصورت بیان ہم نے تمہیں تعلیم دی ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسٰنَ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:3)

اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔

یہاں انسان سے مراد کچھ لوگوں نے تمام انسانوں کو لیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ یہاں انسان سے مراد اللہ کے رسول سرورِ کائنات کی ذات ہے۔ اَلْاِنْسٰن معرفہ ہے اور معرفت رسول پاک کا واضح ذریعہ ہے۔ یعنی اللہ نے انسان کامل کو، مخصوص انسان کو، ممتاز انسان کو، منتخب انسان کو، مصطفیٰ انسان کو، برگزیدہ انسان کو پیدا فرمایا۔ وہ معبود نہیں ہیں، مخلوق ہیں، مگر سب سے عظیم الشان مخلوق ہیں۔ اللہ کے بعد سب سے بڑا مرتبہ ان کا ہے۔

عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:4)

انہیں بیان کی تعلیم دی۔

قرآن پاک جو ہر رطب و یابس کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، علوم کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس کی تعلیم بھی اللہ نے دی اور اس کی تشریح و تعبیر اور اس کے بیان اور وضاحت کا علم بھی اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیا ہے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:5)

سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانی نعمتوں میں دو ایسی نعمتیں بیان فرمائیں جو ظاہری طور پر نظر آتی ہیں اور وہ نعمتیں سورج اور چاند ہیں، ان

نعمتوں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر سورج نہ ہوتا تو اندھیرا کبھی ختم ہی نہ ہوتا اور اگر چاند نہ ہوتا تو بہت ساری ظاہری نعمتیں ختم ہو کر رہ جاتیں اور ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ سورج اور چاند معین اندازے کے ساتھ اپنے اپنے بروج اور منازل میں حرکت کرتے ہیں کیونکہ اگر سورج حرکت کرنے کی بجائے ایک ہی جگہ کھڑا رہے تو اس سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اگر اس کی گردش لوگوں کو معلوم نہ ہو تو وہ معاملات ٹھیک طرح سے سرانجام نہیں دے سکتے اور ان کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اوقات کے حساب سالوں اور مہینوں کا شمار انہیں کی رفتار سے ہوتا ہے۔

وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:6)

ستارے اور درخت اللہ کی بارگاہ میں دونوں سجدہ کرنے والے ہیں۔

دیکھیں تثنیہ کے صیغہ اور نون کے رعایت سجع ہر جگہ موجود ہے۔ یہ ''نجم'' کیا ہے؟ نجم کا معنی ستارہ بھی ہوتا ہے اور نجم کا معنی زمین پر بغیر تنے کے پھیلے ہوئے بیل بوٹے، گھاس اور تنے بھی ہوتے ہیں۔ وہ تو پہلے سے ہی جھکے ہوئے ہیں، درخت بھی قدرت الٰہی کے سامنے جھک جاتے ہیں، یہ دونوں سجدہ ریز ہیں۔ انسانوں اور جنوں کی سجدہ ریزی اور کائنات کی سجدہ ریزی میں یہ فرق ہے کہ سجدہ دراصل اللہ کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کر کے جھک جانے کا نام ہے۔

انسان کو اختیار دیا گیا اور مکلف بالشرع کیا گیا ہے۔ اختیار اس لیے دیا گیا کہ وہ اپنے لیے جنت یا دوزخ کا انتخاب خود کر سکیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور اختیار ضرور دیا مگر روز اول سے جناب آدم سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک انبیائے کرم کی ایک جماعت بھی بھیجی گئی، کتابیں بھی نازل کی گئیں تا کہ انسان اچھے اور برے کو، حق اور باطل کو پہچان سکے اور حق کا راستہ اختیار کریں۔ لیکن ان وضاحتوں کے بعد بھی



اگر انسان برائی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو پھر اس کے بدلے میں اسے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ درختوں کو، پودوں کو اور پہاڑوں کو جہنم میں نہیں داخل کیا جائے گا، یہ مکلف بالشرع نہیں ہیں، انہیں اختیار نہیں دیا گیا ہے، یہ تو مرضی مولیٰ کے پابند ہیں، انہیں جھکنا ہی ہے، ان کے اندر انکار اور انحراف کی طاقت نہیں ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ آج کا دور فیکٹریوں اور کارخانوں کا دور ہے۔ آج کے دور میں جب کوئی نئی چیز انوینٹ ہوتی ہے، کوئی نئی مشین بنائی جاتی ہے تو اس کے ساتھ سپلائر یا فیکٹری اونر ایک کتابچہ بھی بھیجتا ہے کہ اس مشین کو اگر استعمال کرنا ہے تو بنانے والے کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ یہ قواعد ہیں اس کے، یہ ضابطے ہیں اس کے۔ اگر کسی نے کسی مشین کو استعمال کرنے میں ان قاعدوں کی رعایت کی تو وہ مشین چلے گی ورنہ بیٹھ جائے گی۔

پچاس لاکھ کے سرمائے سے آپ نے ایک کار خریدی، اس میں یہ ہدایت کی گئی تھی بہت ہی صاف ستھرے قسم کا پٹرول ڈالیں گے، اس کو استعمال اس طرح کریں گے۔ آپ نے ڈیزل بھر دیا تو کیا ہوگا؟ انجن گھڑگھڑائے گا اور بیٹھ جائے گا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر انجن بہت قیمتی ہے یا چیز بہت قیمتی ہے تو اس کے لیے کوئی انجینئر بھیجا جاتا ہے جو استعمال کا طریقہ سکھاتا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں سب سے عظیم مخلوق انسان ہے۔ جب اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا تو کتابیں بھی نازل فرمائیں کہ تمہیں اپنی زندگی کتاب کے مطابق گزارنی ہے اور انسانوں کی زندگی کے لیے نمونہ کے طور پر انبیا کو بھیجا گیا کہ انسان کیسے زندگی گزاریں۔ اللہ کی مرضی کے مطابق انبیائے کرام نے کتابوں پر عمل کر کے اسوۂ حسنہ پیش کیا۔

اس کے باوجود انسان اگر نہ قرآن کو مانے اور نہ انبیا کو مانے تو دل کا انجن تو بیٹھ جائے گا ہی۔ آپ اندازہ کریں کہ اگر غلط پٹرول ڈالنے سے انجن بیٹھ سکتا ہے تو اللہ کی نعمتیں جو

پھیلی ہوئی ہیں، ہزاروں مشروبات جو آپ پھلوں سے نچوڑ کے استعمال کر سکتے ہیں اس کے بجائے شراب پئیں تو دل کا انجن بھی بیٹھ جائے گا۔ یہ آج مشاہدہ ہے۔

اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا تو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ پیغمبر اعظم کو قرآن اور بیان کی تعلیم دی تا کہ وہ انسانوں کو طریقۂ زندگی بتائیں اور طریقۂ حیات سے آشنا کریں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



## خطاب نمبر (۵۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ○ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ○
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ○ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ○
وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ○
وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ○ فِیْهَا فَاکِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَکْمَامِ ○
وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آئیے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدار مدینہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کر لیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، وَاٰلِہِ الْکِرَامِ اَجْمَعِیْنَ

آیات مذکورہ کا ترجمہ سماعت فرمائیں اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

سورج اور چاند اللہ کے مقرر کردہ حساب کے پابند ہیں۔ستارے اور درخت سب اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے والے ہیں۔(نجم سے مراد زمین پر پھیلے ہوئے سبزے اور پھول وغیرہ بھی لیے گئے ہیں۔) آسمان کو اللہ نے بلند فرمایا۔اور میزان عدل قائم فرمایا تا کہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تولنے میں کمی نہ کرو۔اللہ نے زمین کو پیدا کیا اپنی تمام مخلوق کے لیے۔اس میں مختلف طریقے کے پھل ہیں،غلافوں والی کھجوریں ہیں اور بھوسا والا اناج اور خوشبو دار پھول بھی ہیں۔پس اے انسان اور جنات! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اللہ فرماتا ہے کہ سورج اور چاند اپنے مقررہ حساب کے پابند ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا اور تدبیر الٰہی نے کائنات کی ہر شے کے لیے ایک مقررہ حساب بھی رکھا ہے جس سے کائنات کی کوئی شے کبھی بھی انحراف نہیں کرسکتی۔

چاند اور سورج کے مقرر حساب کا فائدہ کیا ہے؟ موسم کی تبدیلی،طلوع وغروب کے کے اوقات ایک مقررہ حساب کے اندر موجود ہیں۔اپنے اپنے مدار میں ہزاروں سال سے چاند اور سورج مصروفِ سفر ہیں۔مگر کبھی ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔آج سے ہزاروں سال پہلے جس وقت سورج طلوع ہوا تھا اور غروب ہوا تھا آج بھی ٹھیک اسی وقت اس تاریخ کو سورج طلوع ہوا ہے اور غروب ہوا ہے۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ یہ کیسا منظم حساب ہے جس کے پابند یہ سیارگانِ فلک ہیں۔



کوئی سرمو انحراف نہیں کرسکتا ہے۔اگر ذرا سا پہلے یا پیچھے ہو جائیں اور انحراف ہو جائے تو کائنات تباہ ہو جائے گی۔اللہ مدبر حقیقی ہے،اس کی تدبیر نے کائنات کی ہر شے کو اس حساب کا پابند کر دیا ہے جس کے تحت ہر شے مصروفِ سفر ہے اور مصروفِ عمل ہے۔

سیارگانِ فلک خواہ چاند اور سورج ہوں یا دوسرے سیارے ہوں یہ سب احکام الٰہی کے تابع ہیں۔دنیا جس کو کشش ثقل یا گریویٹی (Gravity) کا نام دیتی ہے اسلام اسے اللہ کی قدرت اور تدبیر کا نام دیتا ہے۔

چاند اور سورج کی گردش اپنے مقررہ حساب کے مطابق،یہ اللہ کی صفت رحمن کی جلوہ گری ہے۔اگر وہ رحمن نہ ہوتا تو یہ منظم نظام کائنات اپنے توازن کے ساتھ موجود نہ ہوتا اور کائنات تباہ ہو جاتی۔اللہ ارشاد فرماتا ہے: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ،ستارے (یا زمین پر پھیلے ہوئے بغیر تنے کے پودوں کو بھی نجم کہتے ہیں لغت کے اعتبار سے،یعنی سبزے اور پھول۔) اور درخت،سب سجدے میں ہیں،خدا کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہیں۔

درختوں، پودوں اور ستاروں کا سجدہ کیا ہے؟ یاد رکھیں! کائنات میں انسانوں اور جنوں کے علاوہ جتنی بھی مخلوقات ہیں انہیں ہم ذوی العقول مخلوقات میں شمار نہیں کرتے۔ صرف انسان ہیں یا جن ہیں جو شریعت مطہرہ کے مکلف ہیں۔اس لیے کہ اللہ نے ان کو عقل وشعور سے نوازا ہے،فکر منطقی سے نوازا ہے،حق اور باطل کے امتیاز کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔اس لیے یہ تو اللہ کی بارگاہ میں باضابطہ سر رکھ کر سجدہ ریز ہیں،مکلف بالشرع ہیں۔

انسان دراصل تکلیفات شرعیہ کا حامل ہے مگر اس کو اختیار بھی دیا گیا ہے۔اسے کائنات کی دوسری مخلوقات کی طرح مجبور نہیں کیا گیا ہے۔وہ اختیار بھی رکھتا ہے۔اسی لیے اس کا حساب بھی ہوگا اور اس کے لیے جنت اور دوزخ بھی ہے۔کائنات کی دوسری مخلوقات جو علم

وشعور نہیں رکھتی ہیں وہ سجدہ ریز بایں طور ہیں کہ وہ اللہ کے احکام کی پابندی کر رہی ہیں۔

لغت عرب میں سجود کے معنی اللہ کے احکامات کے سامنے جھک جانا ہے۔ تو یہ چاند، یہ سورج، یہ زمین اور زمین پہ درختوں کی پھیلی ہوئی دنیا، جمادات ونباتات کی دنیا، حیوانات کی دنیا، یہ سب احکام الٰہی کے پابند ہیں۔ سایوں کا گھٹنا اور بڑھنا، درختوں کا قدرت کے فیصلہ کے مطابق پھل دینا، سوکھ جانا، تروتازہ ہو جانا، شاخوں کا جھک جانا، ایک ننھے سے دانے سے کونپل کا نمودار ہونا، تناور درخت بن جانا، یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور یہ ساری چیزیں فطرتاً اللہ کے احکامات کی پابندی کرتی ہیں۔ یہ ہے یسجدان کا مفہوم۔

بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ یہ بھی سجدہ کرتے ہیں مگر ہم ان کے سجدے کا شعور نہیں رکھتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی قدرت کے تابع ہیں۔ تو اللہ کی قدرت کے تابع ہونا ہی سجدہ ریز ہونا ہے۔ انسان مکلف بالشرع ہے اور چوں کہ اسے آزادی دی گئی ہے اس لیے اس میں کچھ لوگ سجدہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ نہیں کرتے ہیں۔ کچھ پابند قانون ہیں اور کچھ نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو یا تو جزا یا سزا دی جائے گی۔ کسی اور مخلوق کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی اس لیے کہ وہ اللہ کے احکام کی پابندی کر رہے ہیں۔

اللہ کا یہ ارشاد فرمانا کہ چاند اور سورج ایک مقررہ حساب کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھتے ہیں اور درخت، پودے اور ستارے سب اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں، حالاں کہ ساری کائنات سجدہ ریز ہے مگر درختوں اور ستاروں کے سجدے کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ بہت سے لوگ چاند اور سورج کو بھی پوجتے ہیں، درختوں کو بھی پوجتے ہیں۔ تو جن کو تم پوجتے ہو اور معبود بناتے ہو وہ تو خود اللہ کی بندگی کے پابند ہیں، احکام الٰہی کے تابع ہیں۔ اس لیے نہ چاند معبود ہو سکتا ہے اور نہ سورج۔ نہ ستارے معبود ہو سکتے ہیں اور نہ درخت اور نہ کائنات کی کوئی



شے۔ معبود وہی ہے جو چاند اور سورج اور نجم وشجر کا خالق ہے، جس کے سامنے فطرتاً یہ ساری چیزیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے احکامات کی پابند ہیں۔

اللہ نے ان کو بھی اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ ساری کائنات اللہ نے انسانوں کے لیے پیدا کی ہے اور انسانوں اور جنوں دونوں کو اللہ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ فرماتا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" یہی وجہ ہے کہ سورت میں دونوں کو ایک ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔ پھر اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:7)

اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور میزان کو قائم فرمایا۔ آسمان اللہ کے نظام عدل وتوازن کی بنیاد پر بلند ہے۔ اس کی تخلیق اتفاقی دھماکے کا نتیجہ نہیں ہے، جیسا کہ سائنس کہتی ہے۔ اتفاق اس قدر حسین اور متوازن نہیں ہوتا ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ تم اللہ کی بنائی ہوئی ایک ایسی زمین پر آسمان کے نیچے رہتے ہو جن کا قیام عدل اور توازن پر قائم ہے۔ اس لیے تم کو بھی عدل اور توازن کے ساتھ رہنا ہوگا۔

ہوا کے مخالف سمت جانے والا کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ دریا کے بہاؤ کے مخالف سمت تیرنے والا ڈوب جاتا ہے۔ ساری کائنات اللہ کی اطاعت کر رہی ہے۔ اگر انسان اللہ سے بغاوت کرے گا اور اطاعت نہیں کرے گا تو مٹا دیا جائے گا۔ اس لیے نظام کائنات کو جس عدل وتوازن کے ساتھ قائم کیا گیا ہے، اللہ کی مرضی یہ ہے کہ کائنات میں رہنے والا انسان بھی عدل اور انصاف کو باقی رکھے تاکہ نظام کائنات میں وہ اشرف المخلوقات کی حیثیت سے زندہ رہ سکے۔

مفسرین کا ایک طبقہ میزان سے مراد قیامت کے دن جس ترازو پر اعمال تولے جائیں گے، وہ مراد لیتا ہے۔ یہ ایک مستقل بحث ہے کہ اعمال تو اعراض میں سے ہیں، یہ کیسے تولے

جائیں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ میدانِ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر عمل کو اور ثواب کو ایک وزن دے گا اس لیے قرآن پاک میں ایک مقام پر فرمایا گیا ہے کہ ہم کافروں کے عمل کو کوئی وزن نہیں دیں گے۔ یا پھر ایسا ہوسکتا ہے کہ ہمارے نامۂ اعمال کو تولا جائے۔ لیکن اعمال تولیں گے۔

اللہ میزان عدل کیوں قائم فرمائے گا آیت کا دوسرا حصہ اس کی وضاحت کر رہا ہے:

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:8)

تم بھی ناپ اور تول میں حد سے نہ گزرو۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:9)

اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور وزن مت گھٹاؤ۔

ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کی طرف واضح ہدایات فرمائی ہیں۔ یعنی اگر تم ناپ اور تول میں کمی کرو گے تو معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ عدم توازن اگر معاشی زندگی میں قائم ہوا تو تباہی تمہارا مقدر بن جائے گی۔ اس لیے میزان کو کم نہ کرو۔ ڈیلنگ (Dealing) میں، کاروبار میں انصاف اور عدل سے کام لو۔ قرآن عظیم نے میزان کو عدل سے مشروط کیا ہے۔ عدل کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ اگر معاملات میں نا انصافی ہوئی، لین دین میں بے ایمانی کا ارتکاب کیا گیا، کاروباری معاملات اور تجارت وغیرہ میں عدل اور توازن کو قائم نہ کیا گیا تو کوئی بھی معاشرہ اس بنیاد پر تباہ ہوسکتا ہے۔

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اس حقیقت کو سمجھا تھا اور اس پر عمل کیا تھا۔ اس اعتبار سے اس زمانہ کے تین براعظم جو روشنی میں تھے ان پر ان کی تجارتیں چھائی ہوئی تھیں لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے۔ ان کا تجارتی قافلہ جہاں جاتا آبادیاں ان کا استقبال کرتی تھی یہی عدل وتوازن اور میزان کا نہ جھکنا تھا کہ جس کی بنیاد پر اسلام بھی اکنافِ عالم میں پھیل گیا۔



دیانت دار تاجروں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اس توازن نے اسلام کی اشاعت میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ اسلام ان تمام علاقوں میں پھیلا جہاں مسلمان تاجر تجارت کے لیے گئے، ان کے ایک ہاتھ میں مالِ تجارت تھا اور دوسرے ہاتھ میں قرآنِ عظیم کا نظام عدل وتوازن اور انصاف و دیانت کی میزان تھی۔ کاش! امت مسلمہ آج اس حقیقت کو سمجھ سکتی۔

پھر اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ○ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ○
وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

(سورۃ الرحمٰن، الآیات:10 الی 13)

اور زمین کو تمام مخلوق کے لیے (یا صرف انسانوں اور جنوں کے لیے، دونوں تشریحات ہیں۔) بچھا دیا گیا۔ اس میں ہر طرح کے پھل اور غلاف والی کھجوریں ہیں اور بھوسے والے غلے اور خوشبودار پھول پیدا کیے۔ (کیوں کہ ان باتوں پر انسان کی حیات کا مدار ہے۔) پس اے انسان اور جنات! تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یوں تو اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا شمار نہیں ہوسکتا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (سورۃ النحل، الآیۃ:18)

اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے۔

مگر یہاں چند نعمتوں کا تذکرہ کرکے اس بات کا اشارہ دیا گیا ہے کہ اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں تم کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کس کا انکار کرو گے؟ چوں کہ مکلف بالشرع انسان اور جن دونوں ہیں اور سرورِ کائنات دونوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اس لیے دونوں ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَصْحَابِهٖ، فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ أَوَّلِهَا اِلٰى اٰخِرِهَا فَسَكَتُوْا، فَقَالَ: لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِنْكُمْ، كُنْتُ كُلَّمَا أَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ {فَبِأَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ} قَالُوْا: لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ (سنن الترمذی، أبواب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ الرحمن الرقم: 3291)

ترجمہ: ایک مرتبہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے صحابہ کے سامنے پوری سورۂ رحمن تلاوت فرمائی۔ وہ کہتے ہیں: ہم لوگ خاموش رہے تو آقا نے فرمایا کہ تم سے بہتر تو وہ جن تھے کہ جب میں نے ان کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تھی تو جب میں نے فَبِأَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھا تو انہوں نے بے ساختہ جواب دیا: اے اللہ! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے اور تیرے لیے ہر طرح کی حمد ہے۔

یہ ان آیات کا مختصر سا ترجمہ اور تشریح تھی۔ ان شاء اللہ اگلی نشست میں سورۂ رحمن کی اگلی آیتوں پر گفتگو ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ المبین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



## خطاب نمبر (۵۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ○

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ○

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ

وَالْحِلْمِ وَالْحِكَمِ، وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔

خطبۂ شریفہ میں جن آیات کی تلاوت کی گئی ہے ان میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اللہ نے انسان کو سوکھی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا اور جان کو بے دھوئیں والے آگ کے شعلوں سے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ دو مشرق اور دو مغرب کا پروردگار ہے۔ تو تم اللہ کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کروگے۔ اس نے دو سمندروں کو ملایا، وہ دونوں مل رہے ہیں اور ان کے درمیان ایک آڑ رکھ دی ہے جو ملنے سے روک رہی ہے۔ تو تم اللہ کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کروگے؟ اللہ سمندروں سے لولو اور مرجان نکالتا ہے۔ تو تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے؟

یہ چند آیات مبارکہ ہیں۔ اب ان کی وضاحت کے لیے کچھ باتیں عرض کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ نے انسان کو کھنکتی ہوئی سوکھی مٹی سے پیدا کیا۔ کیا یہ حیرت انگیز تخلیق ربانی نہیں ہے کہ اس نے مٹی کے مجسمے کو سمیع و بصیر، عاقل اور ناطق بنا دیا؟ اور مسجود ملائکہ بنا دیا؟ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ کا تاج کرامت اس کے سر پر رکھا۔

یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے۔ چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جناب آدم کی تخلیق مٹی سے بغیر توالد وتناسل کے، اپنے دست قدرت سے فرمائی اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ اور جان سے مراد جنوں کے باپ ہیں جن کو اللہ نے آگ سے پیدا فرمایا۔ مٹی کے انسان کے اندر روح قدرت کا وہ عطیہ ہے جس کا جس قدر شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ انسان کے اندر ایک عالم اصغر موجود ہے۔ جس طرح آسمان کی تخلیق، سورج اور چاند کی تخلیق، زمین کی تخلیق اور زمین میں پھیلے ہوئے سبزہ زاروں کا تذکرہ اللہ نے پہلے فرمایا۔ یہ



کائنات ایک عالم اکبر ہے اور انسان عالم صغیر ہے، خود اس کے اندر ایک پوری کائنات پوشیدہ ہے۔ جس کا اندازہ انسان اگر عبرت اور شعور کی نگاہوں سے کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

اس کی ہڈیاں پہاڑوں کی نمود ہیں، اس کے اندر خون کی روانی دریاؤں کی طرح ہے اس کا جسم زمین کی مثال ہے، اس پر بال سبزوں کا کنایہ ہے۔ انسان مٹی سے بنا ہوا ہے اگر وہ اپنی تخلیق اور اس کے اندر موجود عجائبات کا مشاہدہ کرے تو اپنے رب کی معرفت حاصل کرسکتا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے اپنے کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ بہت کم ایسے انسان ہیں جو اپنی تخلیق کے بارے میں غور کرتے ہیں۔ جنہیں اللہ نے شعور نہیں بخشا ہے، یا شعور ہے مگر اس کو استعمال نہیں کر رہے ہیں، وہ دنیا میں آتے ہیں، جانوروں کی طرح زندگی گزارتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ کبھی ان کو یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ اپنی تخلیق کے بارے میں غور کریں کہ کس قدر پیچیدہ نظام ہے ان کی زندگی کے اندر اور اللہ نے بے شمار طاقتیں پوشیدہ فرمادی ہیں انسان کے اپنے وجود کے اندر۔ انسانوں کو عقل و دانائی سے نوازا، نطق عطا فرمایا جس کی بنیاد پر وہ جانوروں سے ممتاز ہیں۔

جانور حیوان ناہق کہلاتے ہیں اور انسان حیوان ناطق کہلاتا ہے۔ یہ نطق اپنے اندر بے شمار خصوصیات رکھتا ہے۔ اللہ نے حواس خمسہ عطا فرمائے ہیں، جن سے وہ اشیا کا ادراک اور حقیقتوں کا انکشاف کرتا ہے۔ سونگھنے کی طاقت تو جانوروں کے اندر بھی ہے، چھونے کی بھی ہے۔ مگر وہ اپنے حواس کو اس طور پر استعمال نہیں کرتے ہیں جس طرح انسان استعمال کرتا ہے۔ وہ معلومات کو ترتیب دے کر مجہولات کو حاصل کرتا ہے۔ چند معلوم حقیقتوں کو اس طرح اِن آرڈر کرتا ہے، ترتیب دیتا ہے کہ اس سے بہت سی غیر معلوم حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں۔

اگر انسان کے اندر یہ صلاحیت نہ ہوتی تو آج بھی وہ پتھروں کی دنیا میں بس رہا ہوتا۔ لیکن

اسٹون ایج (Stone Age) پتھروں کے زمانہ سے لے کر آج تک جو انسان نے ترقی کی ہے وہ اسی علم اور تحقیق کی بنیاد پر کی ہے جو اللہ نے جناب آدم کے ذریعہ اس کو عطا فرمائی ہے۔

جناب آدم علیہ السلام کو تمام اشیا کا علم دیا گیا تھا۔ اشیا کے اسی علم کو انسان کے شعور میں محفوظ کر دیا گیا۔ جب اللہ نے چاہا تو جناب آدم کا وہی علم تحقیق کی شکل میں دنیا کے سامنے آگیا۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہے۔ علم اور تحقیق کے ذریعہ انسان نے نئے آفاق تلاش کیے اور کامیابیاں حاصل کیں۔ اللہ کی بخشی ہوئی عقل کے ذریعہ کائنات مادی پر اس کی حکمرانی قائم ہے۔ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کے فرمان کے مطابق خلا کی تسخیر اور چاند اور سورج تک رسائی کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔

انسان کے اندر جو جذبات محبت اور جملہ احساسات ہیں یہ انسان کے خصوصیات میں سے ہیں۔ قلب انسان کو اللہ نے اپنی معرفت کا آئینہ بنایا ہے۔ جو لوگ اپنے دل کے اندر انوار الٰہی اور تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔

انسان کو اللہ نے غور و فکر اور تدبر و تفکر کی عظیم صلاحیتیں بخشی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عظیم نے درجنوں مقامات پر انسان کی فکری صلاحیتوں کو، تدبر کو، تفکر کو، شعور کو، ادراک کو، بصیرت کو، بصارت کو اپنا مخاطب بنایا ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے یہ ساری سہولتیں انسان کو عطا فرمائی ہیں۔ شعور کی نزاکتیں اور باریکیاں، غور و فکر، تعقل اور تدبر، یہ وہ صلاحیتیں ہیں جو انسانوں کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہیں۔ یہ اسی عظیم انسان کا ورثہ ہے جسے ہم آدم کہتے ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

زندگی اور اس کے مقصد کا ادراک صرف انسان ہی کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی کا مقصد متعین کر لے جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے اور اس کا حقیقی ادراک ہو جائے تو اس کو



اللہ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ لافانی ہو جاتا ہے۔ اس کی کامیابیاں عظیم تر بن جاتی ہیں اور وہ مرنے کے بعد بھی کبھی موت سے ہمکنار نہیں ہوتا ہے۔

انسان کے اندر اللہ نے آنکھ پیدا فرمائی، کان پیدا کیا، ناک کی تخلیق فرمائی، نطق اور گویائی عطا فرمائی، بصیرت اور بصارت سے نوازا، قلب کو پیدا فرمایا، دورانِ خون کا مرکز اسے بنایا، ایک قطرۂ ناچیز کو اللہ نے سمیع و بصیر انسان بنا دیا۔ انسان کا یہ ارتقا قدرت کی عظیم تخلیق اور ربوبیت کے مظاہر میں سے ہے۔

بلاشبہ انسان کا وجود حیرت انگیز مظاہر قدرت کا نمونہ ہے۔ مگر دل بڑی خاص حیثیت رکھتا ہے۔ دل جو محبت کا مرکز ہے، دل جو پیار کرتا ہے، دل جو نفرت کرتا ہے، دل جذبات کا محور ہے۔ قرآن عظیم نے تزکیۂ نفس کے حوالہ سے کتنی ہی بار ارشاد فرمایا ہے۔ اللہ کے رسول تاجدارِ دو عالم معلم بھی بن کر تشریف لائے تھے اور مربی بھی بن کر تشریف لائے تھے۔ تعلیم کے ذریعہ انہوں نے عقل و شعور کو نوازا اور تزکیہ کے ذریعہ انہوں نے قلب کو نوازا اور اسے آراستہ فرمایا اور قلب انسانی کو اس قابل بنا دیا کہ وہ تجلیات الٰہی کا محور اور مرکز بن جائے۔

قلب انسان کے وجود کے اندر ایک عظیم دنیا ہے، جس کا احساس انسان نہیں کرتا ہے۔ عام طور پر فزیکل سائنس (Physical Science) یا مادّی نقطۂ نظر سے قلب کو دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ دل دراصل خون کا پمپنگ اسٹیشن (Pumping Station) ہے، جس کے ذریعہ پورے جسم میں خون منتقل ہوتا ہے اور اس طرح انسان زندہ رہتا ہے۔ اس لیے دل کی موت پورے انسان کے موت کے مرادف ہے۔ مگر دل صرف خون کا پمپنگ اسٹیشن (Pumping Station) ہی نہیں ہے بلکہ دل اللہ کی رحمتوں کی آماجگاہ بھی ہے، انوار الٰہی اور تجلیات الٰہی کا آئینہ بھی ہے۔ یہ لوگ کم محسوس کرتے ہیں۔

جب کہ دل کی اس کیفیت کو صوفیائے کرام نے، اولیائے کرام نے اور خود آقائے دو جہاں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرمایا ہے۔

دل جو انسانی محسوسات وخیالات کا مرکز ہے، دل جو کچھ کہتا ہے اعضا اس پر عمل کرتے ہیں۔ دل حکمراں ہے، دل بادشاہ ہے اور انسان کے سارے اعضا اس کے غلام ہیں۔اس لیے دل کی اصلاح بے پناہ ضروری ہے۔دل نہ صرف وجودِ انسانی کے اندر خون کو پمپ کرتا ہے بلکہ دل اچھے اور برے خیالات کو بھی منتقل کرتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلشَّيْطَانُ يَجْرِيْ فِي الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ

(صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، الرقم:3281)

شیطان جسم انسان میں اس طرح دوڑتا ہے جیسے خون دوڑتا ہے۔

یعنی دل صرف خون کا پمپنگ اسٹیشن (Pumping Station) ہی نہیں ہے، مرکز ہی نہیں ہے، مرکز حیاتِ جسمانی ہی نہیں ہے، مرکز حیات روحانی بھی ہے۔اس لیے جو لوگ اس حیثیت کو سمجھتے ہیں وہ اپنے دل کو آراستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ○

(سورۃ الشمس، الآیات:10/9)

کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے دل کو پاک کیا اور ناکام ہوا وہ شخص جس نے دل کو ناپاک کیا۔(اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں کتنے ہی مقامات پر دل کی پاکی اور طہارت کے بارے میں احکامات ارشاد فرمائے ہیں۔)

آقائے دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے جارہے ہیں، آپ



نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک چھوٹی سی چٹان یا پتھر کو دھکا دے رہے ہیں۔آپ نے پوچھا کہ تم اسے باری باری دھکا کیوں دے رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا:

لِنَعْلَمَ اَيُّنَا اَقْوٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔

ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم میں طاقتور کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ مَنْ غَلَبَ انما الشَّدِيْدُ مَنْ غَلَبَ عَلٰى نَفْسِهٖ

(صحيح ابن حبان، كتاب الرقائق، باب الفقر، والزهد، والقناعة، ذكر الإخبار بأن الشديد الذي غلب نفسه عند الشهوات والوساوس، الرقم:717)

طاقتور وہ نہیں جو (لوگوں پر) غالب آئے بلکہ طاقتور وہ ہے جو اپنے دل پر قابو پالے۔

اگر تم کو طاقت میسر آئی اور دل پر قابو نہیں ہے تو اپنی طاقت کو ناجائز استعمال کروگے اور کسی پر ظلم کروگے۔اگر دل کا تزکیہ ہو چکا ہے اور اس پر قابو ہے تو تم اپنی طاقت سے کسی کو فائدہ پہنچاؤ گے، کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔اس لیے طاقتور وہ ہے جو دل پر کنٹرول کرتا ہے۔دل ہی کے ذریعہ انسان تمام نیکیاں کرتا ہے یا پھر ساری برائیاں کرتا ہے۔اس لیے اللہ نے دل عطا فرما کر انسان کو امتحان میں ڈالا ہے کہ تم اپنے دل کو نفسانی خواہشات کے لیے استعمال کرتے ہو یا اللہ کی رضا کے لیے استعمال کرتے ہو۔

اللہ نے ایک قطرۂ ناچیز کو سمیع وبصیر انسان بنایا، سننے والا اور دیکھنے والا انسان بنایا۔ انسان کا ارتقا قدرت کی عظیم تخلیق ہے اور ربوبیت کے مظاہر میں سے ہے۔ایک مغربی محقق نے کہا تھا: جس اللہ نے انسان کو آنکھ اور اس کا پیچیدہ نظام بصارت دیا ہے اور جس نے کان اور اس کی سماعت کے انتہائی پیچیدہ نظام کی تخلیق کی ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ سمیع وبصیر نہیں ہوگا؟ بلاشبہ اللہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے۔

انسان اگر اپنے اعضا اور جوارح کا جائزہ لے اور اپنے احساسات اور عقل وشعور اور ان کی وسعتوں پر غور کرے تو خدا کی عظیم تخلیق اور اس کے انوار سے حیران رہ جائے گا۔ ؎

اپنی ہستی کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
آدمی کثرت انوار سے حیراں ہو جائے

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:15)

اور جن کو بغیر دھوئیں کی خالص آگ کے شعلہ سے پیدا فرمایا۔

جس طرح خلق الانسان سے مراد جناب آدم کی ذات ہے ایسے ہی الجان سے مراد جنوں کے باپ کا تذکرہ ہے کہ اللہ نے جنوں کے باپ کو پیدا کیا اور پھر جنوں کی تخلیق ویسے ہی کی جیسے کہ انسانوں کی تخلیق جناب آدم کے ذریعہ کی۔ جن بھی اپنے طور پر توالد وتناسل کے ذریعہ پھیلتے ہیں اور انسان بھی اسی طرح جناب آدم کی ذریت بن کر آگے بڑھے۔ اس لیے اللہ نے دونوں کو مکلف بالشرع کیا ہے، دونوں کو احکام الٰہی کا پابند کیا ہے، دونوں کو عقل وشعور سے نوازا ہے، دونوں کو وہ صلاحیت بخشی ہے جس کی بنیاد پر اپنے رب کی معرفت حاصل کرسکیں۔

اس لیے اس سورت میں دونوں کو ایک ساتھ مخاطب کیا گیا ہے اور بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اے انسان اور جن! تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے اور کن کن نعمتوں کی تکذیب کروگے؟ تمہارے ارد گرد اللہ کی بے شمار نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں جو تمہاری حیات کے لیے ضروری ہیں، تمہاری زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ ان نعمتوں میں اگر تم غور کرو تو اللہ کی قدرت کے سامنے بے ساختہ جھکنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

اس آیت میں ''الجان'' سے مراد خصوصیت کے ساتھ جنوں کے باپ ہیں اور عمومی طور



پر تمام جن مراد ہیں۔ ''جن'' کا معنی چھپنا ہوتا ہے یا چھا جانا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے دیوانے کو مجنون کہا جاتا ہے کہ کیوں کہ اس کی عقل پر مرض کا غلبہ ہو جاتا ہے اور مرض چھا جاتا ہے۔ بچہ دانی کو جنین کے نام سے یاد کرتے ہیں جس کے اندر بچہ پوشیدہ رہتا ہے۔ اسی طرح رات کے چھا جانے کو قرآن عظیم نے فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ سے تعبیر کیا ہے۔

چوں کہ جنوں کی تخلیق بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ہے اس لیے اس سورت میں ان کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اور انسانوں کے ساتھ بار بار انہیں بھی یہ یاد دلایا گیا ہے ''فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ'' تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانوں کی طرح جنات بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور مکلف بالشرع ہیں۔ بعض لوگوں نے جنوں کو محض ایک مجرد حیثیت دی ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ کوئی جسم نہیں رکھتے ہیں، کوئی مخلوق نہیں ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنی تاویلات میں قرآن عظیم کی صریح آیات مبارکہ کا انکار کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ یہاں دونوں کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ کیا محض ایک مجرد حیثیت کو مخاطب کیا گیا ہے؟ فرمایا گیا کہ انسان اور جن دونوں مکلف ہیں اور جس طرح سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسانوں کے لیے آخری نبی ہیں اسی طرح وہ جنوں کے لیے بھی آخری نبی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن بھی ان پر ایمان لائے۔ سورۃ الجن بھی گواہ ہے اور قرآن پاک کی دوسری آیتیں بھی گواہ ہیں۔ قرآن پاک کا یہ فرمانا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورۃ الزاریات، الآیۃ:56)

میں نے جنوں اور انسانوں کی تخلیق اپنی عبادت کے لیے کی ہے۔

جس طرح انسانوں کی تخلیق ہوئی ہے ویسے ہی جنوں کی تخلیق بھی ہوئی ہے۔ جن کوئی خیالی مخلوق نہیں ہے، جیسا کہ بعض متجددین کا قول ہے۔ یہ قرآن پاک کی صریح آیت کا انکار

اور اسے غلط مفہوم دینا ہوگا۔

جنوں میں بھی انسانوں کی طرح فری وِل (Free will) کی بنیاد پر، قبول یا عدم قبول کی صلاحیت کی بنیاد پر کافر بھی ہوتے ہیں اور مومن بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے جنوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اور سورۃ الجن اور قرآن پاک کی دوسری آیات مبارکہ بھی جنوں کے وجود کی قائل ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک سنا اور اپنی قوم کو نبی کریم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس کا گواہ قرآن عظیم ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ: 17)

اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے۔

یہ دو مشرق اور دو مغرب کیا ہیں؟ سورج اپنے طلوع اور غروب کے اعتبار سے افق شرقی اور افق غربی میں متعدد جگہیں رکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک جگہ سے طلوع نہیں ہوتا ہے۔ یعنی سردیوں میں مشرق میں جہاں سے طلوع ہوتا ہے اس سے ذرا ہٹ کر گرمیوں میں طلوع ہوتا ہے اور یہی حال مغرب میں ڈوبنے کا ہے۔ چوں کہ گرمی اور سردی دو موسم ہوتے ہیں اور ان دونوں موسموں میں طلوع وغروب کے لیے مشرق ومغرب الگ الگ ہیں اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ فرمایا ہے۔

سورج کے طلوع وغروب کے سلسلہ میں اللہ نے کتنی نعمتیں انسانوں کو عطا فرمائی ہیں۔ بظاہر یہ ایک سورج کی رفتار ہے جو مختلف موسموں اور مختلف جگہوں سے طلوع ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کبھی دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور کبھی بہت بڑے ہوتے ہیں۔ کبھی سردیاں ہوتی ہیں، کبھی گرمیاں ہوتی ہیں۔ کبھی بارش ہوتی ہے اور کبھی بارش نہیں ہوتی ہے۔ یہ مختلف موسموں کی تبدیلیاں، سردی اور گرمی کا آنا، یہ سب سورج کے طلوع وغروب پر مبنی ہوتا



ہے اور سورج ہی کی مختلف کیفیات کا نام ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان کے لیے جینا دوبھر ہو جائے۔

سردیوں اور گرمیوں میں طلوع وغروب کے اعتبار سے قرآن عظیم میں اللہ کو رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ کہا گیا ہے۔ سورج کے طلوع وغروب کے اعتبار سے موسم میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اگر سال بھر صرف گرمی ہی ہوتی یا سال بھر صرف سردی ہی ہوتی یا صرف بارش ہی نازل ہوتی رہتی یا صرف رات ہی ہوتی یا صرف دن ہی ہوتا تو انسان کی زندگی کے لیے بے پناہ دشواریاں ہوتیں اور بعض اوقات حیات ناممکن ہو جاتی۔ مگر سورج کے طلوع وغروب کے اعتبار سے موسموں کی تبدیلی اور پھر مختلف موسموں میں مختلف اشیا اور پھلوں کی پیداوار انسان کی زندگی کی بقا کے لیے بے پناہ لازمی تھی۔

آپ غور فرمائیں کہ اگر موسم خزاں نہ ہوتا تو موسم بہار کی رنگینیوں کا وجود نہ ہوتا۔ بارش کا موسم نہ ہوتا تو بہت سے اناج اور چاول وغیرہ کی پیداوار نہ ہوتی اور بعض فروٹ اور میوے پیدا نہ ہوتے۔ اگر گرمیوں کا موسم نہ ہوتا تو مختلف اناج اور تازہ پھلوں کا وجود نہ ہوتا۔ اس لیے رب المشرقین ورب المغربین نے موسموں کو تبدیل فرما کر انسانوں کی زندگیوں کے لیے بقا اور نعمتوں کا انتظام فرمایا ہے۔ اس لیے اللہ فرماتا ہے "فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" "تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

سورج مشرق ومغرب میں ہر روز افق کے مختلف مقامات پر طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مشرق میں اس کے طلوع کی بہت سی جگہیں ہیں اور مغرب میں اس کے غروب کی بہت سی جگہیں ہیں۔ اس اعتبار سے اللہ رب المشارق اور رب المغارب بھی ہے۔

قرآنِ عظیم ارشاد فرماتا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ○ فَبِاَيِّ

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○(سورۃ الرحمٰن، الآیات:21/20/19)

اللہ نے دو سمندروں کو جاری فرمایا جو آپس میں مل رہے ہیں۔ مگر ان کے درمیان ایک آڑ رکھ دی ہے جو دونوں کو آپس میں ملنے سے روک رہی ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سمندروں کی تخلیق کے باب میں ایک ایسی کائناتی حقیقت کا ذکر فرمایا ہے جس کا مشاہدہ ہر انسان کر سکتا ہے۔ دو سمندر آپس میں ملے ہیں، ایک میٹھا اور ایک کھاری ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (سورۃ الفرقان، الآیۃ:53)

پھر ایک جگہ سفید رنگ ہے اور ایک جگہ سیاہ یا کوئی اور رنگ ہے۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سمندروں کے دھارے مل کر بہہ رہے ہوتے ہیں مگر ملتے نہیں ہیں۔ ایک طرف سے پانی اٹھائیے تو میٹھا ہے اور ایک طرف سے اٹھائیے تو کھارا ہے۔ ایک سیاہ رنگ کا سمندر ہے اور ایک سفید رنگ کا سمندر ہے۔

یہ دھارے ملتے کیوں نہیں ہیں؟ جب کہ دونوں رقیق ہیں، دونوں سیال ہیں، دونوں آپس میں بہہ رہے ہیں۔ مگر آپس میں ملتے نہیں ہیں۔ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ دو سمندروں سے مراد بحر فارس اور بحر روم ہے۔ ایک قول کے مطابق بحر ہند بھی ہے، جس کے درمیان عربین پینسولا (Arabian Peninsula) یعنی جزیرۂ عرب کو رکھ دیا گیا ہے جو دونوں کو ملنے سے روک رہا ہے۔ مگر ایک ہی سمندر میں اس طرح کے نظارے بھی دیکھے جا سکتے ہیں جیسا کہ سمندروں میں سفر کرنے والے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

آج کے بعض اربابِ تحقیق نے یہ بھی کہا ہے کہ رقیق اشیا کے اندر سطحی تناو ہوتا ہے۔ یعنی ہر بہنے والی چیز اپنی سطح کو سمیٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ دو مختلف الرقہ اور مختلف سیال



چیزوں کو ملایا جائے تو آپس میں کبھی نہیں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر آپ تیل اور پانی کو ملائیں تو کبھی نہیں ملا سکیں گے۔ اس لیے کہ دونوں کی رقت الگ ہے اور دونوں کا سیلان الگ ہے۔ ایسے ہی اگر آپ پلاسٹک کے باریک بوروں میں نمک کو بھر دیں، وہ پلاسٹک کے بورے اتنے باریک ہوں کہ آپ کو نظر نہ آئیں، صرف نمک ہی نظر آئے۔ تو بظاہر نمک ملے ہوئے ہوں دکھیں گے مگر ملے ہوئے نہیں ہوں گے۔ اسی طرح پانی کو بھی اپنی رقت اور سیلان کو سمیٹنے کی صلاحیت دی گئی ہے، جسے رقیق اشیا کا سطحی تناو کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے کو اس طرح سمیٹ رکھا ہے کہ بظاہر ملے ہوئے نظر آتے ہیں مگر ملتے نہیں ہیں۔ یہ دریاؤں اور سمندروں کے حوالے سے آج کی تحقیق ہے۔ پانی کا بہاو اپنی سطح کو سمیٹے رہتا ہے جو ایک دوسرے کو ملنے سے روک دیتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ○فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

(سورۃ الرحمٰن، الآیات:23/22)

میٹھا اور کھارا پانی جہاں ملتا ہے وہاں لولو (بڑے موتی) اور مرجان (چھوٹے موتی) پیدا ہوتے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔

جن سے زینت کے علاوہ بہت سی بیماریوں کے لیے دواؤں کا کام لیا جاتا ہے۔

ان شاء اللہ اگلے درس میں آگے کی آیات کے تعلق سے تفہیم کی جائیں گی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۵۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا
وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُنْذِنِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّآئِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا
فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ
صَلٰوۃً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَلَہُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ○
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آیئے ہم اور آپ آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔



اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ
وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ،
صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

آج سورۂ رحمٰن کی جس آیت کریمہ کی تلاوت کی ہے، اس کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں فہم قرآن کی دولت سے نوازے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اور اسی کے زیر قدرت یا اسی کی ملکیت میں وہ بڑی کشتیاں یا جہاز ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح بلند ہیں۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

(سورۃ الرحمٰن، الآیات: 25/24)

سمندروں میں چلنے والے جہاز قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہیں۔ ایک ننھی سی کنکری اگر آپ سمندر میں پھینکو تو ڈوب جائے گی۔ مگر ہزاروں ٹن وزنی جہاز سمندر کی سطح پر رواں دواں رہتے ہیں۔ بظاہر یہ اللہ کی بخشی ہوئی ذہانت ہے جس نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ جہاز اور بلند کشتیاں بنا سکیں۔ ورنہ پانی تو دلدلی زمیں سے بھی زیادہ لطیف ہے دلدلی زمینوں میں جہاز ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتے، مگر سمندر میں جہاز ہزاروں ٹن سامان تجارت اٹھائے ہوئے دنیا کے تمام ساحلوں پر لنگر انداز ہوتے ہیں۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں پانی کے جہازوں کا اہم ترین رول ہے۔ آج صرف وہی ملک مالدار اور کامیاب ہیں جو ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ جہاں دنیا بھر کے سامان اترتے ہیں، تجارتی منڈیوں کی رونقیں بڑھاتے ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔

(سورۃ الاسراء، الآیۃ: 70)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا۔

ہم نے انسانوں کو قدرت عطا کی ہے کہ وہ سمندروں اور خشکی پر سفر کر سکیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ تو تنہا سمندر میں چلنے والے جہاز جو پوری دنیا سے حمل ونقل کا عظیم رابطہ ہیں، صرف اس نعمت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے اندر ہزاروں نعمتیں خود پوشیدہ ہیں۔ آج دنیا کی تجارت، سمندروں کے سفر پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا سمٹ کر کے ایک معمولی سے گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے۔

دنیا میں کہیں بھی کوئی چیز بنتی ہو، کہیں بھی کوئی چیز پیدا ہوتی ہو، وہ جہازوں کے ذریعہ دنیا کے ہر خطے میں منتقل ہو رہی ہے۔ پہلے یہ صورت حال نہیں تھی، لیکن اندازہ کیجیے کہ قرآن عظیم نے آج سے چودہ سو سال پہلے سمندر میں بلند جہازوں کے چلنے کو اللہ کی عظیم نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ اس زمانے میں جہازوں کا یہ رول تو نہیں تھا جو آج ہے۔ مگر قرآن تو ہر دور کے لیے اور ہر زمانہ کے لیے ہے۔

قرآن عظیم کے نازل کرنے والے عظیم پروردگار کی نگاہ قدرت میں یہ بات تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب دنیا کی معیشت کا دارومدار سمندر میں چلنے والے جہازوں کے اوپر ہوگا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان بلند وبالا جہازوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: جو پہاڑوں کی طرح بلند ہیں، جو سمندروں پر چلتے ہیں، یہ اللہ کی قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں۔

بظاہر جہازوں کا بنانا انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جہازوں کو تو انسان نے بنایا ہے۔ لیکن انسان کو کس نے بنایا ہے؟ انسانوں کو یہ ذہانت کس نے عطا کی ہے۔ کس نے آرکمیڈیز (Archimedes) کو یہ صلاحیت دی کہ وہ یہ تحقیق کر سکیں کہ



پانی کی سطح کو جو چیز جتنا گھیرے گی اسی قدر اس کے اوپر رہ سکے گی۔ اس کے بعد جہازوں کا یہ طویل سلسلہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

وہ ایک عام انسان تھا، سمندر کے کنارے وہ کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔ وہ اس کی نغمگی سے فیضیاب ہو رہا تھا جیسے بچے کھیلا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی بڑے انسانوں کے اندر بھی ایک چھوٹا بچہ بیٹھا ہوتا ہے اور وہ اسی طرح ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے جیسے بچے خوش رہتے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی کر رہا تھا، لیکن ایک مرتبہ اس نے یہ سوچا کہ کنکریوں کے بجائے لکڑی کا کوئی بڑا سا تختہ سمندر کے اندر پھینک دیا جائے۔

اس نے سمندر پر ایک بڑا سا تختہ پھینکا تو وہ تیرنے لگا، وہ ڈوبا نہیں۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ڈوب کیوں نہیں رہا ہے؟ پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے پانی کی سطح کو گھیرا ہے، اس بنیاد پر یہ پانی کے اوپر ہے، پانی کے نیچے نہیں جا رہا ہے۔ پھر اس نے کشتیوں کا تخیل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ خیال رہے کہ کشتی سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے بنائی۔ آرکمیڈیز نے صدیوں بعد پانی پر تیرنے کے اسباب کا پتہ لگایا اور اسے استعمال کیا۔

مگر یہ خیال اس کے ذہن میں کس بنیاد پر آیا؟ کوئی بھی تحقیق بغیر کسی اصل کے نہیں ہو سکتی ہے۔ جب کوئی چیز موجود ہوگی تب اس کو دریافت کیا جائے گا، تب اسے حاصل کیا جائے گا۔ دریافت دراصل کسی موجود شئ کو تلاش کر لینے کا نام ہے۔ اگر پہلے سے یہ بات اس کے ذہن میں موجود نہیں تھی تو اس نے دریافت کیسے کی؟ تو ماننا پڑے گا کہ جناب آدم علیہ السلام کو جو علم دیا گیا تھا وہی علم انسانوں میں منتقل ہو رہا ہے اور جب دنیا کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو پروردگار عالم انسان کے اس علم کو اس کے لاشعور سے شعور کی طرف منتقل فرما دیتا ہے اور انسان تحقیق کر لیتا ہے۔ اس لیے جہازوں کا بنانا اور اس کی تعمیر بھی اللہ تبارک

وتعالیٰ کے عطیات میں سے ایک عطیہ ہے اور انسان نے اگر بنایا ہے تو اس لیے بنایا ہے کہ اللہ نے اسے عقل اور شعور عطا فرمایا ہے۔

چوں کہ اس سورت میں انسانوں کے حوالہ گفتگو کی جارہی ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کے ذریعہ انسان کی عظمتوں کا اعتراف کرایا گیا ہے۔ اس لیے وہ ساری باتیں جو انسانوں سے متعلق ہیں ان کا تذکرہ اس سورت کے اندر ہو رہا ہے۔

اس حقیقت کو قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ کے مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھا تھا۔ انہوں نے بحری بیڑے تیار کیے تھے اور ان کے ذریعہ انہوں نے قسطنطنیہ، سسلی، اٹلی، مالٹا، جبل الطارق (یا جبرالتا) اور اسپین تک قبضہ کرلیا تھا اور اپنی حکومت قائم کی تھی۔ تنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین سو جہازوں پر مشتمل بحری بیڑا تیار کیا تھا جس کو انہوں نے قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ایک ایسی ذات جو صحرا میں رہنے والی تھی اور وہاں کشتیوں اور بحری بیڑوں کا بنانا بظاہر ناممکن نظر آرہا تھا، مگر اللہ نے ان کو یہ ذہانت عطا فرمائی اور ان کے ذریعہ بعد میں بہت سے ممالک کی تسخیر کا کام لینا تھا۔ اس لیے انھوں نے یہ بحری بیڑا تیار کیا تھا۔

اس زمانہ میں یورپ بحری بیڑوں سے ناآشنا تھا۔ یہ مسلمان ہیں جنہوں نے یورپ کو اس علم سے آشنا کیا۔ اس لیے کہ قرآن عظیم نے فرمایا تھا:

وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (سورۃ الاسراء الآیۃ:70)

ہم نے ان کو خشکی اور تری پر غلبہ عطا فرمایا ہے۔

سفر کی قوت بخشی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے تلاش کیا کہ قرآن پاک کے فیصلہ کے مطابق ہم کس طرح سے خشکیوں اور سمندروں پر قابو پاسکتے ہیں۔



شاید یہ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ تاریخ انسانی کا پہلا بحری بیڑا تھا جو جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کیا تھا اور کولمبس (Columbus) مسلمان جہاز رانوں کا شاگرد تھا۔ جارج فرڈیننڈ جس نے اسپین پر ۱۴۹۲ء میں قبضہ کیا تھا، اس نے کولمبس کو اس سفر کے لیے اسپانسر (Sponser) کیا تھا، ورنہ اس سے قبل وہ مسلم جہاز رانوں کے ساتھ تھا۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے اور جن کو معلوم ہے وہ اس تاریخ کو کبھی بیان نہیں کرتے۔ ۱۴۹۲ء میں مسلم اسپین کا زوال ہوا اور اسی زمانہ میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا۔ کاش اسپین سے مسلمانوں کا انخلا نہ ہوتا تو آج پورا امریکہ مسلمانوں کے زیرنگیں ہوتا۔ اس لیے کہ امریکہ میں ایک بہت بڑی تعداد اسپینش (Spanish) لوگوں کی آباد ہے۔ اسپین کے زوال کے بعد مسلمان حکمرانوں نے جہازوں پر توجہ کم کردی اور یہ عظیم قوت اغیار کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ آج جملہ مسلمان ممالک ان کے دست نگر بن کر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن الآیۃ:28/27/26)

زمین پر جو کچھ ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اے محبوب! صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہنے والی ہے جو بہت عظمت اور بخشش والی ہے۔ تو اے جنو! اور اے انسانو! تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دنیا کا فنا ہو کر ایک نئی دنیا کی نمود اور آخرت کی زندگی بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم اور لافانی نعمت ہے۔ قیامت برحق ہے اور دنیا فنا ہوگی۔ لیکن دنیا کے فنا ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے گا۔ بلکہ دنیا فنا ہوگی اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ایک نئی دنیا تخلیق فرمائے گا۔ وہ نئی دنیا بلاشبہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔

اس لیے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ فرما کر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو یہ شعور بخشا ہے کہ یہ بھی اللہ کی نعمت ہے کہ یہ کائنات مادی فنا ہو جائے گی مگر پروردگار عالم کی ذات موجود رہے گی جو دنیا کو ایک نئے دور سے آشنا کرے گی۔ وہ آخرت کا زمانہ ہوگا جو اس سے زیادہ حسین ہوگا، اس سے زیادہ اچھا ہوگا اور قیمتی ہوگا۔

دنیا کی تمام نعمتیں فنا ہو جانے والی ہیں لیکن آخرت کی تمام نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ اس طرح دنیا کا فنا ہو جانا آخرت کی حیات جاوداں کا دیباچہ ہے۔ دنیا فنا ہو جائے گی مگر خلاق کائنات اپنی عظمت اور تمام بخششوں کے ساتھ زندہ ہے، وہ دنیا کو فنا کرنے کے بعد اپنے بندوں کو آخرت میں جنت کی نعمتوں سے نوازے گا جو دنیا کے مقابلہ میں کروڑوں گنا زیادہ نفع بخش ہے۔ دنیا کی زندگی محدود اور آخرت کی زندگی لامحدود ہے۔

دنیا میں مصائب وآلام ہیں اور آخرت میں نیکو کاروں کے لیے مصائب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ دنیا میں انسان دیدار خداوندی سے محروم ہے، یہ ممکن نہیں ہے لیکن آخرت میں اس کو وہ نگاہ عطا کی جائے گی کہ وہ اپنے معبود برحق کا دیدار بھی کر سکے گا۔ دنیا میں بیماری ہے، کمزوری ہے، بڑھاپا ہے، موت کا خوف ہے۔ آخرت میں اہل ایمان کے لیے ان تمام باتوں سے بے نیازی ہوگی۔ دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے لیے ایک دائمی زندگی کا آغاز ہے۔

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قیدِ حیات
فرق اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے



ترے کشتوں کو موت آئی تو کتنی بامراد آئی
ادھر ہونٹوں پہ دم آیا، صدائے زندہ باد آئی

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

عشاقانِ رسول کے لیے تو موت یا قیامِ قیامت وصالِ محبوب کی عظیم نوید ہے۔

مرے جنازے پہ رونے والو! فریب میں ہو بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں غمِ نبی میں لباسِ ہستی بدل گیا ہوں

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ (قول حیان بن الاسود)

موت تو ایک پل ہے جو ایک دوست کو دوست کی بارگاہ تک پہنچا دیتا ہے۔

قیامت دنیا کے تمام مظلومین کے لیے اللہ کی قدرت کا ایک تحفہ ہے۔ دنیا میں انسان ظالموں کے ظلم کو برداشت کرتا رہتا ہے اور کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا ہے۔ قانون طاقتور لوگوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اکثریت اقلیتوں پر ظلم کرتی ہے۔ لیکن ایک غریب اور بے سہارا اس سہارے زندہ رہتا ہے کہ دنیا میں انصاف نہیں ملا، مگر قیامت میں انصاف ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ظلم برداشت کرنے کے بعد بھی مسلمان خودکشی نہیں کرتا۔

آج مغربی ممالک میں یا ان لوگوں میں جو خدا اور آخرت کو نہیں مانتے، ان کے لیے خودکشی معمولات میں شامل ہوگئی ہے۔ ذرا سی بات ہوئی، ذرا سا نقصان ہوا، ذرا سی مایوسی

ہوئی، ذرا سا ڈپریشن (Depression) ہوا تو فوراً ہی لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔ ہندوستان میں کئی سو کسانوں نے خودکشی کی، اس لیے کہ وہ اس قابل نہیں تھے کہ قرض ادا کر سکیں۔ لیکن کیا ان کسانوں میں مسلمان بھی پائے جاتے ہیں؟ کیا انہوں نے بھی خودکشی کی؟ مسلمان ہر ظلم برداشت کر رہا ہے، ہر جبر برداشت کر رہا ہے، اس کے باوجود وہ خودکشی اس لیے نہیں کرتا کہ اسے آخرت پر یقین ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ آج جو نعمتیں ہمیں میسر نہیں آئی ہیں وہ نعمتیں ہمیں ملیں گی اور آج جو ہم پر ظلم کر رہے ہیں کل قدرت ان سے انتقام لے گی، اللہ انتقام لے گا۔

یہ ایک امید ہے جس کے سہارے انسان زندہ رہتا ہے کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جو یہاں سے بہتر ہے۔ وہ صبر کرتا ہے، برداشت کرتا ہے، حالات کے سامنے سرخمیدہ نہیں ہوتا بلکہ حالات کے جبر کا سینہ تان کے مقابلہ کرتا ہے۔ یہ وہ دنیا ہے جس کا یقین ایک مرد مومن کو ہوتا ہے، ایک مسلمان کو ہوتا ہے۔ اس دنیا کا آغاز قیامت کے بعد ہوگا، جب ہر چیز فنا ہو جائے گی پھر ایک نئی زندگی دنیا کو میسر آئے گی۔ اس لیے دنیا کا فنا ہو جانا بھی اہل ایمان کے لیے، نیک انسانوں کے لیے ایک نئی زندگی کا آغاز ہے اور اللہ کا انعام ہے۔ اس لیے پروردگارِ عالم نے فرمایا ہے: تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟

ظاہری طور پر ایک عام آدمی جسے اس بات کا احساس نہیں ہے کہ فنا بھی دراصل بقا کا آغاز ہے وہ تو یہ سوچے گا کہ جب اللہ یہ فرما رہا ہے کہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے تو پھر اس میں نعمت کون سی ہے؟ جس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ اللہ جو ذوالجلال والاکرام ہے، وہ حی و قیوم ہے، دنیا فنا ہو جائے گی مگر وہ جلال اور عظمت کے ساتھ موجود ہے اور موجود رہے گا۔



''ذوالاکرام'' بھی اس کی ایک صفت خاص ہے۔ یہ اکرام کس پر فرمائے گا؟ یہ اکرام کس کے لیے ہے؟ انہی لوگوں کے لیے ہے جو قیامت کے بعد ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ ایک غریب انسان جو مظلوم ہے، بے سہارا ہے، صرف اس لیے زندہ رہتا ہے کہ دنیا میں تو انصاف نہیں ملا مگر قیامت میں انصاف ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ظلم کے برداشت کرنے کے بعد بھی وہ اپنی زندگی کی گاڑی کو کھینچ لیتا ہے اور طبعی اور فطری موت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ آپ ذرا سوچیے، اگر آخرت کا یقین نہ ہوتا تو ایک مظلوم کا کلیجہ پھٹ جاتا۔ مگر قیامت اور اس کے بعد جزا اور سزا کا عقیدہ اس کو زندگی اور جینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ وہ جانتا ہے ؎

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

دنیا میں اگر انسان کو کسی کورٹ یا کچہری میں انصاف نہیں ملا تو اللہ کی عدالت میں اس کو انصاف ضرور ملے گا۔ پھر یہ بھی تو سوچیے کہ کبھی کبھی ایک انسان ہزاروں انسانوں کو موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اگر دنیا کی کوئی کورٹ یا کچہری اسے سزا دے بھی دے تو تنہا ایک انسان کو سزا دے گی۔ لیکن وہ ہزاروں انسان جو مارے گئے ہیں، ان کی سزا تو اسے نہیں ملے گی۔

ڈینمارک کی عالمی کورٹ نے ایک ایسے انسان کو سزا دی جس نے بوسنیا میں پندرہ ہزار مسلمانوں کو ذبح کروا دیا تھا۔ اس کو محض عمر قید دے دی گئی۔ وہ تو بڑھاپے میں خود ہی تھا، مرنے ہی والا تھا، عمر قید میں چند روز اور قید میں گزار لے گا۔ لیکن کیا پندرہ ہزار انسانوں کے قتل کی سزا ایک شخص کی عمر قید ہو سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ مگر قیامت ہے۔ جو جتنے انسانوں کا قتل کرے گا قیامت میں ہر ایک کے قتل کی سزا اسے بار بار ملے گی۔ اسے زندہ کیا جائے گا، پھر مارا جائے گا، پھر زندہ کیا جائے گا، پھر مارا جائے گا، یہاں تک کہ مشیت کا انتقام مکمل ہو جائے۔

اس دنیا میں ایسے کتنے ہی افراد ہیں جو ہزاروں انسانوں کے قاتل ہیں، نہ پکڑے جاتے ہیں، نہ گرفتار ہوتے ہیں۔ اگر گرفتار ہوتے بھی ہیں تو انہیں عمر قید دے دی جاتی ہے۔ یہ سزا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ایک یوم عدل کا ہونا ضروری ہے جسے ''یوم الدین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ قیامت کے بعد ہی ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حقوق تو معاف کر دیتا ہے۔ حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے ہیں۔ بندوں پر کسی نے ظلم کیا ہے، بندوں پر کسی نے زیادتی کی ہے، بندوں کا حق کسی نے مارا ہے، بندوں کو کسی نے تکلیف پہنچائی ہے تو جب تک وہ بندہ معاف نہ کر دے اس وقت تک اللہ معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ کل میدانِ قیامت میں اگر اللہ کسی ظالم کو معاف کر دے تو مظلوم کہے گا کہ مولا! دنیا میں مجھے انصاف نہیں ملا تھا، آج تیری بارگاہ میں بھی انصاف نہیں ہے؟ یہ شکایت ہوگی ایک مظلوم کو۔

اللہ عادل ہے، انصاف دینے والا ہے، وہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرے گا۔ اس لیے جو انسانوں پر ظلم کرنے والا ہے اور کسی کا حق مارنے والا ہے وہ شخص میدانِ قیامت میں نہیں بخشا جائے گا جب تک کہ اس کو سزا نہ مل جائے۔

حضور سید عالم سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا انتقال ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ لے جاؤ، اس کا جنازہ پڑھ لو اور اس کو دفن کر دو۔ صحابۂ کرام کو حیرت ہوئی کہ حضور تو ہر کمزور اور غریب کا جنازہ خود پڑھتے ہیں۔ مگر اس کا جنازہ آپ نے کیوں نہیں پڑھا؟ جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس انسان کے اوپر ایک شخص کا قرض تھا، یہ طاقت رکھتا تھا کہ قرض ادا کرے، لیکن قرض نہیں ادا کیا اور مر گیا۔ اس لیے میں نے جنازہ نہیں پڑھایا۔ آقا اگر جنازہ پڑھاتے تو جنازہ دعائے مغفرت ہے، اس کی بخشش ہو



جاتی اور مظلوم کا حق اسے نہ ملتا، جو اسے قیامت میں ملنا ہے۔ اس بنیاد پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا جو حق العباد میں مبتلا تھا۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

ذو الجلال والاکرام، اس کے جلال کے اظہار کا دن روزِ قیامت ہے مگر اس کے اکرام کا جلوہ یہ ہے کہ اہل صدق وصفا کو دائمی زندگی سے نوازے گا اور مظلوموں کی دادرسی فرمائے گا اور انہیں جنت کی نعمتوں سے نوازے گا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

## خطاب نمبر (۵۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ○

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○

سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّہَ الثَّقَلٰنِ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

درس وتدریس سے پہلے آئیے ورد صلوۃ وسلام کرلیں۔

أللّٰھم صل علیٰ محمد النبی الأمی وعلیٰ أله وسلم تسلیمًا

آج میں نے سورۂ رحمن کی جن آیات مبارکہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، ان کی مختصر سی تشریح پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمان اور زمین میں ہیں، وہ ہر وقت ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ فرماتا ہے۔ تو اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اے جن وانس! ہم جلد ہی حساب وکتاب کے لیے تمہاری طرف قصد فرمائیں گے۔ اے



انسان اور جنو! تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ○

(سورۃ الرحمٰن، الآیۃ: 29)

زمین وآسمان میں جو بھی مخلوق ہے، خواہ وہ عالم ناسوت سے متعلق ہو، یا عالم ملکوت سے، یا عالم لاہوت سے، یعنی انسان ہوں، جن ہوں، ملائکہ ہوں، یا اور کوئی مخلوق ہو، سب اپنی حاجتوں کے لیے اس کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔ صرف اللہ غنی اور صمد ہے، ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ رب العالمین کے حضور میں احتیاج کامل رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری مخلوقات اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ دستِ سوال دراز کرتی ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان اللہ کی بارگاہ میں سوال کرنے سے بے نیاز ہو جائے۔ یہی حال دوسری مخلوقات کا بھی ہے۔

اس آیت میں ''من'' کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ آسمانوں میں کچھ ایسی مخلوقات بھی ہیں جو ذوی العقول ہیں۔ ملائکہ بھی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی مخلوقات ہو سکتی ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے۔ بہر کیف آسمانوں یا زمینوں میں جو بھی مخلوقات ہیں ساری کی ساری مخلوقات ہمیشہ خدائے وحدہٗ قدوس کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتی رہتی ہیں۔ سب اپنی حاجتوں کے لیے اس کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں۔

ایک مفلس اپنے رب سے غنا مانگتا ہے، مفلسی کو دور کرنے کے لیے اپنے رب کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاتا ہے۔ ایک بیمار شافی مطلق پروردگارِ عالم سے شفا طلب کرتا ہے۔ ایک کمزور توانائی مانگتا ہے۔ ایک مصیبت زدہ مصیبتوں سے نجات مانگتا ہے۔ ایک گنہگار مغفرت طلب کرتا

ہے۔ایک مجرم جہنم سے نجات مانگتا ہے۔ایک مومن جنت کی طلب کرتا ہے۔ایک خوفزدہ خوف سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔مستقبل کے اندیشوں میں مبتلا انسان مستقبل کو سنوارنے کے لیے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے۔بے اولاد اپنے رب سے اولاد مانگتا ہے۔اولاد والے اولاد کی صالحیت مانگتے ہیں تاکہ وہ نگاہوں کی ٹھنڈک بن سکیں،قرارِ دل بن سکیں۔ایک طلبگارِ حق اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کے لیے عرفان کی دولت کا سوال کرتا ہے۔ایک صاحب دل اپنے دل کے لیے تجلیات ربانی کی بھیک مانگتا ہے۔ایک عاشق دردِ دل اور سوزِ دروں طلب کرتا ہے۔ملائکہ بندوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔کوئی بھی نہیں ہے جو اپنے رب سے سوال نہ کرتا ہو۔ہر چیز،ہر شے،ہر انسان،ہر مخلوق اللہ کی رحمت بے پایاں کی محتاج ہے۔کچھ وہ ہیں جنہیں سوال کرنے سے ملتا ہے اور کچھ وہ ہیں جنہیں سوال کے بغیر ملتا ہے۔جو ذوی العقول ہیں،انسان اور جن ہیں،فرشتے ہیں،وہ سوال کرتے ہیں۔لیکن جنہیں انسانوں کی طرح سوال کرنے کی صلاحیت نہیں دی گئی ہے انہیں تو بے سوال ہی سب کچھ ملتا ہے۔

آپ کائنات کی جملہ مخلوقات کا جائزلیں،ہر مخلوق کی ضرورت کو پروردگارِ عالم پورا فرماتا ہے۔سوال کے ذریعہ یا بغیر سوال کے۔پرندوں کی ضرورتیں بغیر سوال کے پورا کرتا ہے اس لیے کہ وہ سوال کر نہیں سکتے۔جانوروں کی ضرورتیں بغیر سوال کے پوری کی جاتی ہیں۔شجر و حجر کی ضرورتیں بغیر سوال کے پوری ہوتی ہیں۔کبھی آپ نے دیکھا کہ ایک انسان ایک ننھا سا دانا زمین کا سینہ چیر کر اس میں رکھ دیتا ہے۔زمین کا نمک جو بڑے بڑے فراعنہ کو مٹی بنا دیتا ہے،ان کی ہڈیاں گلا دیتا ہے،وہی نمک اس ننھے سے دانے کی پرورش کرتا ہے۔

آپ نے دیکھا ہے،آپ کے روز کا مشاہدہ یہ ہے کہ جس دانہ کو آپ نے کھیت میں ڈالا یا باغ میں زمین میں رکھا،زمین کا نمک اسے کھاتا نہیں ہے بلکہ اس کی پرورش کرتا



ہے۔کچھ دنوں کے بعد اس میں سے ایک ننھی سی کونپل نمودار ہوتی ہے۔اتنی نازک کہ بارِ شبنم برداشت نہ کر سکے،شبنم گرے تو اس کی پیٹھ جھک جائے،لیکن اتنی توانا کہ زمین کا سینہ چیر کر باہر آئی۔کبھی آپ ننھی سی کونپل کو زمین کے اندر داخل کرنا چاہیں تو نہیں داخل کر سکتے ہیں۔یہ رب العالمین کی ربوبیت کاملہ ہے کہ ایک ننھی سی کونپل کو اس نے یہ طاقت دی کہ زمین سے باہر نکلے اور لطافت اتنی کی شبنم کا بوجھ بھی برداشت نہ کر سکے۔توانائی اور لطافت کا یہ امتزاج خالق کائنات کی ربوبیت کی گواہی دیتا ہے۔

پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے ہی اس کونپل نے اپنا سر زمین سے اوپر نکالا،پورا نظام کائنات اس کی پرورش میں لگ گیا۔بارش نے اسے غسل کرایا،شبنم نے اسے وضو کرایا،نسیم سحری نے اسے جھولا جھلایا،بادصبا نے اسے حیات کی تھپکیاں دیں،سورج نے اسے دودھ پلایا،زمین نے خوراک فراہم کی،پورا نظامِ کائنات اس کی پرورش میں لگا ہوا ہے۔پودا مانگ نہیں سکتا، مگر سوال کے بغیر ہی رب العالمین اس کی ضرورت کی ساری چیزیں پوری فرما دیتا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اس نے حکم دے رکھا ہے کہ ان پودوں کی پرورش فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے اور ہو رہی ہے۔پھر آپ نے دیکھا کہ آپ نے ایک دانہ زمین میں ڈالا تھا،لیکن جب وہ ایک پودے کی شکل میں نمودار ہوا اور بارآور ہونے کے قابل ہوا تو اس میں پھول کھلے۔دانہ ایک ہے،زمین ایک ہے،پانی ایک ہی ہے،یہ سارے اجزائے ترکیبی ایک ہیں، مگر پھول طرح طرح کے کھلتے ہیں۔ان رنگوں میں کیا قدرت کی کھلی ہوئی نشانیاں نہیں ہیں؟

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لاشریک می گوید
برگِ درختانِ سبز پیش خداوند ہوش
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

پھر اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ اس میں پھل یا بالیاں لگتی ہیں۔ ایک دانہ آپ نے ڈالا تھا، اس میں سات بالیاں ہوئیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہیں۔ ایک دانہ آپ نے ڈالا اور سات سو دانے اس سے نکلے۔ آپ نے گٹھلی زمین میں ڈالی تھی، وہ ایک تناور درخت بن گئی اور طویل زمانے تک وہ اپنے کاشت کاروں اور باغبانوں کو پھل دیتی رہی۔ کون ہے جو زمین میں پودے کی پرورش فرماتا ہے؟

پالتا ہے بیج کو مٹّی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اُٹھاتا ہے سحاب؟

وہ اللہ ہی تو ہے۔ پروردگار ہی تو ہے۔ اس لیے جو مخلوقات سوال کرتی ہیں اور سوال میرے اللہ کو بے پناہ پسند ہے۔ اللہ ان لوگوں سے ناراض ہوتا ہے جو اپنے رب سے مانگتے نہیں ہیں۔ اس لیے کائنات کی ہر چیز سوال کرتی ہے۔ ایک درخت سوال نہیں کرسکتا، مگر پہاڑوں کی بلندیوں پر اسے غذا اور تازگی کون فراہم کرتا ہے؟ اسی طرح جانوروں کا عالم ہے۔ ہر جانور اتنا شعور رکھتا ہے کہ وہ اپنی غذا کو پہچانتا ہے۔

کسی جانور کو کسی گلستان میں چھوڑ دیجیے تو وہ ہر چیز نہیں کھائے گا، صرف وہ کھائے گا جو اس کی اپنی غذا ہوگی۔ ایک پرندہ سیکڑوں میل سفر کرکے ان جگہوں کو جانتا اور پہچانتا ہے جہاں اس کی روزی ہے۔ سردیوں کے شدید موسم میں ہمارے ملکوں میں سائبیریا کے پرندے



آجاتے ہیں اور اپنی غذا حاصل کرتے ہیں یہ مہاجر پرندے ہیں جن کا مشاہدہ ہم اور آپ کرتے ہیں۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ رب العالمین کی ربوبیت ہے کہ جو مانگ سکتے ہیں انہیں مانگنا ہے اور جو مانگ نہیں سکتے ہیں انہیں بغیر مانگے اللہ سب کچھ عطا فرماتا ہے۔ بہر کیف دینے والا وہی ہے، وہی پروردگار ہے جو سب کو دیتا ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ○ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ: 29)

اللہ جل مجدہ ہر آن ایک نئی شان کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔

کسی کو زندگی بخشتا ہے، کسی کو موت سے ہمکنار کرتا ہے۔ کسی کو شفا دیتا ہے، کسی کو مرض میں مبتلا کرتا ہے۔ کسی کو غنا سے نوازتا ہے، کسی کو افلاس میں مبتلا کرتا ہے۔ کسی کو سلطنت دیتا ہے، کسی کو اقتدار سے محروم کرتا ہے۔ کسی قوم کو عروج عطا فرماتا ہے اور کسی کو زوال سے ہمکنار کرتا ہے۔ کسی کی قسمت سنوارتا ہے اور کسی کو اس کی بداعمالیوں کی بنیاد پر بدبختی کے قعر مذلت میں گرا دیتا ہے۔ کہیں قحط پڑا ہوتا ہے اور کہیں ابر باراں بازندہ زمینوں کو نئی زندگی دے رہا ہوتا ہے۔ اس کے حکم سے کہیں زلزلہ آتا ہے اور کہیں نئے شہر آباد ہو رہے ہوتے ہیں، وہ شہر آباد کرنے کی صلاحیت دیتا ہے۔ اس کے حکم سے کہیں دن کا اجالا اور سورج کی روشنی ہوتی ہے اور وہ کہیں رات کی تاریکی مسلط فرما دیتا ہے۔ اس کی ہر شان میں بندوں کے لیے نعمت اور نصیحت پوشیدہ ہے۔

ہر دو صورت میں بندوں کے لیے نعمت ہی نعمت ہے۔ اگر غربت نہ ہوتی تو انسان حصولِ سرمایہ کے لیے جد و جہد نہ کرتا اور معاشی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے عظیم الشان کارخانے نہ تعمیر کرتا۔ ہر روز نئی چیزیں ایجاد نہ ہوتیں۔ اگر بیماری نہ ہوتی تو میڈیکل سائنس کی ترقیاں نہ ہوتیں، ہاسپٹلس اور شفا خانے نہ ہوتے۔ اگر سب لوگ برابر ہوتے تو کارخانوں اور ترقی پذیر کاموں کو کون انجام دیتا؟ اگر مزدور نہ ہوتا تو مل مالکوں کی ضرورتیں کون پوری

کرتا؟ اگر جہل نہ ہوتا تو دنیا بھر میں ہزاروں یونیورسٹیاں کیوں قائم کی جاتیں؟ اگر مکان کا احتیاج نہ ہوتا تو رہائش کے لیے انسان اتنی عظیم الشان عمارتیں تعمیر نہ کرتا۔ اگر فاقہ کا خوف نہ ہوتا تو زمین کا سینہ کھیتوں اور سبزہ زاروں سے نہ لہلہا رہا ہوتا۔ اگر جرم نہ ہوتا تو عدالتوں کا نظام نہ ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو اجالوں کی قدر کون کرتا؟

غرض دنیا کا حسن اور اس کی ترقی سب کچھ تضاد پر مبنی اور قائم ہے۔ پستی ہو یا بلندی، غربت ہو یا عمارت، مرض ہو یا شفا، یہ سب من وجہٍ اللہ کی نعمتیں ہیں، جس کو اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر انسان کو روزِ اول سے سب کچھ مل جاتا۔ بغیر محنت کے پیٹ بھر جاتا، بغیر محنت کے کام چل جاتا، بغیر بیماری کے صحت ہوتی تو آج تک انسان پتھروں کی دنیا ہی میں رہتا۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ ضرورتوں اور احتیاج نے اس زمین کو ہزاروں ایجادات سے بھر دیا ہے اور یہ ساری ترقیاں اسی بنیاد پر ہیں کہ اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں انسانوں کی فلاح اور بہبود پوشیدہ ہوتی ہے۔ آج دنیا کی رونقیں، علم کی برکتیں، حصولِ صحت کے شفاخانے، بازاروں کی رونقیں، یہ سب اسی تضاد کا نتیجہ ہیں جن پر دنیا کے ارتقا اور حسن کا دارومدار ہے۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہ مفہوم ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 31)

جلد سب کام نپٹا کر ہم تمہارے حساب کا قصد فرماتے ہیں اے دونوں بھاری گروہ۔

بعض لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ جلد ہی ہم اپنے کام سے فارغ ہو کر تمہارا حساب کریں گے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ اللہ تو لفظ کن سے سارے نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔ اس طرح کی بات بعض عیسائیوں نے کی ہے کہ اللہ دوشنبہ سے ہفتہ تک تدبیر کائنات میں مصروف رہتا ہے اور پھر اتوار کو آرام فرماتا ہے۔ (معاذ اللہ) امام اہل سنت نے اس کا ترجمہ قصد فرمایا ہے۔



اس میں بے پناہ نصیحتیں ہیں اور اللہ کا بہت بڑا انعام ہے، جس کا تذکرہ یہ آیت کریمہ کر رہی ہے۔ اے انسانو اور جنو! عن قریب ہم تمہارے حساب کے لیے تمہاری طرف قصد فرمائیں گے۔ یعنی تمہیں اختیار سے نوازا گیا ہے، تم کو حیوانات، نباتات اور جمادات کی طرح مجبور یا پابند فطرت نہیں کیا گیا۔ تمہیں اختیار دیا گیا ہے تاکہ تم اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارو یا اس سے انحراف کرو۔ اگر تم نے اپنے اختیارات کا غلط فائدہ اٹھایا اور قدرت نے جو تم کو مہلت دی ہے اس مہلت میں تم اللہ کی رضا کے بجائے گناہوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ کی نافرمانی کرتے رہے تو یاد رکھو ایک دن یومِ حساب ہے، اس روز ہم تمہارے اعمال کا حساب کریں گے، پھر تمہارے لیے کوئی مفر نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی جائے پناہ ہوگی۔ اس لیے تم اللہ کی نعمتوں کی قدر کرو۔

زندگی، صحت اور وسائل حیات کی شکل میں تم کو اس نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کی قدر کرو، ورنہ یاد رکھو کہ جب ہم تمہارے حساب کا قصد کریں گے تو تمہیں کوئی بھی بچانے والا نہیں ہوگا۔ تو اے جن وانس! تم اللہ کی کن کن نعمتوں کی ناقدری کرو گے اور جھٹلاؤ گے؟

حساب اور احتساب میں اللہ کی کیسی نعمت ہے؟ اگر احتساب کا خوف نہ ہوتا تو دنیا میں ہر انسان وحشی بن جاتا۔ ہر فرد فرعون ہوتا اور یہ دنیا مظالم سے بھر جاتی۔ لیکن اللہ کے احتساب کے تصور نے اس دنیا کو بہت سی برائیوں سے بچا رکھا ہے اور انسانوں کو مظلومیت کی خندق میں گرنے سے بچا رکھا ہے۔ اس لیے جو لوگ یوم حساب اور یوم الدین پر ایمان لاتے ہیں یقیناً وہ دوسروں کے لیے رحمت تو بن سکتے ہیں مگر زحمت نہیں بن سکتے۔ اس دنیا میں وہ بدامنی نہیں قائم کریں گے۔ لوگوں کے مال پر ڈاکہ نہیں ڈالیں گے، بلکہ لوگوں کی خدمت کریں گے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ انہیں یقین ہے کہ ایک روز یومِ حساب ہے۔ اس لیے یہ بھی انسانوں کے لیے اور جنوں کے لیے اللہ کی نعمت ہے۔ اس لیے اللہ فرماتا ہے کہ تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

## خطاب نمبر (۵۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا

وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُنْذِنِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّآئِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ، صَلٰوۃً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ

وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ○

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ○

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



آئیے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ اپنے اور ساری کائنات کے مرکز عقیدت آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم تاجدارِ مدینہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ اروا حنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ، مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ، وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ، صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

سورۂ رحمن میں فرمانِ الٰہی ہے: اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اگر تمہارے لیے ممکن ہو کہ آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل سکو تو نکل جاؤ، جہاں بھی جاؤ گے، اللہ ہی کی سلطنت ہے۔ اس آیت میں جنوں کو پہلے مخاطب کیا گیا ہے اور پھر انسانوں کو۔ اس کی وجہ ہے کہ اس دنیا میں انسانوں کی تخلیق سے پہلے جنوں کو آباد کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس زمین کو شر وفساد سے بھر دیا تھا اور اسی کو دیکھ کر فرشتوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں اس وقت عرض کیا، جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے کہا تھا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً، میں زمین پر اپنا نائب پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ تو فرشتوں نے عرض کیا تھا: اے اللہ! کیا اس زمین پر تو ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو زمین کو شر وفساد سے بھر دے؟

ان کو جنوں کا تجربہ تھا جنہوں نے خون بہائے، فساد کیا۔ تو اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا تھا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یعنی انسان جنوں سے مختلف مخلوق ہوگی۔ چوں کہ جنوں کو آگ سے پیدا کیا گیا تھا اس لیے ان کو اپنی قوت اور طاقت پر غرور تھا، اس لیے انہوں نے دنیا میں فساد برپا کیا۔ یا ان کی اتباع میں طاقتور انسان بھی جنہیں اپنی قوت وطاقت پر ناز ہے، دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ کیا تم اللہ کی

بادشاہت اور اس کے دائرۂ اقتدار سے نکل سکو گے؟ کیا تم ایسی جگہ جا سکو گے جہاں تم اللہ کے علم اور قدرت سے بچ سکو؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے، اس لیے تمہارے پاس اللہ کی بندگی کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں جھک جاؤ تا کہ تم اللہ کے عذاب سے بچ سکو اور اس کی نعمتوں سے فیضیاب ہوسکو۔

صحیحین کی متفق علیہ حدیث ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب انسان قبر سے نکلے گا تو بغیر دھوئیں والی ایک آگ مجرموں کو چاروں طرف سے گھیر لے گی، جس سے وہ نہ نکل سکیں گے اور اسی حالت میں انہیں میدانِ حشر تک لے جایا جائے گا۔ بعض مفسرین نے اِلَّا بِسُلْطَانٍ کا مفہوم اِلَّا بِسُلْطَانِیْ بیان فرمایا ہے، یعنی میری طاقت وقوت سے تم نکل سکو گے؟ میری قوت سے انسان زمین وآسمان کے کناروں سے نکل سکتا ہے، اگر میں اسے طاقت عطا فرمادوں تو۔ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معراج کی شب مکان کی تمام حدوں سے ماورا لامکان کی سیر کرائی۔ ہاں اللہ طاقت بخشے تو یقیناً انسان زمین وآسمان کی سرحدوں سے باہر نکل سکتا ہے۔ مگر اس کے بعد بھی جہاں جائے گا وہاں اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔

چوں کہ اس یقین کے بعد کہ ہم اللہ کی نافرمانی کر کے کہیں اور راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتے، جیسا کہ دنیا کے حکمرانوں کے سلسلہ میں مجرم بچ جاتے ہیں۔ دیکھیے رب السماوات والارض کے دائرۂ حکومت میں ساری کائنات ہے، اس سے باہر کوئی نہیں جا سکتا ہے، اس لیے احکاماتِ الٰہی کی اطاعت کر کے ہی کامیابی میسر آسکتی ہے۔

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی اس بے کسی کا ذکر فرمایا کہ تمہارے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ تم میرے دائرۂ حکومت اور دائرۂ اختیار سے باہر جا سکو۔ تم جہاں کہیں بھی



جاؤ گے، میری گرفت سے بچ نہیں سکتے ہو۔ جن وانس کو یہ یاد دہانی کرائی جارہی ہے، اس یاد دہانی سے انہیں گویا کہ اس بات پر آمادہ کیا جارہا ہے کہ تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو اور اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو جاؤ۔ اللہ کی بارگاہ میں جھکنے پر نجات کا راستہ دکھایا گیا ہے اس لیے یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ تو پھر تم اللہ کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اگر جہنم کا تذکرہ کیا ہے، عذابِ الٰہی کا تذکرہ کیا ہے، تو اسی لیے کیا ہے کہ انسان اللہ کے عذاب سے بچے۔ تو جو انسان اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا اور اللہ کی رحمت یقیناً اس کا انعام ہے، اس کی نعمت ہے جس کے بارے میں اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ: 36/35)

اگر تم بھاگنے کی کوشش کرو گے تو تمہارے اوپر بغیر دھوئیں کی آگ اور بغیر شعلوں کے دھواں مسلط کیا جائے گا تا کہ تم آگ سے جلو اور دھوئیں کی تاریکی میں کچھ نہ دیکھ سکو۔

نحاس کے معنی پگھلا ہوا تانبا بھی ہوتا ہے۔ یعنی آگ کے خالص شعلوں کے علاوہ پگھلا ہوا تانبا تمہارے اوپر انڈیلا جائے گا۔ اس وقت نہ تم اپنی مدد پر قادر ہو گے اور نہ کوئی دوسرا تمہاری مدد کرے گا۔ وہ انتہائی بے چارگی اور مجبوری کا عالم ہوگا۔ اس لیے لوٹ آؤ خدا کے حضور، باز آجاؤ اپنی سرکشی اور گناہوں سے، تا کہ ان تمام باتوں سے نجات پاسکو۔

دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عذاب کی خبر دے کر جن وانسان کو آگاہ کیا ہے کہ ابھی تم مادی حیات کی نعمتوں سے فیضیاب ہو، ابھی توبہ کرلو، گناہوں سے باز آجاؤ اور اللہ کی نعمتوں اور اس کی جنت کے مستحق بن جاؤ۔ اس طرح عذاب کے تذکرے اور اس سے بچنے کے لیے

جنت کے انعام کی جو ترغیب دی گئی ہے یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔ اس لیے ہر نعمت کے تذکرے کے بعد اللہ فرماتا ہے: پھر تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے والا سب سے بڑا احسان فرمانے والا ہوتا ہے۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے کہ لوگ آگ کے گڈھے کے کنارے آگ میں گرنا چاہتے ہیں اور میں ان کی کمر پکڑ کر کھینچنا چاہتا ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ آگ کے گڈھے میں گرنے والوں کو اگر بچایا نہ جائے تو یقیناً وہ آگ کے عذاب سے جل جائیں گے اور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اس لیے آگ سے بچانے والا ان کا محسن ہے اور یہ انعام بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لیے اس انعام کی بھی قدر کرو۔

اگر وہ عذاب کی خبر دے رہا ہے تو یہ خبر دینا بھی اس لیے ہے کہ تم آگ کے عذاب سے بچ سکو اور زندگی میں اللہ کی نعمتوں کے مستحق بن جاؤ۔ تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 38/37)

تو جب آسمان پھٹ کر گلاب کے پھول کی طرح سرخ اور چمڑے کی طرح ہو جائے گا۔ (جگہ جگہ سے پھٹا ہوا ہوگا) تو تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

قیامت کے دن یہ زمین و آسمان بدل دیے جائیں گے اور انجام کیا ہوگا؟ احادیث مبارکہ کی روشنی میں قیامت کے دن دو صور پھونکے جائیں گے۔ پہلے صور پر یہ زمین اور آسمان پھٹ جائیں گے اور پھر حشر کے دن دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس کی آواز سے لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ اس روز آسمانوں میں راستے ہوں گے جن سے کارکنان حشر فرشتے



اتریں گے۔ اس آیت کریمہ میں دوسرے آسمان کا ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ اس کے بعد ہی مجرموں اور دوزخ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 40/39)

اس روز نہ انسانوں اور نہ ہی جنوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟

یعنی قیامت کے دن گنہگاروں اور نیکوکاروں کی پہچان ان کے سیاہ چہروں اور نورانی صورتوں سے ہو جائے گی، سوال کی ضرورت نہ ہوگی۔ جب کہ قرآن کی دوسری آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ ان سے سوال کیا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ اعمالِ بد کیوں کیے؟ یہ برے کام تم نے کیوں کیے؟ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا۔ اللہ تو جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا ہے کیوں کہ فرشتوں نے باضابطہ اس کا ریکارڈ محفوظ رکھا ہے۔

اس لیے ان سے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ پوچھی جائے گی کہ تم نے یہ برائیاں کیوں کیں جب کہ تم میں انبیا جلوہ گر ہوئے انہوں نے ہدایت کی ساری راہیں کشادہ فرما دیں، دوزخ کے عذاب سے ڈرایا، وہ بشیر اور نذیر بن کر کے آئے، جنت کی نعمتوں کی بشارت دی، پھر بھی تم نے گناہ کیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یہ پوچھا جائے گا میدانِ قیامت میں مجرموں سے۔ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے گناہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اور اس دفتر میں بھی ہے جسے کراماً کاتبین نے محفوظ کر رکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حشر کے دن دوزخ کو محشر میں لایا جائے گا، دوزخیوں کے سامنے لایا جائے گا۔ اس وقت دوزخ کی آگ کی

شدت سے آسمان طرح طرح کے رنگ بدلے گا۔ کبھی آسمان کا رنگ گلابی ہو جائے گا اور کبھی سرخ۔ ان آیتوں میں اسی کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ قیامت جب برپا ہوگی تو اس میں عذابِ الٰہی کی شدت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔

یہاں تو دنیا کا یہ حال ہے کہ ہوس اقتدار کی تسکین کے لیے دنیا کو دوزخ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جب طاقتور قومیں ایٹمی دھماکے کرتی ہیں تو ملکوں اور شہروں کی فضا آگ کے شعلوں سے بھر جاتی ہے۔ تو جو حال ہوتا ہے وہ آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ تو وہ آگ ہے جو دنیا والے بھڑکاتے ہیں۔ پھر وہ آگ کتنی خطرناک ہوگی جو میدانِ محشر میں ہوگی اعاذنا اللہ من عذاب الدنیا والاخرۃ، اے اللہ ہم سب کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرمادے۔ (آمین)

ایک جواب یہ بھی ہے کہ میدانِ محشر میں سوال کیا جائے گا مگر جب جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو پھر سوال نہیں ہوگا۔ یا کسی غیر مجرم سے مجرم کے بارے میں سوال نہیں ہوگا، بلکہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود جواب دہ ہوگا۔ کوئی دوسرا کسی کے اعمال کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، اس لیے وہاں جو سوال ہوگا وہ صرف مجرم ہی سے ہوگا، غیر مجرم سے مجرموں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔

یا مجرموں سے اس لیے سوال نہیں کیا جائے گا کہ ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضا گواہی دیں گے۔ قرآنِ عظیم میں اس کا تذکرہ موجود ہے کہ جس روز جلد گواہی دے گی، اعضا گواہی دیں گے کہ دنیا میں ہم سے کیا کام لیا گیا۔ زبان پر مہر ہوگی، ہاتھ گواہی دیں گے، پیر گواہی دیں گے، آنکھیں گواہی دیں گی کہ ہم جس شخص کے اعضا اور جوارح ہیں اس نے ہم سے کس طرح کا کام لیا ہے۔ یہ برائیاں خود انسان کے اعضا



کے ذریعہ ظاہر ہو جائیں گی۔

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

جن اعضا اور جوارح کے ذریعہ وہ دنیا میں اپنی طاقت وقوت کو استعمال کرے گا وہی اعضا و جوارح قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس لیے بھی اس سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

اس لیے بھی سوال نہیں کیا جائے گا کہ قیامت کے دن نامۂ اعمال دائیں یا بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے فرشتہ ان کے نامۂ اعمال ان کے دائیں اور بائیں ہاتھ میں دیں گے۔ جب دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو کو یقین ہو جائے گا کہ ہماری نجات ہوگئی۔ اگر بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو یہ یقین ہوگا کہ اس کو نجات میسر نہیں آئی۔ آئیے ہم دعا کریں کہ پروردگارِ عالم ہمارے نامۂ اعمال ہمارے دائیں ہاتھ میں دے۔ بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے نہ دے۔

اے اہل ایمان! جب تم عذاب الٰہی اور قیامت کے خوف سے گناہوں سے بچو گے اور تمہارے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے اور تمہارے اعمال کا نور تمہاری رہنمائی کر رہا ہوگا اور جب تم جنت میں داخل کیے جاؤ گے، حوضِ کوثر سے سیراب کیے جاؤ گے، پل صراط سے برق رفتاری کے ساتھ گزر جاؤ گے اور جنت میں دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو گے تو کیا یہ سب اللہ کی نعمتیں نہیں ہیں، جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ تمھیں دینا چاہتا ہے مگر اس سے پہلے عذاب کی خبر دے کر تمھیں جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں سے بچانا چاہتا ہے۔ تو تم اللہ کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ○

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○(سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 52/51)

مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور پیشانی اور پیروں کے بل انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

کتنا دردناک عذاب ہوگا کہ مجرموں کو پیروں اور پیشانیوں کے بل جمع کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا، جیسے گیند پھینکی جاتی ہے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○(سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 45/44/43)

یہی وہ جہنم ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔جب مجرموں کو گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اس وقت فرشتے کہیں گے۔جب وہ جہنم کو دیکھیں گے تو فرشتے کہیں گے کہ یہی وہ جہنم ہے جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے تھے۔پھر وہ جہنم اور انتہائی گرم پانی کے درمیان گھوم رہے ہوں گے۔تو تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان عذابوں کی خبر دے کر تمہیں جہنم کے عذاب سے بچا نہیں لیا ہے؟ اگر تم بچ گئے تو یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔جب مجرموں کو جہنم میں گرایا جائے گا تو فرشتے ان سے کہیں گے کہ لو یہ جہنم ہے جو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔پھر وہ مجرم دوزخ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگا رہے ہوں گے۔

عالم یہ ہوگا کہ پیاس کی شدت سے وہ پانی پینا چاہیں گے لیکن جب وہ پانی کے قریب جائیں گے تو کھولتا ہوا چشمہ ہوگا، جس کو پئیں گے تو ان کی آنتیں کٹ جائیں گی۔پھر انہیں بھوک کی شدت پریشان کرے گی تو تھوہڑ کا درخت جو کانٹے دار اور انتہائی کڑوا ہوگا، وہ انہیں کھلایا جائے گا۔پھر پیاس کی شدت لگے گی تو وہی گرم اور کھولتا ہوا پانی انہیں پلایا جائے گا



یہ دردناک منظر ہوگا ان جہنمیوں کے لیے جو دنیا میں اللہ کی نعمتیں تو کھاتے تھے اور اللہ سے بغاوت کر کے وہ چیزیں بھی استعمال کرتے تھے جنہیں اللہ نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اس لیے وہاں ان کو کھانے پینے میں سزا دی جائے گی۔یہ کیفیت جہنم میں ہوگی۔جب بھی بھوک لگے گی تو تھوہڑ کا درخت دیا جائے گا جو کانٹے دار ہوگا اور شدید کڑوا ہوگا اور پیاس لگے گی تو پھر وہی کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔

ہوتا یہ ہے کہ انسان جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو موت کی تمنا کرتا ہے۔لیکن وہاں یہ عالم ہوگا کہ وہ سرگرداں ہوں گے، کبھی جہنم کی آگ میں گھوم رہے ہوں گے، کبھی گرم پانی پی رہے ہوں گے، کبھی تھوہڑ کے درخت کو کھا کر کے اپنے معدے کی تپش کو بجھانا چاہتے ہوں گے، وہ اور بڑھ جائے گی۔یہ کیفیت انتہائی دردناک ہوگی۔اللہ ہر مومن کو، ہر مسلمان کو عذابِ جہنم سے بچالے۔اتنی تکلیف کے باوجود کہ ان کی آنتیں پھٹ جائیں گی، اس کے باوجود وہ زندہ رہیں گے۔ان کے ساتھ قیامت میں بار بار یہی عمل ہوگا۔اس لیے کہ پوری زندگی انہوں نے اپنے رب کے احکام کی نافرمانی کی اور شریعت مطہرہ اور جہنم کے عذاب کا مذاق اڑاتے رہے اور قدرت کا انکار کرتے رہے، اس لیے ان کو یہ سزا دی جائے گی۔لوگ موت کی تمنا کریں گے مگر موت نہیں آئے گی۔اس لیے کہ موت کا تعلق دنیا سے تھا، دوزخ میں موت نہیں ہے۔عجیب عالم ہوگا

غم سے گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

اللہ ہمیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں، آپ کو اور دنیا کے تمام مسلمانوں کو جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمادے۔

## خطاب نمبر (۵۶)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْمُرْسَلِیْنَ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ○
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

درس وتدریس سے پہلے آئیے ورد صلوۃ وسلام کرلیں۔

أللّٰھم صل علیٰ محمد النبی الأمی وعلیٰ أله وسلم تسلیمًا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔
پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

سبحان اللہ! خشیت الٰہی کا یہ انعام ہے کہ جو لوگ اللہ سے ڈریں گے انہیں دو جنتوں سے نوازا جائے گا۔ ایک جنت ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے اور دوسری جنت خشیت الٰہی کی بنیاد پر۔ یہ انعام ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے۔ ایک جنت جسمانی آرام کے لیے ہے اور



دوسری جنت روحانی ارتقا کے لیے ہے جس کے ذریعہ وہ عالم غیب کے مشاہدات کرے گا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ میدان قیامت میں خدائے ذوالجلال کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے اعمال کی پرسش کا خوف یا پھر ہر لمحہ خدا کے شہید وبشیر ہونے کا یقین کہ جہاں کہیں بھی ہے۔ انسان خدا کی بارگاہ میں حاضر ہے اور اللہ اس کے جملہ اعمال اور حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے نفس کی خواہش سے مغلوب ہو کر ارتکاب گناہ کا ارادہ کرے اور پھر خوفِ الٰہی سے باز آجائے اور نفس کے ارادے سے سچی توبہ کرلے۔

اس آیت کے شانِ نزول میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دودھ پیش کیا گیا، انہوں نے پی لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ دودھ حلال نہیں تھا۔ تو انہوں نے اپنے حلقوم میں انگلیاں ڈال کر دودھ کی قے کردی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے اور پھر آپ نے تلاوت فرمایا: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ۔ اس سے جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مفسرین نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ انہیں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

مفسرین کرام نے جَنَّتٰنِ کی اور بھی تفسیریں پیش فرمائی ہیں۔ ایک جنت چاندی کی ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ چاندی کا ہے اور ایک جنت سونے کی ہے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ سونے کا ہے۔

ایک روایت اور بھی ہے کہ جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قیامت کے مناظر پہ غور کیا تو فرمایا: کاش! میں کوئی سبزہ یا گھاس ہوتا جس کو کوئی جانور کھا جاتا۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ وہ عظیم ذات جو زندہ رہے تو یارِ غار بن کر کے اور آرام فرما رہے ہیں

تو یارِ مزار بن کر کے۔ جن کی طاقت وقوت کا یہ عالم تھا کہ بدر ہو، خیبر ہو، خندق ہو، فتح مکہ ہو یا پھر آقا کے وصال کے بعد کی دوسری جنگیں ہوں، جنہوں نے عظیم طاقت وقوت اور استقلال کا مظاہرہ فرمایا۔ جب انہوں نے حکومت سنبھالی تو دشمنوں کے تین محاذ کو شکست دی۔ مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی، مسیلمۂ کذاب کی بہت بڑی طاقت کو شکست دی اور رومیوں کی طاقت کو شکست دی۔ جن کی طاقت کے سامنے روم لرزہ براندام ہو وہ خدا کی بارگاہ میں کس قدر لرزیدہ نظر آتے ہیں اور خشیت الٰہی سے کس قدر کانپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو ان عظیم انسانوں کے حوالے سے ہیں۔ حضرت مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ایک جنت جنت عدن ہے اور دوسری جنت جنت نعیم ہے۔ یہ دونوں جنتیں صدیقین، شہدا اور صالحین کے لیے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں جنتیں کیا ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: یہ جنت کے وسط میں دو باغ ہیں اور ہر باغ نور کے گھروں میں سے ایک گھر ہے، ہر باغ اللہ کی نعمتوں سے مملو ہے۔ اس کے درخت اگے ہوئے ہیں اور ان کے پتے انتہائی سبز ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک جنت متقی اور پرہیز گار مومن کی ہے اور دوسری جنت ان کی جنتی ازواج مطہرات کے لیے ہیں۔ حق یہ ہے کہ دو جنتوں کے بارے میں یہ سارے اقوال صحیح ہیں اور یہ ساری نعمتیں وہاں موجود ہوں گی۔ وہ سب کچھ ہوگا جس کا تذکرہ آقائے دو عالم حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور ان کی اتباع میں مفسرین کرام نے تفسیر فرمائی ہے۔ اللھم ارزقنا من نعماء الجنۃ۔ آمین یارب العالمین۔

بعض لوگ لوگوں کے ڈر سے برے کام چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ ان کو رسوائی نہ ہو اور



دنیوی سزا نہ ملے۔ تو ان کے لیے جنت کا وعدہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ (سورۃ المائدۃ الآیۃ:44)

تم لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو۔ اگر گناہوں کو چھوڑتے ہو تو میرے خوف سے چھوڑو، برائیوں سے باز آجاتے ہو تو میرے خوف سے۔ ایک اور مقام پر خشیت الٰہی کے انعام میں جنت کے انعام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ (سورۃ النازعات الآیۃ:41/40)

جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے خیال سے خوفزدہ ہو اور اپنے نفس امارہ کو بری خواہشات سے روکے تو یقیناً اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔

سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک پرہیز گار نوجوان تھا، جو عبادت کی غرض سے ہمیشہ مسجد میں رہتا تھا۔ ایک عورت اس پر عاشق ہوگئی اور ایک مرتبہ موقع پا کر اس نے اسے گناہ کی دعوت دی۔ اس کے دل میں بھی ایک لمحے کے لیے گناہ کا خیال پیدا ہوا مگر خشیت الٰہی غالب ہوگئی اور وہ چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش آیا تو اس نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ حضرت عمر کے پاس تشریف لے جائیں اور ان سے پوچھیں کہ جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا ہو اس کی جزا کیا ہے؟

ان کے چچا حضرت عمر فاروق کے پاس گئے اور یہی سوال کیا۔ مگر اس نوجوان نے پھر چیخ ماری اور انتقال ہوگیا۔ جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: تمہارے لیے دو جنتیں ہیں۔

صحابۂ کرام کی خشیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی صحابیت کے باوجود، منصب صحابیت

پانے کے باوجود اللہ سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے تھے، اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور احتساب کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔

خلیفۂ اول یار غار رسول جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، اور بھی صحابۂ کرام ساتھ تھے۔ آقائے دو جہاں نے ایک باغ میں تھوڑی دیر کے لیے قیام فرمایا۔ باغ کے مالک نے کھجوروں کے تازہ خوشے بارگاہِ رسول میں پیش کیے۔ اللہ کے رسول تاجدارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ خوشے صحابۂ کرام میں تقسیم کر دیے۔ جناب صدیق کھجور کو کھانا ہی چاہتے تھے کہ آقائے دو عالم نے فرمایا: صدیق! ان تازہ کھجوروں کا حساب دینا ہوگا۔ اتنا سننا تھا کہ ان کے ہاتھ کانپے اور کھجور ہاتھ سے گر گئی۔ یہ خشیت الٰہی کا وہ منظر ہے جو صحابۂ کرام نے خود ہی ملاحظہ فرمایا۔

جناب صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان عظیم صحابہ میں سے ہیں جن کو انبیا کے بعد افضل البشر کہا گیا ہے، جن کے جنتی ہونے کی بشارت سرورِ کائنات نے بارہا دی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا خوف اور اپنی نعمتوں کی جوابدہی کا احساس انہیں بھی لرزہ براندام کر دیتا تھا۔ اس طرح کے کتنے ہی واقعات ہیں کہ جب بھی صحابۂ کرام کے سامنے آخرت اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ ہوتا تو وہ کانپ جاتے تھے۔ وہ صحابہ جن کی عظمت کا احساس صبح قیامت تک انسانیت کرتی رہے گی، جنہیں سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور صرف زیارت ہی نہیں بلکہ اکابر صحابہ نے دین کی اشاعت میں آقائے دو جہاں کے ساتھ تمام زحمتیں برداشت کیں، تکلیفیں اٹھائیں اور سفر و حضر میں آقائے دو جہاں کی صحبت میں رہے، جنگوں میں پروانہ وار ان کی ذات پر نچھاور ہوتے رہے، اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اس کے باوجود اللہ کی خشیت ان کے دلوں میں تھی۔



خلیفۂ دوم سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کے بارے میں سرکار نے فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَّكَانَ عُمَرُ

(سنن الترمذی، أبواب المناقب، باب فی مناقب أبی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الرقم: 3686)

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

ان کا یہ مقام اور مرتبہ ہے۔ یہ وہ ذات ہے جس کے نام سے قیصر و کسریٰ کی طاقتیں لرزتی رہتی تھیں۔ جنہوں نے بیک وقت دنیا کی دو سپر واپرس کو شکست دی۔ جنہوں نے اپنے دور خلافت میں پینتیس لاکھ مربع میل کے دائرے میں اسلام کا پرچم بلند کیا۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ کتنی عظیم شخصیت ہیں۔

لیکن خشیت الٰہی کا عالم جانتے ہیں کیا ہے؟ نماز فجر میں اکثر سورۂ کہف اور سورۂ طٰہٰ کی تلاوت فرماتے، تو آپ اس قدر روتے کہ آپ کے رونے کی آواز مسجد کے باہر تک سنی جاتی تھی۔ نماز فجر میں سورۂ یوسف کی تلاوت کرتے اور جب اس آیت کریمہ پر پہنچتے: اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ، میں اپنے غم اور حزن کا شکوہ صرف اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں، تو روتے ہوئے ہچکی بندھ جاتی اور آواز نہیں نکل سکتی تھی۔ یہ تھا صحابۂ کرام کی خشیت کا عالم۔ یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کا جو نظام انہوں نے قائم فرمایا، آج تک دنیا اس سے بہتر نظام کو نہ دیکھ سکی۔ اس لیے کہ خشیت الٰہی نے انہیں عدل اور انصاف کے اعلیٰ ترین قدروں سے نوازا تھا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: جس نعمت کی بنیاد پر تم جنتوں کے مستحق ہو رہے ہو اور تمہارے نصیبہ میں، تمہارے حصہ میں دو جنتیں دی جا رہی ہیں، کیا یہ جنتوں کا حصول اللہ کا احسان نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اس کے بعد جنت کی کیفیات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ جنت کیسی ہوگی، وہاں کیا ہوگا، کن

کن نعمتوں سے فیضیاب کیا جائے گا۔ اس سے پہلے جہنم کا تذکرہ ہو چکا ہے تا کہ انسان ایک طرف جہنم کے خوف سے اللہ کی عبادت کرے اور جہنم سے پناہ مانگے اور دوسری طرف جنت کی خواہش اسے نیکیوں کی طرف مائل کر سکے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○

(سورۃ الرحمٰن الآیۃ: 49/48)

بہت سی شاخوں والیاں۔ پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

ایک ایک نعمت کو شمار کرا کے بار بار یاد دہانی کرائی جا رہی ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ جن دو جنتوں کا تذکرہ فرمایا گیا ان کے اشجار میں بہت سی شاخیں ہوں گی اور ڈالیوں میں سیکڑوں قسم کے پھل اور پھول لگے ہوں گے، جو نگاہوں کو فروغ اور قلب کو مسرت کا سامان فراہم کر رہے ہوں گے۔

یاد رہے کہ جنت کے درختوں کی شاخیں اور ان پر لگے ہوئے پھول اور پھل دنیا کی طرح نہ ہوں گے اور نہ ہی ان کی شادابی کی مثال دنیا میں موجود ہے۔ نہ ہی ان کے پھولوں کی رنگت اور ان کی نکہتیں دنیا جیسی ہوں گی اور نہ ہی ان کے پھلوں کا ذائقہ دنیا جیسا ہوگا۔ اگر جنت کے پھلوں کا ایک قطرہ بھی دنیا میں کسی کی زبان پر ٹپک جائے تو قیامت تک اس کی لذت اور کیف و سرور میں ڈوبا رہے گا۔ پھلوں کے نام، درختوں کا تذکرہ اور ان کی شاخوں کا گھنا ہونا یہ سب انسانوں کی تقریب فہم کے لیے ہے۔ ورنہ جنت کا تو یہ عالم ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دنیا میں دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے جنت کی نعمتوں کے بارے میں سنا ہوگا۔

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○

(سورۃ الرحمٰن الآیۃ: 51/50)



ان میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یہ دو چشمے ہمیشہ جاری رہیں گے۔ ان میں سے ایک مشک کے منبع سے نکلے گا اور دوسرا پانی کے شفاف چشمے سے۔ ایک کا نام تسنیم ہوگا اور دوسرے کا نام سلسبیل ہوگا۔ کتنی نعمتیں ہیں اللہ کے نیک بندوں کے لیے۔ میدان محشر میں کوثر ہے اور جنت میں تسنیم اور سلسبیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ چشمے دنیا کے چشموں سے زیادہ وسیع و عریض ہوں گے۔ ان چشموں کی مٹی کافور کی، ان کی کنکریاں سرخ یاقوت اور سبز زبرجد کی، ان کے دونوں کنارے زعفران کے ہوں گے۔

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چشمے ان لوگوں کے لیے ہوں گے جن کی دونوں آنکھیں محبت الٰہی اور خشیت پروردگار سے آنسو بہانے والی ہوں گی۔ تو ان چشموں کا جاری ہونا اللہ کی بے پناہ رحمت ہے اور بہت بڑا انعام ہے۔ تو اللہ فرماتا ہے: تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○

(سورۃ الرحمٰن الآیۃ: 53/52)

ان میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہیں۔ تو تم اللہ کی کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان اور تقویٰ کی ضیافت کے لیے جنت میں ہر طرح کی نعمتیں موجود فرما دی ہیں۔ وہاں کے پھل ہمیشہ تازہ اور ذائقے میں شیریں ہوں گے۔ مگر شیریں ایسے نہیں کہ چند بار کھانے کے بعد طبیعت اکتا جائے۔ بلکہ ہر بار ایک نیا ذوق ملے گا۔ کام و دہن کے لیے ایک نئی کیفیت ہوگی۔ اس کے ذائقے محدود نہیں بلکہ لامحدود ہوں گے۔ وہ ہمیشہ نئی حیثیتوں کے ساتھ اپنے کھانے والوں کے لیے مسرتیں فراہم کریں گے۔

بعض مفسرین نے زَوجٰن کی تفسیر یہ کی ہے کہ دو طرح کے پھل اس طرح ہوں گے کہ ایک کے ذائقے کو تم نے دنیا میں قدرے محسوس کیا ہوگا اور اسی نوع کا دوسرا پھل ایسا ہوگا جو نام کے اعتبار سے ممکن ہے دنیا کے پھل کے جیسا ہو مگر ذائقہ ایسا ہوگا کہ دنیا میں جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ایک مفہوم یہ ہے کہ دو ہرے اعمال کا بدلہ دو دو جنتیں ہیں۔ جو لوگ فرائض کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ کے ساتھ صدقات نافلہ بھی ادا کرتے ہیں، ان کو دو جنتوں اور دو ہرے پھلوں سے نوازا جائے گا۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ○
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:55/54)

ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے جن کے استر اعلیٰ قسم کے دیباج اور قتادیز کا ہوگا اور ان دونوں جنتوں کے میوے ان کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (وہ اپنی نشست گاہ ہی سے اسے توڑ سکیں گے۔) تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

جناب سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جب ان کے بستروں کا استر ایسا ہوگا تو بالائی حصہ کیسا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: قرآن سے سنو! قرآن پاک نے فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (سورۃ السجدۃ، الآیۃ:17)

کوئی بھی جان نہیں جانتی کہ جنت میں اہل جنت کے لیے کون سی نعمتیں پوشیدہ رکھی ہیں، جو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرسکیں گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ان نعمتوں سے نوازے۔ آمین



## خطاب نمبر (۵۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ○
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ○
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

درس قرآن سے پہلے آیئے ورد صلوۃ وسلام کرلیں۔

أللّٰهم صل علىٰ محمد النبي الأمي وعلىٰ أله وسلم تسليمًا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اس میں شرم وحیا کی بنا پر نیچی نگاہ رکھنے والی ہیں، جنہیں جن وانس نے کبھی چھوا بھی نہ ہوگا۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (سورۃ الرحمٰن، الآیۃ:57/56)

اس آیت شریفہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کی حوروں اور جنتی عورتوں کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ وہ قاصرات الطرف ہیں۔ جس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ وہ نیچی نگاہ رکھنے

والی، پیکر شرم وحیا ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے جنتی شوہروں کے علاوہ انہوں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا اور انہیں انسانوں یا جنات نے کبھی چھوا بھی نہیں۔ اتنی عظیم نعمت ان لوگوں کو عطا کی جائے گی جو بفضل الٰہی جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم اپنے اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ اللہ مزید ارشاد فرما رہا ہے:

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

(سورۃ الرحمٰن، الآیات:58/59)

گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ یعنی وہ اپنے حسن و جمال اور شکل وصورت کے اعتبار سے یاقوت اور مرجان کی طرح ہوں گی۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

عورت کا سب سے بڑا کمال اور سب سے بڑا داخلی حسن اس کی شرم اور اس کی حیا ہے۔ اسی لیے تو حیا کو نصف الایمان قرار دیا گیا ہے۔ دنیا میں وہ مرد اور وہ عورتیں جنہوں نے دنیا میں حیا کے تقاضوں کو پورا کیا اور نامحرموں سے اپنے کو دور رکھا، اپنی نگاہوں کو پاکیزہ رکھا، بدنظری سے اپنی نگاہوں کو معصیت زدہ نہ کیا۔

یہ نہ صرف یہ کہ جنت کی عورتوں اور حوروں کا تذکرہ ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ قرآنِ عظیم اہل ایمان خواتین کو، مومنات کو یہ آگاہ فرما رہا ہے کہ تمہیں کیسا ہونا چاہیے، شرم کے اعتبار سے، حیا کے اعتبار سے۔ حیا میں عورت کی عصمت اور نسوانیت ہمیشہ محفوظ رہتی ہے۔ افسوس کہ آج کے مغربی معاشرے میں حیا عنقا اور عصمت ایک جنس نایاب ہے۔ جس کے نتیجے میں جنسی بے راہ روی عام ہوگئی ہے اور انسانی معاشرہ جانوروں سے بدتر ہو چکا ہے۔ حیا کو ختم کرنے کے لیے بے حیائی کے ہزاروں مناظر آج انسانوں کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ آج کا میڈیا، آج کی فلمیں، آج کے ٹیلی وژن، آج کے بازار، ناچ اور رنگ کی محفلیں، مخلوط طرز



زندگی، یہ سب حیا باختگی کے مظاہر بھی ہیں اور محرکات بھی ہیں۔

جب آنکھوں کا پانی ڈھل جائے اور چہرے پر حیا کا نور نہ ہو تو انسان بدترین قعر مذلت میں گرتا چلا جاتا ہے۔ آج کے انسان کا یہی حال ہے۔ وہ لوگ جو حیادار ہیں، باغیرت ہیں، عفت وعصمت کی حفاظت کرنے والے ہیں، انہیں آج پسماندگی اور بیک ورڈنیس (Backwordness) کا طعنہ دیا جاتا ہے اور اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ انہیں بھی آج کے زہریلے اور بے حیا ماحول میں کھینچ لایا جائے۔

سسٹم ایسا بنا دیا گیا ہے کہ نظام تعلیم ہو یا اور دوسرے ادارے ہوں، وہاں حیا کا محفوظ رہنا ناممکنات میں سے ہوگیا ہے۔ عالم یہ ہے کہ بے شرمی اور بے حیائی کے ماحول میں انسان، مرد ہوں یا عورت، وہ جو بھی چاہتے ہیں کر رہے ہیں۔ اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ، جب شرم نہ ہو تو جو چاہو کرو۔ بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔

یہ بے حیائی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ کچھ دنوں میں حال یہ ہو جائے گا کہ لفظ حیا لغت میں سے نکال دیا جائے گا یا اس کا مفہوم ہمیشہ کے لیے ذہنوں سے اوجھل ہو جائے گا۔ ایسے دور میں قرآن پاک کی تعلیمات کی بے پناہ ضرورت ہے۔ صرف مسلمانوں ہی کو نہیں، بلکہ دنیا کی ان تمام اقوام کو جو بے حیائی اور بے شرمی کی بنیاد پر عزت نفس کو فروخت کرتی نظر آتی ہیں اور دولت اور سرمائے کی چوکھٹ پر آبرو باختگی کا بدترین منظر پیش کر رہی ہیں۔

مسلمانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عفت اور عصمت کو، حیا اور غیرت کو آج کے دور میں اس طور پر پیش کریں کہ آج کا انسان بھی اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ وہ نقصانات جو بے حیائی اور بے شرمی سے پھیلے ہوئے ہیں ان نقصانات کا احساس دلایا جائے۔ بکھرتا ہوا معاشرہ، بجھتی ہوئی نبض انسانیت، لٹتا ہوا انسانی وقار یہ سب آج کے معاشرے کی

دین ہے جس میں انسان مبتلا ہوتا چلا جا رہا ہے۔

قرآن عظیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنتی عورت کے حقیقی حسن کا جو تذکرہ فرمایا ہے وہ حیا اور پردہ ہے، عفت وعصمت ہے۔ پہلے ان کی حیا وغیرہ کا تذکرہ ہوا، اس کے بعد ان کے جسمانی حسن کا تذکرہ اللہ فرما رہا ہے۔ اس ترتیب سے یہ معلوم ہوا کہ اگر حیا نہیں ہے، عصمت نہیں ہے، نگاہوں کا پردہ نہیں ہے، تو پھر جسمانی حسن سراسر عذاب ہے، افراد کے لیے بھی اور اقوام کے لیے بھی۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ، گویا اپنے چہروں کے اعتبار سے وہ یاقوت ہیں۔ یاقوت سرخ ہوتا ہے، ان کے چہرے سرخی مائل ہیں اور اپنے بدن کے اعتبار سے یہ جنتی حوریں، یہ جنتی عورتیں سفید اور روشن مرجان کی طرح ہیں، موتیوں کی طرح ہیں۔

میں جنتی عورتوں اور جنتی حوروں کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ دنیا میں خواہ ایک پاکیزہ، باغیرت، باوقار، پرہیزگار خاتون چہرے مہرے کے اعتبار سے جیسی بھی ہو، جب وہ جنت میں جائیں گی تو ان کا حسن، ان کا جمال حوروں کی طرح ہوگا یا اس سے بڑھ جائے گا۔ یہ اللہ کا انعام ہوگا جو انہیں عطا کیا جائے گا۔

دنیا میں حسن کی مختلف تعبیرات ہیں، مگر اس سے بہتر تعبیر کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک عورت کے حقیقی حسن میں شرم، حیات، عفت، پاکدامنی کے بعد ان کے جسمانی حسن اور چہرے مہرے پہ نظر کی جائے گی یا اس کو حسن کے خانے میں رکھا جائے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ عورت اگر شرم حیا اور عفت وعصمت کے جوہر سے محروم ہو جائے تو اس کی حیثیت گھورے پر اگنے والی سبزی کی طرح ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جہاں گندگی پھینکی جاتی ہے، جیسے ہی موسم برسات آیا اور بارش ہوئی تو وہاں سے سبزی اگتی ہے جو بے پناہ ہری اور انتہائی خوبصورت معلوم ہوتی



ہے۔ لیکن اگر آپ ان پودوں کو اکھیڑیں جو گندگی کے ڈھیر اور گھورے سے ابھرے ہیں تو ہر پودے کے نیچے آپ کو گندگی اور بدبو نظر آئے گی، جس سے آپ نفرت کریں گے۔

یہی حال ان عورتوں کا ہے جو ظاہری حسن وجمال کے اعتبار سے پرکشش تو ضرور ہیں لیکن جب ان کے کردار، ان کے اخلاق، ان کی زندگی اور حسن فروشی کا آپ جائزہ لیں تو گندگی کے علاوہ آپ کو کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اس لیے فرمایا گیا ہے:

اِيَّاكُمْ وَخَضْرَآءِ الدِّمَنِ۔ تم خود کو گھورے کی سبزے سے بچاؤ۔

(کتاب جامع الأحادیث [السیوطی] کتاب الکنی، مسند أبی سعید الخدری، الرقم: 41843)

جنت کی عورتوں اور حوروں کا حسن، ان کی عفت وپاکدامنی، نگاہوں کی پاکیزگی کے اندر پوشیدہ ہے۔ دنیا کی جو عورتیں ان خصوصیات کی حامل ہیں وہ بھی جنتی حوروں کی طرح تصور کی جائیں گے۔ دنیا میں جو عورتیں ہیں، ابھی جنت میں وہ گئی نہیں ہیں مگر پاکیزہ کردار کی حامل ہیں، شرم وحیا کے زیور سے آراستہ ہیں، عفت وپاکدامنی کے اعلیٰ معیار پر ہیں، اپنی غیرت کے تحفظ کے لیے ہمیشہ وہ پابند شریعت رہتی ہیں، تو ان کی حیثیت بھی جنتی حوروں کی طرح سے ہے۔ آج دنیا کے مردوں کے لیے ایسی پاکیزہ عورتیں اللہ کا انعام ہیں اور ایسی دنیا کی عورتوں کے لیے اس طرح کے پاکیزہ اور حیادار مرد اللہ کا انعام ہیں۔ جس طرح سے جنت میں حوروں کا قرب اور جنتی عورتوں کے ذریعہ اہل تقویٰ اور اہل ایمان کو ایک انتہائی پرسکون اور باوقار زندگی ملے گی، اسی طرح اگر دنیا میں بیوی اور شوہر دونوں پاکیزہ کردار کے مالک ہوں اور اسلامی اخلاق وآداب کو ملحوظ رکھتے ہوں تو دنیا کا ہر گھر جنت بن جائے گا۔ پھر یہ عارضی جنت جو ہمارا گھر ہے یہ ہم کو دائمی جنت سے ہمکنار کر سکے گا۔

قرآن عظیم میں حوروں کی تعریف اس لیے نہیں کی گئی ہے کہ انسان حوروں کی

خواہش میں عبادت کرے۔ بلکہ عورتوں اور حوروں کی تعریف کر کے اللہ نے انسانوں کو یہ سلیقہ دیا ہے کہ تم اگر اپنے گھر کو جنت بنانا چاہتے ہو اور سکون اور عافیت کا مرکز بنانا چاہتے ہو تو پاکیزگی اختیار کرو، طہارت اختیار کرو۔

آج کے دور کی بے راہ روی، بے پردگی اور جنسی بے اعتدالی نے ہر گھر کو جہنم میں تبدیل کر دیا ہے۔ آج جس قدر کثرت سے طلاقیں ہوتی ہیں، گھر میں جس قدر زیادہ جھگڑے ہوتے ہیں، وہ اسی لیے ہوتے ہیں کہ بیوی بھی آزاد ہے اور شوہر بھی آزاد ہے، وہ بھی غیرت فروش ہے اور یہ بھی عفت فروش ہے، محرم اور غیر محرم کا کوئی فرق نہیں ہے، کس سے ملنا ہے اور کس سے نہیں ملنا ہے اس کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کے نتیجے میں ہزاروں برائیاں جنم لے رہی ہیں۔

متمدن ملکوں میں طلاق کی شرحیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ اب وہ نکاح کو ضروری نہیں سمجھ رہے ہیں اور غیر متمدن ملک بھی اسی راستہ پر چل رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اعتماد جو میاں بیوی کے درمیاں ہونا چاہیے، وہ اعتماد ختم ہو گیا ہے۔ وہ پاکیزہ رشتہ جو صرف جسمانی نہیں بلکہ روحانی رشتہ ہے، اس رشتے کی قدر بھی ختم ہو گئی ہے۔

دنیا میں انسانوں کو جو سب سے پہلا رشتہ میسر آیا ہے وہ میاں اور بیوی کا رشتہ ہے ماں باپ کے رشتہ سے پہلے یہ رشتہ وجود پذیر ہوا ہے۔ یہ رشتہ جنت میں جناب آدم اور حوا علیہما السلام کے درمیان قائم کیا گیا ہے۔ پھر انہیں دنیا میں اتارا گیا ہے۔ یہ رشتہ قیامت تک اہل ایمان میں قائم رہے گا۔ اس لیے کہ یہ جنت سے نازل ہوا ہے، یہ جنتی رشتہ ہے۔ جنت میں جانے کے لیے وہی پاکیزگی اور وہی عفت مآبی اختیار کرنی ہوگی جو اہل جنت کا شعار ہے۔

دنیا میں جو نیک بیویاں نیک مردوں کے عقد میں تھیں وہ جنت میں بھی ان کے عقد میں ہوں گی۔ میاں اور بیوی کا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ موت کے بعد ختم ہو جائے۔



دین کی بنیاد پر، اخلاق کی بنیاد پر، تقویٰ کی بنیاد پر، ایمان کی بنیاد پر یہ رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ انتقال کے بعد بھی جنت میں میاں بیوی دونوں جمع کر دیے جائیں گے اور بیویوں کو جنتی حوروں سے زیادہ حسن عطا کیا جائے گا۔ پھر وہ رشتہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔

دنیا میں موت کے ساتھ میاں بیوی جدا ہو جاتے ہیں لیکن جنت میں جدائی نہیں ہوگی۔ ایک دفعہ جمع کر دیے گئے تو پھر ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہر آن وہ نئی کیفیتوں سے ہمکنار ہوں گے۔ یہ وہ عورتیں ہوں گی جنہوں نے اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کی ہوگی، اگر ان کا شوہر بھی اسی کردار کا مالک ہے تو وہ جنت میں بھی اپنے شوہروں کے ساتھ رہیں گی۔ یا عورتیں نیک ہوں گی مگر شوہر بدکردار ہوگا تو ان نیک عورتوں کو نیک مردوں کے حوالۂ عقد میں دے دیا جائے گا، ان کی شادی کر دی جائے گی اور بدکردار شوہر کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دنیا کی نیک بیویاں افضل ہوں گی یا جنت کی حوریں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: دنیا کی نیک بیویاں جنت کی حوروں سے افضل ہوں گی۔ جیسا کہ لحاف کا اوپر والا حصہ نیچے والے حصہ سے بہتر ہوتا ہے۔ انہوں نے سوال کیا کہ یہ کیوں کر ہوگا؟ تو حضور نے فرمایا کہ وہ عورتیں اپنی نمازوں، اپنے روزوں اور اپنی عبادات کے باعث حوروں سے افضل ہوں گی۔ اس لیے کہ حوریں بھی تسبیح تو کرتی ہوں گی لیکن وہ تکلیفات شرعیہ جو یہاں انسانوں کو عطا کی گئی ہیں، اس سے وہ بے نیاز ہیں۔ تو انہیں ان عبادتوں کا صلہ یہ دیا جائے گا کہ انہیں دائمی زندگی ملے گی اور حوروں سے زیادہ حسن وجمال عطا کیا جائے گا۔

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ان کے چہروں کو نورانی بنا دیا جائے گا، ان کے جسم ریشم سے زیادہ نرم، ان کے چہرے سفید، ان کے لباس سبز، ان کے زیورات سونے

کی طرح زرد، ان کی انگوٹھیاں موتی کی طرح، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور وہ اللہ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پا کر کہیں گی: آگاہ ہو جاؤ کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں، ہمیں اب موت کبھی نہیں آئے گی۔ ہم حسن مآب اور نازک جسموں والیاں ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے حصہ میں ہم آئیں یا وہ ہمارے حصہ میں آئے۔ اس کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○

(سورۃ الرحمٰن، الآیات: 61/60)

نیکی کا بدلہ تو صرف نیکی ہی ہے۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

یعنی دنیا میں جو نیک کام کرو گے آخرت میں اس کا بہترین انعام دیا جائے گا۔ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ پہلے احسان سے مراد کلمۂ شہادت اور تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ اس میں تمام نیکیاں آجاتی ہیں۔ اس لیے کہ کلمۂ شہادت دراصل اسلامی نظام عقائد و اعمال کے لیے حلف وفاداری ہے۔ اس میں اسلامی عقائد، معاملات اور حقوق سب داخل ہیں۔ چنانچہ جو شخص ماں باپ یا کسی کے ساتھ حسن سلوک کرے گا وہ اس احسان میں داخل ہوگا۔ مگر شرط ایمان ہے۔ دوسرے احسان سے مراد جنت ہے۔ تم دنیا میں نیک اعمال کرو گے یہ احسان ہے، اللہ اس کے بدلے میں جنت دے گا یہ دوسرا احسان ہے۔ چوں کہ اوپر کی آیات میں جنت کا تذکرہ ہے اس لیے احسان سے مراد جنت ہی ہے۔

ایک مرد مومن کے لیے اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اس کو دنیا کی نیکیوں کے بدلہ میں جنت کی دائمی لافانی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ دنیا فانی ہے، چند روزہ ہے اور دنیا کے اعمال بھی چند روزہ ہی ہیں۔ مگر دنیا کے چند روزہ اعمال کے بدلہ میں اسے خلود فی الجنہ اور بے شمار لافانی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔



حضور سرورِ کائنات سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم ہے هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کا مطلب کیا ہے؟ صحابہ ہمیشہ کہا کرتے تھے: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

یہ شرک نہیں ہے۔ اللہ کے علم کے ساتھ رسولِ پاک کے علم کو ملانا صحابۂ کرام کا معمول ہے۔ سیکڑوں احادیث مبارکہ میں آپ کو یہ انداز ملے گا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، اللہ جانتا ہے اور اس کے رسول جانتے ہیں۔ اللہ ذاتی طور پر جانتا ہے اور رسول اس کی عطا سے اور اس کی وحی پاک سے جانتے ہیں۔ مگر جانتے رسول بھی ہیں۔

تو صحابۂ کرام نے کہا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ جس پر میں نے توحید کا انعام فرمایا اس کی جزا جنت ہے۔

ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ، جو لا الہ الا اللہ کہے گا جنت میں داخل ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلمۂ شہادت کا اقرار انسان کی اصل ہے اور اس کی جزا جنت ہے۔

جنت کے انعام کے ذکر کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے: تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہاں ملحدین اور مادّہ پرستوں کے ایک سوال کا جواب دینا چاہوں گا، جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے انسانوں کو جنت کی لالچ دے کر اور حورانِ بہشتی کی خواہش پیدا کر کے اسلام لانے پر آمادہ کیا ہے۔ یہ ظالم یہ نہیں سمجھتے کہ یہ لالچ نہیں ہے بلکہ انعام ہے۔ اس لیے کہ قرآن نے اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔

ذرا غور فرمائیں کہ دنیا دار، بے دین معاشرے کے افراد دنیا کی لذتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ دن رات شراب و شباب کی مستیوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔ حرام کی کمائی

سے محلات تعمیر کرتے ہیں۔ دولت کی بنیاد پر عصمتوں کا سودا کرتے ہیں۔ ایک بیوی کے علاوہ بہت سی داشتائیں رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک مومن اور متقی ان تمام باتوں سے پرہیز کرتا ہے۔ نہ اس کے پاس ناجائز دولت کا انبار ہوتا ہے، نہ شراب وکباب کی ناجائز لذتیں ہیں اور نہ ہی وہ عورت کو جنس بازار سمجھ کر اس کا سودا کرتا ہے۔ نہ ہی وہ عورتوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر ان کی عصمتیں تار تار کرتا ہے۔ نہ ہی وہ دنیا کی رنگ رلیوں میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو اس معاشرے میں گم کر دیتا ہے۔

مرد مومن تو پوری زندگی اطاعت الٰہی میں گزارتا ہے۔ اس کی نگاہیں کسی غیر محرم کی طرف نہیں اٹھتیں۔ اس کا دل برائیوں کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس کی پیشانی خدا کی بارگاہ میں جھکی ہوتی ہے۔ وہ خشیت الٰہی کی وجہ سے حرام کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھاتا ہے۔ وہ دوسروں کی عزت وحرمت کی پاسبانی کرتا ہے۔ اپنی شریک حیات کے علاوہ دنیا کی ہر عورت کو ماں، بہن یا بیٹی تصور کرتا ہے۔ کیا اس کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ جنت میں ان نعمتوں سے نوازا جائے جس کا تذکرہ قرآنِ عظیم نے کیا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ جنت میں حوروں کا تذکرہ کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام ایک دین فطرت ہے۔ انسانی فطرت جن چیزوں کا تقاضا کرتی ہے وہ سب کچھ جنت میں موجود ہوں گی۔ فرمانِ قرآن ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ○ (سورۃ فصلت الآیۃ:33/32)

تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جس کی تمہارا نفس خواہش کرے گا اور تم جو بھی طلب کرو گے وہ تمہیں دیا جائے گا۔ یہ میزبانی ہوگی اس پروردگار کی طرف سے جو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین



## خطاب نمبر (۵۸)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

مُدْهَآمَّتٰنِ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ○ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ○

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ○

آئیے ہم اور آپ بارگاہ رسول میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

أللّٰهم صل علی محمد النبی الأمی وعلی أله وسلم تسلیمًا

میں نے آج سورۂ رحمن کی آخری چند آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اب اس کا ترجمہ اور مختصر سی تشریح پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ (سورۃ الرحمٰن الآیۃ: 63/62)

اور ان کے علاوہ بھی دو جنتیں ہیں۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

پہلے دو جنتوں کا تذکرہ گزر چکا ہے اور جن کو وہ جنتیں ملیں گی ان کا بھی ذکر ہو چکا ہے اب یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان دو جنتوں کے علاوہ بھی دو اور جنتیں ہیں۔ ان دو جنتوں کا نام مفسرین کرام کہنے کے مطابق ''جنت عدن'' اور ''جنت ماویٰ'' ہوگا۔ یہ دو جنتیں یا تو انہیں کو عطا کی جائیں گی جن کا پہلے تذکرہ ہوا ہے، اس لیے کہ یہاں وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ یا پھر یہ دو جنتیں ان اہل ایمان کی ہوں گی جنہیں اصحاب الیمین کے نام سے قرآن عظیم میں یاد کیا گیا ہے۔ یعنی پہلی دو جنتیں مقربین بارگاہِ الٰہی کی ہوں گی یعنی جنہیں اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل ہوگا اور یہ دو جنتیں تمام اہل ایمان کے لیے مخصوص کی گئی ہیں۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

جنتوں کا وجود ہے یا نہیں؟ معتزلہ اور آج کے متجددین کے درمیان میں یہ بات موضوع بحث رہی ہے کہ جنتیں موجود ہیں یا قیامت میں موجود فرما دی جائیں گی؟ اہل سنت وجماعت کے جملہ مکاتب فکر کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ هُمَا مَوْجُوْدَتَانِ، دونوں جنتیں موجود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آقائے دو جہاں حضور سید عالم سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر معراج میں جنت کے تمام طبقات کا مشاہدہ کرایا گیا تھا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت اور جنتیوں کو دیکھا تھا۔ جناب بلال حبشی کے چلنے کی آواز محسوس کی تھی۔ جناب عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنت انہوں نے دیکھی تھی اور انہوں نے جنتیوں کے انعامات کا بھی جائزہ لیا تھا۔ آپ نے دوزخ کا بھی مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا جو عذاب آپ نے



دیکھا تھا اس کا تذکرہ بھی احادیث کے اندر موجود ہے۔

پیغمبر اعظم کا مشاہدہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنتیں موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا تعلق عالم غیب سے ہے اس لیے پیغمبران کرام کو زیارت تو کرائی گئی مگر اہل ایمان کو اس کا مشاہدہ، اس کی زیارت، اس میں داخلہ یقیناً حشر کے بعد ہی ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جاننا ہے کہ حضور سید عالم سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنتوں کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور بعض مقامات پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ کن کے لیے کون سی جنتیں مخصوص کی جائیں گی۔ ایک مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں، کچھ دروازے روزہ داروں کے لیے ہوں گے جن کا نام ریان ہوگا۔ کچھ صدقات نافلہ ادا کرنے والوں کے لیے ہوں گی۔ کچھ عبادت گزاروں کے لیے ہوں گی۔ اس طرح مختلف جنتوں کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ یہ جنت میں الگ الگ دروازے ہوں گے۔ جناب صدیق نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہوگا جسے ہر دروازے سے پکارا جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! وہ تم ہوگے۔ یہ جناب صدیق کا مقام بلند ہے۔

اسی طرح جنت کے بارے میں اور بھی جو مشاہدات آپ نے پیش کیے یا جنت کی جو تفصیلات آپ نے عطا فرمائیں وہ احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنتیں موجود ہیں، موجود کی نہیں جائیں گی بلکہ موجود پہلے ہی سے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان جنتوں میں جن لوگوں کا داخلہ ہوگا وہ کن خصوصیات کے لوگ ہوں گے، اس کا تذکرہ بھی قرآن عظیم کی مختلف آیات میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔ وہ لوگ ہوں گے جو نماز کی پابندی کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے۔ سب سے پہلے وہ اہل ایمان ہوں گے، غیر مومن کو جنت نہیں دی جائے گی، ان کے لیے دوزخ ہے۔ جنت صرف

مسلمانوں کو عطا کی جائے گی، مومنین کو عطا کی جائے گی اور وہ بھی ان مومنین کو جو متقی اور پرہیز گار ہوں گے یا جو اللہ کے فضل سے بخشے گئے ہوں گے یا قیامت میں انہیں بخش دیا جائے گا، جنت ان کو عطا کی جائے گی۔

جنت کی جو خصوصیات قرآن عظیم اور احادیث مبارکہ میں بیان کی گئی ہیں اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ موجود ہیں اور اس کی موجودگی ہی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ دو اور بھی جنتیں ہیں۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 64)

یہ جنتیں سبز رنگ کی سیاہی مائل ہوں گی۔

یعنی ان کے باغات، ان کے سائے یہ سبز رنگ کے ہوں گے۔ لیکن سبزی بھی بہت گہری ہوگی۔ جب سبز رنگ گہرا ہوتا ہے تو کسی حد تک وہ مائل بہ سیاہی ہو جاتا ہے۔ مُدْهَآمَّتٰنِ اسی سبز جنت کو کہیں گے گہری سبز ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ نگاہوں کے لیے سبز رنگ تراوٹ کا سامان ہے۔ جنت میں یہ نعمتیں انسانوں کو عطا کی جائیں گی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 65)

تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 66)

ان دونوں جنتوں میں دو چھلکتے ہوئے چشمے ہوں گے۔

چشمے تو تمام جنتوں میں ہوں گے۔ لیکن جن جنتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے وہاں چھلکتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ یقیناً بڑا حسین منظر ہوگا، بڑا خوبصورت مشاہدہ ہوگا۔ جنتیوں کی پیاس بجھانے کے لیے یہ دو چشمے ان کے لیے جاری کیے جائیں گے۔



کتنا پر کیف عالم ہوگا جب اہل جنت ان جنتی چشموں کے قریب موجود ہوں گے۔ انہیں دیکھ کر بھی آسودہ ہو رہے ہوں گے، نگاہوں کی آسودگی بھی میسر آئے گی اور وہاں پیاس بھی بجھا رہے ہوں گے، اس سے سیراب بھی ہو رہے ہوں گے۔ خدا کرے کہ نیکوکاروں کے صدقے میں ہمیں اور آپ کو بھی ان چشموں کی زیارت نصیب ہو اور ان سے ہم فیضیاب ہو سکیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ: 67)

تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

ہر نعمت کا تذکرہ کرنے کے بعد یاد دہانی کی جا رہی ہے کہ تم تکذیب نہیں کرو گے، بلکہ تصدیق کرو گے۔ جھٹلانے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ انسان انکار کر دے کہ ہم ان باتوں کو نہیں مانتے ہیں، یا ان نعمتوں کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، یہ نعمتیں خود ہماری اپنی محنتوں کا نتیجہ ہیں۔ (معاذ اللہ) یا پھر "تکذبان" کا یہ مفہوم ہے کہ نعمتیں موجود ہیں، مانتے تو ضرور ہیں مگر اپنے عمل اور اپنے کردار سے ان نعمتوں کے حصول کے لیے کوشش نہیں کر رہے ہیں اور جو دنیوی نعمتیں ہیں ان نعمتوں کی بھی ناشکری کر رہے ہیں۔

تو ظاہر ہے کہ جو اللہ کی دی ہوئی دنیوی نعمتوں کی ناشکری کرے اسے آخرت کی نعمتیں کب میسر آئیں گی؟ اور یہاں کی نعمتوں پر اللہ کی بارگاہ میں شکر گزار ہوگا تو اسے یقیناً آخرت کی نعمتیں میسر آئیں گی۔ جو یہاں نافرمان ہوگا، یہاں ناشکرا ہوگا، یہاں اللہ کی نعمتوں سے غافل یا انکاری ہوگا، اسے آخرت کی نعمتیں یقیناً میسر نہیں آئیں گی۔

جھٹلانا ایک یہ ہے کہ انسان زبان سے کہے کہ ہم نہیں مانتے، یا پھر اپنے اعمال اور کردار سے اور اپنے حرکات وسکنات سے یہ ثابت کرے کہ ہم اس جنت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں جس کا تذکرہ قرآن عظیم میں فرمایا گیا ہے۔

مغل دور کے آخری ایام میں جب کہ زوال کا آغاز ہو چکا تھا تو کچھ ایسے شاعر بھی پیدا ہو چکے تھے جن کا اردو زبان میں بڑا نام ہے۔ مگر جنت کا مذاق اڑانا، حوروں کا مذاق اڑانا ان کی شاعری میں پایا جاتا ہے۔ جیسے ؎

ایسی جنت کا کیا کرے کوئی
جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں

یہ ان کا انداز تھا۔ یہ خود ایک طرح کی تکذیب ہے، یہ جنت کا اور اس کی نعمتوں کا جھٹلانا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم زوال پذیر ہونے والی ہوتی ہے تو سب سے پہلے وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتی ہے، اللہ کے فیصلوں کا انکار کرتی ہے۔ اس کے بعد زوال ہو جاتا ہے جیسا کہ ہوا۔ غالب مغل دور کے آخری لوگوں میں سے تھے اور انہوں نے وہ عذاب بھی دیکھا ہے جو مسلمانوں پر مسلط کیا گیا۔ بے گھر بھی ہوئے ہیں، بے در بھی ہوئے ہیں۔

اس طرح جو اس زمانے میں مذاق اڑایا جاتا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ، اپنی فکر کے ذریعہ جنت اور اس کی نعمتوں کی تکذیب کر رہے تھے، جھٹلا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ صورت حال ہوگی تو انہیں جنت کا مستحق نہیں قرار دیا جائے گا۔

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ:68)
ان جنتوں میں پھل بھی ہوں گے، کھجوریں ہوں گی اور انار ہوں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب پھل کا تذکرہ کیا گیا تو کھجوریں اور انار بھی تو پھل ہی ہیں، ان کا الگ تذکرہ کیوں کیا گیا ہے؟ مفسرین کرام نے اس کی بہت سی وجوہ بیان کی ہیں۔ پہلے تو ہر ایک کے طبی فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ پھل تو بہت سے ہیں مگر کھجور اور انار میں جو فوائد ہیں وہ کسی اور پھل کے اندر اتنے زیادہ نہیں ہیں۔ فائدہ تو ہر پھل کے اندر ہے لیکن



اتنے زیادہ فوائد نہیں ہیں۔

صوفیائے کرام نے ایک بہت خوبصورت بات کہی ہے کہ نخل کا بار بار تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ آقائے دو جہاں سرورِ کائنات کی خوراک تھی، آقائے دو جہاں پسند فرماتے تھے اور کھجوریں ان کی خوراک کی لازمی حصہ تھیں۔ تو جو قاسمِ نعمت الٰہی کی خوراک ہو یقیناً وہ اللہ کی نگاہ میں بھی اس قابل ہے کہ اس کا تذکرہ بار بار کیا جائے۔ رُمّان کو بھی آقائے دو جہاں نے پسند فرمایا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ:69)
تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ:70)
ان جنتوں میں خوبصورت باکردار بیویاں ہوں گی۔

جنتی بیویوں کا جہاں بھی تذکرہ ہوا ہے، انہیں انھیں خصوصیات کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ جو وہاں ہوں گی وہی خیرات حسان کے مصداق ہوں گی اور وہ عورتیں جو اللہ کے فضل سے اپنے اعمال حسنہ کی بنیاد پر، اپنی خوبیوں کی بنیاد پر جنت میں داخل کی جائیں گی یقیناً وہ بھی خیرات حسان میں شامل ہوں گی۔ جو بیویاں اللہ کی طرف سے حوروں کی شکل میں دی جائیں گی یا جو دنیا کی بیویاں وہاں اپنے شوہروں کو عطا فرمائی جائیں گی ان کی یہ خصوصیت ہوگی۔ وہ صرف حسن صورت کی حامل نہیں ہوں گی بلکہ سیرت بھی ان کی بہت اچھی ہوگی۔

یاد رکھیے! اسلام نے بیوی کے حوالہ سے، شادی کے حوالہ سے سیرت کو بہت اہمیت دی ہے۔ فرمایا گیا ہے: تم اگر شادی کرنا چاہو تو پہلے دین دیکھو، پھر جمال دیکھو اور پھر مال دیکھو۔ دین دراصل سب سے عظیم حسن ہے، جو کسی مرد یا عورت کے اندر پایا جائے۔ جمال اور مال

کی حیثیت تو بعد میں آتی ہے۔ آج یہ عالم ہے کہ لوگ مال بھی دیکھتے ہیں، جمال بھی دیکھتے ہیں، مگر دین نہیں دیکھتے ہیں۔ دین نہ دیکھنے کے جو نقصانات ہیں وہ آج دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

ایک ایسی خاتون جو اسلامی اخلاق و کردار کی حامل ہوگی، اس کی آغوش میں پروان چڑھنے والا بچہ یقیناً اسلامی اخلاق و کردار کا حامل ہوگا، اسلامی عمل کا حامل ہوگا۔ وہ پاکیزہ دودھ جو تلاوت قرآن کرنے والی خاتون کے ذریعہ کسی بچے کو ملے گا اس کے اندر قرآن پاک کا نور تو موجود ہوگا۔ جو اسلامی اخلاق کردار کی حامل ہوں گی ان کے بچے بھی اسلام اقدار کے حامل ہوں گے۔ جو خصوصیات دنیا میں نیک خواتین کی بتائی جاتی ہیں یہی خصوصیات جنت کی بیویوں کی بھی ہوں گی، جنت کی عورتوں کی بھی ہوں گی۔

جنت کی عورتوں کا تذکرہ کرکے اشارۃ النص کے ذریعہ یہ بتایا جارہا ہے کہ تم اگر جنت میں جانا چاہتی ہو تو اے مسلم خواتین! تمہاری صورت بھی اچھی ہو اور تمہاری سیرت بھی اچھی ہو۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ:71)

تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اب مزید تفصیل بیان کی جارہی ہے:

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ:72)

حوریں ہوں گی جو خیموں میں پردہ نشین ہوں گی۔

یہ خیمے یا تو جنت کے مکانات ہوں گے یا جنت کے وسیع و عریض میدانوں میں علاحدہ یہ خیمے قائم کیے جائیں گے ان حورانِ بہشتی کے لیے جن کو نیک لوگوں کی بیویاں ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ یہاں بھی جو بات کہی جارہی ہے وہ باپردہ ہوں گی اور خیموں میں قیام کرنے والی ہوں گی، باہر گھومنے والی نہیں، آوارگی کرنے والی نہیں، اپنے حسن کو فروخت کرنے والی نہیں۔



بلکہ انہیں تو بنایا ہی گیا ہوگا ان نیکو کار افراد کے لیے ان کی تخلیق ہی ہوئی ہوگی جو دنیا میں اچھے اعمال کرنے والے تھے اور اچھی نعمتوں کے مستحق بن کر دنیا سے آخرت کا انہوں نے سفر کیا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں جن اور انس دونوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ مفسرین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ جن بھی جنت میں داخل ہوں گے، انہیں بھی حوریں میسر آئیں گی اور انسان بھی جنت میں داخل ہوں گے اور انہیں بھی حوریں میسر آئیں گی۔ مگر جنوں کی حوریں جنوں کی نسل سے ہوں گی اور انسانوں کی حوریں انسانی نسل سے ہوں گی۔ پھر ان کی قیام گاہیں بھی الگ الگ ہوں گی۔ اس لیے کہ دونوں ذوی العقول ہیں، دونوں ایمان لائے ہیں، دونوں پابند شریعت ہیں، دونوں میں اچھے اور برے موجود ہیں۔ اس لیے دونوں کو جنت بھی دی جائے گی اور جنت کی نعمتوں سے بھی نوازا جائے گا۔ لیکن ہر ایک کی جنت اس کے اپنے انداز حیات کے اعتبار سے ہوگی، ہر ایک خوراک ان کے اپنے طریقے اور اپنی خواہش کے اعتبار سے اور اپنی ضرورت کے اعتبار سے ہوگی اور ہر ایک کی شریک زندگی بھی اسی کی جنس سے اور اسی کی نوع سے ہوگی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ:73)

تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یہاں پھر یہ کہا جارہا ہے:

لَمْ یَطْمِثْھُنَّ اِنْسٌ قَبْلَھُمْ وَلَا جَآنٌّ ○ (سورۃ الرحمٰن: الآیۃ:74)

نہ انہیں کسی انسان نے کبھی ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کبھی کسی جن نے مس کیا ہوگا۔

یعنی وہ حوریں جو جنوں سے متعلق ہوں گی انہیں کسی جن نے بھی نہیں چھوا ہوگا اور وہ حوریں جو انسانوں کے لیے ہوں گی انہیں ان کے شوہروں سے پہلے، جنتی مردوں سے

پہلے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا۔

پتہ چلا کہ جنتی عورتوں کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ انہیں کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور انہیں کسی نے مس نہ کیا ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں غیر محرم کے ساتھ کسی طرح کا لمس قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ وہ محرم ہوں گی تو صرف اپنے جنتی شوہروں کے لیے ہوں گی۔ غیر جنتی یا ان سے پہلے کسی نے ان کو کبھی چھوا بھی نہیں ہوگا اور نہ ان کی نگاہوں نے کسی غیر کو دیکھا ہوگا۔ تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ○ (سورۃ الرحمٰن الآیۃ:76)

وہ ٹیک لگائے ہوں گے سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر۔

یہ ان کا اندازِ حیات ہوگا۔ یہ صرف ایک نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت کیا ہے اس کا اندازہ ہم دنیا میں رہ کر نہیں کر سکتے۔ ہم ایمان لاتے ہیں ان تمام آیات مبارکہ پر جو قرآن عظیم کے اندر موجود ہیں اور یقیناً یہ ساری نعمتیں ان کو عطا کی جائیں گی جو جنتی ہوں گے اور جنت کے مستحق ہوں گے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (سورۃ الرحمٰن الآیۃ:77)

تو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

حصول جنت کے لیے، جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان شرط ہے اور وہ فرائض جن کی ادائیگی فرض کی حیثیت رکھتی ہے ان کا ادا کرنا ضروری ہے اور وہ اخلاق و کردار جو قرآن کے معیار کے مطابق ہیں ان پر اترنا ضروری ہے اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے عبادت اور اطاعت کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

آپ ذرا سوچیں کہ کیا وہ عظیم جنت جس میں انسانوں کو دوام بخشا جائے گا، بے شمار



نعمتوں سے نوازا جائے گا، ان نعمتوں کا نہ احاطہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا حقیقی طور پر کما حقہ ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ایک لافانی زندگی جو جنت میں میسر آئے گی اس کے لیے دنیا کی چند روزہ زندگی میں اگر انسان حرام سے اجتناب کر لے، برائیوں سے بچ جائے، گناہوں سے بچ جائے، اللہ کی بندگی کرے، فرائض و واجبات و نوافل کو ادا کرے، زکوٰۃ ادا کرے، حج کرے، روزہ رکھے اور یہ سب اخلاص کامل کے ساتھ کرے تو ان اعمال حسنہ کے بدلے میں جنت کی دائمی زندگی بہت سستا سودا ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان غافل ہیں جن کے لیے قرآن نازل ہوا، سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کی ہدایت کے لیے جلوہ گر ہوئے، وہ جنت میں جانے کی کوئی تڑپ اپنے اندر نہیں رکھتے ہیں۔ بغیر رضائے الٰہی کے کوئی جنت میں نہیں جائے گا اور رضائے الٰہی رضائے مصطفیٰ علیہ السلام پر موقوف ہے۔ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ تم اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ تو اتباع رسول اور رضائے الٰہی دونوں کسی انسان کے اندر جمع ہو جائیں تو اسے جنت کی دائمی زندگی میسر آئے گی۔ خدا کرے کہ ہمارے سامعین کو اور ہم کو بھی جنت کی نعمتوں سے نوازا جائے۔

اب اس سورت کا اختتام بھی سورت کے آغاز کی طرح بڑا حسین ہے۔ آغاز یہ تھا:

اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○

اللہ کی اس صفت پاک کے حوالہ، جس صفت پاک میں اس کی رحمت کا تذکرہ بایں طور ہے کہ وہ ایسا رحم فرمانے والا ہے کہ کائنات کی تمام رحمتیں، تمام مہربانیاں، اس کی رحمت نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اللہ کی صفت ''رحمٰن'' سے سورۂ رحمٰن کا آغاز فرماتا ہے اور اپنی صفت ''ذوالجلال والاکرام'' پر اللہ اس صفت کا اختتام فرما رہا ہے۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ (سورۃ الرحمٰن الآیۃ:)

بڑا ہی بابرکت نام ہے اے محبوب! آپ کے رب کا۔ یہاں ''ک'' کے مخاطب سرورِ کائنات ہی ہیں۔ بہت بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو جلال اور اکرام والا ہے۔

پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ جلال، بزرگی، عظمت اور اکرام بہت زیادہ عزت یا بہت زیادہ نوازشات کے معنی میں ہیں۔ وہ بزرگ تر ہے، عظیم تر ہے اور انتہائی عزت والا ہے یا انتہائی احسان فرمانے والا ہے۔

خدا اپنے جلال اور اپنے اکرام کے صدقہ میں ہمیں جنتوں سے نوازے اور اس سورت کے مشمولات پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ



## خطاب نمبر (۵۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَارَکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِیٌّ لَّدَیْہِ صَلَاۃً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ

وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ (۱) لَیْسَ لِوَقْعَتِھَا کَاذِبَۃٌ (۲) خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ (۳) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمِ

سامعین کرام: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آئیے ہم اور آپ انتہائی احترام وعقیدت کے ساتھ ساری کائنات کے ملجا وماوا حضور سید عالم کی بارگاہ میں درود پاک کی نظریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرات آج سورۂ واقعہ کی چند آیات کریمہ کے ترجمہ کا شرف حاصل کروں گا اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو قرآن عظیم کے زیر سایہ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورۂ واقعہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں ۳ رکوع اور ۹۶ آیات ہیں اس سورت کے بہت سے فضائل ہیں جو احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ایک عظیم صحابی رسول ہیں اور قرآن عظیم کی تلاوت کے حوالے سے انہیں بڑی اہمیت حاصل ہے خود آقائے دو جہاں علیہ الصلوۃ والسلام ان سے قرآن پاک سماعت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ سوم کی خلافت کا زمانہ ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بیمار ہیں خلیفہ رسول ان کی عیادت کے لئے ان کے پاس گئے اب وہ گفتگو سماعت فرمائیں جو ان کے اور جناب عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے پوچھا آپ کو کس چیز سے تکلیف ہے انہوں نے فرمایا گناہوں سے۔ مرض کا تذکرہ نہیں ہے، بیمار ہیں اور یہ مرض مرض الوصال تھا لیکن جب ان سے تکلیف کے بارے میں پوچھا گیا تو بجائے اپنی جسمانی بیماری کا تذکرہ کرنے کے انہوں نے فرمایا مجھے اپنے گناہوں سے تکلیف ہے وہ ذات جسے آقائے دو جہاں کی بارگاہ میں خاص قرب حاصل ہے جن کی پوری زندگی تلاوت قرآن عظیم روایت قرآن عظیم اور روایت حدیث میں گزری ہے اور ان کی بے شمار خدمات ہیں اسلام کے حوالے سے یہ چند عظیم صحابہ کرام میں سے ہیں لیکن گناہ کا احساس جبکہ کیا کوئی تصور کرسکتا ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا ہوگا مگر حسنات الابرار سیئات المقربین گناہوں کے مختلف مراحل ہیں بعض وقت نیک وکاروں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کی حیثیت رکھتی ہیں درجہ کے اعتبار سے مقام کے اعتبار سے۔ انسان جب وہ اپنے



ماضی کو دیکھتا ہے تو چاہے وہ کتنی ہی عبادت اور ریاضت میں ڈوبا ہوا ماضی ہو جب وہ قرب خداوندی کے منزل میں آگے بڑھتا ہے تو اسے اپنا ماضی گناہ نظر آتا ہے۔

یہ احساس تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے تکلیف ہے گناہوں سے جناب عثمان غنی نے پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں تو جواب عطا فرمایا اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔ سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ بیمار ہیں کوئی ضرورت ہو تو ہم پوری کردیں۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے رب کی رحمت ہی کی ضرورت ہے۔ جناب عثمان غنی نے کہا کہ کیا آپ کے لئے کوئی حکیم یا طبیب بلا دوں؟ اللہ اکبر! کیا جواب ہے! قسم خدا کی قربان جائیے! فرماتے ہیں: طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔ یعنی میرا طبیب وہی ہے جس نے مجھے مبتلائے مرض کیا ہے۔ میرا اللہ ہی میرا طبیب ہے۔

حضرت عثمان غنی جو خلیفہ ہیں، ہزاروں افراد ان کے در سے فیضیاب ہوتے ہیں ہر غریب اور کمزور کیلئے انہوں نے وظیفہ مقرر کر رکھا ہے۔ یہ سنت تھی جناب عمر فاروق کی۔ رضی اللہ تعالی عنہما۔ تو انہوں نے پوچھا کیا میں آپ کے اہل وعیال کے لئے کوئی وظیفہ مقرر کردوں۔ ہر جانے والے کو اپنے بعد اپنے بال بچوں کا خیال تو ہوتا ہی ہے جناب عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ یہ جانتے تھے کہ انہوں نے بڑی فقر وفاقہ کی زندگی گزاری ہے۔ سوائے اللہ ورسول کی رضا کے حصول کے انہوں نے کوئی سرمایہ نہیں اکٹھا کیا تھا ان کے پاس صرف نیکیوں کا ہی سرمایہ ہے جس کو لے کے یہ جارہے ہیں۔

تو پوچھتے ہیں کہ کیا میں آپ کے اہل وعیال کے لئے کوئی وظیفہ مقرر کردوں تو انہوں نے فرمایا نہیں میں نے انہیں ایسی چیز سکھا دی ہے کہ جب وہ اسے پڑھ لیں گے تو کسی کے محتاج نہ ہوں گے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ

پڑھ لے وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا آقائے دو عالم کے فرمان پر اس قدر یقین کہ سفر آخرت کر رہے ہیں اور خلیفۃ المسلمین ان کے پسماندگان کے لئے وظیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں مگر ان کا وظیفہ قبول کرنے کے بجائے وہ یہ کہتے ہیں میرے آقا نے یہ انمول نعمت دی ہے کہ جو شخص سورۂ واقعہ پڑھ لے گا رات کو پڑھے گا وہ کبھی محتاج نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنی بچیوں کو اس کا عادی بنا دیا ہے کہ وہ سورہ واقعہ پڑھے انہیں کبھی کوئی احتیاج نہیں ہوگا۔

اللہ اکبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور سید عالم کو دیکھا تو آپ نے محسوس کیا کہ آپ پر بڑھاپے کے آثار نظر آرہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ پہ بڑھاپے کے آثار نظر آرہے ہیں تو آقا نے فرمایا مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، عم یتساءلون اور سورہ کورت نے بوڑھا کر دیا ہے، آپ اندازہ فرمائیے! یہ وہ سورتیں ہیں جس میں قیامت کی ہولناکیوں کا، حشر ونشر کا، جہنم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آقائے دو جہاں جو سید المعصومین ہیں، جان عصمت ہیں، وقار عصمت ہیں تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں ان سے گناہ کا ہونا ناممکن ہے اس لئے کہ ہر نبی اپنے اللہ کے پیغامات کا امین ہوتا ہے وہ ایک دین لے کر آتا ہے اللہ کے احکامات کو لے کر آتا ہے اور اس کے بندوں تک پہونچاتا ہے تو اگر اس سے خطا یا گناہ کا امکان مان لیا جائے تو نبی کا پورا دین مشتبہ ہو جائے گا۔

ہوسکتا ہے توریت لانے میں، انجیل لانے، زبور لانے میں کوئی غلطی ہوگئی ہو، ہوسکتا ہے کہ اللہ کے پیغام کو پہونچانے میں کوئی غلطی ہوگئی ہو، ہوسکتا ہے۔ معاذ اللہ! قرآن عظیم کے لانے میں کوئی غلطی ہوگئی ہو۔ ان شبہات کو دور کرنے انہیں عصمت کا لباس پہنایا گیا۔ تمام انبیا کرام معصوم ہوتے ہیں ان سے گناہ نہیں ہوتا اور افراد اپنے گناہوں سے خود بچنا چاہتے ہیں مگر انبیائے کرام کا محافظ پروردگار عالم ہوتا ہے اس کی رحمت نے ایک حصار قائم کر رکھا ہوتا



ہے انبیائے کرام کی زندگی کی طرف جہاں گناہ کا اور شیطانی وسوسوں کا گزر تک نہیں ہوسکتا۔

اور پھر آقا تو وہ تمام معصومین کے سردار ہیں خواہ وہ ملائکہ ہوں یا انبیائے کرام ہوں تو ان سے کوئی خطا تو نہیں ہوتی رہی ہوگی کہ ان سورتوں کو پڑھنے کے بعد ان پہ بڑھاپے کے آثار طاری ہو جائیں ہاں مگر دوزخ کی تکالیف کو محسوس کر رہے تھے اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ انہیں اپنی امت کا غم تھا وہ پیغمبر جو پوری پوری رات اپنی امت کی بخشش کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے جیسا کہ آیت کریمہ ہے وَاِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ پوری رات یہ پڑھتے رہتے تھے اور جب صبح نمودار ہوتی تھی تو داڑھی تر ہوتی سجدہ گاہ بھیگی ہوتی کہ اے اللہ! تو انہیں عذاب دے گا تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔

کن کے بارے میں کہہ رہے ہیں اللہ کے رسول میرے آقا امت کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ یہ تیرے ہی بندے ہیں اور قلبی کیفیت یہ ہے کہ اے اللہ! یہ میرے امتی ہیں اور میں رسول ہوں اور مجھے یہ گوارہ نہیں کہ انہیں تکلیف پہنچے اور تو تو ان کا پروردگار اور پالن ہار اور خالق و مالک ہے تو یہ کیسے گوارہ فرمائے گا کہ انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے۔ بندے اور معبود کے رشتہ وتعلق کے حوالے سے آقائے دو جہاں پوری پوری رات دعائیں کیا کرتے تھے۔

میں ایک مثال سے یہ سمجھاؤں آپ کے بیٹے نے کوئی غلطی کی، آپ نے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا، میں نے آپ کا ہاتھ روک لیا اور کہا: آپ کا بیٹا ہے معاف کر دیجئے جہاں آپ کا جذبہ ابوت باپ ہونے کا بیدار ہوا تو اسے معاف کر دیا تو بندگی کا حوالہ دے کر آقائے دو جہاں اپنی امت کے لئے معافی طلب کر رہے ہیں۔

وہ دوسری روایت بھی آپ کے نگاہوں کے سامنے ہوگی کہ آقائے دو جہاں سرور

کائنات خدا کے سامنے سربسجود ہیں اور اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ کہہ رہے ہیں اے اللہ! میری امت میری امت، حدیث میں بہت سی ان کی دعائیں ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ اے اللہ! میری امت کو بخش دے مری امت پر رحم فرما، میری امت میرے حوالے کر دے رَبِّ ھَبْلِیْ اُمَّتِیْ لیکن یہاں مبتدا تو ہے مگر خبر نہیں ہے اے اللہ! میری امت میری امت کیا کہنا چاہتے ہیں اپنی امت کے بارے میں آپ یہ واضح نہیں فرمارہے ہیں۔ اللہ نے جناب جبرئیل کو بھیجا اور فرمایا جاؤ دیکھو میرے محبوب کیوں غمزدہ ہیں، کیوں گریہ کناں ہیں؟ جناب جبرئیل آئے ہیں بارگاہ رسول میں اور پر سمیٹے ہوئے کھڑے ہیں جرأت نہیں ہے کہ سوال کرسکیں۔

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گردِ منزل میں
نہ جانے کس بلندی پر ہے کاشانہ محمد کا

بس وہ سنتے ہیں کہ زبان پر امتی امتی جاری ہے واپس جاتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! تیرے رسول اپنی امت کے بارے میں بہت غمزدہ ہیں کیا اللہ نہیں جانتا تھا کہ وہ غمزدہ کیوں ہیں پھر جناب جبرئیل کو بھیجنا اور ان کا بیان کرنا محض اس لئے تھا کہ یہ روایت میرے محبوب کی امتیوں تک پہنچے۔

تو اللہ نے فرمایا: جاؤ میرے رسول سے کہہ دو کہ میں ان کی امت کا معاملہ ان کی مرضی کے مطابق کروں گا یا میں ان کی امت سلسلہ میں انہیں تکلیف نہ دوں گا۔ یا جیسا بھی فرمایا ہو جب یہ تشریف لائے حاضر ہوئے اور جب یہ پیغام لایا تو آپ نے سر اٹھایا سجدے سے اندازہ فرمائیے کہ کس قدر غمزدہ رہتے تھے آقائے دو جہاں نے پورا جملہ کیوں نہیں فرمایا اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ یا صرف اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ کیوں کہہ رہے تھے۔ میں ایک مثال سے یہ



سمجھاؤں ایک ماں ہے جس کا بچہ بیمار ہے، جس کو بخار ہے، دودھ نہیں پیتا ہے، سوتا نہیں ہے، روتا ہے، ڈاکٹر سے بہت تفصیل کے ساتھ بیان کررہی ہے۔ لیکن ڈاکٹر اس وقت آجائے جب وہ مررہا ہو تو تفصیل نہیں بیان کرتی صرف کہہ گی ڈاکٹر میرا بچہ میرا بچہ یہ احساس اور درد کی انتہا ہے اے اللہ! میری امت میری امت۔ تو جو ذات اپنی امت کے بارے میں اتنی غمزدہ ہو اس جب ان سورتوں کو پڑھا ہے جو نازل ہوئی ہیں ان کے اوپر اور پڑھتے رہتے ہیں خاص طور پر فجر کی نمازوں میں تو ان پے کتنا گہرا اثر ہوتا ہوگا اپنی امت کے حوالے سے اس لئے فرماتے ہیں کہ مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، عم یتسائلون اور سورہ کورت نے بوڑھا کردیا۔

حضرات! وہ پیغمبر ہیں اللہ کے منتخب بندے ہیں، مصطفٰی ہیں، محبوب ہیں، مقصد تخلیق کائنات ہیں جب ان کے غم کا ہمارے بارے میں یہ عالم ہے تو ہمیں خود اپنے گناہوں کے بارے کس قدر شدید احساس ہونا چاہئے۔ خدا ہم سب کو آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنی بارگاہ میں جھکنے اور توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرات! یہ سورت کفار مکہ کے قیامت کے انکار کے ذکر میں ہے وہ سب بطور مزاق کہا کرتے تھے کیا ہے قیامت؟ پیغمبر نے افسانے گڑھ رکھے ہیں (معاذ اللہ) یہ کبھی وقوع پزیر نہیں ہوگی ہم نہیں مانتے صرف یہ نہیں کہ وہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ مزاق بناتے تھے۔ ٹھٹھا کرتے تھے استہزا کرتے تھے۔ تضحیک کرتے تھے اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس کے مضامین آپ محسوس کریں گے۔

حضرات گرامی: اس سورت میں ایک آیت ہے لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اسے چھوئیں گے نہیں صرف پاکیزہ لوگ اس آیت کے بارے میں بعض نادان یہ کہتے ہیں کہ اس

سے مراد لوح محفوظ میں محفوظ قرآن ہے یہ لکھا ہوا قرآن نہیں ہے اس کو چھو سکتے ہیں کوئی بھی حالت ہو کوئی بھی کیفیت ہو ان کی اس نادانی کا ایک عظیم صحابیہ کے طرز عمل سے جواب دوں۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے اکسانے سے قتل رسول کے ارادے سے روانا ہوتے ہیں، ننگی تلوار لئے ہوئے کسی نے پوچھا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ کہا: میں آج اس پیغمبر ان کا سر قلم کردوں گا جو ہمارے معبودان باطل کو غلط بتارہے ہیں۔ معاذ اللہ کسی نے کہا: آپ وہاں کہاں جارہے؟ ہیں آپ کے گھر میں آپ کے بہنوئی اور بہن دونوں مسلمان ہو چکے ہیں پلٹ پڑے بہن غالباً (دو روایتیں ہیں) کہ سورۂ واقعہ ہی بیان کررہی تھیں یا پھر کوئی دوسری سورت اور جیسے ہی انہوں نے دیکھا تو انہیں رشتے کی نزاکت کا بھی خیال نہیں آیا پہلے بہن کو مارنا شروع کردیا اور جب بہنوئی آئے تب انہیں بھی شدید ضرب لگائی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو قرآن پاک کی جو آیتیں ان کے کانوں میں پڑھ گئی تھیں ان کے دل میں انقلاب برپا کردیا مارنے پر افسوس کیا اور پھر بیٹھے اور کہا: بہن وہ کتاب تو لاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں تب انہوں نے کہا کہ بھائی میں تمہیں یہ کتاب نہیں دے سکتی یہ اللہ کا کلام ہے تم پاک نہیں ہو تمہاری قوم کے لوگ نجاست سے پاک بھی نہیں ہونے کی کوشش کرتے جنابت کا غسل بھی نہیں کرتے کتاب تو نہیں دی انہوں نے مگر جو آیتیں کانوں میں پڑھ گئی تھی ان کی دنیا بدل دی اور پھر آپ نے سنا ہوگا کہ پھر بارگاہ رسول میں جا کر ایمان قبول کیے اور اسلام کی طاقت وشوکت بن گئے اللہ نے ان کے ذریعہ اسلام کو شہرت عطا فرمائی طاقت عطا فرمائی۔

تو ظاہر ہے کہ فاروق اعظم کی بہن نے یہ کہا تھا کہ قرآن پاک کا یہ فرمان الٰہی ہے لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ اسے صرف مطہر لوگ ہی چھو سکتے ہیں باوضو ہر طرح کی نجاست سے پاک کسی کا کہنا کہ قرآن مراد نہیں ہے آپ نے دیکھا ہوگا حرم شریف میں کہ لوگ چپلوں پے رکھ



دیتے ہیں۔ زمین پہ رکھ دیتے ہیں، ان کا یہی عقیدہ ہے کہ یہ قرآن اتنا قابل احترام نہیں ہے معاذ اللہ! ہمارے نزدیک یہی قرآن ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا اور جس کی وضاحت جناب فاروق اعظم کی عظیم بہن نے فرمائی ہے جن کے ذریعہ ان کو ایمان نصیب ہوا۔

اس سورت میں تین جماعتوں کا تذکرہ ہے، السابقون، اصحاب الیمین، اصحاب الشمال اور اس سورت پاک میں قرآن پاک کے وحیٔ الٰہی کے ہونے کے سلسلہ میں اللہ نے قسم بھی یاد فرمائی ہے۔ اب اس کے بعد میں چند آیات مبارکہ پڑھنے کا شرف حاصل کروں گا۔ ان شاء اللہ تفصیلات کل کے درس میں بیان کی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے جو بخشش کرنے والا اور انتہائی مہربان ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ

جس روز، جس وقت قیامت واقع ہوگی۔

ابھی یہ انکار کررہے ہیں، تسلیم نہیں کررہے ہیں لیکن جب قیامت واقع ہوگی

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ

اس وقت اس کے وجود اور اس کے ہونے سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہوگی، ابھی انکار کررہے ہیں اس لیے کہ سامنے قیامت نہیں ہے، یہ اپنی عقل فتنہ سامان کی بنیاد پر انکار کررہے ہیں جب وہ حقیقت سامنے آجائے گی تو اس وقت انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ

وہ ساعت، قیامت کا وقوع، یہ ساعت اٹھانے والی بھی ہیں اور گرانے والی بھی ہیں۔ بعض لوگ جنہیں جہنم میں گرادیا جائے گا، پستی کی بدترین حالت سے دوچار ہوں گے وہ،

اور رافعہ بہت سے لوگوں کو وہ جنت کی اونچائی و بلندی تک پہنچانے والی ہے۔ صرف اس آیت کریمہ پہ غور کریں آپ کہ قیامت کے بارے میں اللہ ارشاد فرما رہا ہے کہ وقوع قیامت یا قیامت کے ہونے سے کچھ لوگ بلند ہوں گے اور کچھ لوگ پست کر دیے جائیں گے۔ جو نیکو کار ہوں گے، جو پرہیز گار ہوں گے انہیں بلند کیا جائے گا اور جو منکر ہوں گے، کافر ہوں گے، قیامت کا انکار کرنے والے ہوں گے، بد ہوں گے، گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، سرکش اور ظالم ہوں گے، متکبر ہوں گے انہیں اس روز جھکا دیا جائے گا، گرا دیا جائے گا جہنم کی پستیوں میں۔ اگر انسان صرف ان دو لفظوں کے او پر غور کریں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ، یہ گرانے والی بھی ہیں اور بلند کرنے والی بھی ہیں۔ یہ ہر اعتبار سے بہت اہم ہے یہ دو لفظ کہ جو لوگ قیامت کو مانتے ہیں اس کے ماننے کے بعد جو اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ یہ اعمال ان کو بلند کرنے والے ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور جو لوگ قیامت کے منکر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کوئی حساب کتاب نہیں، کوئی دوبارہ زندہ ہونا نہیں، یہی دنیا سب کچھ ہے جتنی لذت حاصل کرنی ہے کر لو، جس قدر لوٹنا چاہو لوٹ لو، جس قدر ظلم کرنا چاہو کر لو، انہیں قیامت بہت ذلیل کر دے گی، انہیں جہنم کی پستیوں میں ڈال دے گی۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ اللہ ہمیں رفعتوں سے نوازے اور پستیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین۔



## خطاب نمبر (۶۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ○ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ○

فَکَانَتْ ھَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ○ وَّ کُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ○

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ○

وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ○

وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

سامعین کرام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آئیے ہم اور آپ آقائے دو جہاں حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارگاہِ بے کس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سامعین کرام وحضرات وخواتین! سورۂ واقعہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے

مناظر کا تذکرہ فرمارہا ہے کہ جب زمین سخت زلزلہ سے بکھر جائے گی۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:5)

اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے ٹوٹ کر۔

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:6)

تو ہوجائیں گے جیسے روزن کی دھوپ میں غبار کے باریک ذرّے پھیلے ہوئے

تو وہ ریزہ ریزہ ہوکر اس طرح بکھر جائیں گے۔ جیسے کہ مکان کے روشندان سے غبار نظر آرہا تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا۔ هَبَآءً کہتے ہیں ایسے باریک ذرات غبار کو جو گرفت میں نہ آسکیں مگر نظر آئیں، سورج کی روشنی اگر مکان کے اندر آرہی ہے، کوئی جنگل ہے ،کوئی window ہے، تو کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جیسے سورج کی روشنی کے ساتھ کچھ باریک ذرات بھی کمروں میں آرہے ہیں جو گرفت میں نہیں آتے مگر نظر آتے ہیں ٹھیک یہی حال پہاڑوں کا ہوجائے گا، یہ پہاڑ جو بلند و بالا ہوتے ہیں، پتھروں کے ہوتے ہیں لیکن قیامت میں ان کی حیثیت هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا کی سی ہوگی۔

اس وقت انسانوں کا کیا حال ہوگا قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے۔

كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:7)

اے لوگوں! تم لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہوجاؤں گے۔

تمہارے تین طبقے ہوں گے، تین قسمیں تمہاری ہوں گی۔

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:8)

تو دہنی طرف والے کیسے دہنی طرف والے

ایک قسم فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ، داہنی طرف والے، مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ، اور کیا



ہی اچھے ہوں گے یہ داہنی طرف والے لوگ۔ یہ داہنی طرف والے لوگ کون ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو قیامت میں انتہائی عزت کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور ان کے داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی نجات یقینی ہے، یہ جنتی ہیں۔ دعا کریں کہ اللہ ہمارے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں عطا فرمائے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ وضو کرتے ہیں تو ہر عضو کو دھوتے وقت کوئی نہ کوئی دعا پڑھتے ہیں آپ جب وضو کرتے ہیں اور ہاتھ دھوتے ہیں تو دعا کرتے ہیں اے اللہ! ہمارے نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں دینا اور جب بائیں ہاتھ دھوتے ہو تو کہتے ہو اے اللہ! ہمارے نامۂ اعمال کو بائیں ہاتھ میں نہ دینا، نہ پیٹھ کی پیچھے سے دینا، تو اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَة وہی لوگ ہوں گے کہ جن کے نامۂ اعمال کو داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (آمین)

وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:90)

اور بائیں طرف والے کیسے بائیں طرف والے۔

وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ اور بائیں ہاتھ والے لوگ، بائیں طرف والے لوگ، یہ کون لوگ ہیں جن کے نامۂ اعمال کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، بائیں ہاتھ میں دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جہنمی لوگ ہوں گے۔ خدائے وحدہ قدوس ہمارے نامۂ اعمال کو ہمارے بائیں ہاتھ میں نہ دے۔ میں اس لیے یہ دعا کر رہا ہوں کہ آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ سنت یہ ہے کہ جب وہ تلاوت قرآن عظیم فرماتے تھے تو جہاں نعمتوں کا تذکرہ ہوتا وہاں تھوڑی دیر رک جاتے اور اللہ کی نعمتوں کو طلب کیا کرتے تھے، جب کہ وہ قاسم نعمت الٰہی ہیں مگر خدا کی بارگاہ میں طلب کرنے سے کوئی بھی الگ نہیں ہے اور جب ایسی آیاتیں آتی ہیں جس میں عذاب کا تذکرہ ہو تو عذاب سے پناہ

مانگتے تھے۔

حضرات! ہمیں بھی قرآن عظیم کو اسی طرح پڑھنا چاہیے کہ جہاں نعمتوں کا تذکرہ ہو وہاں ہم اللہ کی بارگاہ میں نعمتیں طلب کریں یقیناً تلاوت قرآن پاک کی برکت سے اللہ عطا فرمائے گا اور جہاں عذاب کا تذکرہ ہو وہاں لرزہ براندام ہوجائیں اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگیں ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ پناہ دے گا۔

یہ قرآن پاک کا اندازِ بیان ہے کہ مختصر الفاظ میں مضامین کا ایک سمندر رہوتا ہے دائیں ہاتھ میں دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جو نامۂ اعمال ہے وہ میزان پر وزنی ہے نیک اعمال کے اعتبار سے، بائیں ہاتھ میں دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نامۂ اعمال برائیوں سے بھرا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو فرشتیں مقرر کر رکھے ہیں جنہیں ہم کراماً کاتبین کہتے ہیں، ان کا کام یہ ہے کہ ہمارے اعمال کو وہ لکھتے ہیں۔ کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہے خواہ مثقال ذرہ کی طرح کیوں نہ ہو وہ لکھا جاتا ہے اور کل جب یہ نامۂ اعمال پیش کیے جائیں گے خدا کی بارگاہ میں اور بندے سے کہا جائے گا پڑھو اسے تو وہ حیرت و استعجاب میں ڈوب جائے گا کہ یہ کیسی کتاب ہے جس میں کوئی بھی چھوٹی یا بڑی چیز چھوٹی نہیں ہے سب کچھ محفوظ کرلیا گیا ہے، وہ دور ڈاکومینٹیشن کا تو نہیں تھا، آج کا دور بہت ترقی یافتہ ہے ہر چیز محفوظ کرلی جاتی ہے مگر فرشتے جنہیں اللہ نے محفوظ کیا ہے وہ کسی چیز کو چھوڑیں گے نہیں وہ ہر چیز لکھ لیں گے، ان کی کتابیں اور وہ خود ہمارے اعمال کے گواہ ہوں گے۔ جب کوئی نیک عمل کرتا ہے تو یہ فرشتے خوش ہوتے ہیں، جیسے ہی آدمی نیک عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو دائیں کاندھے والا فرشتہ اسے فوراً لکھ لیتا ہے، ابھی اس نے ارادہ کیا ہے ابھی کیا نہیں ہے، ایک نیکی لکھ لیتا ہے۔ ارادے کے بعد جب وہ چلتا ہے نیک کام کے لیے تو ایک اور نیکی لکھ



لیتا ہے اور جب نیک کام کرلیتا ہے تو دس نیکیاں لکھ لیتا ہے۔

یہ اللہ کا بے پناہ احسان اور اس کا حکم ہے یہ اس لیے کہ ارادہ اور نیت بھی عمل ہی کی طرح سے ہے بلکہ عمل سے بہتر قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ عمل تو قبولیت یا عدم قبولیت پر موقوف ہے کہ قبول ہو یا نہ ہو لیکن ارادہ اور نیت جب آپ نے کرلیا تو یہ ضرور قبول ہوگی۔ تو دائیں طرف والا فرشتہ بہت عجلت کرتا ہے آپ کی اور ہماری نیکیوں کے لکھنے میں ارادے کی بھی نیکی، نیت کی بھی نیکی، عمل کی طرف بڑھنے کی بھی نیکی اور عمل کرنے کی بھی نیکی۔

لیکن جب کوئی انسان برائی کا ارادہ کرتا ہے تو بائیں طرف والا فرشتہ لکھنا چاہتا ہے مگر دائیں والا فرشتہ روکتا ہے ابھی نہ لکھو، ابھی ارادہ کیا ہے، کیا تو نہیں ہے، جب وہ چلتا ہے تو پھر لکھنا چاہتا ہے مگر دائیں طرف والا فرشتہ پھر روکتا ہے کہ ابھی نہ لکھو ابھی اس نے ارتکاب گناہ تو کیا نہیں ہے لیکن جب کرلیتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ خاموش ہوجاتا ہے اور وہ ایک برائی لکھ لیتا ہے۔ مسلسل یہ عمل ہو رہا ہے ہمارے ساتھ ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے مگر وہ ہمارے ساتھ ہیں، ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

حضرات! یہ فرشتے بہت ہی طیب وطاہر اور بڑے پاکیزہ ہیں یہ لوگ، نور کی بنی ہوئی مخلوق ہیں جن کے دامان نوری پر کوئی بھی نجاست نہیں ہے اور وہ ناپاکی کو پسند بھی نہیں کرتے، گناہ ناپاکی ہے، بڑی تکلیف ہوتی ہے ان فرشتوں کو جب بندہ گناہ کرتا ہے تو، رجس ہے، ناپاکی ہے، روح ناپاک ہوتی ہے، بڑی تکلیف ہوتی ہے ان فرشتوں کو حتی کہ اگر کسی انسان پر غسل فرض ہوجائے، حالت جنابت میں ہوں تو فرشتہ دور کھڑا ہوجاتا ہے لکھتا ہے پھر بھی مگر قریب نہیں آتا ہے جب وہ غسل کرلیتا ہے تو اس کے بعد قریب آتا ہے۔ وہ لوگ جو انتہائی غفلت میں مبتلا ہیں اور ناپاک ہونے کے بعد فوراً پاک ہونے کی کوشش نہیں کرتے وہ

فرشتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، گناہ کرنے والے بھی اور ناپاک رہنے والے بھی ان معصوم فرشتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ وہ ہمارے اعمال کے گواہ ہیں، وہ ہمارے اعمال لکھ رہے ہیں، دنیا کا ہر فرد اپنے گواہوں کی قدر کرتا ہے، ان کی عزت کرتا ہے، ان کی خدمت کرتا ہے مگر انسان کتنا ظالم ہے کہ قیامت میں جو گواہی دینے والے ہیں، جو ہمارے نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں، کتاب لکھ رہے ہیں، انہیں کو تکلیف پہنچاتے ہیں گناہوں کے ذریعہ بھی اور ناپاکی کے ذریعہ بھی اس لیے ہوش میں آجائے انسان ان فرشتوں کو جو کراماً کاتبین بڑے عظیم لکھنے والے ہیں یہ لوگ، ان کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

تو جب انسان نیک اعمال کرتا ہے اور نیکیاں زیادہ ہوتی ہیں تو اس کا نامۂ اعمال قیامت میں دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے وہ اصحاب المیمنہ ہوتے ہیں اور جب انسان برائیاں کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال کو بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا پیٹھ کے پیچھے سے دیا جاتا ہے ایک روایت کے مطابق تو یہ ہے کہ شکم کو چاک کر کے ہاتھ پیچھے لے جایا جاتا ہے اور پھر اسے دیا جاتا ہے، اَعَاذَنَا اللّٰہُ، کتنا دردناک ہوگا اور کیا کیفیت ہوگی میدانِ قیامت میں ان لوگ کی جو گناہ کرتے ہیں، وہ اصحاب المشئمہ ہیں۔

جب اللہ نے کہا فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَة کیا ہی عظیم ہے، کیا ہی خوب ہے یہ لوگ انداز بیان میں خوبی کو پوشیدہ کر دیا گیا ہے، کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ، کیا ہی عظیم ہے یہ لوگ جو اصحاب المیمنہ ہیں۔ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ بائیں طرف والے لوگ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَة کیا ہی برے ہیں یہ لوگ۔

اب اس کے بعد ایک تیسری جماعت کا تذکرہ ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ○اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ○ (سورۃ الواقعۃ الآیات:11/10)



اور سبقت لے جانے والے تو سبقت لے جانے والے ہی ہیں، یعنی اصحاب میمنہ تو بخشے ہوئے ہی ہیں، کامیاب ہیں وہ لیکن سبقت لے جانے والے نیکیوں میں وہ تو بہت عظیم ہیں۔ دوبارتذکرہ کیا وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ وہاں مَا کہہ کر کے اہمیت جتائی گئی ہے نیکی کرنے والوں کی بھی اور برائی کرنے والوں کی برائی کی، اور سابقون تو سابقون ہی ہیں، سبقت لے جانے والے تو سبقت ہی لے گئے اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ وہی خدا کے بارگاہ میں مقرب لوگ ہیں۔

حضرات! یہ سبقت لے جانے والے لوگ کون لوگ ہیں؟ جو تین قسموں میں سب سے عظیم قسم ہیں یہ وہ اہل سعادت ہیں، وہ برکت والے لوگ ہیں جو ہر بات میں، ہر نیکی میں سبقت لے گئے، ایمان لانے میں سبقت لے گئے۔ یقیناً وہ لوگ جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے ہیں مومن ہیں وہ، فتح مکہ کے بعد بھی مومن ہیں مگر اس سے پہلے ایمان لانے والوں کا مرتبہ بہت بلند ہے اور ان میں بھی جو سب سے پہلے ایمان لائے سابقون میں سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، مولائے کائنات علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جناب خدیجۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، جناب زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں غلاموں میں، اس طرح سے ترتیب کے ساتھ جو پہلے لائے، جو سابق ہے پھر سابق اور پھر سابق ہوئے اسی اعتبار سے ان کا مرتبہ ہے، پھر ان مرتبوں میں ہجرت میں سبقت کرنے والے، میدانِ جنگ میں سبقت کرنے والے، بڑھ بڑھ کر دین کی حفاظت کے لیے قربانیاں دینے والے۔ اسی لیے ہجرت کرنے والوں میں وہ لوگ بڑے عظیم ہیں جنہیں عشرۂ مبشرہ کہا گیا، دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، پھر اصحاب بدر ہیں جن کے احترام کا حکم دیا گیا ہے، یہ سابقون اولون میں سے ہیں۔

پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے کسی بھی نیکی میں سبقت کی جیسے آقائے دو جہاں صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کسی نیکی کا تذکرہ ہوا فوراً ہی آگے بڑھے، مال خرچ کرنا ہو اتو اپنا سب کچھ قربان کر دیا جان دینی ہوئی تو بڑے شوق کے ساتھ والہانہ میدانوں میں اترے وہ لوگ، عبادت کی بات آئی تو رات اور دن عبادت کرتے نظر آئے وہ لوگ، قرآن عظیم نے ان کی عبادت کی گواہی دی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ۔

(سورۃ الفتح: الآیۃ:29)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اُسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تا کہ اُن سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

تو یہ وہ لوگ ہیں جو سابقون اولون میں سے ہیں، بڑا اونچا مقام ہیں ان کا، پھر وہ مجاہدین ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا ہے اللہ کے راستوں میں

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔

(سورۃ الأحزاب الآیۃ:23)

ان میں وہ لوگ تھے جو اپنی قربانیاں پیش کر چکے تھے اور وہ لوگ بھی تھے جو انتظار



کر رہے تھے۔ (اللہ کے راستہ میں قربان ہونے کے لیے)

پھر اعمال کی جب بات آتی ہے تو نماز کو وہ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کی تکبیر اولی بھی نہیں چھوٹتی سابقون میں سے ہیں، سبقت لے جائے ہر کام میں، بات زکات یا صدقات نافلہ کی آتی ہے تو بڑھ چڑھ کر کے وہ نیک اعمال کرتے ہیں یہ، ہر نیکی میں سبقت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سابقون تو ہر دور میں قابل قدر ہیں مگر سابقون الاولون جس کا تذکرہ قرآن پاک نے فرمایا ان کا مقام بے پناہ بلند ہے، آج بھی اگر کوئی نیکی میں سبقت کرے تو وہ سابقون میں لکھا جائے گا مگر اس کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ وہ دور گزر چکا جہاں سبقت کرنے والے بڑے عظیم ہوا کرتے تھے، مقربین ہوتے تھے، اللہ کا قرب انہیں میسر آتا تھا۔

حضرات گرامی! آپ اندازہ کریں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایمان میں عمل میں، قربانی میں سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔ علی الترتیب فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد کیا اور خرچ کیا اللہ کے راستہ میں وہ ان سے بہتر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد کیا اور پھر یہ فرمایا گیا کہ ایک صحابی کا معمولی عمل بھی بعد والوں کے پہاڑ کے برابر عمل سے بھی بہتر ہے۔

صحابہ کرام نے اس دور میں پیغمبر اعظم اور اسلام کا ساتھ دیا ہے انصار و مہاجرین نے جب آقا کی زندگی اور اسلام انتہائی مشکل حالات میں تھے، اور خود صحابہ بھی تب انہوں نے اسلام کے اشاعت کے لیے، بقا کے لیے، آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشن پر قربان ہونے کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان میں تمام صحابہ شامل ہیں مجاہدین بھی ہیں، فقہاء بھی ہیں، مفسرین بھی ہیں قرآن عظیم کے، داعیانِ دین بھی ہیں، اصحاب صفہ بھی ہیں جو آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک ادا کو نقل کرتے تھے، اگر وہ روایت کرنے

والے نہ ہوتے تو آج ہمارے پاس آقا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ نہ ہوتا۔ وہ تو سرکار کی اداؤں کو دیکھا کرتے تھے اور محفوظ کر لیتے تھے یہ سب سابقون الاولون میں شامل ہیں وہ صحابہ ہو یا صحابیات ہوں۔

حضرات گرامی! اس کے بعد جو دوسرا دور آیا ہے ان کے بعد ان کا مرتبہ ہے۔ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا دور سب سے بہتر دور ہے میرا زمانہ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، پھر ان کا زمانہ جو ان سے ملے، پھر ان کا زمانہ جو ان سے ملے، تو سابقون کی یہ تین جماعت ہیں یکے بعد دیگرے، آقا کی زیارت کرنے والے، پھر تابعین ہیں، پھر تبع تابعین ہیں اور اس کے بعد ان کے نقوش قدم پر چلنے والے وہ لوگ جو اعمال میں سبقت کرتے ہیں وہ اس میں شامل ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:12)

چین کے باغوں میں

یہ سارے مقرب لوگ اصحاب میمنہ، سابقون الاولون یہ سب کے سب اللہ کے ان جنتوں میں ہوں گے جو نعمتوں سے معمور ہوں گی مگر عالم یہ ہے کہ اگلے لوگوں میں بہت سے لوگ ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں تھوڑے لوگ ہوں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○

(سورۃ الواقعۃ الآیات:14/13)

ابتدائی دور میں یا اسلام کے قرون اولی میں یا خیر القرون میں ان کی تعداد بہت ہوگی۔ لیکن جیسے جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زمانے کا بعد بڑھتا جائے گا ان مقربین کی تعداد کم ہوتی چلی جائے گی۔ ایک وقت وہ تھا کہ جب پورے مسلم معاشرہ



میں لاکھوں افراد میں کسی بے نمازی کو آپ تلاش نہیں کر سکتے تھے لیکن آج نمازی تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ ایسی دوسرے اعمال بھی ہیں تو جیسے جیسے اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام سے زمانہ کا بعد بڑھتا رہا، لوگ دور ہوتے رہے اعمالوں میں کمی آتی رہی۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ○ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ○

(سورۃ الواقعۃ الآیۃ:15/14)

جڑاؤ تختوں پر ہوں گے۔ ان پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے۔

یہ لوگ جنت میں جڑاؤ تختوں پر تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ یہ ان کیفیتوں کا تذکرہ ہے جو جنت میں میسر آئیں گی۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:17)

ان میں جنت کے وہ نوجوان یا وہ بچہ جن کی عمر کبھی بھی زیادہ نہیں ہوگی وہ ہمیشہ ایک ہی عمر کے ہوں گے، ایک ہی کیفیت میں ہوں گے کبھی بیمار نہیں ہوں گے، کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے، کبھی کمزور نہیں ہوں گے وہ ان کے ارد گرد خدمت میں لگا دیے جائیں گے۔

بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:18)

ان کے ہاتھوں میں پیمانے بھی ہوں گے اور آفتابیں بھی ہوں گے، چھلکتے ہوئے جام بھی ہوں گے لیکن ایسے جام نہیں ہوں گے کہ جس میں نشہ ہو اور عقل خراب ہو جائے بلکہ وہ ایسے مشروبات ہوں گے ان میں ایسی شراب طہور ہوگی۔

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:19)

نہ ان سے عقل میں فطور آئے گا اور نہ ہی ان کو دردِ سر ہوگا نہ کوئی تکلیف ہوگی۔

حضرات! ان شاء اللہ اگلی نشست میں اس سورت پر مزید گفتگو کی جائے گی۔

## خطاب نمبر (۲۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا وَاَقَامَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْمُتَلَوِّثِیْنَ
الْخَطَّائِیْنَ الْھَالِکِیْنَ شَفِیْعًا فَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ ھُوَ
مَحْبُوْبٌ وَمَرْضِیٌّ لَدَیْہِ صَلَاۃً تَبْقٰی وَتَدُوْمُ بِدَوَامِ الْمَلِکِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَفَاکِھَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ۝ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ ۝ وَحُوْرٌ عِیْنٌ ۝ کَاَمْثَالِ
اللُّؤْلُؤِ الْمَکْنُوْنِ ۝ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا
تَاْثِیْمًا ۝ اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝ وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۝ فِیْ
سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ وَّمَآءٍ مَّسْکُوْبٍ ۝ وَّ
فَاکِھَۃٍ کَثِیْرَۃٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَۃٍ وَّلَا مَمْنُوْعَۃٍ ۝
صَدَقَ اللہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ
معزز حضرات، سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ



آیئے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، حضور رحمت عالم، تاجدار مدینہ، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں درود پاک کی نذریں پیش کریں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی
آلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ۔

حضرات گرامی! میں نے سورۂ واقعہ کی چند آیات کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، یہ آیات بھی گذشتہ آیات سے متعلق ہیں جو آپ سماعت فرما چکے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَفَاکِھَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ۝ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:20)

اہل جنت کو وہ سارے میوہ جات عطا فرمائے جائیں گے جو وہ پسند کریں گے۔

وہ ان کا اپنا انتخاب ہوگا بلاشبہ وہاں کی جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ سبھی پسندیدہ ہیں مگر انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے قدرت ارشاد فرمارہی ہے کہ ان تمام پسندیدہ پھلوں میں سے انہیں اختیار ہوگا کہ وہ جو چاہے انتخاب فرمائیں اور جو کچھ چاہے وہ پسند کریں۔

وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ ۝ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:21)

اور پرندوں کے گوشت ہوں گے جو ان کی خواہش کے مطابق ہوں گے جس کی وہ خواہش کریں گے، جو وہ چاہیں گے یقیناً ان کو وہی عطا فرمایا جائے گا۔

وَحُوْرٌ عِیْنٌ ۝ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:23/22)

اور وہاں جو حوریں ہوں گی وہ غلافی آنکھوں والی ہوں گی۔

حضرات گرامی! اس سلسلہ میں اللہ کے رسول تاجدار دو عالم نے ارشاد فرمایا

ہے: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے بتایئے کہ حورعین کا مطلب کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ سفید رنگ کی حوریں ہوں گی جن کی آنکھیں موٹی اور کشادہ ہوں گی۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خُلِقَ الْحُورُ الْعِينُ مِنَ الزَّعْفَرَانِ

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب الصاد، عبید بن زحر،

عن علی بن یزید مطرح بن یزید أبو المهلب، عن عبید الله بن زحر، الرقم 7813)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بڑی آنکھوں والی حوروں کو اللہ نے زعفران سے پیدا کیا ہوگا۔

انسانوں کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے مگر جنت میں جو حوریں ہوں گی ان کی تخلیق اور زیادہ لطیف ہوگی، انہیں زعفران سے پیدا کیا گیا ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں حورعین کے لیے ایک محفل ہوگی اس میں وہ اپنا نغمہ ایسا بلند کرے گی کہ مخلوق نے کبھی اس جیسی آواز نہیں سنی ہوگی"، آپ نے فرمایا: "وہ کہیں گی: ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کبھی فنا نہیں ہوں گی، ہم ناز ونعمت والی ہیں کبھی محتاج نہیں ہوں گی، ہم خوش رہنے والی ہیں کبھی ناراض نہیں ہوں گی، اس کے لیے خوشخبری اور مبارک ہو اس کے لیے جو ہمارے لیے ہے اور ہم اس کے لیے ہیں"۔

(سنن الترمذی، کتاب صفة الجنة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم

باب مَا جَاءَ فِي كَلاَمِ الْحُورِ الْعِينِ، الرقم: 2564)



اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ ○ (سورۃ الواقعۃ، الآیۃ:23)

وہ پوشیدہ موتیوں کی طرح سے ہوں گی۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ، الآیۃ:24)

یہ بدلہ ہے، یہ جزا ہے ان اعمال صالحہ کا جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔

حضرات! حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے گا وہ یقینی اور لازمی طور پر اللہ کا انعام اور اس کا فضل ہوگا۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فرما کر اللہ شوق دلا رہا ہے اپنے بندوں کو کہ تم ایسے اعمال کرو جس کے ذریعہ تمہیں وہ نعمتیں میسر آئیں جو جنت میں تمہارے لیے بطور جزا مخصوص کر دی گئی ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی انعام ہے وہ احسانِ الٰہی ہے اور جو بھی انعام فضل الٰہی ہے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی کو ایمان عطا فرمایا ہے تو وہ بھی اس کا فضل ہے، اعمال صالحہ کی طاقت عطا فرمائی ہے تو بھی اس کا فضل ہے۔ اس لیے کہ فضل الٰہی کے بنیاد پر نیک اعمال کرتا ہے اور پھر یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ نیک اعمال کی جزا کو بندوں کی طرف منسوب فرما رہا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی جزا ہوگی وہ اللہ کی عطا ہوگی، اللہ کا انعام ہوگا اور اللہ ہی کا کرم ہوگا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ○ (سورۃ الواقعۃ، الآیۃ:25)

دنیا میں جب انسان کو لذتیں میسر آتی ہے اور نعمتیں ملتی ہیں تو انسان کی زبان بہکتی ہے، سننے کی طاقت تو ہوتی ہے وہ ایسی ساری باتیں سنتا ہے جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں، جیسے جیسے دولت بڑھتی جاتی ہے، سرمایہ بڑھتا جاتا ہے، انسان لغو باتوں کے سننے کا عادی ہوتا ہے خود کرنے کا بھی اور سننے کا بھی اور گناہ کی باتوں کا سننے اور کرنے کا عادی ہوتا ہے، انسان بقدر

دولت، سرمایہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر جنت کا ماحول بڑا مختلف ہوگا۔ وہاں تمام تر لذتیں ہوں گی، ساری نعمتیں الٰہی موجود ہوں گے مگر خاص بات یہ ہوگی کہ نہ وہاں جنت کے لوگ بے ہودہ باتیں سنیں گے اور نہ گناہ کی باتیں سنیں گے، وہاں عالم یہ ہوگا کہ جو باتیں ہوگیں وہ بھی انتہائی حق ہوگی اور جو باتیں ہوں گی گناہ سے پاک اور مبرا ہوں گی۔ وہاں تو عالم یہ ہوگا کہ سارے جنتی ایک دوسرے کو سلام عرض کر رہے ہوں گے۔

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:26)

وہاں سلامتی ہی کے الفاظ ہوں گے۔

ایسے الفاظ نہیں جس سے سلامتی متاثر ہوتی ہو، جس سے شرافت متاثر ہوتی ہو اور جس سے انسانی وقار مجروح ہوتا ہو، وہاں نہ لغو باتیں ہوں گی اور نہ ہی ناپسندیدہ باتیں ہوں گی۔ لغو باتوں سے مراد بے عبث، بے ضرورت باتیں جو عام طور پر کرتے رہتے ہیں اور تاثیماً سے مراد جھوٹ، چغلی اور فحش باتیں مراد ہیں۔

ظاہر ہے کہ انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کا بھی کوئی مقصد ہوتا ہے گناہ کا مقصد، اسی طریقہ سے فحش باتیں کرتا ہے تو وہ بھی کسی خواہش کی بنیاد پر کرتا ہے مگر وہاں کبھی کوئی ایسی خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی جس کا تعلق گناہ سے ہو اور نہ کبھی زبان پر لغو اور غیر ضروری باتیں زبان پر آئیں گی بلکہ وہاں جو بھی بات ہوگی وہ حمد الٰہی ہوگی، ذکرِ الٰہی ہوگی، جنت کی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا اور اللہ پاک کی بے حساب نعمتوں کا تذکرہ ہوگا اور پھر وہ جب ایک دوسرے سے ملیں گے تو آپس میں لغو اور غیر ضروری باتیں نہیں کریں گے بلکہ سلام کا لفظ ان کی زبانوں پر ہوگا اور سلامتی پر مبنی گفتگو ہوگی۔

حضرات! بات اہل جنت ہو رہی ہے کہ جنتیوں میں ان کا یہ عالم ہوگا کہ وہ لغو اور تاثیم



کی باتیں نہیں کریں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ یاد دہانی بھی کرائی جا رہی ہے کہ تم دنیا کو بھی جنت بنا سکتے ہو اگر تم جنتیوں جیسے افعال کرو، ان کے اعمال کرو، انہی جیسے اخلاق و کردار کے حامل بن جاؤ تو یہ دنیا بھی جنت ہوگی۔ فسادات لغو باتوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں، جنگیں تاثیم کی بنیاد پر ہوتی ہیں مگر جب یہ ساری باتیں تمہاری زندگی میں نہیں ہوں گی اور تم صرف ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی بات کرو گے تو ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا، دنیا بھی تمہارے لیے جنت بن جائے گی اس لیے کوشش کرو کہ جنتیوں جیسے اخلاق پیدا کرو، اہل جنت جیسا کردار پیدا کرو تاکہ تم جنت میں جاؤ تو تم خود کو اجنبی نہ محسوس کرو بلکہ وہاں بھی وہی عادات و اطوار تمہارے ہوں گے جو تم نے دنیا میں اختیار کیے ہوں گے۔

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:27)

وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ، اصحاب یمین کا دوبارہ تذکرہ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ کبھی کبھی بات کی تکرار اس کی اہمیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ پہلے بھی ان کا تذکرہ ہو چکا ہے اور دوبارہ کیا جا رہا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کے اندر شوق پیدا ہو کہ وہ اصحاب شمال میں سے نہیں اصحاب یمین سے بنیں اور وہ جنت میں بھی اصحاب یمین میں شامل کیئے جائیں۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:28)

وہ ایسے بیر کے درختوں سے فیضیاب ہوں گے جو کانٹے دار نہیں ہوں گے۔

ایک آدمی نے بارگاہ رسول میں عرض کی! یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت میں کچھ ایسے درخت بھی ہوں گے جو کانٹے دار ہوں گے، تکلیف پہنچائیں گے جیسے سدرہ کا تذکرہ ہوا ہے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ہاں وہ بیری کے درخت تو ہوں گے مگر کانٹے دار نہیں ہوں گے بلکہ کانٹوں کی جگہ پر پھل لگے ہوں گے اور پھر یہ مت سمجھو کہ یہ درخت

ایسے ہوں گے جیسے دنیا میں ہیں۔ جو لذتیں یہاں ہوتی ہیں ان لذتوں کا اندازہ تم اس دنیا میں نہیں کر سکتے ہو، وہ بہت ہی عظیم لذتیں ہوں گی جن کا ذائقہ تم محسوس نہیں کر سکو گے، ہر پھل کے مختلف ذائقہ ہوں گے اور ذائقے تم کو ہر پھل میں بدلتے نظر آئیں گے۔ ایک پھل کھاؤ گے اس کا ذائقہ کچھ اور ہوگا، دوسرا کھاؤ گے اس کا ذائقہ کچھ اور ہوگا۔ اس طرح سے عالم یہ ہوگا کہ ہر ایک پھل کی مختلف لذت ہوگی درخت ایک ہوگا، نام ایک ہوگا مگر ذائقے مختلف ہوں گے۔

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ○ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ○

(سورۃ الواقعۃ الآیۃ:33/32)

اور بہت سے میووں میں۔ جو نہ ختم ہوں اور نہ روکے جائیں۔

دنیا کے پھلوں کا عالم یہ ہے کہ موسموں کے ساتھ آتے ہیں موسم چلے جاتے ہیں تو پھر وہ پھل میسر نہیں ہوتے مگر وہاں جو بھی پھل ہوگا اور جتنے بھی پھل ہوں گے۔ فاکھۃٍ کثیرۃ کہا گیا ہے۔ ایک دو کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے مگر لاتعداد پھل ہوں گے۔ آپ اندازہ فرمائیں جب پوری کائنات قدرت کی نگاہوں میں قلیل ہے مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ تو جس کو اللہ کثیر فرمائے اس کی کثرت کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ فاکھۃٍ کثیرۃ، لاتعداد پھل ہوں گے اور وہ پھل ایسا نہیں ہے کہ کبھی تمہیں میسر آئے اور کبھی میسر نہ آئے، کبھی موسم کی وجہ سے تم سے دور ہو اور کبھی تمہیں ان سے روک دیا جائے یا تمہاری دسترس وہاں تک نہ ہو بلکہ ہر موسم میں ہر پھل موجود ہوگا اور ممنوع نہیں ہوگا بلکہ تمہاری دسترس میں ہوگا۔

وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:34)

اور بلند فرش ہوں گے۔

بستر ہوں گے جس پر تمہیں آرام کرنے کا موقع ملے گا۔ حضرات ان تمام الفاظ کی روشنی



احادیث کی روشنی میں کی جائے تو یقیناً بہت زیادہ وقت چاہیے۔ یاد رکھیے کہ ہم صرف یہ کہیں گے کہ صرف انسانوں کی تشویق کے لیے اور جنت کی طرف رغبت کے لیے ان نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ورنہ ہر نعمت کا یہ عالم ہے۔

لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا سَمْعٌ سَمِعَتْ

(دنیا میں) نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا۔

اس کے بعد جنت کی عظیم عورتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:35)

ہم نے ان کو ایک خاص انداز سے پیدا فرمایا۔

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:36)

تو ہم نے ان کو ہمیشہ کنواری رکھا ہے۔

عُرُبًا اَتْرَابًا ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:37)

انتہائی ایک جیسی عمر والیاں ہوں گی۔

ہم عمر ہوں گی اور مستقل طور پر محبت پیش کرنے والی اور محبت دینے والی ہوں گی، ان کے اندازِ حیات سے محبت بڑھے گی اور کبھی کم نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

لِاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:38)

اور یہ ساری نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہوں گی جو دائیں طرف والے ہوں گے، جن کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اصحاب یمین کے صدقے میں اصحاب یمین میں شامل فرما دے۔ (آمین)

حضرات گرامی! اس کے بعد فرمایا جا رہا ہے:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیات:40/39)

یہ ایک کثیر جماعت ہوگی پہلوں میں سے اور ایک کثیر جماعت ہوگی بعد والوں میں سے۔ بعض مفسرین نے اولین سے مراد انبیائے ما سبق کی امتوں کو لیا ہے اور آخرین سے مراد حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو مراد لیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے جناب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سید المفسرین ہیں اور کوئی بھی تفسیر ان کے قول سے خالی نظر نہیں آئے گی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مفسرین نے ان کے قول کو ہمیشہ حکم قرار دیا ہے، فیصلہ والا قرار دیا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اولین وآخرین امت محمدیہ ہی میں سے ہوں گے کچھ وہ لوگ ہوں گے جو پہلے گزر چکے ہوں گے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے اور کچھ وہ لوگ ہوں گے جو بعد میں ہوں گے بعد والوں کو بھی ان نعمتوں سے نوازا جائے گا جو نعمتیں اولین کے لیے ہوں گی یہ اور بات ہے کہ ان کے طبقات مختلف ہوں گے، کچھ صرف اصحاب یمین ہوں گے، کچھ مقربین ہوں گے جن کی جنتیں بھی مختلف ہوں گی اور اللہ کے انعامات بھی مختلف ہوں گے۔ اس کے بعد پھر تذکرہ ہو رہا ہے۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:41)

اور بائیں طرف والے کیا ہی برا حال ہوگا بائیں طرف والوں کا۔

فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:42)

جلتی ہوا اور کھولتے پانی میں۔

انتہائی گرم اور لو کے ماحول میں ہوں گے۔ برے حال میں ہوں گے، وہ جلتی ہوئی ہوا میں ہوں گے کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور سیاہ دھوئیں میں ہوں گے۔

وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:43)



اور جلتے دھوئیں کی چھاؤں میں۔

سایہ ہوگا مگر وہ سایہ تپش والا ہوگا ایک ایسا سایہ ہوگا کہ جب لوگ سایے کی طرف بڑھیں گے اور وہاں جا کر جل بھن جائیں گے۔

لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِيْمٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:44)

جو نہ ٹھنڈی نہ عزت کی

نہ وہاں ٹھنڈک میسر آئے گی اور نہ ہی کوئی لطف حیات میسر آئے گا بلکہ عالم یہ ہوگا کہ وہ انتہائی گرم ماحول میں ہوں گے اور کہیں سے بھی ان کو لطافت کی کوئی بات نہیں ہوگی۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:45)

بے شک وہ اس سے پہلے نعمتوں میں تھے۔

اس لیے ان کو یہ عذاب دیا جائے گا کہ دنیا میں یہ لوگ بہت زیادہ اتراف کرنے والے لوگ تھے، اکڑنے والے لوگ تھے، غرور کرنے والے لوگ تھے، اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں پہ اترانے والے لوگ تھے۔

وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:46)

اور اس بڑے گناہ کی ہٹ (ضد) رکھتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے دنیا میں آنے کے بعد مسلسل گناہ کیے اور جب انہیں سمجھایا جاتا تھا تو وہ گناہوں سے باز آنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے بلکہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے جو انہیں گناہوں سے روکنا چاہتے تھے، وہ لذت امروز کو وعدۂ فردا پر قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے حالانکہ فردا ہی سب کچھ ہے امروز کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر وہ آج کو کل پر قربان کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ کل کے بارے میں ان کا خیال یہ تھا کہ وہ تو

آئے گا ہی نہیں وہ کہتے تھے۔

اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○

(سورۃ الواقعۃ الآیۃ:47)

کیا جب ہم مر جائیں گے، مٹی بن جائیں گے اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائیں گے تو کیا ہم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:48)

کیا ہمارے گزرے ہوئے ماں باپ کو بھی

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ○ لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:50/49)

اے پیغمبر فرما دیجیے کہ جو گزرے ہوئے لوگ ہیں اور جو بعد والے لوگ ہیں ضرور اکٹھے کئے جائیں گے ایک جانے ہوئے دن کی میعاد پر۔

ان سب کو جمع کر دیا جائے گا تم دیکھو گے وہاں ایک خاص مقررہ وقت کے لیے جسے قیامت کا نام دیا گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ گمراہ اور منکر لوگوں سے خطاب فرماتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:51)

پھر بے شک تم اے گمراہو جھٹلانے والو!

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:52)

ضرور تھوہڑ کے پیڑ میں سے کھاؤ گے۔

اور جب تمہیں وہاں بھوک لگے گی تو زقوم کو کھاؤ گے، تھوہڑ کا درخت ہوگا جس کے



کھانے سے تمہارا شکم پھٹ جائے گا، حلق چھلنی ہو جائے گا اور عالم یہ ہوگا کہ تم انتہائی تکلیف کے عالم میں ہو گے مگر بھوک تمہیں مجبور کرے گی کہ اس سے پیٹ بھرو۔ تم اس درخت کی طرف بے تحاشہ دوڑو گے۔

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:53)

پھر اس سے پیٹ بھرو گے۔

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:54)

پھر اس پر کھولتا پانی پیو گے۔

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ○ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:55)

(تو اس وقت یہ عالم ہوگا کہ) ایسا پیو گے جیسے سخت پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔

قرآن پاک جس قوم پر نازل ہوا ہے اس قوم کے مشاہدات کو سامنے رکھ کر ان کو تنبیہ کی گئی ہے اور عذاب الٰہی کو یاد دلایا گیا ہے۔ اور تمثیل یوں دی گئی ہے وہ انتہائی گرم پانی پئیں گے اور جانوروں کی طرح سے پی رہے ہوں گے۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:56)

یہ ان کی میزبانی ہوگی قیامت کے دن۔

حضرات گرامی! یہ نُزُلُهُمْ جو ہے یہ بطور طنز کہا گیا ہے کہ وہ دنیا میں انتہائی ناز و نعم سے پلے ہوئے تھے جب انہیں قیامت میں عذاب سے دو چار کیا جائے گا تو کہا جائے گا یہ میزبانی ہے تمہارے لیے جس کا تم انکار کرتے تھے اور جس سے تم بہت دور تھے۔ حضرات گرامی اگلے درس میں سورۃ واقعہ کے آخری حصہ پر گفتگو کی جائے گی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

## خطاب نمبر (۶۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْنُ خَلَقْنٰکُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْن

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

سامعین کرام! آیئے ہم اور آپ آقائے دو جہاں، سرور کائنات کی بارگاہ میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

آج کے درس میں سورۂ واقعہ کا آخری حصہ اور اس کا ترجمہ پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اس آخری حصہ میں اللہ تبارک وتعالی نے انسانوں کی تخلیق، انسانوں کی پیدائش، انسانوں کی موت سے آخرت پر اور بعث بعد الموت پر استدلال فرمایا ہے۔ پودوں اور درختوں اور کھیتی وغیرہ کے ذریعہ بھی اپنی قدرت کے حوالہ سے اللہ نے دلیل قائم فرمائی ہے۔ پانی جو آسمان سے اترتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ جو فائدہ پہنچتا ہے لوگوں کو پیتے ہیں سیراب ہوتے ہیں۔ اس کا اتارنے والا بھی پروردگار عالم ہی ہے۔ درختوں کے ذریعہ بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ستاروں کے غروب اور طلوع کے حوالہ سے بھی قرآن پاک



میں قسم یاد فرمائی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن پاک حق ہے، لوح محفوظ میں محفوظ ہے اور اسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ آخر میں مرنے والے کے موت کے وقت ورثاء کی موجودگی اور پھر ان کی بے بسی کا تذکرہ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے اگر وہ صاحب اختیار ہوتے تو موت کو واپس کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں ہے۔ پھر اصحاب یمین کا دوبارہ تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کی نعمتوں کا، اور پھر مکذبین کا تذکرہ ہے اور ان کا عذاب کا، اور پھر اللہ نے اپنے محبوب کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب کی تسبیح کریں۔

حضرات! آج کے درس کا یہی خلاصہ ہے، میں صرف آج ترجمہ اور مفاہیم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

''ہم نے تمہیں پیدا کیا تو تم (قیامت کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ ذرا غور کرو جو مادۂ منویہ تم ٹپکاتے ہو۔ کیا تم اس سے انسان کی تخلیق کرتے ہو یا ہم انسان کو پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت مقرر کر رکھی ہے۔ اور ہم اس بات سے عاجز نہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بدل دیں جس سے تم ناواقف ہو۔ تمہیں اپنی پیدائش کا بخوبی علم ہے تو تم غور کیوں نہیں کرتے۔ (یعنی جو تمہیں پہلے پیدا کرنے والا ہے وہ تمہیں دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے) کیا تم نے غور کیا کہ جو تم بوتے ہو زمین میں کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کاشت کو خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں۔ پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ (تو تم افسوس ہی کرتے رہ جاؤ) (اور تم کہو کہ) ہم پر چٹی (تاوان) پڑی۔ بلکہ ہم تو انتہائی بدنصیب ہیں''۔

(سورۃ الواقعۃ من الآیۃ 57 الی 67)

حضرات! ہر آیت کریمہ تفصیلی بیان اور بہت وضاحت چاہتی ہے مگر آپ خود غور کریں تو ہر آیت کریمہ کا جو مفہوم میں نے پیش کیا ہے اس میں اللہ کی بے پناہ قدرت اور اس

کی عظمت کا احساس آسانی سے کرتے نظر آئیں گے۔ایک کسان زمین کھود کر بیج ڈال دیتا ہے اور پھر وہ کچھ بھی نہیں کرتا، اللہ بارش نازل کرتا ہے اللہ ہوائیں چلاتا ہے، اللہ ہی زمین کو حکم دیتا ہے کہ دانہ کی پرورش کرے اور پھر وہ کونپل نکلتی ہے اور پورا نظام فطرت اس کی پرورش میں لگ جاتا ہے یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اس لیے کہ انسان پیدا نہیں کرتا غلہ کو اللہ ہی ہے جو غلہ پیدا کرتا ہے اور انسان اسے کاٹتا ہے اور اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے۔

''کیا تم اس پانی کے بارے میں غور کرتے ہو جو تم پیتے ہو کیا تم انہیں بادل سے اتارتے ہو یا ہم نازل فرمانے والے ہیں۔ہم اگر چاہیں تو انہیں کھاری اور سخت نمکین پانی میں تبدیل کر دیں تو تم شکر کیوں نہیں کرتے''۔(کہ ہم نے اس پانی کو پینے کے قابل رکھا ہے)

(سورۃ الواقعۃ من الآیۃ:68الی70)

آپ اندازہ فرمائیں زمین میں جو پانی ہے وہی بارش اور آسمان سے نازل کیا ہوا ہے اور اوپر جو پانی ہے چشموں میں، تالابوں میں وہ بھی اللہ ہی کا نازل کیا ہوا ہے۔اور بعض تو ممالک ایسے ہیں جو صرف بارش کے پانی پر بھروسہ کرتے ہیں خود انگلینڈ کا بھی عالم یہی ہے تو اللہ تبارک وتعالی جو آسمان سے یا بادلوں سے بارش نازل فرماتا ہے سب اسے جانتے ہیں اور غور کرتے ہیں پھر فیضیاب بھی ہوتے ہیں بارش سے اور اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتے۔

''کیا تم نے اس آگ پہ غور کیا جو تم جلاتے ہو جو درخت سے نکلتی ہے کیا تم نے اس درخت کو اگایا ہے یا ہم اسے پیدا کرنے والے ہیں۔ہم نے اس کو نصیحت بنایا ہے اور فائدہ بخش بنایا ہے مسافروں کے لیے پس اے محبوب اپنے عظمت والے رب کی تسبیح بیان کرو۔

(سورۃ الواقعۃ من الآیۃ:71الی74)

آپ اندازہ کریں!ان تمام آیات مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنی تخلیق کا تذکرہ فرمایا اور اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور پھر اپنے محبوب کو حکم دیا کہ اس رب قدوس، اس



پروردگار عالم، اس مالک الملک کی تسبیح کرو جس کے ذریعہ سے یہ ساری نعمتیں انسانوں کو میسر آئی ہیں اور اے محبوب! تمہارے توسل، تمہاری ہدایت سے یا تمہاری اتباع میں دنیا کے تمام مومنین بھی میری تسبیح کریں پھر اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔

(سورۃ الواقعۃ الآیۃ:75)

ستاروں کا طلوع وغروب قدرت کی عظیم نشانیوں میں سے ہے، انہی ستاروں اور چاند اور سورج کے غروب کو دیکھ کر جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرا رب تو وہ ہے جو چاند، سورج اور ستاروں بلکہ پوری کائنات کا خالق ہے۔جو خود مجبور محض ہو کہ اپنے کو غروب ہونے سے نہ بچا سکے وہ ہمارے معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔

بعض مفسرین نے مَوَاقِعُ النُّجُوم سے مراد صحابۂ کرام کے سجدہ گاہیں یا ان کے مزارات مقدسہ لیے ہیں اس لیے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

اَصْحَابِی کَالنُّجُوم

میرے صحابہ ستاروں کی طرح سے ہیں۔

اگر تم غور کرو تو یہ ایک عظیم قسم ہے اور بے شک وہ قرآن عظیم ہے جو ایک پوشیدہ کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔(سورۃ الواقعۃ من الآیۃ76الی78)

قرآن عظیم جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں یہ لوح محفوظ ہی سے نازل کیا گیا ہے اور وہی قرآن عظیم ہے جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔یہ قسم ایک عظیم قسم ہے کیوں عظیم ہے اس لیے کہ عظیم کتاب قرآن پاک کی تصدیق کے لیے یہ قسم یاد فرمائی گئی ہے۔

قرآن شریف کو کریم اس لیے فرمایا گیا کہ اللہ کے نزدیک بہت ہی زیادہ عزت اور عظمت والی کتاب ہے یہ کریم اس لیے ہے کہ کرامت والے فرشتے جناب جبرئیل کے ذریعہ

سے رسول کریم علیہ السلام پہ یہ مقدس کتاب نازل کی گئی ہے۔قرآن عظیم کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ (سورۃ الواقعۃ الآیۃ:79)

اس کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔

یا اس کو صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں یا صرف پاک لوگ ہی چھوئیں گے۔ قرآن عظیم کو جس پر غسل فرض ہو مرد ہو یا عورت اور وہ عورت جو حیض سے ہو، نفاس سے ہو نہیں چھو سکتی ہے، نہ ہی اس کے لیے پڑھنا جائز ہے، ہاں بے وضو شخص قرآن پڑھ سکتا ہے مگر قرآن عظیم کو بغیر غلاف کے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ان طالب علموں کو جو قرآن پاک پڑھ رہے ہیں انہیں اجازت دی گئی ہے کہ وہ بغیر وضو کے بھی چھو سکتے مگر بہتر یہ ہے کہ ان کو بھی کہا جائے کہ وہ وضو کا اہتمام کریں۔

رب العلمین کا اتارا ہوا کلام ( اے منکرو!) کیا تم اس قرآن پاک کے بارے میں سستی کرتے ہو۔اور اس میں تم اپنا حصہ یہ رکھتے ہو کہ تم اسے جھٹلاؤ

(سورۃ الواقعۃ من الآیۃ:80 الی 82)

بجائے اس کے کہ تم قرآن پاک پڑھتے اس پر عمل کرتے اور اس سے اللہ کی نعمتوں کا حصہ پاتے مگر تم نے اس میں جو حصہ رکھا ہے اپنا وہ اس کی تکذیب اور جھٹلانا ہے۔

پس اے لوگو! ( یہاں مخاطب کیا جا رہا ہے اہل میت کو جو مرنے والوں کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔جب ایک انتقال کرنے والا انتقال کر رہا ہوتا ہے اس وقت وہ دیکھتے ہیں۔اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: اے لوگو) جب کسی کی روح حلق تک پہنچ جاتی ہے تو اس وقت تم دیکھتے رہتے ہو اور ہم اس وقت اس کے بہت قریب ہوتے ہیں تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نگاہ نہیں (اپنے علم اور مشاہدہ کے اعتبار سے)



(سورۃ الواقعۃ من الآیۃ:83 الی 85)

حضرات گرامی! یہ ایک ایسی صداقت اور سچائی ہے جس کا آپ آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ایک باپ جو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت کرتا ہے لیکن موت کے وقت وہ اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، آہوں اور سسکیوں کے علاوہ اس کے بس میں کچھ بھی نہیں ہوتا، ایک بھائی جو اپنے بھائی پر جان بھی قربان کر سکتا تھا لیکن آج اس کی جان کو نکلتا ہوا دیکھ رہا ہے اور کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے، ایک بہن جس نے اپنے بھائی کے چہرہ پہ گردِ ملال نہیں دیکھی تھی اور آج موت کی سیاہی دیکھ رہی ہے اور بے بسی کی تصویر بنی ہوئی ہے، ایک ماں کہ کبھی بیٹے کے پیروں میں کانٹا چبھتا تھا تو اس نے اپنے دل کے اندر کھٹک محسوس کی تھی لیکن آج بیٹا اسے موت کا کانٹا چبھ چکا ہے اور ماں کچھ نہیں کر سکتی ہے، ایک دوست کہ جب کبھی غمزدہ دوست کو دیکھتا تھا تو اس کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار ہوتا تھا اور آج اپنے دوست کو سفر آخرت پہ روانہ کرتے ہوئے بے بسی کی تصویر بنا ہوا ہے۔تمام رشتہ دار موجود ہیں، دیکھ رہے ہیں مگر وہ موت کو ٹال نہیں سکتے ہیں اگر ان کے بس میں ہوتا تو وہ روح کو لوٹا دیتے مگر یہ ان کے بس میں نہیں ہے۔

یہ قادر مطلق کا فیصلہ ہے جس کے سامنے سب مجبور ہیں، وہی ہے جو موت دینے والا ہے اور وہی ہے جو انہیں دوبارہ زندگی سے نوازے گا۔اللہ ارشاد فرماتا ہے: پس اے لوگو! اہل میت جب کسی کی روح حلق تک پہنچ جاتی ہے تو اس وقت صرف دیکھتے رہتے ہو اور ہم اس وقت تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں مگر تم ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔

پس اگر تم حکم الہی کے سامنے مجبور نہیں ہو تو تم اس کی روح کو بدن کی طرف کیوں نہیں لوٹا دیتے اگر تم سچے ہو۔(سورۃ الواقعۃ من الآیۃ:86 الی 87)

پس اگر مرنے والا مقربین میں سے ہے نیکو کار ہے تو اس کے لیے راحت اور آرام

اور خوشبودار پھل اور پھول ہیں اور بے پناہ نعمتوں والی جنت ہے۔

(سورۃ الواقعۃ، الآیات:89/88)

اور اگر وہ اصحابِ یمین میں سے ہیں، دائیں ہاتھ والوں میں سے ہیں تو اے محبوب علیک السلام، تو تم پر اس کی طرف سے سلام ہو (سورۃ الواقعۃ، الآیات:91/90)

اور اگر جھٹلانے والا اور گمراہوں میں سے ہو مرنے والا تو اسکی میزبانی کے لیے کھولتے ہوئے پانی اور بھڑکتی ہوئی آگ میں اسے دھنسا دیا جائے گا اور بے شک یہی حق الیقین ہے اعلیٰ درجہ کی سچائی ہے۔ تو اے محبوب اپنے عظمت والے پروردگار کی تسبیح بولو، تسبیح کرو۔ (سورۃ الواقعۃ، من الآیۃ:92 الی 96)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم



## خطاب نمبر (۶۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

سامعین کرام، خواتین وحضرات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج سورۂ حدید کی چند آیات مبارکہ کا مفہوم پیش کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ پروردگار عالم ہم کو اور آپ سب کو قرآن عظیم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن عظیم کی

سماعت اور اس کے فہم کے فائدوں سے نوازے۔

سورۂ حدید مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، اس میں ۴ رکوع اور ۲۹ آیات ہیں۔ یہ سورت مدینہ طیبہ میں اس وقت نازل ہوئی جب معرکۂ حق و باطل شباب پر تھا، غزوۂ بدر واحد کے بعد کفار مکہ نے ان تمام قبائل کو جو اسلام کے خلاف متحد نہیں تھے انہیں متحد کرنے کی کوشش کی جو حجاز میں مختلف علاقوں میں آباد تھے، غزوۂ بدر واحد میں شریک نہ ہوئے تھے۔

کفار مکہ کا خیال تھا کہ مدینہ کے کمزور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ہم کافی ہیں لیکن بدر واحد کے جنگوں کے بعد انہیں اسلام کی قوت کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ صرف مکہ کے لوگ مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتے ہیں اس لیے انہوں نے تمام قبائل عرب کو ان کے اپنے معبودانِ باطل کے نام پر جمع کر کے متحدہ قوت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی تیاری کر رہے تھے۔

اسی صورت حال کے پیش نظر اس سورت میں خدائے ذوالجلال والاکرام کی صفات کے بعد مسلمانوں کو اللہ کے راستہ میں قربانیاں کرنے اور خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ فرمایا گیا کہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ایثار و قربانی ضروری ہے۔ منافقین کا بھی تذکرہ ہے جو بظاہر ایمان کے دعویدار تھے مگر وہ باطناً دشمنان اسلام سے ملے ہوئے تھے۔

اس سورت میں گزشتہ انبیائے کرام کی قوموں کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ تم ان کی طرح نہ ہو جانا بلکہ کامل ایمان کے ساتھ حق وفاداری ادا کرنا، اس سورت میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے یہ چند روزہ ہے اور فانی ہے اور آخرت کی زندگی ہی دائمی زندگی ہے اس لیے تم دنیا میں جو بھی کرو گے آخرت میں اس کا حساب دینا پڑے گا۔ یہ اس سورت کا مختصر سا تعارف اور خلاصہ ہے۔

اب آئیے چند آیات کا ترجمہ سماعت فرمائیں۔



سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

(سورۃ الحدید، الآیۃ : 1)

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔

تسبیح کرتی ہیں، پاکی بیان کرتی ہیں اللہ رب العزت کی وہ تمام چیزیں، وہ تمام لوگ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ۔

اسی کی ملیکت میں آسمان اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہی زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔

موت و حیات اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۃ الحدید، الآیۃ : 2)

اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ

وہی معبود برحق ہے جو اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔

وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (سورۃ الحدید، الآیۃ : 3)

اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

تسبیح کے معنی اللہ تبارک و تعالی کی ذات کو ہر عیب سے منزہ اور پاک یقین کرنا ہے اور اس کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اللہ تعالی کی کچھ صفات، صفات تنزیہ ہیں اور کچھ صفات، صفات تحلیہ ہیں۔ سبحان اللہ اس کی صفت تنزیہی ہے اور بحمدہ میں اسکی صفت تحلی جلوہ گر ہے یعنی وہ ہر عیب سے پاک ہے اور تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر اللہ کی صفت سبحان کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ پاک ہے، وہ بے عیب ہے، منزہ ہے، تمام ایسے

امور سے جو پسندیدہ نہیں ہیں، ہر عیب سے پاک ہے اور اللہ کمال کی تمام صفتوں کا جامع ہے۔

حضرات گرامی! یہاں اللہ ارشاد فرماتا ہے آسمانوں، زمین کی ہر شئی اس کی تسبیح کرتی ہیں، کائنات میں جو بھی ہے، زمین میں ہو یا خلاؤں میں ہو یا آسمانوں میں ہو ہر مخلوق اپنے رب کی تسبیح کرتی ہے، اس کی پاکی بیان کرتی ہے، اس کا ذکر کرتی ہے، ذوی العقول انسان اور جنات اور فرشتے جو عقل رکھتے ہیں، مکلف باشرع ہیں، اللہ کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں یا ممکن ہو اسی طرح کوئی اور مخلوق ہو جو ہمارے میں نہیں ہے مگر عقل وشعور رکھتی ہو وہ زبان قال سے تسبیح کرتی ہے، اپنی زبان سے اپنے رب کی تسبیح کرتی ہیں، اپنے رب کا ذکر کرتی ہیں۔ اور غیر ذوی العقول حیوانات، نباتات، جمادات یا اور کوئی مخلوق زبان حال سے اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ یہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے تسبیح وتقدیس وتحمید کے لیے ہر شئی کو زبان عطا فرمائی ہے۔ قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے!

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔

(سورۃ الاسراء، الآیۃ:44)

اور ہر چیز، کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح اور تحمید نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ہو۔ انسانوں کو مخاطب کر کے اللہ فرما رہا ہے کہ تم کائنات میں دوسرے مخلوقات کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو جب کہ ہر چیز اپنے اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے جمادات ونباتات اور حیوانات کو بھی ایسی زبان دی ہے کہ وہ اپنے رب کی تسبیح کر سکیں۔

جناب داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ ساتھ پتھر اور سنگ ریزے بھی تسبیح الٰہی کرتے تھے، جناب سلیمان علیہ السلام کی تسبیحات میں بھی کائنات کی دوسری مخلوقات شامل رہا کرتی تھیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا اور صرف پڑھا نہیں بلکہ سننے والوں نے سنا بھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر ابو جہل کے ہاتھ



میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا تھا اور اسے ابو جہل نے بھی سنا تھا اور یہ کہہ کر ایمان نہیں لایا کہ ان پر بھی معاذ اللہ! پیغمبر اسلام کا جادو چل گیا ہے۔ ایسے ہی آقائے دو جہاں اور صحابہ کے ہاتھ میں رزق نے بھی تسبیح کی تھی جس کی سماعت صحابہ نے کی کائنات کی ہر شئی اس کی تسبیح کرتی ہے۔

تسبیح کا ایک مفہوم یہ بھی لوگوں نے بیان کیا ہے کہ تسبیح سے مراد اللہ کی اطاعت اور احکامِ خداوندی کی پابندی ہے یعنی زمین وآسمان کی ہر چیز حکم الٰہی کی پابند ہے۔ سبزہ اگتا ہے تو حکم الٰہی سے، جانوروں کا وجود حکم الٰہی سے ہے، پرندے پرواز کرتے ہیں حکم الٰہی سے، ہوائیں چلتی ہیں حکم الٰہی سے، دریاؤں کی روانی حکم الٰہی سے ہے، نبض کائنات دھڑک رہی ہے حکم الٰہی سے کیوں کہ ہر شئی اللہ کے حکم کی پابندی کرتی ہے، نظام فطرت پورا کا پورا پابند ہے احکامِ الٰہی کا اس لیے تسبیح سے مراد احکامِ الٰہی کی پابندی بھی ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ الحدید، الآیۃ: 4)

آسمان اور زمین کی بادشاہت اسی (اللہ) کی ہے۔

کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح کیوں کرتی ہے اس لیے کہ آسمان اور زمین کی بادشاہت اسی اللہ کی ہے، وہی بادشاہِ حقیقی ہے، وہی منعمِ حقیقی ہے، وہی مالکِ حقیقی ہے اور کائنات کی ہر مخلوق اپنے حقیقی بادشاہ اور معبود کو پہچانتی ہے اس لیے وہ تسبیح کرتی ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے، وہی موت دیتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس لیے کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے بہر کیف تسبیح کی جو بھی شکل ہو یہ مسلم ہے اور یہ قرآن عظیم کا فیصلہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے پروردگار، اپنے معبود، اپنے خالق اور اپنے مالک کی تسبیح کرتی ہے اور کائنات کی کوئی شئی بھی ذکرِ الٰہی سے خالی نہیں ہے۔ حضرات گرامی! اللہ ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہ ہر شئی کا خوب

جاننے والا ہے صرف کلیات کا نہیں جزئیات کا بھی، ہر شئی کا تفصیلی علم رکھتا ہے وہ، کوئی بھی شئی اس کے دائرۂ علم اور احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے۔

اول کے معنی جس کی کوئی ابتدا نہیں وہ ہمیشہ سے ہے، اور آخر کے معنی جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، جو ہمیشہ رہے گا، جو ازلی ہے اور ابدی ہے۔ حضرات! اگر یہ بات امر مسلم ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ پورے نظام کائنات کی تخلیق اللہ ہی نے کی ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ہر چیز سے پہلے ہے۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ مخلوق پہلے ہو خالق بعد میں ہو اور جب ہر چیز معدوم ہوگی تو بھی وہ موجود ہوگا۔ دراصل اول وآخر باعتبار زمانہ نہیں ہے، وہ زمانہ کا بھی خالق ہے ،جب زمانہ موجود نہیں تھا تو بھی وہ تھا اور جب زمانہ فنا ہو جائے گا تو بھی وہ ہوگا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے زمانہ قدیم ہے بعض فلسفیوں نے کہا زمانہ مخلوق نہیں ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ time بھی مخلوق ہے، space بھی مخلوق ہے، ہر چیز باضابطہ طور پر اللہ کی تخلیق ہے۔ وہ ظاہر ہے اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہوگا کہ وہ غالب ہے، قادر مطلق ہے اور اس کی قدرت ہر شئی سے نمایاں ہے۔ وہ باطن ہے یعنی کائنات سے پوشیدہ ہے، آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ ظاہر کا عالم یہ ہے کہ

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لاشریک می گوید
برگِ درختانِ سبز ، در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست ز معرفت کردگار

زمین سے کوئی سبزہ بھی اگتا ہے تو اللہ کی توحید کا، اس کی تخلیق کا اعلان کرتا ہوا اگتا ہے اور درختوں کے شاداب پتے، ہر پتہ اربابِ عقل وشعور کے نگاہ میں معرفت الٰہی کا ایک دفتر ہے، ایک کتاب ہے۔ وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ۔ ہر چیز میں اللہ کی نشانیاں ہیں جو



اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ موجود ہے، اللہ خالق ومالک ہے یہ ہے اس کے ظاہر ہونے کا مفہوم کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے وجود کا اقرار کرتا ہے، اس کے وجود کی دلیل ہے، اس کی تخلیق کی، بوقلمونیوں کی وضاحت کرنے والا ہے، حیرت انگیز نظام کائنات اس کے وجود پر گواہ ہے۔ اس طرح وہ ظاہر ہے۔ اور باطن ایسا کہ

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

(سورۃ الانعام الآیۃ:103)

نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، یہاں صرف دیکھنا مراد نہیں ہے، ادراک بھی نہیں کرسکتیں اور اس نے تمام نگاہوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ہاں جسے اللہ خود اپنے کرم سے نگاہ مشاہدہ عطا فرمادے تو یقیناً وہ اپنے رب کو اپنے سر کے نگاہوں سے دیکھ سکتا ہے اور مشاہدہ فرما سکتا ہے جیسا کہ حضور سید عالم، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی مقدس شب اپنے رب کو دیکھا، اپنے رب کا مشاہدہ کیا۔ نہ پلک جھپکی نہ نگاہیں کج ہوئیں۔ ہاں! کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے رب کے جلوؤں کو دیکھنا چاہا لیکن رب کی ذات تو رب کی ذات ہے تجلیات الٰہی کی تاب نہیں لاسکے جناب موسی علیہ السلام رَبِّ اَرِنِیْ کہتے رہے اور جب ایک تجلی ہوئی تو بے ہوش ہو گئے۔ کچھ اولیائے کرام بھی ہیں جنہوں نے اپنے رب کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے عرفان کی راہوں پر چلے لیکن جب تجلی کا ظہور ہوا تو تاب نہ لاکر خاموش ہو گئے۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

حضرات! اول وآخر، ظاہر وباطن کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت بھی قرار دیا گیا مگر یاد رکھیں لفظوں کا اشتراک حقیقت کا اشتراک نہیں ہوتا بہت سے لوگ دھوکہ

کھا جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر اللہ سمیع و بصیر ہے اور انسانوں کو بھی سمیع و بصیر قرار دیا گیا ہے مگر انسانوں کی سماعت و بصارت محدود بھی ہے اور مخلوق بھی ہے اور اللہ کی سماعت اور بصارت ازلی اور ابدی ہے، اس کی صفاتِ ازلیہ میں سے ہے، مخلوق نہیں ہے، اس کی ذات کے ساتھ ہے، انسانوں کی سماعت و بصارت محدود ہے اور اس کی لامحدود ہے اس لیے اگر لفظ سمیع کا اطلاق انسانوں پر ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اللہ کی صفت میں شریک ہو گئے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے بلاشبہ وہ ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بھی رؤف و رحیم ہے مگر اسی فرق کے ساتھ کہ اللہ عزوجل ذاتی طور پہ رؤف و رحیم ہے اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عطائے الٰہی سے رحمت و رافت کے صفت کے حامل ہیں وہ اس طرح رؤف و رحیم نہیں جیسے کہ پروردگارِ عالم ہے۔ ایسی بہت سی صفات ہیں جس میں آپ لفظی اشتراک تو پائیں گے مگر حقیقی اشتراک نہیں ہوگا وہی حال یہاں بھی ہے کہ حضور اول و آخر بھی ہیں، ظاہر و باطن بھی ہیں مگر فرق یہ ہے کہ حضور اپنی تخلیق کے اعتبار سے اول ہیں۔ أول ما خلق الله نوری۔ اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔ اللہ اول ہے اپنی خلاقیت کی بنیاد پر اور ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے لیکن حضور بحیثیت مخلوق اول ہیں اور اپنی آمد اور منصب نبوت اور خاتم النبیین ہونے کے اعتبار سے وہ آخر بھی ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورۃ الأحزاب الآیۃ: 40)

محمد (عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

آخری بایں معنی کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ وہ آخری نبی ہیں، وہ اول بھی



ہیں اور آخر بھی ہیں۔ ظاہر بایں معنی کہ ان کی سیرت، ان کا کردار نمونہ ہے ساری کائنات کے لیے جو بھی جاننا چاہتا ہے آقائے دو جہاں کے زندگی کے ہر لمحہ سے واقف ہو سکتا ہے، ولادت سے لے کر وصال پاک تک جن کا کوئی لمحہ پوشیدہ نہیں ہے نہ ان کی جلوتیں پوشیدہ ہیں نہ ان کی خلوتیں پوشیدہ ہیں۔ جلوتوں کی روایت کرنے والے ستر اور کبھی ستر سے لے کے چار سو صحابہ کرام صفہ کے چبوترے پر موجود رہتے تھے جو آقائے دو جہاں کی ہر ادا کو نقل کرتے تھے اور احادیث کے عظیم ذخیرہ کی شکل میں ہم تک پہنچایا۔ کتنا بڑا احسان ہے ان کا ہمارے اوپر۔ اگر وہ نہ ہوتے تو آقائے دو جہاں کی سیرت طیبہ، ان کے خلق گرامی کا ایک ایک لمحہ ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا۔ حضرات صحابہ آپ کی ہر ادا کو نقل کر لیتے تھے ان کے چلنے کو، ان کے بیٹھنے کو، ان کے اٹھنے کو، ان کے تبسم پنہاں کو، ان کے کلام کو، ان کی نیند کو، ان کے خواب کو، ان کے رخ زیبا کو، ان کے قد رعنا کو ہر چیز کو اس طرح پہنچا دیا ہے کہ چشم تصور سے دیکھنے والا انسان ایسا محسوس کرتا ہے کہ صحابۂ کرام نے جن نگاہوں سے دیکھا ہے ان نگاہوں سے وہ لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں جو آقائے دو جہاں سے محبت رکھتے ہیں۔

ظاہر اس اعتبار سے ہیں کہ انہیں ideal بننا تھا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (سورۃ الأحزاب الآیۃ: 21)

اسوۂ حسنہ بننا تھا اور جس کو اسوۂ حسنہ بننا ہو اس کی زندگی کا کوئی لمحہ پوشیدہ نہیں ہونا چاہیے۔ کہیں یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ ٹھیک ہے صحابۂ کرام نے ان کی مجلسی زندگی کو، سفر و حضر کو جہاد میں شرکت کو، عبادت و طاعت کو نقل کیا لیکن گھر کی زندگی کا کیا ہوگا، ان کی خلوتیں کہیں تنہائی میں پوشیدہ تو نہیں ہیں۔ اس کے لیے ہماری عظیم ماؤں نے خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے احسان فرمایا آپ علیہ السلام کی خلوتوں کا ایک ایک لمحہ بھی دنیا کے

سامنے اجاگر فرما دیا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مردوں نے جو روایت کی تھی ان روایتوں سے فائدہ مردوں کے طبقوں کو پہنچا۔ طبقۂ نسواں محروم رہ جاتا اگر امہات المومنین کی خاص کر جناب عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور جناب ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایات نہ ہوتیں۔ اس لیے حضور کی خلوتیں بھی ظاہر ہیں اور جلوتیں بھی ظاہر ہیں ہر لمحہ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہے، یقیناً اس اعتبار سے وہ ظاہر بھی ہیں۔

اور باطن سبحان اللہ! خود ارشاد فرماتے ہیں:

يَا اَبَابَكْرٍ لَمْ يَعْرِفْنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ۔

اے ابوبکر میرے رب کے علاوہ میری حقیت کو کوئی اور نہ پہچان سکا۔

مخاطب جناب ابوبکر ہیں، سب سے عظیم صحابی، افضل البشر بعد الانبیا ان کو مخاطب کیوں بنایا گیا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ دیکھیے جناب عمر نہیں جانتے تھے، جناب عثمان حقیقت سے واقف نہیں تھے مگر جناب صدیق اکبر بہت ہی قریب تھے، یار غار بھی تھے اور یار مزار بھی ہے وہ شاید حضور کی حقیقت سے واقف ہوں۔ لیکن حقیقت محمدیہ سے کما حقہ وہ بھی نہیں واقف تھے بس اتنا ہی جانتے تھے جتنا کہ رسول اللہ نے اپنے کو ان پر ظاہر فرمایا مگر جتنا وہ جانتے تھے اور صحابہ جانتے تھے ساری کائنات مل کر کے بھی اس سے زیادہ رسول پاک کو نہیں سمجھ سکتی ہے۔

حضرات گرامی! یہ نبی کے ظاہر و باطن، اول و آخر ہونے کے معنی ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے!

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ کل اور شئی کی قید کے ساتھ اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ صرف کلیات سے واقف نہیں ہے بلکہ جزئیات کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے، ہماری کوئی حرکت، ہمارے خیال کا کوئی لمحہ، ہماری کوئی سانس، کائنات کا کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہیں۔ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم



## خطاب نمبر (۶۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
أَمَّا بَعْدُ
فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ○

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْم وبَلَّغَ رَسُوْلُه النَّبِيُّ الْكَرِيْم
وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْن
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سامعین حضرات! آیئے ہم اور آپ آقائے دوجہاں، سرور کائنات کی بارگاہ

میں درود پاک کی نذریں پیش کرلیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً وَّسَلَاماً عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

بعد خطبہ میں نے جن آیات کی تلاوت کی ہے ان میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

''اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ پر ایمان نہ لاؤ حالانکہ یہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بے شک وہ تم سے پہلے عہد لے چکا ہے اگر تمہیں یقین ہو۔ وہی ہے کہ اپنے بندۂ خاص پر روشن آیتیں اتارتا ہے تا کہ تمہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر ضرور مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور تمہیں کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو حالانکہ زمین اور آسمانوں میں سب کا وارث اللہ ہی ہے۔ تم میں وہ لوگ برابر نہیں ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بہت بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا، ان سب سے اللہ کا عظیم وعدہ ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے، کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض تو وہ اس کے لیے انتہائی اضافہ فرمانے والا ہے اور اس کو عزت کا ثواب ہے''۔ (سورۃ الحدید من الآیۃ 8 الی 11)

حضرات گرامی! میں نے ان آیات مبارکہ کا ترجمہ وہ کیا ہے جو امام اہل سنت نے اپنے ترجمہ، کنز الایمان میں جس کا خیال رکھا ہے اور حفاظت فرمائی ہے وہ اس لیے کہ بہت سے لوگوں نے یہاں ترجمہ میں صحابہ کرام کے مقام اور مرتبے کا خیال نہیں رکھا ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کا کمال یہ ہے کہ وہ جب ترجمہ کرتے ہیں تو شانِ اولوہیت، مقامِ رسالت اور صحابۂ کرام کے عظیم مقام کی مکمل رعایت کے ساتھ ترجمہ فرماتے ہیں۔ یہ کنز الایمان کی خصوصیت ہے اس لیے میں نے ان آیات میں کنز الایمان سے ترجمہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے یہاں خطا کی ہے۔ بعض تراجم میں صحابۂ کرام کے شان کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے۔



حضرات گرامی! اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہ لاؤ حالانکہ رسول تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، بے شک وہ تم سے پہلے ہی پختہ عہد لے چکا ہے۔

یعنی اے صحابۂ کرام کی مقدس جماعت یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم مخلص مومن نہ ہو، تم نے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو خود سنا ہے، ان کے معجزات دیکھے ہیں، قرآن عظیم کو اترتے ہوئے دیکھا ہے پھر کیسے ممکن ہو کہ تم ایمان نہ لاؤ۔

حضرات گرامی! ان آیات میں جن لوگوں نے خطا کی ہے وہ اس طرح کا ترجمہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تم ایمان کیوں نہیں لاتے، ظاہر ہے کہ یہاں ان آیاتِ مبارکہ میں اگر صحابۂ کرام مراد ہوں تو ان سے یہ کہنا کہ تم ایمان کیوں نہیں لاتے یقیناً ایک اعتبار سے ان کے ایمان کی نفی ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے اس کا یہ مفہوم سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ یہاں ایمان پر ثابت قدم رہنے کی بات ہے تو صحابۂ کرام تو پہلے ہی سے ثابت قدم تھے اس لیے یہ کہنا بہتر ہے ترجمہ کے اعتبار سے کہ اللہ کے رسول، تاجدارِ دو عالم، سرورِ کائنات جب تمہیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ اور بے شک تم سے پہلے ہی پختہ عہد کیا جا چکا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے میرے محبوب کے صحابہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم مخلص مومن نہ ہو تم نے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو خود سنا ہے، ان کے معجزات کو دیکھا ہے، قرآن عظیم کو اترتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ تم ایمان نہ لاؤ لفظوں کی رعایت کے ذریعہ باضابطہ صحابہ کرام کے ایمان کی گواہی بھی دی گئی ہے اور ان کی عظمت کا مکمل خیال بھی رکھا گیا ہے۔

حضرات گرامی! صحابۂ کرام اولین مومنین میں سے ہیں، سابقون الاولون میں سے ہیں۔ انہوں نے حضور سید عالم، سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ ایمان لا کر

پوری دنیا کے لیے اپنی ذات کو بطور معیار پیش فرمایا ہے اور قرآن عظیم نے ارشاد فرمایا ہے !آمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاس، ایمان لاؤ اس معیار پر جس معیار پر صحابہ ایمان لائیں ہیں ۔ النَّاس سے مراد یہاں صحابۂ کرام ہیں تو جن صحابۂ کرام کے ایمان کو اللہ ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کو معیار بتا رہا ہو ان صحابۂ کرام کے بارے میں یہ شبہ کرنا کہ ان کا ایمان پختہ نہیں تھا یقیناً یہ خطا ہے جو بعض مترجمین سے یا بعض مفسرین سے ہوئی ہے۔

اس کے بعد اللہ فرماتا ہے کہ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ، اللہ نے تم سے بہت پختہ وعدہ لے لیا ہے۔ عربی زبان میں عہد، میثاق اس طرح کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مختلف مقامات پر۔ میثاق پختہ وعدے کو کہتے ہیں ایسا وعدہ جس میں کوئی کمزوری نہ ہو، کوئی شبہ نہ ہو، کوئی شک نہ ہو۔ فرمایا گیا قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ تم سے بہت پہلے ہی وعدہ لیا جا چکا ہے۔

اس میثاق سے کون سا وعدہ مراد ہے ایک وعدہ تو وہ ہے کہ اللہ رب العزت نے عالم ارواح میں دنیا کے تمام انسانوں سے لیا تھا اور سوال فرمایا تھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا تھا بَلٰی تو ہمارا رب ہے۔ گویا کہ یہ سوال اس لیے تھا تا کہ بندے اس کو رب مانے اور اس بات کا اقرار کریں کہ وہ معبود برحق ہے، وہ رب ہے۔ یہ ایک طرح کا میثاق تھا یا وعدہ تھا جو عالم ارواح میں انسانوں سے لیا گیا تھا۔

حضرات گرامی! ایک روایت میں یہ ہے کہ سب سے پہلے روحِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''بَلٰی'' کہا تھا اور ان کی تقلید میں ان کے بعد دنیا کے تمام انسانوں نے ''بَلٰی'' کہا۔ یہ وعدہ تھا، یہ اقرار تھا، یہ عہد تھا جو عالم ارواح میں بندوں سے لیا گیا تھا۔

دنیا میں آنے کے بعد فطرت کے تقاضہ کے مطابق اللہ کے بندوں نے اپنے خدا کو تلاش کرنا شروع کر دیا جنہیں پیغمبران کرام کی ہدایت مل گئی وہ صحیح راستہ پر گامزن ہو گئے، صراط مستقیم انہیں مل گئی اور جنہیں پیغمبرانِ کرام کی ہدایت نہ مل سکی یا وہ پیغمبروں پر ایمان نہ



لائے وہ مظاہر فطرت میں الجھ کر رہ گئے اور منزل آشنا نہ ہو سکے۔ یہ سورج اور چاند اور درختوں کی اور بتوں کی پوجا دراصل اسی خدا کی تلاش میں تھی مگر بھٹک گئے اور گمراہ ہو گئے۔ انبیائے کرام کی ہدایت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہر انسان کو وعدۂ ازل کو یاد دلائے اور اپنے رب کے صحیح راستہ پر انہیں گامزن کرنے کی کوشش فرمائیں۔

صحابۂ کرام بھی اللہ کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام پر بیعت کرتے تھے اس سے مراد یا تو وعدۂ الست ہے یا یوم الست کا عہد ہے جو بندوں نے کیا تھا یا دوسرا وہ وعدہ ہے، وہ بیعت ہے جو صحابۂ کرام نے آقائے دو جہاں، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایمان لانے کے بعد انہوں نے بیعت کی تھی اور وعدہ کیا تھا اور عہد کیا تھا۔

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

بَايَعْنَا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على السَّمع والطَّاعَة فى العُسْر واليُسْر، والمَنْشَطِ والمَكْرَه، وعلَى أَثَرَةٍ عَلَينا، وعلى أَن لاَ نُنَازِعَ الأَمْر أَهْلَه إِلاَّ أَن تَرَوْا كُفْراً بَوَاحاً عِندَكُم مِن الله تَعَالى فِيه بُرهَان، وعلى أن نقول بالحقِّ أينَما كُنَّا، لا نخافُ فِي الله لَوْمَةَ لاَئِمٍ.

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ مشکل اور آسانی میں، خوشی اور غمی میں اور خود پر ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم اقتدار کے معاملے میں اصحاب اقتدار سے تنازع نہیں کریں گے۔ (آپ نے فرمایا:) سوائے اس کے کہ تم اس میں کھلم کھلا کفر دیکھو، جس کے (کفر ہونے پر) تمہارے پاس (قرآن اور سنت سے) واضح آثار موجود ہوں! نیز اس بات پر بیعت کی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے، حق بات کہیں گے اور اس معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے۔

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے اللہ کے رسول تاجدار دو عالم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ ہم ان کے ہر فرمان کی تعمیل کریں گے خواہ وہ مسرت کی کیفیت سے ہو یا کسر کی حالت میں ہو، ہم اللہ کے راستہ میں خرچ کریں گے خواہ ہم تنگدستی کے حالت میں ہوں یا خوشحالی کے حالت میں ہوں ہم بھلائیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور اللہ کے بارے میں صرف حق ہی کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کرنے سے خوف زدہ نہ ہوں گے۔ یہ عہد تھا جو صحابۂ کرام بوقت بیعت اللہ کے رسول تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔ اسی بیعت کو یاد لایا ہے اللہ تبارک وتعالی نے قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ تم سے تو پہلے ہی وعدہ لیا جا چکا ہے کہ تم مومن رہو گے اور ایمان پر قائم رہو گے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (سورۃ الحدید، الآیۃ: 9)

وہی ہے جو اپنے بندہ پر روشن آیتیں اتارتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف لے جائے اور بیشک اللہ تم پر ضرور مہربان رحمت والا ہے۔

حضرات! آیات بینات سے مراد یقنا قرآن مجید ہے جو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ قرآن پاک میں کتنے ہی مقامات پہ ظلمات کو جمع استعمال کیا گیا ہے اور نور کو واحد تاکہ بندۂ مومن سمجھ لے کہ تاریکیاں بہت سی ہیں کفر کی تاریکیاں، شرک کی تاریکیاں، گناہوں کی تاریکیاں، انحراف کی تاریکیاں، بغاوت کی تاریکیاں، نافرمانی کی تاریکیاں، غیر انسانی اعمال کی تاریکیاں یہ تاریکیاں ہیں لیکن ہدایت ایک ہے، نور ایک ہے، صراط مستقیم ایک ہے اس لیے ظلمات کو ہمیشہ جمع استعمال کیا گیا ہے اور نور کو واحد استعمال کیا گیا ہے اور اللہ



تبارک وتعالی نے آیات بینات اس لیے نازل فرمائیں، روشن آیات کہ بے شک اللہ تمہارے لیے رؤف ورحیم ہے، بے پناہ مہربانی کرنے والا ہے، بے پناہ رحم فرمانے والا ہے۔

اب یہاں اس کے بعد ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سورۃ الحدید، الآیۃ: 10)

اور تم اللہ کے راستہ میں کیوں خرچ نہیں کرو گے حالانکہ زمین وآسمان کا وارث صرف اللہ ہی ہے۔

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اللہ کی عطا ہے، وہ اللہ کی بخشش ہے اور یہ مت سوچو کہ تم اگر اللہ کے راستہ میں خرچ کرو گے تو تمہارا کوئی نقصان ہوگا۔ جس نے دیا ہے، جو مالک حقیقی ہے جو رزاقِ مطلق ہے، جس کی عطا سے تم کو یہ سب میسر آیا ہے اس کے راستہ میں خرچ کرو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ شیطان یقیناً یہ احساس دلاتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرو گے تو بڑا شدید نقصان ہوگا تمہارے بچوں کا، تمہاری اولاد کا، خود تمہارا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اللہ کے راستہ میں خرچ کر کے غریب ہو جاؤ۔ شیطان یقیناً یہ احساس دلاتا ہے اور بہت سے لوگ اس بنیاد پر خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیتے ہیں۔ مگر اللہ فرماتا ہے کہ کائنات کی میراث، ہر چیز کا وارث تو صرف اللہ ہے۔ جس نے دیا ہے اگر اسی کے راستے میں خرچ کرو گے تو تمہیں کبھی کوئی خسارہ نہ ہوگا اور کبھی کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالی ایک عظیم حقیقت کا اعلان فرما رہا ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا (سورۃ الحدید، الآیۃ: 10)

تم میں فتح سے پہلے خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، وہ بعد

میں خرچ کرنے والوں اور لڑنے والوں سے مرتبے میں بڑے ہیں۔

بعض لوگوں نے الفتح سے مراد صلح حدیبیہ بھی لیا ہے کہ جن لوگوں نے فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے پہلے خرچ کیا ہے اللہ کے راستہ میں اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بہت بلند ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا ہے اور جہاد کیا ہے۔

حضرات گرامی! یہ آیات کریمہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں نازل کی گئی ہیں۔ بہت سے مفسرین نے اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں جناب صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی بے پناہ قربانیوں اور ان کے ایثار کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ ذات جو ہر اعتبار سے سابقون الاولون کے سردار ہیں، جو سب سے پہلے ایمان لائے، سب سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا، سب سے زیادہ رفاقتِ رسول کا موقع جنہیں میسر آیا، جو یارِ غار رہے اور وہ اللہ کے رسول سے کبھی جدا نہ ہوئے تو انہوں نے جو کچھ خرچ کیا ہے یقیناً اس آیت سے مراد وہی ہے۔

قرآن پاک میں شانِ نزول کے اعتبار سے بعض آیات کسی ایک خاص موقع کے لیے، کسی ایک خاص فرد کے لیے نازل ہوتی ہیں مگر حکم عام ہوتا ہے تو یہاں اگرچہ شانِ نزول میں جناب صدیق اکبر کا نام لیا گیا ہے مگر یہ ان تمام صحابہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے جہاد بھی کیا اور اللہ کے راستہ میں قربانیاں بھی دیں۔

احادیث مبارکہ میں مروی ہے کہ حضور سید عالم، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے اپنی رفاقت اور اپنے مال میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کیا ہے وہ ابوبکر (رضی اللہ تعالی عنہ) ہیں۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ وہ ذات پاک جن کا احسان ساری کائنات پر ہے جن کے احسان کو باضابطہ اللہ تبارک وتعالی نے امت کو جتایا ہے، باور کرایا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا



اللہ نے، مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں رسول کو بھیجا۔

تو جن کی ذات اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے وہ ذات کریم جناب صدیق کے احسان کا اعتراف کر رہی ہے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے زیادہ مال کے ذریعہ مجھ پر احسان کیا ہے وہ ابوبکر ہیں۔

اگر میں دنیا میں کسی کو خلیل بناتا تو میں ان کو اپنا خلیل بناتا۔

آقا نے ارشاد فرمایا جس شخص نے بھی مجھ پر دنیا میں احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دے دیا ہے سوائے ابوبکر کے کہ ان کی نیکیوں کا بدلہ صرف اللہ دے گا۔

ایک مقام پر اور ارشاد فرمایا آقا نے کہ کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے مال نے مجھے نفع پہنچایا ہے۔ یہ شان ہے جناب صدیق کی۔

اور مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ میں "مَنْ" سے خاص طور پہ جناب صدیق اور عمومی طور پر جملہ صحابۂ کرام جو فتح مکہ سے پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والے تھے اور جہاد کرنے والے تھے وہ مراد ہیں۔

حضرات! اس تفضیل کی وجہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد حالات بالکل بدل گئے بلکہ تبدیلی کا آغاز صلح حدیبیہ ہی سے ہو گیا تھا باطل مغلوب ہو رہا تھا حق غالب ہو رہا تھا مسلمانوں کے لیے نئی راہیں کشادہ ہو رہی تھیں۔ اسلام پورے جزیرۂ عرب پر غالب ہو رہا تھا مگر جن لوگوں نے مشکل دور میں مکۂ مکرمہ میں مدینۂ طیبہ کے ابتدائی دور میں ہجرت کے بعد بدر واُحد ہوں یا دوسرے مقامات پہ جہاد کیا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جبکہ ان حالات میں یہ خود انتہائی غربت اور پریشانی کے شکار تھے مگر جب بھی اسلام کو ضرورت پیش آئی انہوں نے سب کچھ نبی کی بارگاہ میں قربان کر دیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر اللہ کے رسول تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ

کرام سے فرمایا کہ ایک بڑی جنگ کا سابقہ ہم کو پیش آرہا ہے، اس سے پہلے جو جنگیں ہوئی تھیں مکہ کے لوگوں یا عربوں سے ہوئی تھیں لیکن تبوک کے مقام پر رومن قوتیں تین لاکھ فوجیوں کے ساتھ جمع ہوگئی تھیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان حالات میں آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ بڑا مشکل دور تھا۔ منافقین نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

آقائے دو جہاں نے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ تا کہ جنگ کی تیاری کی جاسکے۔ جناب عمر فاروق نے سوچا کہ ایک دور وہ تھا کہ جناب صدیق اکبر مکہ کے تاجروں میں بڑے تاجر تھے، ان کے پاس بڑی دولت تھی اور جب ضرورت پیش آتی تو بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، ہم کبھی کسی معاملہ میں آگے نہیں بڑھ سکے لیکن آج وہ سب کچھ قربان کر چکے ہیں، ان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے اس لیے ہم شاید آگے بڑھ جائیں۔ یہ دین کے راستہ میں قربانی اور ایثار کے راستہ میں مسابقت کی بات تھی، دنیا کے راستہ میں نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گھر کا آدھا مال جمع کیا اور آدھا گھر کے لیے چھوڑا اور بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے تو آقا نے پوچھا کہ تم نے اپنے گھر پہ کیا چھوڑا؟ تو آپ نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آدھا مال چھوڑ آیا ہوں۔ آدھا لے کر آیا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد جناب صدیق اپنا سارا سرمایہ، گھر کی پوری پونجی ایک گٹھری میں باندھ کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہوئے اور عالم یہ تھا کہ جسم پر ایک پھٹا ہوا جبہ تھا جسے کانٹوں سے سل رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے پناہ خوش ہوئے اور اسے تمام مال میں پھیلا دیا اور پوچھا صدیق! کیا گھر میں کچھ چھوڑ آئے ہو؟ کہا اللہ و رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ تب جناب عمر نے کہا ابوبکر! ہم آپ سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں۔ اللہ مال کی کثرت کو نہیں اخلاص کو دیکھتا ہے، اخلاص اور صداقت میں آپ اس مقام پہ ہو ہم آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ اسی طرح آگے رکھے۔

(سنن الترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ-باب مناقب أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ 16 باب الرقم:3675)



تھوڑی دیر بعد جناب جبرئیل حاضر ہوئے تو انہوں نے بھی ویسے ہی عبا پہن رکھی تھی پھٹی ہوئی اور کانٹوں سے سلی ہوئی۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: جبرئیل تم نے اپنے نورانی جسم کو اس طرح کے لباس میں چھپا رکھا ہے؟ کہا یارسول اللہ! صرف میں نہیں، ذرا نظر اٹھائیے! یہاں سے لے کر عرش تک تمام فرشتوں نے آج وہی لباس پہنا ہے جو آپ کے صدیق نے پہنا ہے۔ اللہ نے کہا کہ میرے محبوب سے کہو میرا اسلام صدیق کو پہنچا دیں اور ان سے پوچھیں کیا وہ مجھ سے راضی ہیں؟، میں تو ان سے راضی ہوں۔ اللہ کے رسول نے جب یہ بات جناب صدیق سے کہی تو آپ جھوم اٹھے اور کہا میں اپنے رب سے راضی ہوں، راضی ہوں، کیا کوئی بندہ اپنے رب سے ناراض ہوسکتا ہے؟ میں راضی ہوں اپنے رب سے اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جناب صدیق کا بارگاہ رسول میں خرچ کرنے کا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کا یہ فتح مکہ سے پہلے کا عالم تھا۔

(تاریخ الخلفاء السیوطی الخلفاء الراشدون الخلیفة الأول: ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ الصفحة:35)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے ہیں: أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ جو بعد میں خرچ کرنے والے ہیں ان سے ان کا مقام بہت بلند ہے، اعظم ہے درجے کے اعتبار سے، منصب کے اعتبار سے مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا، جنہوں نے خرچ کیا ان کے بعد اور جہاد کیا۔

اب یہاں کوئی یہ شک کر سکتا تھا کہ صرف ان کی ہی خدمات قبول ہوئی ہیں جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے تھے یا خرچ کرنے والے تھے یا جہاد کرنے والے تھے فتح مکہ کے بعد جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ مصلحتاً ایمان لائے تھے معاذ اللہ! مسلمانوں کو تو یہ کبھی تصور بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں کے بارے میں شک وشبہ کا شکار ہوں، مگر ایک گمراہ طبقہ ایسا ہے جو ان سب لوگوں کو منافق کہتا ہے جو فتح مکہ کے بعد

ایمان لائے ہیں۔ یہ ایک انتہائی دردناک کیفیت ہے امت مسلمہ جس کو face کر رہی ہے یہ گمراہ خود کو کو مسلمان کہتے ہیں، مومن کہتے ہیں، مگر یہ ایمان سے بہت دور ہیں اللہ اس کا جواب دیتا ہے:

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔

اور ہر ایک سے اللہ کا اچھا وعدہ ہے۔

وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے، اس کے علم پاک میں یہ بات تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فتح مکہ سے پہلے جو ایمان لائے ہیں ان کو تو مومن قرار دیا جائے اور فتح مکہ کے بعد کے افراد کو مومن نہ قرار دیا جائے اللہ نے فرمایا: ہر ایک سے چاہے وہ فتح مکہ سے پہلے خرچ کرنے والے ہوں اور جہاد کرنے والے ہوں یا بعد والے ہوں ہر ایک سے اللہ کا اچھا وعدہ ہے، اللہ نے اچھا وعدہ فرمالیا ہے اور فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

اور بے شک اللہ جو بھی تم کر رہے ہو اس سے واقف ہے، خبردار ہے۔

حضرات گرامی! آپ اندازہ فرمائیں کہ تمامی صحابۂ کرام کے باب میں خواہ وہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے ہوں یا بعد میں ایمان لائے ہوں وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کا عظیم انعام ہے جو اللہ کے بارگاہ سے انہیں میسر آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرورِ کائنات نے تمامی صحابۂ کرام کی عظمتوں کا اظہار فرمایا ہے۔

اَصْحَابِي كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمِ اقْتَدَيْتُمِ اهْتَدَيْتُمِ۔

میرے تمام صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں جن کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاجاؤ گے۔

بِاَيِّهِمِ کسی کی بھی، کسی ایک کی بھی یہ حصر ہے تاکہ یہ نہ کہا جائے اکثریت کی اتباع



ضروری ہے، اقلیت کی نہیں یا اگلوں کی ضروری ہے، بعد والوں کی نہیں یا کچھ ایسے تھے جن کی اقتدا کرنی ضروری نہیں ہے۔ نہیں بِاَيِّهِمِ کہہ کر اللہ کے رسول نے اپنے تمام صحابہ کو اس میں شامل کرلیا۔ پھر فرمایا کہ میرے صحابہ كُلُّهُمِ، سب کے سب عادل ہیں۔ یہاں اصحاب کہہ دیا جاتا تو بھی کافی تھا جمع ہے لیکن کل کی تصریح کرکے گویا اس سے ایک فرد بھی خارج نہیں ہے بتایا گیا ہے۔

قرآن عظیم کی ان آیات پاک کی روشنی میں اور اس کے علاوہ بہت سی آیات مبارکہ میں جو صحابۂ کرام کے شان میں ہیں، اگر کوئی کسی صحابی کے باب میں کوئی ایسا عقیدہ رکھے یا خیال رکھے یقیناً وہ جہنم کا مستحق ہے۔ تمامی صحابۂ کرام ہمارے لیے مرکزِ عقیدت ہیں اس لیے کہ انہیں رسولِ پاک کی صحبت میسر آئی ہے، انہوں نے آقائے دو جہاں کا دیدار کیا ہے۔

صحابی کسے کہتے ہیں؟ جس نے رسول پاک کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو اور اسی حالت میں وفات پائی ہو ''دیکھا ہو'' ان کے ساتھ زندگی گزارنے یا رفاقت کا کوئی تفصیلی واقعہ نہ ہو، ایمان کی حالت میں صرف دیکھا بھی ہو وہ بھی دنیا کے تمام عبادت گزاروں سے بڑھ کر ہیں نہ کوئی ولی، نہ کوئی قطب، نہ کوئی غوث ان کے مقام کو پہنچ سکتا ہے۔ جس نے صرف روئے زیبائے مصطفیصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ لیا ہو ایمان کی حالت میں تو جب صرف دیکھ لینے کا یہ عالم ہے تو جن لوگوں نے آقا کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کیا ہے، جانیں قربان کی ہیں، اپنا سب کچھ لٹایا ہے، ان کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے!

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔

کون ہے جو اللہ کو قرض حسن پیش کرے۔

اللہ کے راستہ میں قرضِ حسن پیش کرے۔ یہ قرض حسن کیا ہے؟ قرض کے لفظ کا استعمال یہ اس کا کرم ہے، یہ اس کی بے پناہ عنایت ہے، اس کا فضل بے پناہ ہے۔ کیوں کہ

اسی کا مال اس کے راستہ میں دے رہیں ہیں مگر وہ اپنی ذات کی طرف قرض کی نسبت فرمارہاہے۔جس طرح سے قرض کا ادا کرنا ضروری ہے ویسے ہی میرا وعدہ ہے کہ تم میرے راستہ میں خرچ کروگے میں اسے بڑھاچڑھا کردوں گا۔

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ۔

اللہ اسے بہت زیادہ بڑھادے گا۔

دونا کردے گا اس سے بھی زیادہ سات گنا،سات سوگنا بڑھادے گا اسے۔

وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ۔

اور بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں اس کے لئے اجر کریم ہے۔

ایسا اجر جو عزت والا ہے،ایسا ثواب جو انتہائی باوقار ہے۔وہ اللہ کی بارگاہ سے اسے میسر آئے گا جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرے گا۔

حضرات گرامی! یہ قرضِ حسن کیا ہے؟ اس سلسلہ میں آپ یاد رکھیں کہ مال حلال ہو،اعلی درجہ کا ہو ایسا نہیں کہ گھر میں جو خراب مال پڑا ہے وہ دے دیا جائے،بلکہ جو ان میں سب سے بہتر ہو اور اپنی ضرورت ہو پھر بھی پیش کرے اللہ کی بارگاہ میں اور پوشیدہ طور پر دے اور کسی پر احسان نہ جتائے یا احسان جتا کر اذیت نہ پہنچائے اور مقصد صرف رضائے الٰہی ہو جب یہ شرطیں پوری ہوں گی۔تو انسان اس طریقہ سے جو بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرے گا اسے قرضِ حسن کا نام دیا جائے گا۔

یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی اور اللہ کے رسول نے صحابۂ کرام کو سنایا تو سنیے ایک صحابی ہیں حضرت ابو دحداح انصاری رضی اللہ تعالی عنہ ان کا ایک بہت بڑا باغ تھا جس میں چھ سو درخت تھے اس باغ میں خود بھی رہتے تھے،ان کا پورا کنبہ رہتا تھا،ان کی اہلیہ بھی رہتی تھیں۔آپ گئے آقائے دو جہاں کی بارگاہ میں اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:



میں نے اس باغ کو بطور قرض اللہ کی بارگاہ میں پیش کردیا،اب آپ جسے چاہیں،جیسے چاہیں خرچ فرمائیں۔اور اسکے بعد باغ میں گئے اور اپنی شریک زندگی سے کہا اے دحداح کی والدہ! باغ سے اپنے بچوں کے ساتھ باہر آجاو،میں نے یہ باغ رسول پاک کی بارگاہ میں نذر کردیا ہے۔

اللہ اکبر! کیا عظیم شان تھی صحابۂ کرام کی اور صحابیات کی،ان کی اہلیہ فوراً بچوں کو لے کر باہر آگئیں یہ پوچھے بغیر کہ ہم کہاں جائیں گے اور یہ کہا کہ ابو دحداح اللہ آپ کو اس تجارت میں برکت عطا فرمائے۔یہ یقین تھا صحابۂ کرام کا قرآن پاک کی آیات پہ اور اللہ کے رسول کے فرمان پر اگر یقین نہ ہوتا تو آج یہ اسلام ہم تک نہ پہنچتا۔کاش! یہی یقین آج تمام مسلمانوں کا ہوتا تو آج بھی دنیا میں مسلمانوں کا نقشہ مختلف ہوگیا ہوتا۔

اللہ ہم سب کو قرآن پاک کی آیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ